نوائے اسلام

ماہنامہ دہلی

مجلس الدعوۃ الاسلامیہ
۱۱۶۴۔ اے۔ چاہ رہٹ۔ جامع مسجد۔ دہلی۔ ۱۱۰۰۰۶

مجلس الدعوۃ الاسلامیہ

اغراض و مقاصد

۱:۔ قرآن وسنت کی تعلیمات کو عام کرنا اور مسلمانوں کو اسکا پابند بنانیکی کوشش کرنا۔

۲:۔ مسلک سلف کے مطابق خالص توحید و سنت کی اشاعت

۳:۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی روح پیدا کرنا

۴:۔ شرک و بدعت الحاد و مادہ پرستی اور غیر اسلامی افکار کیخلاف جد و جہد کرنا

۵:۔ کتاب و سنت کی بنیاد پر مسلمانوں کو اتفاق و اتحاد کی دعوت دینا۔

۶:۔ شریعت مطہرہ اسلامی قوانین کی بالادستی کو عام زندگی میں قائم کرنا

۷:۔ تحریک اہلحدیث کو متحرک و فعال بنانا، جماعت کی تبلیغی اور اشاعتی پروگرام بروئے کار لانا، جماعت کی دینی، تعلیمی، سماجی اور ملکی مفادات کی نگہداشت کرنا

۸:۔ مدارس اسلامیہ کی فروغ، تشکیل، تنظیم اور مستحق طلبہ کو اعلیٰ دینی تعلیم کیلئے تعاون دینا۔

۹:۔ ہم خیال ملی تنظیموں سے رابطہ اور ان کے ساتھ تعاون کرنا

۱۰:۔ آڑے وقت میں مسلمانوں کو ہر ممکن امدادی تعاون بہم پہونچانا۔

طریقۂ کار

۱:۔ تبلیغ دین کیلئے مبلغین کی ٹیم بھیجنا اور تبلیغی جلسے منعقد کرنا۔

۲:۔ ملی و جماعتی اجتماعات میں شرکت کر کے کتاب و سنت کی روشنی میں دین اسلام نیز اتفاق و اتحاد کی دعوت

۳:۔ ماہرین جماعت، علماء، طلباء اور دینی شعور رکھنے والوں کے اشتراک سے علمی و دینی مسائل پر سمپوزیم، سیمینار منعقد کرنا

۴:۔ نوجوانوں میں سلفی افکار کو اجاگر کرنے کے لئے اسلامی تعلیمات کے مطابق سیرت و کردار کی تنظیم و تعمیر۔

۵:۔ ناخواندہ و پسماندہ علاقوں میں مساجد و مکاتب کا قیام۔

۶:۔ مساجد و مدارس کی تعمیر و قیام کیلئے تعاون کرنا۔

۷:۔ غیر مسلم علاقوں کی ویران مسجدوں کو آباد کرنا۔

۸:۔ سلفی مسلک کی نادر و نایاب کتابوں کی طباعت و اشاعت نیز معیاری اخبار و رسائل کا اجراء۔

۹:۔ مقالات و مضامین کی تیاری اور تحقیقات و ریسرچ نیز عام استفادہ کیلئے اسلامی لائبریری و دارالمطالعہ کا قیام۔

۱۰:۔ ناگہانی حادثات، فساد و قحط زدگان کیلئے ریلیف فنڈ کے ذریعہ ان کی بھرپور مدد کرنا۔

جاری کردہ: دفتر مجلس الدعوۃ الاسلامیہ

۱۱۶۴ اسٹریٹ چاہ رہٹ جامع مسجد دہلی ۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جلد ۸
شمارہ ۱

علمی و تبلیغی رسالہ

ماہنامہ نوائے اسلام دہلی

مجلۃ شہریۃ اسلامیۃ تصدر عن مجلس الدعوۃ الاسلامیۃ دہلی الہند

سرپرست :- مولانا عطاء اللہ خان ایم اے بی ایڈ - امیر جمعیۃ اہلحدیث بھیونڈی

جنوری ۱۹۹۱ء مطابق جمادی الثانی ۱۴۱۱ھ

مدیر :- عزیز عمر سلفی نائب مدیر :- عبدالواحد فیضی

زر تعاون	پاکستان سے
سالانہ :- چالیس روپے	سالانہ :- ایک سو روپے
خصوصی :- ایک سو روپے سے زائد	لائف ممبری :- دو ہزار روپے
لائف ممبری :- ایک ہزار روپے	بیرون ممالک سے ۲۰ ڈالر امریکی

بنگلہ دیش اور نیپال سے ہندوستانی روپے کے مساوی

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ

منیجر نوائے اسلام ۱۱۶۴ - اے چاہ رہٹ جامع مسجد دہلی ۱۱۰۰۰۶

فون :- ۳۲۶۵۹۳۵ PHONE. 3265935

نقشِ آغاز

مدیر

مسلمانانِ ہند بلکہ مسلمانانِ عالم کے لئے ۱۹۹۰ء کا ایک ایک لمحہ نہایت پر آشوب صبر آزما اور تکلیف دہ رہا ہے۔ وادیٔ کشمیر میں علیحدگی پسندوں کی تحریک کو دبانے اور کچلنے کے لئے فوج نے جس شدت سے انتقام کا غیر انسانی اور معاندانہ رویہ اپنا رکھا ہے اس سے نہ صرف کشمیریوں کے جان و مال کی تباہی ہوئی ہے بلکہ ان کے سینوں میں فوج کے خلاف نفرت کی آگ بھڑک اٹھی ہے، ان کی رگ رگ میں منافرت کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔ دلوں کا جوڑنا اور سینوں کی آگ کو ٹھنڈا کرنا کتنا مشکل ہے؟ اس کا ذرہ بھر احساس یا اندازہ اگر فوج کو ہوتا تو شاید ان کے گھروں کو نہ جلایا جاتا یا پھر ان پر اندھا دھند فائرنگ نہ ہوتی جس کی وجہ سے ہزاروں جانیں ضائع ہوئیں۔ اور معاملہ جوں کا توں اپنی جگہ پر قائم ہے۔

بابری مسجد اور جنم بھومی کا قضیہ جتنا پرانا ہو رہا ہے زخم اتنا ہی ہرا ہو رہا ہے۔ کانگریس سرکار کی حماقت سے بابری مسجد کا تالا کھلا۔ اور ایک مقدس مقام کو بت خانہ میں تبدیل کرنے کے لئے ایک گھناؤنی سازش عمل میں آگئی۔ مسجد کا تقدس پامال ہوا۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کے ایمانی جذبات مجروح ہوئے۔ ہندو فرقہ پرستوں کے حوصلے بلند ہو گئے۔ ملک میں امن و امان کی رسی ڈھیلی پڑ گئی۔ ملک شتر بے مہار ہو گیا۔ اکثریتی فرقہ نے قانون اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ہندوستان کے ایک ایک فرد کے اندر نفرت کی بیج بونے کے لئے مسٹر لال کرشن اڈوانی نے رتھ یاترا نکالا جس کا نتیجہ اکثر مقامات پر چھوٹے بڑے شہروں اور قصبوں میں فسادات کی شکل میں نمودار ہوا۔ اس سے پہلے کانگریس نے اقتدار کی کرسی پر براجمان رہنے کے لئے ہندو فرقہ پرستوں کے ذریعہ بھاگلپور میں ایک خونی کھیل کھیلا مگر اس کے ساتھ ہی کانگریس کے اقتدار کا بھی خون ہو گیا۔ ایک حساس شاعر ہمالی نے خوب کہا ہے۔

اگر وجہِ زوالِ اقتدارِ ظلم لکھنا ہو
تو اک کاغذ اٹھا کر صرف بھاگلپور لکھ دینا

بہر حال مسلمانوں کے جان و مال کی تباہی کا یکطرفہ سلسلہ جاری رہا کرنیل گنج اور بجنور میں مسلمانوں کا ایسا قتلِ عام ہوا کہ میرٹھ، ملیانہ اور ہاشم پورہ کے خون آشام فسادات لوگ بھول گئے۔ ہزاروں معصوم جانیں

ضائع ہوئیں اور کروڑوں روپے کی مسلم املاک تباہ ہوئیں مسلمان اس عذاب کو بھی برداشت کرتے رہے مگر ایک زندہ قوم کے لئے فسادات کے دوران ان کی سینکڑوں جوان بیٹیوں کے اغواء کے حادثات برداشت کرنا کتنا سخت اور کس قدر تکلیف دہ ہے اس کا اندازہ صرف اسلام کی تاریخ دانوں کو ہے۔

ان حادثات سے مسلمانوں کے توجہات کو پھیرنے کے لئے ملک کے تمام شہروں میں فسادات کی آگ بھڑکا دی گئی جس کے شعلے میں مسلمانوں کی عزت، عصمت، جان ومال اور آبرو مسلسل جل رہے ہیں فسادات ایک دو ہوں تو ان کا ذکر کریں۔ بابری مسجد کا تالا کیا کھلا کہ فسادات کے چوپٹ دروازے کھل گئے۔ مختلف افواہوں کے ذریعہ یوپی کے بیشتر مقامات علی گڑھ۔ آگرہ۔ کانپور۔ سلطانپور۔ بنارس۔ مئو۔ بدایوں۔ بلند شہر۔ خورجہ۔ بریلی۔ رامپور۔ ہاپوڑ۔ پلکھوا اور متعدد مقامات پر کئی کئی بار فسادات ہوئے۔ بہار میں پٹنہ۔ رانچی۔ دمکا اور بہت سے مقامات پر پولیس اور پی اے سی نے بلوائیوں کا ساتھ دیا۔ آندھرا کے کئی شہروں میں فسادات ہوئے فسادات کے شعلوں میں جلتا ہوا شہر حیدرآباد انہیں میں سے ایک ہے اس طرح گجرات کا شہر احمدآباد اور کئی مقامات ہیں جہاں مقامی پولیس اور بلوائیوں کے شرمناک اتحاد سے مسلمانوں کے جان ومال کو زبردست نقصان پہنچا۔

ہمارے پڑوس کے ملکوں میں بھی مسلمان بے یقینی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ تامل چھاپہ ماروں نے سری لنکا کے ہزاروں نہتھے مسلمانوں کا قتل عام کیا تو مسلم ملک بنگلا دیش پر دو عورتوں کا بھوت رقص کرنے لگا جس کے نتیجے میں ہزاروں مسلمان مظاہرین موت کے گھاٹ اتر گئے۔ افغانستان اور فلسطین میں جو کچھ ہو رہا ہے اس سے پوری دنیا واقف ہے

ان تمام المیوں میں سب سے بڑا المیہ اور سب سے خطرناک حادثہ عراق کا کویت پر قبضہ ہے جس کے نتیجے میں پوری دنیا میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی ہے اسلام کی فاتحانہ کمندیں ٹوٹ گئیں۔ دشمن اسلام کو سنبھلنے کا موقع مل گیا مسلمانوں کی عسکری طاقت خطرہ میں پڑ گئی۔ فاتح ایران صدام حسین نے قصر اسلام کو لمحوں میں ڈھانے کا منصوبہ بنالیا اور وہ اس پر تا ہنوز مصر ہیں۔ اسلام مسلمان اور شعائر اسلام برباد ہو جائیں مگر صدام حسین کی مونچھ نیچی نہ ہونے پائے۔ عقل وخرد کے عاری چند مسلمان بھی انہیں یہی مشورہ دے رہے ہیں۔ چاہے وہ اپنے سینے پر عالمی تحفظ حرم کانفرنس کا بورڈ لگا کر سو آدمیوں کو بھی نہ جمع کر سکیں مگر صدام کے حوصلے کو ضرور بڑھانے کا دعویٰ کریں گے۔ جیسا کہ گزشتہ عشرہ ایوان غالب میں دیکھنے میں آیا۔

بہرحال یہ وہ حالات ہیں جو یا تو مسلمانوں کے خود پیدا کردہ ہیں یا ان کو انہوں نے اپنے اوپر مسلط کر لیا ہے دونوں صورتوں میں اسکے ذمہ دار مسلمان ہی ہیں۔ جو ان کی آپسی اختلاف وانتشار اور کتاب وسنت کی دوری کی وجہ سے ہے۔

تاریخ تدوین و جمع قرآن

عبدالرشید عراقی سوہدرہ ضلع گوجرانوالہ پاکستان

تاریخ القرآن ایک نہایت وسیع مضمون ہے۔ جس کے ماتحت ترتیب نزول نظم و تسلسل، قرآنی قصص، ناسخ و منسوخ، اختلافات قرأت، اعجاز قرآن اور تدوین و جمع قرآن جیسے عنوانات آئے ہیں۔ ان تمام مباحث کا بالتفصیل تذکرہ کرنا مقالہ کا طوالت کا باعث بنتا ہے۔ اس مضمون میں قارئین نوائے اسلام کی زیادتی معلومات کیلئے صرف تدوین جمع قرآن پر قلم فرسائی کی جارہی ہے۔

(عبدالرشید عراقی)

جمع قرآن جمع کی معنی قرآن کو جمع کرنا اور سینہ میں جگہ دینا ہے۔ اور اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ[1]۔ قرآن پاک کو آپ کے سینہ میں محفوظ کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمہ ہے۔

عہد رسالت میں کتابت قرآن حفاظت قرآن کا اصل مدار تو حافظہ پر تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی کتابت کا بھی ضامن اہتمام فرماتے تھے۔ حضرت زید بن ثابت انصاری فرماتے ہیں "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے وحی کی کتابت کرتا تھا۔ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کو سخت گرمی لگتی تھی۔ اور آپ کے جسم اطہر پر پسینہ کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے۔ پھر آپ سے یہ کیفیت ختم ہو جاتی تو میں مونڈھے کی ہڈی یا کسی چیز کا ٹکڑا لے کر خدمت میں حاضر ہوتا آپ لکھواتے رہتے اور میں لکھتا جاتا۔ یہانتک کہ جب میں لکھ کر فارغ ہوتا تو قرآن کے نقل کرنے کے بوجھ سے مجھے ایسا محسوس ہوتا۔ جیسے میری ٹانگ ٹوٹنے والی ہے۔ اور میں

---

[1] القیامہ۔ ۱۷

بھی چل نہیں سکوں گا۔ بہرحال جب میں فارغ ہوتا تو آپ فرماتے پڑھو، میں پڑھ کر سناتا اگر اس میں کوئی فروگذاشت ہوتی تو آپ اس کی اصلاح فرمادیتے اور پھر اسے لوگوں کے سامنے لے آتے[1]

کتابت وحی کا کام صرف حضرت زید بن ثابت کے سپرد نہ تھا۔ بلکہ ان کے علاوہ اور کئی صحابہ بھی کتابت وحی کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ اور کاتبین وحی کی تعداد چالیس تک شمار کی گئی ہے۔ چند مشہور حضرات یہ ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت ابی بن کعبؓ حضرت زبیر بن عوامؓ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ حضرت عمروؓ بن العاص حضرت مغیرہ بن شعبہؓ حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ[2]

حفاظ قرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سید الحفاظ تھے۔ عہد رسالت میں بہت سے صحابہ کرام کو پورا قرآن یاد تھا۔ اور مہاجرین اور انصار صحابہ کرامؓ میں جو قرآن مجید کے حافظ تھے۔ ان کے نام یہ ہیں۔

مہاجرین صحابہ حضرت ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ علیؓ طلحہؓ سعدؓ ابن مسعودؓ، حذیفہؓ، سالمؓ ابوہریرہؓ، عبداللہ بن سائبؓ، عبادلہ اربعہؓ (یعنی عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ) عائشہ حفصہ، ام سلمہؓ۔

عبادہ بن صامت، معاذ ابوحلیمہؓ، مجمع بن جاریہؓ، فضالہ بن عبیدؓ، مسلمہ بن مخلدؓ[3]

جمع قرآن عہد صدیقی میں عہد رسالت میں پورا قرآن مجید احاطہ تحریر میں آچکا ہے۔ لیکن متفرق ومنتشر تھا۔ اور اس کے ساتھ حفاظ کے سینوں میں محفوظ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد خلافت صدیقی میں جنگ یمامہ ہوئی۔ یہ جنگ ۱۲ھ میں ہوئی اور اہل اسلام اور مسیلمہ کذاب کے متبعین کے درمیان ہوئی تھی۔ اس جنگ میں ستر (۷۰) صحابہ کرام نے شہادت پائی۔ اس حادثہ فاجعہ سے حضرت عمر فاروقؓ بہت خوفزدہ ہوئے۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سے یہ درخواست کی۔ کہ اگر اس طرح جنگوں میں حفاظ شہید ہوتے رہے۔ تو قرآن مجید کا ایک بڑا حصہ ہم سے فوت ہوجائے گا۔ اس لئے میری رائے ہے، کہ قرآن مجید کو کتابی صورت میں جمع کیا جائے۔

---

[1] مجمع الزوائد، ج ۱ ص ۱۵۲، [2] فتح الباری ج ۹ ص ۱۸،

[3] الاتقان: سیوطی ج ۱ ص ۷۴،

حضرت ابوبکر صدیق نے جواب دیا کہ جو کام آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں سرانجام دیا۔ ہم وہ کام کیسے کر سکتے ہیں۔ حضرت عمر فاروق نے جواب میں فرمایا یہ کام بہتر ہی بہتر ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق جمع قرآن پر آمادہ ہو گئے۔ اور حضرت زید بن ثابت انصاری کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل کی کہ وہ قرآن مجید کی تدوین و ترتیب کریں حضرت ابوبکر صدیق رض نے حضرت عمر فاروق رض اور حضرت زید بن ثابت سے فرمایا۔ کہ مسجد نبوی کے دروازہ پر بیٹھ جائیے اور جو شخص کتاب اللہ کے کسی حصہ پر دو گواہ پیش کرے وہ حصہ لکھ لیا کرو۔[1]

حافظ ابن حجر عسقلانی ام ۸۵۲ھ فرماتے ہیں۔ کہ دو گواہوں سے حفظ اور کتابت مراد ہیں۔[2] سورہ توبہ کی آخری دو آیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرض وفات میں نازل ہوئی تھیں۔ جس کے ۹ دن بعد آپ کا انتقال ہوا۔ اس لئے وہ سب کے پاس لکھی ہوئی نہ تھیں۔ اور نہ ہی اس کی عام طور پر اس کی اشاعت ہوئی تھی۔ لیکن وہ صحابہ کرام جو آپ کی مجلس میں رہتے تھے۔ ان سے باخبر تھے۔ حضرت زید بن ثابت نے ان کو لکھنے میں تامل کیا۔

چنانچہ جب حضرت عمر، عثمان، ابی بن کعب رض نے شہادت دی۔ تو ان کو سورہ توبہ کے آخر میں لکھ دیا۔[3]

بہرحال حضرت زید بن ثابت نے زبردست احتیاط کے ساتھ آیات قرآنی کو جمع کر کے انہیں کاغذ کے صحیفوں پر مرتب شکل میں مرتب فرمایا[4] اور یہ کام ایک سال کی مدت میں تکمیل پذیر ہوا اس لئے حضرت ابوبکر نے حضرت زید کو اس خدمت پر جنگ یمامہ کے بعد مامور فرمایا تھا۔ جنگ یمامہ اور حضرت ابوبکر صدیق کی وفات کے درمیان ایک سال کی مدت تھی۔[5]

علامہ زرکشی ام ۷۹۴ھ لکھتے ہیں! کہ حضرت علی بن طالب رض نے فرمایا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ ابوبکر رض پر رحم فرمائے۔ وہ اولین شخص تھے۔ جنہوں نے قرآن کو کتابی صورت میں جمع کیا۔[6]

یہاں تک حضرت عمر فاروق رض کا تعلق ہے۔ وہ تدوین قرآن کے نظریہ کے موجد تھے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس نظر کی تکمیل کی سعادت حضرت زید بن ثابت کے لئے مقدر تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق کے

---

[1] الاتقان ج ۱ ص ۱۰۰، [2] فتح الباری ج ۹ ص ۱۲، [3] البرہان ج ۱ ص ۲۳۴، [4] الاتقان ج ۱ ص ۶۰
[5] البرہان ج ۱ ص ۲۳۹، [6] البرہان ج ۱ ص ۲۳۹،

لکھوائے ہوئے صحیفے آپ کی حیات میں آپ کے پاس رہے۔ آپ کی وفات کے بعد یہ صحیفے حضرت عمر فاروقؓ کو منتقل ہوئے اور ان کی نگرانی میں رہے۔ حضرت عمر فاروق کی شہادت کے بعد یہ صحیفے حضرت ام المومنین حفصہ بنت عمر فاروق کے پاس منتقل ہو گئے۔ پھر مروان بن حکم نے اپنے عہد حکومت میں حضرت حفصہ سے یہ صحیفے طلب کئے مگر انہوں نے دینے سے انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ حضرت حفصہ کے انتقال کے بعد مروان نے یہ صحیفے حاصل کر لئے اور انہیں اس ... سے نذر آتش کر دیا۔ کہ حضرت عثمان کے تیار کرائے ہوئے مصاحف کی اتباع لازمی رہے۔ اور کوئی ایسا نسخہ باقی نہ رہے۔ جو ان کے رسم الخط اور ترتیب کے خلاف ہو۔[1]

جمع قرآن عہد عثمانی میں حضرت عمر فاروق کی شہادت کے بعد حضرت عثمان بن عفانؓ خلیفہ مقرر ہوتے۔ اور قرآن کے عہد میں بہت فتوحات ہوئیں۔ اور بہت سے ممالک اسلامی قلم و میں شامل ہوئے۔ تو عجمی لوگ کثرت سے اسلام لائے۔ لیکن یہ لوگ لہجوں کے اختلاف اور قرأت کی ناواقفی کی وجہ سے قرأت میں بہت غلطیاں کرتے تھے۔ جب اس کی اطلاع حضرت عثمان کو ملی تو آپ نے اختلافات قرآن کو مٹانے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ آپ نے حضرت حفصہ کو کہلا بھیجا کہ آپ کے پاس قرآن مجید کے جو صحیفے پڑے ہیں۔ وہ ہمارے پاس بھیج دیجئے۔ تاکہ ہم ان کو کتابی صورت میں جمع کریں۔ پھر ہم ان کو واپس کر دیں گے۔ حضرت حفصہؓ نے وہ صحیفے حضرت عثمانؓ کے پاس بھیج دیئے۔

حضرت عثمان نے حضرت زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیرؓ، سعید بن العاص اور عبدالرحمان بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہم کو مامور کیا۔ کہ وہ صحیفوں سے نقل کر کے قرآن کریم کو کتابی شکل میں جمع کر دیں۔ حضرت عثمان نے تینوں قریشی صحابہ (حضرت زید بن ثابت کے علاوہ باقی تینوں صحابہ) سے کہا کہ جب تمہارے اور زید کے مابین قرآن کی کسی آیت کے بارے میں اختلاف پیدا ہو۔ تو قرآن کو قریش کی زبان میں لکھنے۔ کیونکہ یہ ان کی زبان میں نازل ہوا تھا۔ جب وہ اس کام سے فارغ ہو چکے تو آپ نے وہ صحیفے حضرت حفصہ کو واپس بھجوا دیئے۔ اس کے لئے قرآن کریم کے جو حصے کسی صحیفہ یا مصحف میں لکھے گئے تھے۔ ان کو نذر آتش کرنے کا حکم صادر فرمایا۔[2]

حضرت عثمان نے قرآن مجید کے سات نسخے تیار کرائے۔ جن میں ایک مکہ معظمہ، ایک شام

[1] فتح الباری جلد ۹ ص ۱۲-۱۳۔ [2] فتح الباری جلد ۹ ص ۱۶۔ [3] الاتقان جلد ۲ ص ۱۰۲۔

ایک یمن، ایک بحرین، ایک بصرہ اور ایک کوفہ بھیج دیا گیا، اور ایک مدینہ طیبہ میں محفوظ رکھا گیا [1]
بہرکیف نسخوں کی تعداد کچھ بھی ہو۔ سب کے سب پورے قرآن پر مشتمل تھے۔ ان میں
۱۱۴ سورتیں تھیں۔ نقطے اور اعراب کا وجود نہ تھا۔

۶۵ھ میں اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے محسوس کیا۔ کہ لوگ تلاوت قرآن مجید
میں غلطیاں کرتے ہیں۔ اس لیئے قرآن مجید میں نقطے اور اعراب کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ
عبدالملک نے حجاج بن یوسف ثقفی ام ۹۵ھ کے ذریعہ یہ کارنامہ پایہ تکمیل کو پہونچایا۔ [2]

قرآن مجید کی طباعت کے مختلف ادوار جب تک پریس ایجاد نہیں ہوا تھا۔ قرآن مجید کے تمام نسخے قلم سے
لکھے جاتے تھے۔ اور ہر دور میں ایسے کاتبوں کی ایک جماعت موجود تھی جن کا کتابت قرآن کے سوا
کوئی مشغلہ نہ تھا۔ جب پریس ایجاد ہوا تو ۱۶۹۴ء مستشرق ہنکلمان قرآن مجید طبع کرایا اسکے بعد
۱۶۹۸ء میں مستشرق پاڈوسے قرآن کریم چھپوایا۔ اس کے بعد ۱۷۸۷ء میں مولائے عثمان نے
روس کے شہر پیٹرس برگ سے طبع کرایا۔ ۱۸۲۸ء طہران سے قرآن کریم شائع ہوا۔ ۱۸۳۳ء تبریز
سے قرآن کریم شائع ہوا۔ اور ۱۸۳۴ء میں لیپزک سے قرآن کریم شائع ہوا۔ ۱۹۲۳ء میں قاہرہ سے شیخ
الازہر کی زیرسرپرستی قرآن کریم کا بہترین نسخہ شائع ہوا۔ [3]

---

[1] فتح الباری جلد ۹ ص ۱۷۔ [2] الاتقان جلد ۲ ص ۱۷۱۔ [3] علوم القرآن ڈاکٹر صبحی صالح ترجمہ غلام احمد حریری ص ۱۴۲۔
بقیہ صفحہ ۲۷ کا

جامعہ اور اہل حدیثان حلقہ تذکرہ کی جانب سے مکمل تعاون کا یقین دلاتے ہیں کہ جب بھی آپ دلی یا
کہیں اور سے کتاب و سنت کے نام پر ہمیں آواز دیں گے تو انشاءاللہ ہمیں آپ اپنا ہمنوا پائیں گے۔
ہماری نیک خواہشات اور تمنائیں جماعت کے ساتھ ہیں۔

اب میں علامہ اقبال کے اس شعر میں کچھ ترمیم کے ساتھ اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

تو ظلمتِ شب میں لے کے نکل اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہوگی آہ تیری نفس ترا شعلہ بار ہو (اقبالؒ)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ نظام الدین

۲۵ دسمبر ۱۹۹۰ء ناظم جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور
نائب ناظم جمعیۃ اہلحدیث حلقہ تذکرہ۔ یوپی۔

مسئلہ خلافت الٰہیہ
پر
ممتاز عرب مفسر علامہ محمد نسیب الرفاعی کا تبصرہ

ترجمانی
محمد صبیح الدین انصاری

تعارف:۔ علامہ شیخ محمد نسیب الرفاعی کا تعلق بلاد عرب کے ملک شام سے ہے۔ علامہ رفاعی دورِ حاضر کے مقتدر ادیب، عالم دین اور داعیٔ حق ہیں۔

۱۹۷۴ء میں سعودی عرب، شام، لبنان اور مصر کے علماء اور ارباب فتویٰ کی تصدیق کے ساتھ ان کی ایک تفسیر شائع ہوئی ہے، جو فی الواقع تفسیر ابن کثیر کی تلخیص ہے۔ یہ تفسیر (تیسیر العلی القدیر) اس لحاظ سے بڑی دقیع دستاویز ہے کہ اس میں انہوں نے علامہ ابن کثیر کی تفسیر کے نہ صرف یہ کہ مکررات اور غیر ضروری تفاصیل کو نکال دیا ہے، بلکہ تقاضائے بشری کے تحت جو ضعیف روایات یا اسرائیلیات اصل تفسیر میں در کرائی تھیں۔ ان کو بھی نکالنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اس تفسیر میں علامہ موصوف نے جابجا اپنی طرف سے بڑے برمحل اور مفید حواشی کا بھی اضافہ کیا ہے۔ (محمد صبیح الدین انصاری)

مسئلہ خلافت الٰہیہ

جیساکہ قارئین جانتے ہی ہوں گے قرآن کریم کی سورہ بقرہ، آیت ۳۰ میں جو لفظ خلیفہ آیا ہے، اس کی تفسیر میں علماء کے درمیان کافی اختلاف رائے ہے۔ بعض علماء کا خصوصاً دورِ جدید میں، یہ دعویٰ ہے کہ اسی آیت سے صریحاً یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو خاص اپنی نیابت و خلافت کے منصب پر فائز کرنے کا اعلان فرمایا ہے۔ جب کہ دوسری طرف ایسے مفسرین سلف و خلف ہیں جن کا کہنا ہے کہ "خلیفہ" چونکہ "خلف" کے مادے سے ہے، اور اس کے معنی ہیں کسی کے بعد آنے والا، کسی کی جانشینی کرنیوالا۔ اس لئے انسان اللہ تعالیٰ کا خلیفہ

تو نہیں بن سکتا۔ البتہ اسے اپنی ہی جیسی دیگر مخلوقات مثلاً ملائکہ وجنات وغیرہ کے جانشیں یا بدل کے مفہوم میں خلیفہ فرمایا گیا ہے۔ اسی گروہ میں سے بعض حضرات کا خیال ہے کہ خلیفہ، بہ معنی مخلوق استعمال ہوا ہے یعنی ایسی مخلوق جس میں ہر بعد کو آنے والا اپنے سے پہلے گزر جانیوالا کا جانشیں، وارث اور خلیفہ ہے۔

علامہ ابن کثیر کا تعلق اسی دوسرے گروہ کے علمائے حق سے ہے۔ علامہ ابن کثیر شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے شاگرد رشید ہیں، اور ابن تیمیہؒ اپنے فتاویٰ میں ایک سے زائد جگہ فرما چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ چونکہ حی وقیوم ہے، ہر نقص اور کمزوری مثلاً موت، معزولی، غیر حاضری اور فنا وغیرہ سے منزہ ہے، اس لئے اس کو کسی خلیفہ ونائب کی ضرورت ہے، نہ جانشیں کی۔ اور جس کسی نے بھی مخلوق میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ کا نائب یا جانشیں قرار دیا، درحقیقت اسکے ساتھ شرک کیا۔

علامہ ابن کثیر نے بھی اپنی تفسیر میں بالالتزام ہر جگہ یہی رائے پیش کی ہے کہ انسانوں میں سے افراد اپنے پیش رو افراد کے اور اقوام اپنی پیش رو اقوام کی وارث اور جانشیں ہیں۔ اسی لئے انہیں "خلیفہ" اور "خلفاء" وغیرہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

اسی سلسلہ میں ذیل میں ہم سورہ بقرہ آیت ۳۰ (واذ قال ربک للملائکۃ انی جاعلٌ فی الارض خلیفۃ) کے سلسلہ میں علامہ ابن کثیر کی تفسیر کا متعلقہ اقتباس پیش کر رہے ہیں۔ اس کے بعد اس پر علامہ محمد نسیب الرفاعی نے جو حاشیہ تحریر کیا ہے، افادۂ عام کے پیش نظر اسے پیش کر رہے ہیں۔

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:-

"اے محمد اپنی قوم کو خبر دیجئے اس وقت کی جب آپ کے رب نے ملائکہ سے کہی:- میں زمین میں پیدا کرنیوالا ہوں ایک خلیفہ یعنی ایسی قوم جس میں بعض، بعض کی جانشینی کریں گے ایک قرن کے بعد دوسری قرن اور ایک نسل کے بعد دوسری نسل کے ذریعہ جیسا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:- وھو الذی جعلکم خلائف فی الارض، یعنی اس نے تمہیں زمین میں ایک دوسرے کا جانشیں بنایا۔"

علامہ ابن کثیر کی مندرجہ بالا تفسیر پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ محمد نسیب الرفاعی فرماتے ہیں کہ (علامہ ابن کثیر کی) یہ تفسیر بالکل صحیح ہے، اور ان لوگوں کا گمان صحیح نہیں ہے جو آیت اِنی جاعلٌ فی الارضِ خلیفۃ کا یہ مطلب لیتے ہیں کہ آدمؑ زمین میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ تھے۔

علامہ رفاعی نے اپنے موقف کی تائید میں جو دلائل دیئے ہیں۔ ان کا اردو ترجمہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) "میں کہتا ہوں:۔ لفظ "خلیفہ" کا مفہوم قطعی طور پر تقاضا کرتا ہے کہ مخلوف (جس کی خلافت کی جائے) وہ غائب ہو، خواہ یہ غیبت جزوی ہو یا کلی یعنی چاہے وہ موت کے نتیجہ میں ہو چاہے نقل معانی یا معزولی اور گوشہ نشینی کے نتیجہ میں، یا دیگر ایسے اسباب کے نتیجہ میں وقوع پذیر ہو جنکی وجہ سے مخلوف (جگہ خالی کرنیوالا) اپنا کام جاری نہ رکھ سکے، مثلاً جیسے ہم کہتے ہیں:۔ ابوبکرؓ خلیفہ رسول اللہؐ بنے، یعنی ان کی (رسول اللہؐ کی) وفات کے بعد۔ یا مثلاً ہم کہتے ہیں:۔ رسول اللہؐ نے حضرت علیؓ کو مدینہ میں اپنا جانشین (خلیفہ) بنایا، یعنی ایسی صورت میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ کے سلسلہ میں باہر تشریف لے جا رہے تھے۔

پس جب یہ نکتہ واضح ہو گیا اور بات محقق ہو گئی تو قارئین پر اس قول کی غلطی بھی واضح ہو گئی کہ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر خود اپنا خلیفہ بنایا، اس کی وجوہات حسب ذیل ہیں۔

(۱) یہ بات ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مملکت سے غائب ہو، خواہ یہ غیبت جزوی ہو یا کلی ہو، کیونکہ وہی زمین و آسمان کو تھامنے والا ہے اور اس کے علم سے نہ زمین کا کوئی ذرہ اوجھل ہے، نہ آسمان کا۔ اس لیئے اسے نہ خلیفہ کی ضرورت ہے نہ وکیل کی، نہ نائب کی نہ کسی ایسی ہستی کی جو اس کے بعد آئے وہ تو سارے جہانوں کی محتاجی سے بے نیاز ہے۔

(ب) پھر آدمؑ ہوں یا پوری نوع انسانی انہیں خلافت کا اہل بننے کیلئے ضرورت اس بات کی ہوگی کہ ان میں اللہ جل شانہٗ کی جیسی صفات موجود ہوں پس جب دیگر مخلوقات ہی کی طرح انسان اللہ تعالیٰ جیسی صفات ——— سے عاری ہے، بلکہ وہ ہر اعتبار سے ناقص ہے، اور اللہ تو ہر اعتبار سے کامل ہے، تو دونوں کا فرق اور تضاد واضح ہو گیا۔ پس یہ بات کس طرح ممکن ہو سکتی ہے۔ کہ ایک ناقص چیز ایک کامل ہستی کی خلافت و جانشینی کرے؟

اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بلند ہے کہ کوئی اس کا مماثل یا مشاکل ہو، جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے لیس کمثلہ شئی وھو السمیع البصیر۔ یعنی اس کی مانند کوئی چیز نہیں۔ وہ بڑا سننے والا اور بڑا دیکھنے والا ہے۔

(ج:۔) یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ انسان اس بات کا اہل نہیں ہے کہ وہ اللہ کا خلیفہ یا اس کا وکیل بنے، بلکہ اس کے برعکس والا معاملہ صحیح ہے، یعنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وکیل اور خلیفہ بنتا ہے۔ وکیل کی ضرورت ہو تو یہ ارشاد ربانی ملاحظہ فرمائیے: حسبنا اللہ ونعم الوکیل (ہمارے لئے اللہ ہی بس ہے اور وہ بہترین کفیل ہے) اور یہ آیات قرآنیہ: واللہ علی کل شئی وکیل (اللہ ہی ہر چیز کا محافظ و نگراں ہے)

ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ (اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اسکے لئے کافی ہے) اور کفی باللہ وکیلا (اور اللہ وکیل کی حیثیت سے کافی ہے) اور رسول اللہ صلی اللہ دعائے سفر کے ضمن میں یہ فرمایا:۔ اے اللہ تو ہی سفر میں رفیق اور گھر بار کیلئے خلیفہ ہے۔

(د) نہ قرآن کریم ہی میں اس کی کوئی دلیل موجود ہے خواہ وہ واضح الفاظ میں ہو یا اشارتاً کہ انسان روئے ارض پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے، کیونکہ اس نے یہ جو فرمایا کہ:۔ اِنِّی جَاعِلٌ فی الارض خلیفۃ، تو اس سے یہ سمجھنا کسی صورت میں درست نہیں کہ آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہو گئے، کیونکہ اس نے یہ فرمایا "ایک خلیفہ" یہ نہیں فرمایا "اپنا خلیفہ" یا "میرا خلیفہ" پھر یہ نتیجہ کیسے نکالا گیا کہ آدم علیہ السلام یا نسل انسانی زمین میں اللہ تعالیٰ کی خلیفہ بن گئی خبردار:۔ اللہ کی شان ایسے تصور سے بہت بڑی ہے، اور اللہ ایسے تخیلات سے نہ صرف بلند بلکہ بہت بلند ہے۔ بات وہی ہے جو اکثر مفسرین نے کہی ہے کہ خلیفہ سے مراد ہے

ا:۔ ایسی قوم جن میں سے بعض بعض کی خلافت و جانشینی کریں، قرناً بعد قرنٍ اور نسلاً بعد نسلٍ ۲:۔ یا ایسی مخلوق جو جانشین بنے جنات کی یا بگیر از مخلوقات کی جن کے بارے میں احتمال ہے کہ وہ روئے زمین پر بنی نوع انسان سے پہلے آباد تھی۔

ان دونوں میں سے پہلی تفسیر زیادہ قرین قیاس اور کتاب وسنت کے مضامین سے زیادہ ہم آہنگ ہے۔

جہانتک سوال ہے ان لوگوں کا جو یہ کہتے ہیں کہ یہ خلافت محض تنفیذ احکام تک محدود ہے، تو یہ قول قطعاً ناقابل تسلیم ہے کیونکہ حکم وہی معتبر ہے جو وحی کے ذریعہ پہونچے اور وہ حکم پہونچانے والے کا نہیں، اللہ کا حکم ہے، اور وہ یہ کہ اللہ کی عبادت کرو۔ کتنا بڑا فرق ہے اس میں کہ: "اللہ کی عبادت کرو" اور اس میں کہ: "اللہ کی نیابت اور خلافت کرو" اس طرح جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ کہ ہم اللہ کے احکام کی اطاعت کرتے ہیں، نہ کی اللہ کی نیابت و جانشینی۔

جہانتک سوال ہے اس دعوی کا کہ حکومت و اقتدار میں انسان اللہ کا نائب اور خلیفہ ہے، تو اس سلسلہ میں کوئی دلیل قرآن و سنت میں موجود نہیں ہے، بلکہ جیسا کہ واضح کیا جا چکا ہے ساری دلیلیں اس کی مخالفت میں ہیں۔ لہذا ایسا دعویٰ کرنیوالوں کے پاس جو چیز بچتی ہے، وہ ہے ذاتی اجتہادات اور احتمالات۔ تو کہاں ذاتی اجتہادات و احتمالات اور کہاں اللہ اور اس کے رسول کے فرمودات۔ اور پھر جہاں نص قطعی موجود ہو، وہاں اجتہاد کا کیا کام؟ اس لئے عربی کا مقولہ ہے کہ جب احتمال ہی ساقط ہو گیا تو دلیل آپ سے آپ باطل ہو گئی۔

آخر میں پھر اس بات کے اعادے کی ضرورت ہے کہ اس طرح کے مسائل صرف اللہ اور اس کے رسول کے قطعی نصوص ہی سے متعین ہوئے ہیں، کیونکہ رسول اللہ کے سلسلہ میں خود قرآن کریم گواہی دیتا ہے کہ آپ کلام نہیں فرماتے مگر اس وحی کے تحت جو آپ پر نازل کی جاتی ہے۔ واللہ الموفق۔ (محمد نسیب الرفاعی۔ مختصر ابن کثیر ج۔ ا ص ۲۹)

خلیج کی صورتحال اور ہماری ذمے داریاں

ترجمانی : حبیب اللہ قاسمی ۔ بھیونڈی

ڈاکٹر سفر بن عبدالرحمن الحوالی مکہ یونیورسٹی میں شعبہ عقاید میں صدر ہونے کے ساتھ پروفیسر بھی ہیں ذیل میں ہم ان کی تقریر "خلیج کی صورت حال اور ہماری ذمہ داریاں" کے عنوان سے تقریر کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں۔

حمد و ثناء کے بعد فرمایا۔

خلیج کی صورت حال کے بارے میں مختلف سوالات ابھرتے ہیں کہ کویت پر عراقی حملے کے بعد ہمیں کیا کرنا چاہئے اگر کیمیاوی ہتھیار استعمال کیا گیا تو اس سے بچاؤ کی کیا تدبیر ہوگی نیز یہ کہ یہ جنگ کتنے عرصے تک چلے گی وغیرہ وغیرہ۔

سب سے پہلے ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہئے کہ یہ مصیبت ہم پر کیوں آئی ہم مسلمانوں کے لئے اس میں بڑی عبرت ہے۔ اللہ تعالیٰ جو بھی کرتا ہے خواہ اس میں بظاہر ہمارے لئے ضرر ہی کیوں نہ ہو غور کیا جائے تو یہ بات بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ ہمارا تعلق اللہ تعالیٰ سے جیسا ہونا چاہئے ویسا نہیں رہا اللہ کی بارگاہ میں عاجزی و انکساری کرنا گناہوں سے بچنا اس کی فرمانبرداری کرنا یہ وہ لازمی صفات ہیں جو ہر مسلمان میں پائی جانی چاہئیں اللہ کی یہ سنت رہی ہے کہ جب جب انسان اللہ کی اطاعت سے منھ موڑتا ہے اللہ تعالیٰ اسے آزماتا ہے اور اسے عبرت دینے کیلئے دوسروں کو مسلط کر دیتا ہے۔

یہ بات ہم سبھی جانتے ہیں کہ صلیبی جنگوں سے ہمیشہ مسلمانوں کا سابقہ رہا عیسائیوں کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ کس طرح مسلمانوں پر تسلط قائم کیا جائے ہم بحیثیت مسلمان کے اللہ پر ایمان رکھتے ہیں قرآن پر ہمارا اعتقاد ہے کہ ہر مشکل کا حل اس میں موجود ہے قرآن کہتا ہے۔

فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا وَلَٰكِنْ قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔

ترجمہ: جب ہمارا عذاب ان پر آیا تو وہ عاجزی کرنے لگے لیکن ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے کرتوتوں کو خوشنما بنا کر پیش کیا۔ (سورہ انعام)

ہمارا حال یہ ہے کہ ہم کیمیاوی اسلحوں سے خوفزدہ ہیں جنگی امکانات سے گھبرائے ہوئے ہیں ذرا سوچئے جہنم کے بارے میں قرآن جو کچھ بتاتا ہے اس کے مقابلے میں یہ کیمیاوی اسلحہ جات کسی زمرے میں آتے ہیں: لَهُمْ مِنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ۔ (اعراف)

ترجمہ: ان کے لئے جہنم میں بچھونا بھی آگ کا ہوگا اور اوڑھنا بھی اسی کا اور گنہگاروں کو ہم ایسے ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ یہ عذاب اللہ کے نافرمانوں کے لئے ہے اور ہر شخص کو جہنم کے اوپر سے گزرنا ہے۔

وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَقْضِيًّا۔ ۔ تم سے ہر شخص کو اس پر سے گزرنا ہے یہ اللہ کا طے شدہ فیصلہ ہے۔ سورہ مریم۔

ہر شخص کو اس پل سے گزرنا ہے مگر ہمارے دل میں ذرہ برابر اللہ کا خوف نہیں آتا کوئی نہیں سوچتا کہ اس گزرگاہ کیلئے اس کے پاس کیا انتظامات ہیں انسانی خطرات سے بچنے کے لئے ہم نہ جانے کتنی تدابیر سوچتے ہیں جب کہ اللہ کے عذاب سے نجات کی فکر کرنا چاہئے ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ یہ مصائب ہم پر کیوں آتے ہیں ہماری نافرمانیاں کس حد تک پہونچ گئی ہیں کیا سودی لین دین ہم نہیں کرتے کیا ہماری خواتین تفریح گاہوں میں بے پردہ نہیں گھومتی کیا ہمارے بازار لہو و لعب سے بھرے نہیں ہیں یہ کورچی اخبارات و رسائل کیا کفر و الحاد نہیں پھیلاتے دنیا کے سامنے کمیونزم مساوات اور بے حیائی کو فروغ نہیں دیتے ہمیں اپنے ان کرتوتوں پر کبھی شرم نہ آئی ہم نے کبھی اپنا محاسبہ نہیں کیا ان تمام کے باوجود ہم پر کیسے اللہ کا عذاب نہ آتا۔

وما ارسلنا فی قریۃ من نذیر الا اخذنا اھلھا بالباساء والضراء لعلھم یضرعون ثم بدلنا مکان السیئۃ الحسنۃ حتی عفوا وقالوا قد مس آباءنا الضراء والسراء فاخذنٰھم بغتۃ وھم لا یشعرون ولو ان اھل القری آمنوا واتقوا لفتحنا علیھم برکات من السماء والارض ولکن کذبوا فاخذنٰھم بما کانوا یکسبون افامن اھل القری ان یاتیھم

بأسنا بياتا وهم نائمون او امن اهل القرى ان ياتيهم باسنا ضحى وهم يلعبون
أفأمنوا مكر الله فلا يامن مكر الله الا القوم الخاسرون۔ (اعراف ۹۴ تا ۹۹)

ترجمہ:۔ اور ہم نے کسی شہر میں کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر وہاں کے رہنے والوں کو دکھوں اور مصیبتوں میں مبتلا کیا تاکہ وہ عاجزی اور گریہ زاری کریں پھر ہم نے تکلیف کو آسودگی سے بدل دیا یہاں تک کہ وہ زیادہ ہوگئے تو کہنے لگے کہ اسی طرح کا رنج و راحت ہمارے بڑوں کو بھی پہونچتا رہا ہے تو ہم نے ان کو ناگہاں پکڑ لیا اور وہ بے خبر تھے اور ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور پرہیزگار ہوجاتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکات کھول دیتے مگر انہوں نے تو تکذیب کی سو ان کے اعمال کی سزا میں ہم نے ان کو پکڑ لیا کیا بستیوں کے رہنے والے اس سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات کو واقع ہو اور وہ سو رہے ہوں کیا اہل شہر اس سے نڈر ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آنازل ہو اور وہ کھیل رہے ہوں کیا یہ لوگ خدا کے داؤ کا ڈر نہیں رکھتے خدا کے داؤ سے وہی لوگ نڈر ہوتے ہیں جو خسارہ پانے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ان ہدایات کے باوجود ہمارا حال ویسا ہی ہے جیسا پہلے تھا وہی خوف وہی ڈر ہمیں اطمینان نصیب ہوا جب غیر ملکی فوجوں کو ہم نے اپنے ہاں بلالیا خدا کی پناہ! نماز کی ہر رکعت میں ہم ایاك نعبد وایاك نستعين پڑھتے ہیں۔

کہ اے اللہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم کافروں سے مدد مانگ رہے ہیں کہاں ہے ہماری غیرت ایمانی کیا ہم اتنے گئے گزرے ہوگئے ہیں کہ اللہ پر ایمان کو چھوڑ کر کافروں سے مدد مانگتے پھریں ہمارا توحید کا فلسفہ کہاں گیا کیا یہ عقائد کی باتیں سب ڈھکوسلہ ہیں توحید رٹتے رٹتے تھکتے نہیں کیا امت توحید کا یہی طرز عمل ہے کہ مصیبت کے وقت اللہ کو پکارنے کے بجائے امریکی افواج کی دہائی دیں۔ خدا کے وعدے پر ہمیں بھروسہ نہیں رہا قرآن میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دفاع کا وعدہ فرمایا ہے۔

ان الله يدافع عن الذين آمنوا ان الله لا يحب كل خوان كفور۔

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا دفاع فرمائے گا بے شک خدا کو ناشکرے خائن لوگ پسند نہیں ہیں معاً بعد خدا کے اس ارشاد کو بھی ملاحظہ فرمائیں۔

اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّہُمۡ ظُلِمُوۡا وَ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصۡرِہِمۡ لَقَدِیۡرُ الَّذِیۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِہِمۡ بِغَیۡرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنۡ یَّقُوۡلُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ وَ لَوۡ لَا دَفۡعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعۡضَہُمۡ بِبَعۡضٍ لَّہُدِّمَتۡ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ یُذۡکَرُ فِیۡہَا اسۡمُ اللّٰہِ کَثِیۡرًا وَ لَیَنۡصُرَنَّ اللّٰہُ مَنۡ یَّنۡصُرُہٗ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیۡزٌ۔

اہل ایمان کو لڑنے کی اجازت دی گئی اس لئے کہ ان پر ظلم ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قادر ہے جنہیں ناحق اپنے گھروں سے نکالا گیا ان کا گناہ صرف یہ تھا کہ انہوں نے خدا کو اپنا رب مانا انسانوں کی آپسی مڈبھیڑ نہ رہتی تو بہت سے گرجا گھر عبادت گاہیں اور مساجد تباہ کر دی جاتیں جہاں خدا کا نام لیا جاتا ہے اور جو کوئی اللہ کے دین کی مدد کرے اللہ اس کی ضرور مدد فرمائے گا۔ سورہ حج۔

یہ وعدہ نصرت کن لوگوں کے لئے ہے ملاحظہ کیجئے۔ الذین ان مکنا ھم فی الارض واقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللّٰہ عاقبۃ الامور۔

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر انہیں زمین میں اقتدار نصیب ہو تو یہ لوگ نماز قائم کرینگے زکوٰۃ ادا کرینگے بھلائی کا حکم دینگے برائیوں سے روکیں گے اور جملہ انجام کار اللہ ہی کے ہاتھ ہے۔ جنکے اندر مذکورہ صفات ہونگی ایسے لوگ اللہ کی مدد کے مستحق ہوتے ہیں۔

مسئلہ یہ نہیں ہے کہ کافر سے مدد لینا صحیح ہے یا نہیں اگر یہ بات ہوتی اور ہمارا دل مطمئن ہوتا تو اس پر بھی غور کیا جاسکتا ہے مگر یہاں تو دل میں خوف خدا ہے ہی نہیں ایمانی تقاضے مضمحل ہو چکے ہیں ہمارے اندر غیر اللہ بیٹھا ہوا ہے۔ ہماری نظر اسباب ظاہری پر ہے اگر ہم اپنے قلب کا جائزہ لیں تو پتہ چلے گا کہ ہمارے دل اتنے غافل ہیں کہ اللہ کا عذاب آتا ہے اور ہمیں خدا کی طرف پلٹنے کا خیال تک نہیں آتا حالانکہ اللہ کا عذاب مختلف شکلوں میں آتا ہے جیسے ہم محسوس نہیں کرتے۔ وما یعلم جنود ربک الا ھو۔ (سورہ مدثر)

ترجمہ: خدا کا لشکر خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ہمیں بچاؤ کی تدبیریں کرنے سے پہلے اپنا محاسبہ کرنا چاہیئے کہ ہمارا ایمانی تقاضا کیا ہے۔ رسول کی سیرت بتاتی ہے کہ ایسے مواقع پر ہمیں اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تھے اس وقت خدا کی بارگاہ میں سجدہ ریز تھے۔

ہم ان امریکیوں پر انگریزوں پر اعتماد کر رہے ہیں حالانکہ ساری دنیا جانتی ہے کہ یہ مسلمانوں کے کبھی دوست نہیں ہو سکتے یہ کوئی سیاسی موقف نہیں نبی امی نے خبر دی ہے۔ تقوم الساعۃ والروم اکثر الناس۔ کہ قیامت آئے گی اور اہل روم غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کریں گے دجال کا خروج ہوگا عیسی علیہ السلام کا نزول ہوگا گویا حق و باطل کی جنگ ہمیشہ رہے گی ہم چاہتے ہیں کہ اسلام کا غلبہ ہو مگر نصاری ہمیں توڑنے کی کوشش کرتے ہیں کیا ہم نے انہیں اپنے یہاں بلا کر اپنے پیروں پر کلہاڑی نہیں چلائی کیا یہ ہمیں زک پہونچانے سے چوکیں گے امریکی تاریخ بتاتی ہے کہ امریکہ والے ۱۹۸۰ء سے تقریباً ڈھائی لاکھ فوجیوں کو امریکی صحرا میں ٹریننگ دے رہے ہیں اور یہ مشق اسی ریگستانی صحرا میں کی جا رہی ہے جو عرب کے صحرا جیسا ہے ابھی حال ہی کی تو بات ہے امریکہ نے پناما پر قبضہ کرنے کی غرض سے حملہ کیا بلاشبہ خلیج میں اترنے کا یہ ایک عملی نمونہ تھا ہم نے اسے اپنے اوپر غلبہ حاصل کرنے کا موقع دیا رسول اکرمؐ نے فرمایا تداعی علیکم الامم من کل افق کما تداعی الاکلۃ الی قصعتھا۔ دنیا کے ہر گوشے سے دوسری قومیں مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں گی جیسے کہ کھانے والے دسترخوان پر ٹوٹ پڑتے ہیں رسولؐ سے پوچھا گیا کیا ہم اس وقت کم تعداد میں ہوں گے جواب ملا کہ تعداد تو بہت ہوگی مگر مسلمانوں کی حیثیت سیلاب میں بہتے ہوئے تنکوں کی طرح ہوگی پوچھا گیا اس ہلکے پن کا کیا سبب ہوگا جواب ملا کہ دنیا کی محبت اور موت کی نفرت کی وجہ سے مسلمان اتنے بے وقعت ہو جائیں گے۔

ہمارے سامنے حضرت خالد بن ولید کی سیرت ہے حضرت عمرو بن العاص کی حضرت عمر کی فاتحانہ شان ہے، جنہوں نے دنیا میں اسلام کا ڈنکا بجایا وہ ہم سے تعداد میں بہت کم تھے مگر بڑی بڑی سلطنتوں کو ہلا ڈالا وہ ایمانی حرارت تھی موت کو گلے لگانے کا جذبہ تھا جس نے کفر و الحاد سے ٹکر لی صلیبیوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔

رسولؐ نے حالات کے تحت مختلف پالیسیاں اپنائی تھیں مگر ایسی کوئی پالیسی نہیں تھی جو تمام تر دوسروں کو منحصر ہو یہ نظریہ کس نے بنایا کہ ہمیں یا تو مرنا ہے یا پھر مغرب پر انحصار کرنا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک ہم نے دوسروں پر انحصار کیا خدا نے ہمیں انہیں کے حوالے کر دیا واقعہ یہ ہے خدا سے تعلق جوڑنے کے بجائے ہم نے وسائل سے تعلق جوڑا ہم دنیا کو سب کچھ

سمجھ بیٹھے ہم نے صدام کی دس برس تک مدد کی ہزاروں انسانوں کو قربان کیا قومیت کے زعم
میں پیسے لٹاتے رہے پھر بھی دولت ہم پر چڑھ دوڑی یہ ظلم کس نے کیا یہ ظلم ہم نے خود اپنی جانوں
پر کیا۔ ان اللہ لا یظلم الناس شیئا ولکن الناس انفسھم یظلمون ۔ اللہ تعالیٰ لوگوں پر
ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں یہ داد و دہش اللہ کیلئے ہوتی تو
آج خدا ہماری مدد کرتا اگر ہم خدا سے ڈرتے تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں ڈرا نہ سکتی جب خدا
خوف کی جگہ دوسروں کا خوف کیا تو ہر طرح کا خوف ہم پر مسلط ہو گیا اگر ہم خدا پر بھروسہ کرتے تو
خدا ہمارے لئے کافی ہوتا اگر ہم اسی سے ڈرتے تو وہ ہر طرح کے خوف سے ہمیں نجات دیتا آج
بھی اگر ہم اپنی عظمت کو برقرار رکھیں تو امریکہ جیسی طاقت ہمارے آگے جھک سکتی ہے یہ حادثہ
ہمارے لئے عبرت ہے ہم بھلا موت سے کتنا بھاگیں گے کسی بھی لمحہ ہماری موت آسکتی ہے
اینما تکونو ید رککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدۃ تم جہاں کہیں رہو تمہیں موت آکر رہے
گی خواہ تم مضبوط قلعوں میں بند ہو جاؤ" بھلا امریکی طاقت ہمیں کیسے بچائے گی مادی طاقتوں
پر انحصار کی بجائے اگر ہم صحیح معنوں میں مومن ہوں تو اللہ تعالیٰ غیبی مدد فرماتے ہیں۔

دور جانے کی ضرورت نہیں ۵۰۔۱۰۰ سال قبل برطانیہ دنیا کی بڑی طاقت مانا جاتا تھا۔
جس کی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا دنیا آنکھ ملاتے ہوئے ڈرتی تھے۔ حالانکہ یہ
حکم ان نرے بدوی تھے آلات حرب میں مہارت نہ رکھتے تھے سیاست کے ماہر نہ تھے مگر
ایمانی حرارت ایسی تھی کہ انگریز ان سے خوف کھاتے تھے آج ہمارے پاس کسی چیز کی کمی نہیں
ہے ہتھیار ہمارے۔ پاس ہیں طیارے، ٹینک میزائل دولت ،سب کچھ ہمارے پاس ہے مگر
ایمانی حرارت نہیں ہے ایک وہ دور تھا جب انگریز ہوائی جہاز لے کر آتے تھے تو لوگ خوفزدہ
ہو جاتے تھے مگر یہی بدوی عام بندوقوں سے ان جہازوں پر حملہ کر کے انہیں گرا دیتے تھے سوائے
ایمانی قوت کے اسے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔

دوسرے نقطہ نظر سے دیکھئے ان غیر ملکی افواج کا خلیج میں آنا اور روز بروز اضافہ
ہونا کیا یہ سب کچھ ہماری ہمدردی میں ہو رہا ہے خدا کی قسم یہ ہمارے ہمدرد نہیں ہیں اگر کیمیاوی
ہتھیار استعمال ہوئے تو ہمارے سوا کون مرے گا مگر انہیں تو ہمارا پٹرول پیارا ہے انہیں ان کی معیشت

کا خوف ہماری سرزمین میں اتار رہا ہے اس کے علاوہ ان کا اصل ہدف اسلام و مسلمان ہیں جو ان کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا ہے ایک امریکی سربراہ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ عراق کی طاقت سے خائف ہیں اس نے جواب دیا نہیں ہمیں تو اس خطہ میں عراق میں بڑھتی ہوئی طاقت سے خوف ہے کہ اگر وہ اسلام پسندوں کے ہاتھ آگئی تو ہم کہیں کے نہ رہیں گے

ایک اور برطانوی عہدیدار سے پوچھا گیا کہ کل تک تم عراق کی حمایت کر رہے تھے آج کیسے اس کے مخالف ہو گئے تو اس برطانوی نے جواب دیا کل تک عراق کی لڑائی ایرانی حکومت سے تھی جو اسلام کے نام پر پیدا ہوئی تھی آج وہی طاقت اسلام پسندوں کے اشارے پر کویت پر غلبہ حاصل کئے ہوئے ہیں ہمیں یہ بات قطعاً پسند نہیں کہ اسلام کے نام پر کوئی قوم بیدار ہو (شیخ کو یہ بات واضح کرنی چاہئے تھی کہ عراق کی فوج کشی اسلامی نہیں بلکہ استعماری ہے)

برادران اسلام دنیا کی طاقتیں اسلام دشمنی میں بڑھتی جارہی ہیں آج روس کی امریکہ کے ماتحت ہوگیا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے یا یھا الذین آمنو الا تتخذ و الیھود والنصاریٰ اولیاء بعضھم اولیاء بعض ومن یتولھم منکم فانہ منھم ان اللہ لا یھدی القوم الظالمین۔ اے ایمان والو یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ یہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں جو انہیں اپنا دوست بنائے گا انہیں میں سے ہوگا خدا ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (سورہ مائدہ)

دوسری جنگ عظیم کے بعد سے آج تک انگریزی کی سازش رہی ہے کہ کس طرح وہ دنیا پر چھا جائیں بڑے بڑے دماغ ان مسائل پر سوچتے ہیں پلاننگ تیار کرتے ہیں اس غرض کیلئے امریکہ نے اسپین، یونان اور ترکی کے فوجی اڈے استعمال کرنے کی اجازت لے رکھی ہے ہم کہہ نہیں سکتے کہ آنے والا کل ہم پر کون کون سی مصیبتیں لائیگا۔

عزیز بھائیو! اب وقت آگیا ہے کہ ہم سب قرآن کو سمجھیں بے حیائی اور بری باتوں سے پرہیز کریں بھلائی کا حکم دیں برائی سے روکیں مسجدیں آباد کریں اپنے آپ میں تبدیلی پیدا کریں ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم اللہ تعالیٰ اس قوم کو اس وقت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ قوم خود اپنے آپ کو بدلے۔ ہمیں آگے بڑھنا چاہئے اور دنیا کو برائیوں

بقیہ صفحہ ۲۹ پر

ملوکیت اور جدید جمہوریت

مولانا عزیز الحق عمری

صدام حسین نے ۲ اگست کو اپنے محسن اور ہمسایہ مسلم مملکت کے خلاف جس جارحیت کا ارتکاب کیا ہے اور اپنے کو کویت کے اندر اسرائیل کے مقام پر رکھنے کی کوشش کی ہے اور اب تک جس ضد اور حیلہ سازیوں سے اپنی جارحیت کا جواز پیدا کرنے اور دنیا کے عام مسلمانوں کو فریب دینے کے لئے نئی کروٹیں بدل رہا ہے اس نے دنیا کی نظر میں اسلام کو بدنام اور رسوا کرکے رکھ دیا ہے۔ جس کی قیمت پوری دنیا کے مسلمان اس وقت ادا کر رہے ہیں اور اسی کے ساتھ اس شیطان صفت رسوائے اسلام صدام حسین کے پیرو بھی ہر روز اس کی حمایت کے جواز کے لئے کوئی نہ کوئی شوشہ پیدا کر رہے ہیں اور اس کی جارحیت کو ہمت و شجاعت کا نام دے کر اسے قائد اسلام ثابت کرنا چاہتے ہیں، صدام کے پیرو اور جارحیت کے ہم نوا صدام کی جارحیت و بربریت اہل کویت پر اس کی سفاکانہ یورش اور لوٹ مار کے بارے میں باتیں نہ کر کے عموماً مملکت سعودیہ عربیہ اسلامیہ پر الزام تراشیوں کے نت نئے شوشے چھوڑ رہے ہیں۔ جس سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ صدام کی جارحیت کی حمایت کے پیچھے جو اصل جذبہ کام کر رہا ہے وہ کتاب و سنت کی بنیاد پر برپا دنیا کی واحد مملکت سعودیہ عربیہ سے عداوت و مخالفت ہے۔

صدام کے بے ضمیر ہمنواؤں نے اب یہ نیا شوشہ پیدا کیا ہے کہ اسلام ملوکیت کے خلاف اور جمہوریت پسند ہے۔ گویا یہ مملکت سعودیہ کے اسلام کی رو سے ناجائز ہونے کا ایک اشارہ اور صدام کی جمہوریت کی حمایت ہے لیکن صدام حسین کے بے ضمیر ہمنواؤں نے صدام کی جمہوریت و سیکولرزم اور الحاد کا اسلام کی رو سے جائزہ لینے کی کوشش نہیں کی ہے کیونکہ انہیں خوب علم ہے کہ

صدام کی سوشلسٹ سرکار اسلام مخالف ہی نہیں بلکہ اسلام دشمن بھی ہے اور اس کی بعث پارٹی کا دستور ساز اسلام دشمن عیسائی میشل عفلق ہے جس کا مقصد اسلام کی بنیادیں کھود کر عرب قومیت کا نعرہ بلند کرنا تھا اور صدام کا دست راست عیسائی طارق عزیز اس کی جمہوریت کا اور لادینی ذہن کا عکاس ہے۔

صدام کے شخصی عقائد اور نظریہ سیاست اور اس کی بعث پارٹی کا آپریشن اظہر غوری صاحب نے اپنی کتاب "دشمن اسلام والنسانیت صدام حسین" میں کیا ہے اس لئے ہم اس پر زیادہ کچھ لکھنا نہیں چاہتے۔

بلکہ ہمیں اس وقت قبر پرست شریعت اور کمیونسٹ عقائد کے حامل اور کتاب و سنت کے مخالف صدام کے ہمنواؤں کے فریب اور مملکت سعودیہ عربیہ کے خلاف ان کی گہری سازش کا پردہ فاش کرنا ہے اور کتاب و سنت کی روشنی میں ملوکیت اور جمہوریت کا ایک جائزہ پیش کرنا ہے۔

دنیا کی جدید جمہوریت الحاد اور مادہ پرستی کے ضمیر سے پیدا النسانیت کا کوڑھ ہے جو مذہب کو سیاست سے جدا کر کے سیاست اور ملک و مملکت سے خدا کو الگ کر کے اس کی جگہ مساجد و جامعات میں متعین کرتی ہے اور خود ملک و مملکت کی فرمانروا دستور ساز اور خدا بنجاتی ہے۔

جدید جمہوریت میں دستور سازی ان چند افراد کے ہاتھوں میں ہوتی ہے جو ذات پات اور دولت و طاقت کی بنیاد پر انتخاب میں آتے ہیں۔ اور ان کی کثرت رائے سے دستور سازی ہوتی ہے اور ان کا فیصلہ پوری مملکت کیلئے خدائی فرمان بن جاتا ہے۔

اس کے برخلاف اسلام میں سیاست اور دین دونوں دو نہیں ہیں بلکہ سیاست دین میں داخل اور اسلام میں اسے اولین اہمیت حاصل ہے چنانچہ صحابۂ کرام رضوان اللہ اجمعین نے وصال نبوی کے بعد آپ کی تدفین و تکفین سے پہلے سقیفۂ بنو ساعدہ میں حضرت صدیق اکبر کو آپ کا جانشین بنایا جس سے اسلام میں سیاست و امارت کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنے ایک نبی کی زبان سے یہ دعا کرائی۔ وَاجْعَل لِّي مِن لَّدُنكَ سُلْطَانًا نَّصِيرًا۔ (سورہ اسراء) اور اپنی طرف سے کسی اقتدار کو میرا مددگار بنا دے۔ یعنی یا تو خود مجھے صاحب اقتدار کر دے یا پھر کسی حکومت کو میرا مددگار کر دے۔
اس کی وجہ یہ ہے کہ امارت و ریاست سے بڑے بڑے مفاسد کا سد باب ممکن ہے جیسا کہ

حضرت عثمان غنیؓ نے اس نکتے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

ان اللہ لیزع من السلطان مالا یزع بالقرآن۔ اللہ تعالیٰ مملکت کی طاقت سے ان برائیوں کا سدباب کر دیتا ہے جن کا سدباب محض قرآن سے نہیں کرتا۔

اگر اسلام کے حکم جہاد پر غور کیا جائے تو اس کی اصل وجہ اسلام کی سیاست اور فرمانروائی کا نفاذ ہی قرار پاتا ہے کیونکہ اسلام کسی کو زبردستی عقیدہ اسلام میں داخل کرنے کا مخالف ہے۔ اس کا اعلان ہے "لا اکراہ فی الدین" یعنی دین اور عقیدے میں زبردستی نہیں لیکن انسانیت کے امن اور انصاف کی فرمانروائی کے لئے اسلام کے نظام سیاست کا نفاذ جہاد کی اصل منشا ہے یہی وجہ ہے کہ دشمن اگر اسلام کی فرمانروائی کو تسلیم کر لے تو پھر اس کے خلاف جہاد کا کوئی جواز نہیں رہ جاتا۔ اور اسے اپنے عقیدے اور مذہب پر برقرار رہتے ہوئے مملکت اسلام میں امن کے ساتھ رہنے کا موقع دیا جاتا ہے اور مملکت اس کی پشت پناہ اور ذمہ دار بن جاتی ہے۔

جدید مغربی جمہوریت مملکت کو انسان کے بنائے ہوئے دستور کا پابند بناتی ہے لیکن اسلام اسے شرک و کفر کے نام سے یاد کرتا ہے۔

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون۔ (سورۃ مائدہ ۴۴) جو اللہ کے نازل کردہ قانون سے فیصلہ نہیں کرتے وہی کافر ہیں۔

اس کے برخلاف اسلام میں اصل قانون ساز مالک کائنات اور رب العالمین ہے۔

الا لہ الخلق والامر فتبارک اللہ رب العالمین (سن لو) اسی (اللہ) نے پیدا کیا ہے اور حکم اور قانون بھی اسی کا ہوگا اور اللہ رب العالمین بابرکت ہے۔

اسلام میں سیاست و امارت کی اصل منشا قانون شریعت کی تنفیذ اور کتاب و سنت کی فرمانروائی ہے یہاں امیر یا حاکم قانون ساز نہیں بلکہ قوت نافذہ ہوتا ہے اور شریعت کا اتنا ہی پابند ہوتا ہے جتنا مملکت کا ایک عام فرد ہوتا ہے۔

اس سے پہلے کہ ہم اسلام میں جمہوریت اور ملوکیت کی جگہ متعین کریں صدام حسین کی جمہوریت کا اندازہ کرنے کے لئے اسی کی ایک بات پیش کرنا چاہتے ہیں۔

صدام حسین نے اپنی ایک تقریر میں یہ کہا کہ۔

"ہم سب کو اجازت دیں گے کہ وہ اپنی دینی رسومات پر اپنی پسند سے عمل کریں ہم ان کے معاملات میں مداخلت نہیں کریں گے لیکن ہماری بنیادی شرط یہ ہوگی کہ معاشرے کی تعمیر و تشکیل کے سلسلے میں ہماری اس پالیسی سے ان کا کوئی ٹکراؤ نہ ہو جو عرب بعث پارٹی نے اپنا رکھی ہے۔ ہم انہیں انتباہ دیتے ہیں کہ دین کو سیاست کی آڑ نہ بنائیں نہ ایسی حالت پیدا کرنے کا ذریعہ بنائیں جو انقلاب کے طریق کار اور مقاصد سے ٹکراتی ہو۔" (صدام حسین ص ۱۶۵)

یعنی صدام حسین اپنے بعث پارٹی کے دستور کے خلاف اسلام کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

ہم نے پہلے یہ لکھا ہے کہ اسلام میں دستورِ اسلام اور قانونِ شریعت کتاب و سنت کی تنفیذ ہی امارت و سیاست کی اصل منشاء ہے اور قانونِ شریعت کی تنفید کے لئے قوت اور حالات اور اس کی تنفیذ کے طریقوں اور انہیں مؤثر طور پر نافذ کرنے کے لئے ایک مجلس شوریٰ کی ضرورت ہوتی ہے جو امیر اور سربراہ مملکت کی مدد کرتی ہے ایک اسلامی مملکت کے لئے اس سے زیادہ نہ ممبران کی ضرورت ہے اور نہ قانون ساز ادارے کی اور نہ مغربی طرز انتخاب کی۔

اب یہاں ایک اور سوال رہ جاتا ہے کہ سیاست و مملکت کے اندر قوتِ نافذہ کون ہو کوئی ایک خاندان یا مغربی طرزِ انتخاب سے اس کا تعین یا محض مجلسِ شوریٰ کے ارکان کا انتخاب ہی پوری مملکت کی عوام کے لئے واجب التسلیم ہو۔؟

کتاب و سنت اور اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ سیاست سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں ملوکیت و بادشاہت کے لئے جگہ ہے لیکن صدام حسین کی سیکولر و لادینی جمہوریت اور دین و سیاست میں تفریق کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔

کتاب اللہ سے بادشاہت اور موروثی حکومت کا ثبوت۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ۔ (سورۃ ص ۱: ۱۶)

اور داؤدؑ کے وارث سلیمانؑ ہوئے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام کی بادشاہت میں ان کے وارث بنے اور اللہ نے نبوت میں بھی ان کا جانشین بنایا۔

کتاب اللہ میں نبوت اور بادشاہت کا ایک ساتھ ثبوت داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام سے ملتا ہے۔

ایسے ہی بنو اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے اپنا ایک بادشاہ بنانے کی درخواست کی جس کے سایہ اقتدار میں وہ دشمنوں سے لڑیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ۔

ان اللّٰہ قد بعث لکم طالوت ملکا۔ (سورۃ بقرہ: ۲۴۷)

بیشک اللہ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنایا ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملوکیت اور بادشاہت اسلام کے خلاف نہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والدین سے ملنے کے بعد رب العالمین کا شکریہ ادا کرتے ہوتے فرمایا کہ۔

رب اتیتنی من الملک وعلمتنی من تاویل الاحادیث (یوسف ۱۰۱)

اے میرے رب تو نے مجھے ملک اور بادشاہت دی اور خوابوں کی تعبیر کا علم دیا۔

یوسف علیہ السلام کا اپنی بادشاہت اور ملوکیت پر شکریہ دین میں بادشاہت کے جواز کا ثبوت ہے۔

سورۃ مائدہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنو اسرائیل کو اپنے کرم کا ممنون بناتے ہوتے فرمایا۔

اذکروا نعمۃ اللّٰہ علیکم ان جعل فیکم انبیاء وجعلکم ملوکاً۔

(سورۃ المائدہ/۲۰)

اپنے اوپر اللہ کی نوازشات کو یاد کرو کہ اس نے تم میں انبیاء بنائے و تمہیں بادشاہ بنایا۔

سورۃ النساء میں اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے۔

فقد اتینا ال ابراھیم الکتاب والحکمۃ واتیناھم ملکا عظیما

اور ہم نے آل ابراہیم کو کتاب وحکمت دی اور انہیں زبردست بادشاہت دی۔

(سورۃ النساء۔ ۵۴)

سورہ ص میں حضرت داؤد کی دعا ہے۔

قال رب اغفرلی وھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی

اے میرے رب مجھے بخش دے اور ایسی بادشاہت عطا کر جو میرے بعد کسی کے لئے زیبا نہ ہو۔ (سورۃ ص۔ ۳۵)۔

یہ اور اس کے مثل کتاب اللہ کی آیتوں سے جیسے بادشاہت کا ثبوت و جواز فراہم ہوتا ہے ویسے ہی یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دین اور سیاست میں تفریق اور سیکولر اور لادینی جمہوریت کے لئے اسلام میں کوئی جگہ نہیں اور جو لوگ مغربی جمہوریت اور اس کے طرز انتخاب کو اسلام میں برآمد کرنے کی سازش کرتے ہیں وہ اسلام میں شرک و کفر کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں۔

اسلام میں امارت و سیاست کی اصل منشا:

جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے کہ اسلام میں امیر کے تعین کا مقصد قانون شریعت کی تنفیذ کیلئے قوت نافذہ کا تعین ہوتا ہے اور مجلس شوریٰ اس کی معاون و مددگار ہوتی ہے لہٰذا اگر کتاب و سنت کے احکام کی تنفیذ کا کام پورا ہو رہا ہو تو اس کا کوئی سوال نہیں رہ جاتا کہ وہ خاندانی اور موروثی ہے یا مجلس شوریٰ کی انتخاب کردہ یا کسی سابق امیر کا اپنی صوابدید سے انتخاب کردہ جانشین۔

اور شاید یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاست کی اہمیت کے باوجود کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا اور اسے صحابہ کرام کی صوابدید پر چھوڑ دیا اور مجلس شوریٰ نے آپ کے دست راست حضرت صدیق اکبر کو آپ کا جانشین بنالیا اور حضرت ابوبکرؓ نے خود اپنی صوابدید سے حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین بنایا اور حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے جانشین کے انتخاب کی ذمہ داری مجلس شوریٰ کے اراکین پر چھوڑ دی کہ وہ کثرت رائے سے کسی کو ان کا جانشین بنالیں۔ اور پھر اس کے بعد حضرت علیؓ اور معاویہؓ کے بعد دور ملوکیت کا آغاز ہو گیا اور اسلام کے اب تک کے دور میں ملوکیت اور بادشاہت کا یہ سلسلہ برقرار رہ گیا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خلافت چالیس سال رہے گی پھر ملوکیت کا دور آجائیگا۔ پھر بھی اموی اور عباسی دور ملوکیت کو ہمارے علماء نے کبھی خلاف شریعت نہیں قرار دیا اور مورخین نے ان ادوار کو خلافت اموی اور عباسی کے نام سے یاد کیا ہے کیونکہ ان کا دستور سیاست اسلام ہی تھا۔

ان چند باتوں کے بعد شاید اس چیز میں کوئی اشکال نہیں رہ جاتا کہ کسی ایک خاندان کا اقتدار اسلام کی منشا کے مخالف اس وقت تک نہیں قرار دیا جاسکتا جب تک کتاب و سنت کے احکام کی تنفیذ ارباب مملکت کے پیش نظر ہو اور اس پر دیانتداری کے ساتھ عمل ہوتا رہے۔ (ا) ایسی جمہوریت

جس میں دین کو سیاست سے جدا کر کے کتاب و سنت کے قانون کے خلاف چند افراد کی کثرتِ رائے کو دستور بنایا جائے اگرچہ روزانہ ایک نیا شخص کثرتِ رائے سے سربراہِ مملکت بنایا جاتا ہو اسلام کی سیاست کے منشاء کے خلاف ہوگا اور ایسے ملک کو مسلم ملک کے نام سے تو یاد کیا جا سکتا ہے لیکن اسے اسلامی مملکت کبھی نہیں قرار دیا جا سکتا۔

ہمیں ان بد دیانت مغرب زدہ اور کمیونسٹ مسلمانوں اور قبر پرست شریعت کے پیروؤں پر سخت تعجب ہے جو مملکت سعودیہ عربیہ پر ملوکیت کا الزام لگا کر جارحیت پسند، الحاد پرست صدام حسین کی حمایت اور تحفظ حرم کی فریب کارانہ باتیں کر رہے ہیں۔ جس رہزن نے آزاد مسلم مملکت کویت کے باشندوں کے قتل عام، ان کی ملکیت وجائداد اور عزت وآبرو کو لوٹ کر تقدسِ حرم کو خاک میں ملا دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ بروز جمعہ جبل الرحمۃ سے ایک لاکھ چالیس ہزار سامعین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

اما بعد۔ لوگو! مجھ سے سنو میں تمہیں بتا رہا ہوں کیونکہ اللہ جانتا ہے شاید اس سال کے بعد میں تم سے یہاں نہ مل سکوں۔

لوگو! تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری آبروؤں کا تمہارے لئے (ایک دوسرے پر) ایسے ہی احترام ہے جیسے تمہارے آج کے دن اور تمہارے اس مہینہ اور اس مقام کا ہے۔ ہاں کیا میں نے پہنچا دیا۔ اے اللہ شاہد رہنا۔

کیا اس رسولِ خدا کے انسانی منشور کو پامال کر کے صدام حسین نے تقدس حرم کو خاک میں نہیں ملایا ہے پھر اس کے یا اس کے بے ضمیر ہمنواؤں کے منہ سے تحفظ حرم کی دہائی زیب دیتی ہے؟ اور کیا ان کی طرف سے تحفظ حرم کی باتیں مسلمانوں کو دھوکا اور فریب دینے اور توحید پرست مملکت اسلامیہ سعودیہ کے خلاف الزام تراشی کی سازش کے سوا کوئی اور نام پا سکتی ہے؟ وہ مملکت سعودیہ جو دنیا کی واحد اسلامی مملکت ہے جس نے کتاب وسنت کو اپنا دستور بنایا ہے اور اپنے زمانہ قیام سے اب تک نہایت امانت داری کے ساتھ اس پر عمل کیا ہے اور جس مملکت کا ہر کام مجلس شوریٰ کے فیصلے سے انجام دیا جاتا ہے لیکن مملکت میں شریعت اسلامیہ کی یہ فرمانروائی کبھی اسلام کے ان دشمنوں کو پسند نہیں آئی جو لادینی، جمہوری اور خود ساختہ دستور کے فریب خوردہ ہیں اور ہمیشہ سے

یہ چاہتے ہیں کہ روئے زمین کی یہ واحد اسلامی مملکت تباہ ہوجائے تاکہ ملحدوں اور قبر پرستوں کو ارض مقدس کے بدعت والحاد کا مسکن بنانے کا موقعہ مل جائے لیکن انشاء اللہ ان کا یہ خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکے گا۔

مملکت سعودیہ نے اس جدید دور ترقی میں ملک کو ان تمام وسائل سے آراستہ کیا ہے جس سے وہاں کے باشندوں کو راحت ملے اسی کے ساتھ حاجیوں کی بہترین خدمات اور ان کی راحت رسانی کے لئے ہر ممکن انتظام کر رکھا ہے ساتھ ہی یہ مملکت دنیا میں اسلام کی تعلیم واشاعت کے لئے نیز چھوٹے مسلم ممالک اور اسلامی اداروں و تنظیموں کی کروڑوں ریال سالانہ کی امداد کے ذریعہ اپنی دینی اور دعوتی ذمہ داریاں پوری کر رہی ہیں اور اس کی یہی خدمات مخالفین اسلام کے دلوں میں خلش پیدا کر رہی ہے اور صدام حسین اور اس کے ہم نوا دشمنان اسلام کے مقاصد کی تکمیل کی راہیں ہموار کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ ان فریب کاروں کی دام تزویر میں نہ آئیں۔ ●

صفحہ ۲۱ کا بقیہ

سے پاک کردینا چاہئے۔ جھوٹ، دغا، فریب، رشوت، غیبت ظاہری و باطنی زنا بے حیائی فحاشی، منکرات سے اپنے معاشرے کو پاک کرنا ہے زمین پر اللہ کی مرضی نافذ کرنا ہے اور حسب استطاعت ہمیں تیاری کرنا ہے۔ واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم وآخرين من دونهم لا تعلمونهم الله يعلمهم۔

سورہ انفال۔ مشرکین سے مقابلے کی حسب استطاعت تیاری کرو گھوڑوں کو سدھا اس ذریعہ سے تم اپنے اور اللہ کے دشمنوں کو مرعوب کرسکو گے نیز اور بھی دوسرے لوگ ہیں جنہیں تم نہیں جانتے اللہ انہیں جانتا ہے۔

انطاکیہ کی تاریخ ہمارے لئے درس عبرت ہے صرف پانچ ہزار مسیحیوں نے انطاکیہ پر حملہ کر کے قبضہ کرلیا مگر جس وقت انگریز آئے تھے اس وقت مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ وہ ناچ گانوں میں مشغول رہتے۔ آپسی اختلافات عروج پر تھے طرب و موسیقی کے رسیا تھے پھر تقریباً پچاس سال بعد تین لاکھ صلیبیوں سے یہی علاقہ چھین لیا گیا یہ وہ نئی پود تھی جو اسلام پر مر مٹنے والی تھی ۔ آج بھی ہو جو ابراہیم سا ایماں پیدا ۔ آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

خلیجی تعاون کو زیادہ طاقتور اور بامقصد بنایا جائے گا

کویت کی آزادی ناگزیر، چوٹی کانفرس میں خادم حرمین شریفین کی تقریر

دوحہ (سعودی خبر رساں ایجنسی)

رات کا سب سے تاریک حصہ وہ ہوتا ہے جب فجر طلوع ہوتی ہے آج خلیج اسی شدید تاریکی سے گذر رہا ہے اور ہم اس مومن کی طرح جو کبھی رحمت خداوندی سے مایوس نہیں ہوتا یہ امید کرتے ہیں کہ اس تاریکی کا پردہ چاک ہونے ہی والا ہے اور امن وخوشحالی کا سورج طلوع ہونے میں اب زیادہ دیر نہیں ہے۔" ان الفاظ کے ساتھ خادم حرمین شریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز نے خلیجی تعاون کونسل کی چوٹی کانفرنس کو خطاب کیا جو دوحہ (قطر) میں منعقد ہوئی تھی۔

شاہ فہد نے کہا کہ چوٹی کانفرس ایسے حالات میں منعقد ہو رہی ہے جب کویت پر جارحیت وقبضہ کا سلسلہ جاری ہے اور نبض عالم تھم سی گئی ہے کہ آنیوالا سورج معلوم نہیں امن کی خوش خبری لیکر طلوع ہوگا یا جنگ کی تباہی وبربادی لیکر جہاں تک ہمارا سوال ہے ہم نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ کویت کی آزادی بحال ہو۔ امن کے ذریعہ ممکن ہو تو امن کے ذریعہ اور اگر جنگ کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہ رہ جائے تو جنگ کے ذریعہ ہم یہ تاریخی ذمہ داری ادا کرنے میں کسی تذبذب، بزدلی اور پہلوتہی سے کام نہیں لے سکتے ہیں اور نہ ہم نے امیدوں کے سارے راستے بند کئے ہیں ہم نے اس شخص کو جسے بھائی اور دوست سمجھتا تھا یہ دکھا دیا ہے کہ محاذ آرائی اور صلح دونوں فیصلے کرنے کی ہم میں صلاحیت ہے اور اسے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اب بھی جنگ سے باز رہنے کا دروازہ کھلا ہوا ہے جنگ کی صورت میں سب سے پہلے اسی کو اور اسی کی قوم کو تباہی وبربادی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

شاہ فہد نے کہا کہ آج جبکہ حالات بہت سنگین ہیں اور چاروں طرف سیاہ بادل منڈلا رہے ہیں پچھلی باتوں پر افسوس کرنے کا وقت نہیں ہے

بلکہ موجودہ صورت حال سے صحیح ڈھنگ سے نمٹنے پر پوری توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ موجودہ بحران کی ذمہ داری تنہا عراق پر ہے لیکن ہمیں بھی اپنے معاملات کو از سر نو منظم کرنا ہوگا اور ماضی سے عبرت حاصل کرنی ہوگی آج خلیجی گھرانہ کی تنظیم نو کی ضرورت ہے تاکہ وہ اس بحران سے زیادہ طاقت ور اور ہم آہنگ ہو کر نکلے اور تمام انسانی و مادی وسائل کو زیادہ بہتر طور پر استعمال کیا جا سکے۔

شاہ فہد نے کہا کہ بلاشبہ پچھلے برسوں میں خلیجی ممالک نے اقتصادی، سماجی اور ثقافتی میدانوں میں زبردست ترقی و پیش قدمی کی ہے اور اس سے شہریوں میں نئی امنگیں بھی پیدا ہوئی ہیں جن کا ہم خیر مقدم کرتے ہیں اور ان امنگوں کو بایں طور پورا کرنا چاہتے ہیں کہ اب تک کی پیش قدمی کو بنیاد بنا کر آگے بڑھا جائے اور ترقی کی سمت سفر کا تسلسل باقی رہے اس سلسلہ میں خلیجی تعاون کونسل کو مزید طاقتور بنانا ضروری ہے۔

- سیاسی میدان میں تعاون و ہم آہنگی اسطرح پیدا کی جائے کہ پورے خلیج کا سیاسی رخ ایک نظر آئے۔
- اقتصادی میدان میں مشترکہ خلیجی منڈی قائم کی جائے اور اقتصادی ہم آہنگی کو فروغ دیا جائے۔
- سلامتی کے میدان میں اجتماعی دفاع اور فوجی تشکیل کو فروغ دیا جائے تاکہ خلیج ایک مضبوط قلعہ بن جائے اور کویت جیسا المیہ رونما نہ ہو سکے اور کسی کو اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کا حوصلہ نہ ہو سکے۔

انھوں نے کہا کہ "عرب نظام" المیہ کا سامنا کرنے میں ناکام رہا ہے اس لئے اب اس نظام پر نظر ثانی کرنے اور باہمی تعاون کو ٹھوس اور سائنٹفک بنیادوں پر قائم کرنے کی ضرورت ہے ماضی کے تجربوں کی بنیاد پر عرب ممالک کے مابین اقتصادی تعاون کو فروغ دینا چاہئے تاکہ عرب قوم کے مستقبل کی تعمیر میں ہر ممکن تعاون دیا جا سکے۔ اسی طرح ہم پوری دنیا سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتے۔ جو

تعاون، آزادی اور کشمکش کی جگہ مفاہمت کے راستوں پر گامزن ہے قدموں اور ملکوں کے درمیان تعلقات کے نئے ڈھانچے بن رہے ہیں۔

شاہ فہد نے کہا کہ مومن ہر برے بھلے وقت میں خدا کا شکریہ ادا کرتا ہے اور قضا و قدر کے فیصلوں کو خوش دلی کے ساتھ قبول کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کئی طرح آزماتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں کہا گیا ہے کہ خوف، بھوک اور مالی و جانی نقصان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ آزماتا ہے اور پھر صبر کرنے والوں کیلئے بشارت دی گئی ہے۔ ہم موجودہ مصیبت کو جو ایک ایسے بھائی کی طرف سے پیدا کی گئی ہے جس کو ہم نے ہر محبت و تعاون اور وفاداری سے نوازا صبر کے ساتھ برداشت کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر پورا بھروسہ رکھتے ہیں کہ اس کی نصرت ہمارے شامل حال ہوگی۔ اس آزمائش میں خلیج کے تمام لوگ فرد واحد کی طرح مظلوم کی مدد کیلئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور مکمل یکجہتی کا مظاہرہ کر رہے اسی طرح تمام مسلمان بھائی دل سے ہمارے ساتھ ہیں اور انھوں نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو یہاں بھیج دیا ہے کہ وہ ہماری مدد کریں پوری ملت ایک جسم کی طرح ہوگئی ہے اس بحران نے ثابت کر دیا ہے کہ صرف معدودے چند افراد ملت کے اجماع سے کٹے ہوتے ہیں اور ظالم اور مظلوم میں تمیز نہیں کر پا رہے ہیں ان میں سے بھی بعض حق کی طرف واپس آگئے ہیں اور باقی کے بارے میں بھی ہمیں ایسی ہی امید ہے۔ اس طرح پوری دنیا نے خلیج کے تعمیری رویہ کو فراموش نہیں کیا ہے اور یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو تیسری دنیا کی خوشحالی کیلئے بھی استعمال کر رہے ہیں اور انکی خوشحالی کو اپنی خوشحالی کا حصہ سمجھتے ہیں۔ ہم نے ہمیشہ سب کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے کبھی بھی نہ تو جارحیت کا ارتکاب کیا نہ کسی جارحیت کی حمایت کی بلکہ ہمیشہ ایسے نئے عالمی نظام کے علمبردار رہے جو جنگوں سے پاک ہو اور جس میں دوستی کا دور دورہ ہو پوری دنیا کا متحد موقف اور اقوام متحدہ کی قراردادیں اس کا ثبوت ہیں کہ اب ایسا دور شروع ہونے ہی والا ہے جس میں کسی جارحیت پرست کی کوئی جگہ نہیں ہوگی آج تک کسی بھی ملک نے عراقی جارحیت کو تسلیم نہیں کیا۔ ہم بھی اس عہد کا اعادہ کرتے ہیں کہ مستقبل میں بھی ہم منصفانہ مقاصد کی بھرپور تائید کرتے رہیں گے اور

طاقت سے ملی مسائل میں تعاون دیں گے جن میں سرِ فہرست فلسطین کا مسئلہ ہے۔

شاہ فہد نے کہا کہ اسلام نے دنیا کو سب سے پہلے آزادی و مساوات کا درس دیا اور ہر طرح کی سماجی نابرابری کو مسترد کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے شریعت مطہرہ کی صورت میں ہمیں ابدی رہنما عطا کر دیا ہے کتاب و سنت کے لازوال اصولوں نے انصاف و اعتدال و توازن سکھایا ہے غلو، مبالغہ آمیزی اور انتہا پسندی کی کوئی گنجائش نہیں۔ ہم اس راستہ پر خدا کے فضل و کرم سے گامزن ہیں۔

صدام حسین عقل سے کام لیں

خادم حرمین شریفین کی اپیل۔

جدہ سعودی پریس ایجنسی:۔

خادم حرمین شریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز نے کویت کے تعلق سے سعودی عرب کے موقف کا اعادہ کرتے ہوئے عراقی صدر صدام حسین سے اپیل کی ہے کہ وہ عقل سے کام لیں اور کویت سے بلا شرط واپسی شروع کر دیں اور کویت کو اہل کویت کیلئے چھوڑ دیں۔ انہوں نے کہا کہ اس سے کم کوئی بات قابل قبول نہیں کہ کویت کی ۲؍اگست سے پہلے والی حیثیت بحال ہو جائے۔

قصر اسلام میں سعودی شہریوں سے گفتگو کرتے ہوئے شاہ فہد نے یقین دلایا کہ سعودی عرب کے امن و استحکام پر کوئی اثر نہیں پڑا ہے اور ملک اس راستہ پر گامزن رہے گا جس پر چلتے ہوئے ہر چھوٹے بڑے شہری کی امیدیں پوری ہو سکیں۔ انہوں نے کہا کہ حکومت کے نظام و قواعد پر بہت دن گزر چکے ہیں اور بعض چیزوں پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ بنیادی نظام اور مجلس شوریٰ کے سلسلہ میں وہ انتہائی دلچسپی لے رہے ہیں اور اس سلسلہ میں ضروری اقدامات جلد ہی منظر عام پر آجائیں گے۔

شاہ فہد نے کہا کہ سعودی عرب کے نظام کی ایک ہی مستقل بنیاد ہے اور وہ یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے جس کی اجازت دی ہے اس پر عمل کیا جائے اور جس سے روکا ہے اس سے رک جایا جائے۔ جب تک قرآن و سنت پر عملدرآمد جاری رہے گا اس امت کو خداوند کریم

کی مدد جاری رہے گی۔

عراق کویت تنازعہ کا ذکر کرتے ہوئے شاہ فہد نے کہا کہ سعودی عرب نے دونوں ملکوں کے درمیان تنازعہ حل کرانے کی ہر ممکن کوشش کی جدہ کے مذاکرات میں بات چیت جاری رکھنے کا فیصلہ ہوا تھا لیکن اچانک ہی عراق نے کویت پر حملہ کر دیا انہوں نے صدام حسین سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی جو کامیاب نہیں ہوئی انکے نائب عزت ابراہیم نے صبح ان سے رابطہ قائم کر کے کہا کہ عراق کا ایک حصہ اسے واپس مل گیا ہے۔ پھر عراق نے سعودی سرحدوں پر ڈھائی ہزار ٹینک اور ڈیڑھ لاکھ فوجی جمع کر دئے۔ عراق کا دوسرا نشانہ سعودی عرب کا مشرقی صوبہ تھا سعودی عرب نے اپنے دوست ممالک کو بتایا کہ عراقی فوجیں بلا وجہ سرحدوں پر جمع نہیں ہوئی ہیں۔ سعودی عرب کے پاس ایک طاقتور فوج تھی لیکن اس فوج کے درجہ کی نہیں تھی جو آٹھ برس سے برسرپیکار تھی جس پر سعودی عرب اور کویت کی مدد سے اربوں ڈالر خرچ کئے جا چکے تھے۔ پھر سعودی عرب کی درخواست پر عرب، اسلامی اور دوست ممالک نے اپنی فوجیں بھیجیں۔ انہیں اس خطہ میں مستقل رکھنے کا کوئی منصوبہ ہے نہ معاہدہ ضرورت ختم ہوتے ہی یہ فوجیں واپس چلی جائیں گی۔

شاہ فہد نے زور دیکر کہا کہ جب تک ہم کلمہ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر قائم رہیں گے۔ اس ملک کو کوئی گزند نہیں پہونچ سکتی یہی ہماری بنیاد اور ہمارا اصول ہے اور اس کے لئے ہم اپنی پوری طاقت سے لڑیں گے چاہے دست بدست جنگ کی نوبت ہی کیوں نہ آجائے۔

شاہ فہد نے زندگی کے مختلف میدانوں میں ہمہ جہتی ترقی کا ذکر کیا اور بتایا کہ سعودی عرب کی ترقی کی رفتار نہایت تیز ہے شہریوں کو تمام شہری حقوق اور آزادیاں اور ہر قسم کی مالی سہولتیں حاصل ہیں۔ سماجی اعتبار سے سعودی معاشرہ دنیا کا بہترین معاشرہ جانا جاتا ہے۔ دنیا میں کوئی دوسرا ایسا ملک نہیں جو دیگر ممالک کو بلا سود اور طویل مدتی قرض فراہم کرتا ہو اور وہ بھی اتنے بڑے پیمانے پر۔ داخلی سطح پر زراعت، تجارت اور صنعت وغیرہ کے میدانوں میں شہریوں کو ہر طرح کی مالی سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں جس کی وجہ سے ملک آج صنعتی اور زراعتی میدانوں میں نمایاں ترقی کر چکا ہے۔ سمندری پانی کو صاف کر کے میٹھا بنانے میں [illegible] پیش رفت سعودی عرب نے کی ہے۔ وہ پوری دنیا میں کسی ملک نے ابھی تک نہیں کی ہے اور آج ملک کے ہر گوشہ میں میٹھا پانی وافر مقدار میں مہیا ہے۔

شاہ فہد نے امید ظاہر کی کہ خلیج کے حالات جلد ہی معمول پر آجائیں گے۔

جنگ کی صورت میں سب سے زیادہ اسرائیل کو فائدہ پہونچے گا

ڈاکٹر یوسف قرضاوی کا بیان۔ ساری ذمہ داری عراقی حکام پر ہے

عالم اسلام کے سرکردہ دانشور و ماہر فقہ ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے انتباہ دیا ہے کہ اگر خلیج میں جنگ ہوئی تو پورے علاقہ میں زبردست تباہی و بربادی آئے گی اور اس سے سب سے زیادہ فائدہ اسرائیل کو پہونچے گا۔ اس لئے پوری ملت اسلامیہ کے مفاد میں یہی ہے کہ اس تباہی و بربادی سے بچنے کیلئے اس کے اسباب کا ازالہ کیا جائے اور ظاہر ہے سب سے بنیادی سبب کویت کے خلاف عراق کی جارحیت ہے جسکا کوئی جواز پیش نہیں کیا جاسکتا جو لوگ اسوقت عراق کی حمایت کر رہے ہیں وہ ظالم کا ساتھ دے رہے ہیں بلکہ اس طرح جرائم میں شرکت کر رہے ہیں اور اس طرح پورے خطہ میں تباہی و بربادی لانا چاہتے ہیں جب کہ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں انھیں ظالم کے خلاف اٹھ کھڑے ہونا چاہیئے۔ خطہ میں بیرونی فوجوں کی موجودگی کا سبب عراقی جارحیت ہے اگر جارحیت کا ارتکاب نہ کیا گیا ہوتا تو ان فوجوں کا یہاں وجود بھی نہ ہوتا اسی لیے ہم عراق سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ کویت سے واپس چلا جائے تاکہ ان فوجوں کی موجودگی کا جواز بھی باقی نہ رہے۔

اپنے ایک بیان میں ڈاکٹر قرضاوی نے کہا کہ عراق پوری دنیا کو شکست نہیں دے سکتا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسی جنگ لڑے گا جس میں اسے ہر محاذ پر تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا انھوں نے کہا کہ اس تنازعہ کے حل کی کنجی ایک ہی شخص کے ہاتھ میں ہے جس نے جنگ کی آگ بھڑکائی ہے وہی اس آگ کو بجھا بھی سکتا ہے۔ ہمیں حکام اور عوام کو ایک ہی سطح پر نہیں رکھنا چاہیئے عراق میں جو کچھ ہو رہا ہے ہر عراقی اسکا ذمہ دار نہیں ہے اسی طرح ہر فلسطینی اپنے لیڈر کے اقدامات کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔ ذمہ داری صرف اس پر ہے جو اس جارحیت کی حمایت کرتا ہے کتنے ہی عراقی ظلم و ستم سے تنگ آکر عراق سے فرار ہو چکے ہیں۔

ڈاکٹر قرضاوی نے خیال ظاہر کیا کہ موجودہ بحران کا اصل سبب یہ ہے کہ اسلامی زندگی میں خلل پیدا ہوچکا ہے پہلے مسلمانوں کی ایک مرکزی قیادت ہوا کرتی تھی جو انکے اتحاد کی علامت و علمبردار تھی اس کا نام اسلامی خلافت ہوا کرتا تھا، یہ قلعہ مسمار ہونے کے بعد مسلمانوں کو متحد رکھنے والی کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی نہ اجتماعی قیادت نہ باغیوں کو روکنے کیلئے کوئی قوت ہے اسلئے ہم دوسروں سے مدد لینے پر مجبور ہیں۔ آج ضرورت ہے کہ مسلمان اپنا جائزہ لیں۔ مسلمانوں کے سوا پوری دنیا اتحاد کی طرف گامزن ہے۔ یورپ اپنے سارے اختلافات کو پس پشت ڈال کر متحد ہو رہا ہے اور ہم ایک دوسرے سے برسر پیکار ہیں آج اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کی ضرورت ہے اپنے معاملات کو اسلامی معیار سے ناپنے کی ضرورت ہے ظالم کا ساتھ ایک دن کیلئے بھی ناروا ہے ظلم کی مزاحمت ہونی چاہئے اس پر خاموش نہیں رہنا چاہئے۔ پہلے ہم استعمار پر یہ کہہ کر نکتہ چینی کرتے تھے کہ اس کے نزدیک کسی دور دراز جنگل میں ایک آدمی کو قتل کر دینا تو ناقابل معافی جرم ہے لیکن پوری قوم کا گلا گھونٹ دینا کوئی جرم نہیں۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ عربوں ہی میں بعض ایسے نکل آئے ہیں جو استعمار کی یاد تازہ کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر قرضاوی نے کہا کہ کویت میں زبردست اسلامی لہر چل رہی تھی ہزاروں کویتی نوجوان نیکی اور بھلائی کے کاموں میں سرگرم تھے بہت سی رفاہی انجمنیں کام کر رہی تھیں آج بھی کویت کے لوگ اپنے رفاہی پروگرام جاری رکھنا چاہتے ہیں۔

اسی دوران جامعہ زیتونہ کے وائس چانسلر ڈاکٹر ابو لبابہ حسین نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ سعودی عرب کی مخالفت کرنے والے کمیونسٹ، ملحد اور بائیں بازو کے لوگ ہیں اور ان کی دشمنی کی اصل وجہ یہ ہے کہ سعودی عرب اسلام کی نمائندگی کرتا ہے اور وہاں شریعت نافذ ہے۔ سعودی عرب ساری دنیا کے مسلمانوں کیلئے پناہ گاہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس نے اسلامی کاز کیلئے ہمیشہ فراخدلی سے اپنی دولت خرچ کی ہے اور پورے اعتدال و توازن کے ساتھ اسلامی سرگرمیوں کی پشت پناہی کرتا رہا ہے حرمین شریفین کی بے مثال خدمت اور خود مملکت کی

نمایاں ترقی میں سعودی قیادت نے قابل رشک پیش رفت اور کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے افریقہ میں خشک سالی کے نتیجہ میں بھکمری کا شکار ہونے والے انسانوں اور دنیا بھر میں آفات و مصائب میں مبتلا ہونے والے لوگوں کی بے مثال مدد کیلئے بھی سعودی عرب کی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

(روزنامہ المشرق الاوسط و روزنامہ عکاظ)

عراقی قیادت نے فلسطینی کاز کی پشت میں ہمیشہ خنجر گھونپا

یاسر عرفات صدام کو فلسطینیوں کے تین بڑے دشمنوں میں شمار کرتے تھے

تنظیم آزادی فلسطین اور صدر صدام حسین کے مابین تعلقات میں اتار چڑھاؤ کی لمبی داستان ہے جون ۱۹۶۷ء کی شکست اور مارچ ۱۹۶۸ء میں کرامہ کے معرکہ کے بعد فلسطینیوں میں جو احساس شکست پیدا ہوا۔ اس نے فلسطینی جذبات میں کافی شدت پیدا کر دی صدام حسین نے اس کی بھرپور کوشش کی کہ تنظیم آزادی فلسطین ان کی گود بھی جائے اور فدائی سرگرمیوں کو وہ اپنے مفادات کیلئے استعمال کر سکیں لیکن جب فلسطینی مزاحمت نے کٹھ پتلی بننے سے انکار کر دیا تو صدام حسین نے فلسطینیوں کی ایک نئی تنظیم کھڑی کرادی جسکا نام ہے "عرب محاذ آزادی" اس کی قیادت آج کل عبدالرحیم احمد کر رہے ہیں۔ شام نے اس سے پہلے ہی اپنی حامی ایک تنظیم "صاعقہ" کے نام سے بنوادی تھی جس کی قیادت مرحوم زہیر محسن کر رہے تھے۔

۱۹۷۰ء میں اردن میں "سیاہ ستمبر" کے دوران جو واقعات پیش آئے اور جس طرح عراق خاموش تماشائی بنا رہا اس نے صدام حسین اور فلسطینیوں کے درمیان تعلقات بہت کشیدہ کر دیئے یہ کشیدگی برابر جاری رہی یہاں تک کہ شاہ حسین نے ۱۹۷۲ء میں متحدہ ہاشمی سلطنت کا منصوبہ پیش کر دیا تنظیم آزادی فلسطین کے ساتھ عراق نے بھی اس منصوبہ کو مسترد کر دیا اور اس طرح دونوں کے درمیان کشیدگی ایک بار کم ہوگئی پھر اکتوبر کی جنگ اور ۱۹۷۵ء میں لبنان کی خانہ جنگی کے دوران دونوں

کے تعلقات اور مستحکم ہوئے لیکن پھر ۱۹۷۷ء سے ۱۹۷۹ء کے دوران یہ تعلقات پھر کافی خراب ہو گئے جب عراق نے ناراض فلسطینی لیڈر ابو نضال کو یاسر عرفات کے خلاف کھڑا کرنے کی کوشش کی اور دنیا کی مختلف راجدھانیوں میں تنظیم آزادی فلسطین کے نمائندوں اور لیڈروں کے قتل کے واقعات سامنے آنے لگے۔ پیرس میں عزالدین قلق کو، کویت میں علی ناصر یاسین کو اور لندن میں سعید حمامی کو قتل کر دیا گیا انھیں واقعات کے بعد یاسر عرفات نے اپنا وہ مشہور بیان دیا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ "عربوں کے دشمن تین ہیں، بیگن کارٹر اور صدام حسین"

فلسطینی مسئلہ کے ساتھ صدام حسین کے کھلواڑ پر خود عراق کے اندر رد عمل پہلی بار اس وقت سامنے آیا جب بعث پارٹی کے ثقافتی بازو کے ذمہ دار عبدالخالق سامرائی کو صدام حسین کے طریق کار کی مخالفت کی پاداش میں ۱۹۷۳ء کی سازش میں ملوث کر دیا گیا اس سازش کا سرغنہ ناظم کازار تھا جو سکورٹی کا چیف بنایا گیا تھا۔ سامرائی کو ۱۹۷۹ء تک جیل میں رکھا گیا پھر ۱۹۷۹ء میں عدنان حمدانی کے گروپ کے ساتھ پھانسی دے دی گئی۔ اسی طرح صدام حسین کی فلسطینی پالیسی سے اختلاف رکھنے والے ایک دوسرے لیڈر محی عبدالحسین مشہدی کو جو انقلابی کمان کونسل کے ممبر اور جنرل سکریٹری تھے تمام عہدوں سے برطرف کر دیا گیا اور پھر انقلاب کی کوشش کے الزام میں پھانسی دے دی گئی۔ فلسطینی مسئلہ میں صدام حسین سے اختلاف کرنے والے ایسے ۲۴ لیڈروں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ صدام حسین کی پالیسیوں کے نتیجہ میں فلسطینی تحریک کمزور ہو جائے گی فلسطینیوں میں باہم پھوٹ پڑ جائے گی اور اسرائیل کو لبنان میں فلسطینی ٹھکانوں پر حملہ کرنے کا بہانہ مل جائے گا۔ صدام حسین کی پالیسیوں کے تعلق سے مندرجہ ذیل حقائق خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

- ۱۹۷۰ء میں اردن میں مقیم عراقی فوجوں نے صدام حسین کے حکم کے غیر جانبداری کا کردار ادا کیا جب اردنی فوج فلسطینیوں کو خون میں نہلا رہی تھی۔
- ۱۹۷۳ء میں عراق نے محاذ جنگ سے احمقانہ اور بے سر پیر کی بنیادوں پر اپنی فوجیں واپس بلا لیں اور شامی فوجوں کو تنہا محاذ پر چھوڑ دیا۔

- ساتویں دہائی میں عراق میں تنظیم آزادی فلسطین کا دفتر بند کر کے عرب محاذ آزادی کے نام سے نئی تنظیم کھڑی کر دی گئی۔
- بغداد کے زعفرانیہ علاقہ میں واقع فلسطینی کیمپوں پر۔ صدام حسین نے انتہائی بے دردی کے ساتھ بلڈوزر چلوا دیئے۔
- صدام حسین کی پالیسیوں کے مخالف "فلسطین الثورۃ" میگزین کے نائب ایڈیٹر عادل عبدالمجید وصفی کو قتل کروا دیا گیا۔ یہ واقعہ ۲۰ جون ۱۹۷۹ء کو پیش آیا اور بیروت میں ہزاروں لوگوں نے جنازہ میں شرکت کی اس کے بعد تنظیم آزادی فلسطین نے ایک بیان جاری کر کے ذمہ داری عراقی حکام پر ڈالی "یہ قاتل،" فاسسٹ اور جمہوریت وانسانیت کے دشمن ہیں"

کچھ دنوں بعد صدام حسین نے فلسطینیوں کو ورغلانے کی کوشش پھر تیز کر دیں۔ بغداد میں اس سلسلہ میں ایک کانفرنس بھی منعقد کی گئی لیکن فلسطینی لیڈروں نے اسے مسترد کر دیا تنظیم کے سر کردہ ممبر ابوصالح نے ایک بیان میں کہا کہ صدام حسین کی سرگرمیاں فلسطینی قوم کی امنگوں کے خلاف ہیں انھوں نے یہ بھی کہا کہ عادل وصفی کے قتل میں بیروت کے عراقی سفارتخانہ کا ہاتھ ہے اور صدام حسین چاہے کتنی دولت خرچ کریں فلسطینی تحریک بغداد کو اپنا مرکز نہیں بنا سکتی۔ تنظیم اور تحریک مزاحمت بکنے کی چیز نہیں ہم اپنے کاز سے غداری کر کے عراقی قیادت کے ہاتھوں بک نہیں سکتے۔

صدام حسین اور فلسطینیوں کے مابین اسی طرح کی کشمکش جاری تھی کہ کویت پر عراق کا حملہ ہو گیا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ سبھی لوگوں کے سامنے ہے اس لیے دہرانے کی ضرورت نہیں۔

روزنامہ الشرق الاوسط

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ

عراق نے اسرائیل و جنوبی افریقہ کے ساتھ سانٹھ گانٹھ کے ذریعہ ہتھیار حاصل کئے

اگست ۱۹۷۷ء کے آخر میں سوویت یونین کی انٹلی جنس نے امریکی انٹلی جنس کو خبر دی کہ جنوبی افریقہ ایک خفیہ کارخانہ میں ایٹم بم بنانے کے ابتدائی تجربات کر رہا

ہے اور اس میں اسرائیلی ماہرین حصہ لے رہے ہیں۔ یہ اطلاع واشنگٹن کیلئے حیرت ناک تھی چنانچہ امریکی انٹیلی جینس کے ماہرین کی ایک ٹیم اس کی تحقیق کیلئے مقرر کی گئی ۱۹۷۹ء کے آخر میں اس ٹیم نے اپنی رپورٹ پیش کی جس میں اس بات کی تصدیق کی گئی تھی کہ حکومت جنوبی افریقہ ایٹمی سرگرموں میں ملوث ہے اور کیپ ٹاؤن کے جنوب میں واقع جزیرہ ماریون میں ایٹمی تجربات کی تیاریاں کی جا رہی ہیں ان تیاریوں میں ایٹمی میزائل چھوڑنے کیلئے خصوصی پلیٹ فارم والا ہوائی اڈہ بھی شامل ہے اسرائیلی ماہرین نے یہ انقلابات اسی طرح کئے ہیں جس طرح انھوں نے تل ابیب کے جنوب میں بحر متوسط کے ساحل پر کئے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ لڑاکے طیارے " لافی " بنانے کی ٹکنولوجی بھی جنوبی افریقہ نے اسرائیل سے حاصل کرلی ہے اور بہت سے اسرائیلی ماہرین وہاں اس پروجکٹ پر کام کر رہے ہیں دونوں ملک یہ کام انتہائی خفیہ انداز میں انجام دے رہے ہیں۔

۱۹۸۸ء میں جنوبی افریقہ نے حربی صنعت کیلئے ایک بورڈ تشکیل دیا اور اس کے تحت بیرونی خرید و فروخت کیلئے " اروسکور " نام کی ایک کمپنی بھی قائم کی گئی ہتھیاروں کی اسرائیلی کمپنی "اورگان" اس بورڈ کی مکمل رہنمائی کر رہی تھی اور اسرائیلی سفارتخانہ میں ڈپلومیٹ کے پردے میں ایک اسرائیلی جنرل رانشیف اس سارے منصوبہ کی نگرانی کر رہا تھا اس منصوبہ نے آگے چل کر جدید ہتھیاروں کی مشترکہ پیداوار اور فروخت کا کام بڑے پیمانے پر کرنا شروع کر دیا۔

اس پس منظر میں جب عالمی خبر رساں ایجنسیوں نے ۱۲ اگست کو کویت پر عراقی حملہ کے دوران یہ انکشاف کیا کہ عراق نے چالیس کلومیٹر دور تک مار کرنے والی توپیں کویت میں لگا رکھی ہیں اور یہ توپیں جنوبی افریقہ کی کمپنی " اروسکور " کی تیار کردہ ہیں تو باخبر حلقوں کو کوئی حیرت نہیں ہوئی بعد میں سفارتی ذرائع نے تصدیق کر دی کہ ۱۹۸۹ء کے اواخر میں عراق نے جنوبی افریقہ سے یہ معاملہ طے کیا تھا اور جنوبی افریقہ نے اسرائیل کی مکمل منظوری کی شرط کے ساتھ یہ سودا منظور کیا تھا چنانچہ تیل کے بدلے جنوبی افریقہ و اسرائیل نے مشترکہ طور پر یہ توپیں عراق کو فروخت کیں اور تینوں نے اس معاملہ کو انتہائی

خفیہ رکھا۔ اسرائیل نے ظاہر ہے یہ یقین کر لیا تھا کہ ۴۰ کلومیٹر تک مار کرنے والی ان توپوں کی زد اسرائیل پر نہیں پڑتی پھر اس نے عراق سے یہ ضمانت بھی حاصل کر لی ہوگی کہ اس کے خلاف یہ توپیں اور دیگر اسلحہ استعمال نہیں کیا جائے گا۔

عراق کے ساتھ اسرائیل و جنوبی افریقہ کی ساز باز کا پتہ اس سے بھی چلتا ہے کہ جب اقوام متحدہ نے اسرائیل کے خلاف اقتصادی پابندیاں لگائیں تو جنوبی افریقہ کے وزیر خارجہ بوٹا نے بھی عراق کے ساتھ اپنی حکومت کے تجارتی معاملات روک دینے کا اعلان کیا۔ واضح رہے کہ نسلی امتیاز کی پالیسی پر گامزن جنوبی افریقہ کا سارے افریقی و ایشیائی ممالک نے پہلے ہی سے اقتصادی بائیکاٹ کر رکھا تھا تو پھر یہ کون سے تجارتی معاملات تھے جن کے روکنے کی بات جنوبی افریقہ نے کی ؟ ۔

عراقی حکومت نے پچاس ہزار کردوں کو ہلاک کیا

سعودی گزٹ کی اطلاع کے مطابق سابق عراقی وزیر سامی عبدالرحمن نے الزام لگایا ہے کہ صدام حسین حالیہ برسوں میں تقریباً پچاس ہزار کردوں کے قتل کے ذمہ دار ہیں ماہنامہ جیو کے تازہ ترین شمارہ میں شائع شدہ ایک مضمون میں سامی عبدالرحمن نے کہا ہے کہ صدام حسین نے نہ صرف لاکھوں کردوں کو عراق سے بھگا دیا بلکہ ان کی نسل کشی کے بھی ذمہ دار رہے ہیں۔ ۵۰ ہزار کرد گم شدہ ہیں شمالی کردستان میں عراقی فوج نے کیمیائی ہتھیار بھی استعمال کیئے۔

واضح رہے کہ سامی عبدالرحمن نسلاً کرد ہیں اور ۱۹۷۶ء میں انہوں نے دیگر کرد وزیروں کے ساتھ حکومت سے استعفیٰ دیدیا تھا اور روپوش ہو گئے تھے۔ بعد میں عراقی حکومت نے ان پر غائبانہ مقدمہ چلا کر سزائے موت سنائی تھی۔

عالم اسلام کی طرف سے خلیجی بحران میں نمایاں یکجہتی کا اظہار

کویت پر عراقی حملے کے بعد عالم اسلام نے بڑی حد تک یکجہتی کا ثبوت دیا ہے۔ اسلامی ممالک نے نہ صرف عراقی جارحیت کی شدید مذمت کی بلکہ عراق کے خلاف ٹھوس سیاسی، اقتصادی اور

اور فوجی اقدامات بھی کئے۔

یکم اکتوبر کو تنظیم اسلامی کانفرنس نے وزرائے خارجہ کی سالانہ میٹنگ کے بعد ایک اعلامیہ جاری کرکے کویت پر عراقی قبضہ کی سخت مذمت کی اور اس قبضہ کو باطل قرار دیا ساتھ ہی ممبر ممالک کے اس عزم کا اعادہ کیا کہ وہ عراق کے سلسلہ میں اقوام متحدہ کی قراردادوں پر عملدرآمد کیلئے کوشاں رہیں گے۔ اعلامیہ میں عراق سے اپیل کی گئی وہ کویت سے اپنی فوجیں فوراً اور غیر مشروط طور پر واپس بلالے، تمام یرغمالوں کو رہا کردے اور سفارتکاروں اور سفارتخانوں کے تعلق سے اپنی ذمے داریاں پوری کرے۔ کانفرنس نے سعودی عرب اور خلیج، دیگر ممالک کے ساتھ مکمل یکجہتی اور تائید کا بھی اظہار کیا۔

واضح رہے کہ کانفرنس میں مشرق وسطی، افریقہ اور ایشیاء کے چالیس سے زیادہ ممالک شامل ہیں۔

خلیجی تعاون کونسل نے بھی عراقی جارحیت کی شدید مذمت کرتے ہوئے کویت سے عراقی فوجوں کی غیر مشروط اور فوری واپسی کا مطالبہ کیا کونسل کی چیمبروں کی فیڈریشن نے عراق کو رکنیت سے بھی خارج کردیا۔

خلیج میں متعدد ملکی افواج میں مشرق وسطی، جنوبی ایشیاء اور افریقہ کے متعدد ملکوں نے حصہ لیا ہے۔ پڑوس کے ملکوں نے مشترکہ افواج کو اپنی دفاعی سہولتیں استعمال کرنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ تاکہ عراق کی طرف سے کسی بھی اگلے جارحانہ اقدام کے موقع پر خطہ کا دفاع کیا جاسکے ان میں بحرین، متحدہ عرب امارات، مصر، مراکش، شام، بنگلہ دیش، پاکستان افغانستان کی عبوری حکومت، نیجر اور بنگال شامل ہیں۔

افریقہ کے متعدد اسلامی ممالک نے ایک برادر مسلم ملک پر عراقی جارحیت کی مذمت کی اور حملہ آور فوجوں کی واپسی کا مطالبہ کرتے ہوئے اقوام متحدہ کی قراردادوں کی تائید کی ان ممالک میں گابون، جامبیا، مالی، صومالیہ، یوگنڈا اور شامل ہیں۔

مشرقی ایشیاء کے ممالک میں ملیشیا نے عراق کے خلاف ناکہ بندی کی اقوام متحدہ کی قرارداد کی نہ صرف تائید کی بلکہ وہ تحریک پیش کرنے والوں میں شامل تھا۔

انڈونیشیاء نے عراق کے ساتھ تجارت معطل کردی اور تیل کی پیداوار میں اضافہ بھی کیا اسی طرح ترکی نے عراقی جارحیت کے خلاف بین الاقوامی اقدامات میں نمایاں طور پر حصہ لیا۔

مرکزی جمعیتہ اہلحدیث ہند کے ناظم اعلیٰ مولانا عبدالوہاب خلجی

کی خدمت میں پیش کردہ

سپاسنامہ

ہمارے برادر عزیز محترم مولانا عبدالوہاب خلجی حفظہ اللہ نے جب سے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی نظامت علیا کی ذمہ داری سنبھالی ہے اس وقت اور اس سے قبل ان کی سوچ کا محور جمعیت و جماعت رہی ہے۔ انہوں نے اپنے آرام و سکون کو ختم کر کے ساری فکر جمعیت و جماعت کی ترقی کے لئے وقف کر دی ہے۔ جس کے نتائج کو وہ چشم دیکھیں یا نہ دیکھیں جماعت کا ہر فرد جانتا ہے۔ ہمارے حوصلہ مند ناظم اعلیٰ کے خلاف جو لوگ زہر افشانی میں مصروف ہیں وہ لوگ خود ان سے پیشتر اس منصب پر براجمان رہے مگر جماعت کے لئے انہوں نے کیا کیا اور جمعیت کو کیا ترقی دی یہ فیصلہ وقت کا مورخ کرے گا۔ جبکہ وہ مسائل آج بھی کھڑے ہیں جو سابق میں تھے۔ مگر یہ حوصلہ و عزم کی بات ہے۔

ذیل میں ہم ناظم اعلیٰ مولانا عبدالوہاب خلجی حفظہ اللہ کی خدمت میں حلقہ نوگڑھ کی جمعیت اہل حدیث اور جماعت کی قدیم ترین درسگاہ جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور کی طرف سے پیش کردہ سپاسنامہ قارئین کرام کی طبع خاطر کے لئے شائع کر رہے ہیں۔ جس سے اندازہ ہوگا کہ جماعت کے افراد و ذمہ داران کے سامنے حقائق کی پردہ پوشی نہیں کی جا سکتی جماعت میں تحقیق و تفتیش اور حق پروری اور مردم شناسی کا ملکہ بدرجہ اتم موجود ہے۔

ہم ہندوستان کے سلفی نوجوانوں کو یقین دلاتے ہیں کہ برادرم مولانا عبدالوہاب خلجی جماعت کی شان و آن ہیں۔ جماعت کو ان پر مکمل اعتماد ہے وہ بڑھتے جائیں اور قافلہ بناتے جائیں۔ ہم سلفیان جامعہ نوگڑھ اور جامعہ دارالہدیٰ کے

آواز میں آواز بلند کرتے ہوئے پورے ہندوستانی نوجوانوں کی طرف سے یہ کہیں گے کہ کتاب وسنت کے نام پر آپ جب بھی ہمیں آواز دیں گے ہم سرکے بل چل کر آئیں گے۔ انشاءاللہ۔ (مدیر)

عزت مآب محترم ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند

معزز علمائے کرام احباب جمعیت منتظمین وہمدردان جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آج اس پرمسرت موقع پر جب کہ ہم اور آپ اپنی مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند کے ناظم اعلیٰ محترم جناب مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب مدظلہ العالی کو خوش آمدید کہنے اور ان کے پیغام کو سننے کے لئے یہاں اکٹھے ہوتے ہیں۔ غالباً ایک مدت کے بعد مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند کے آپ ایک ایسے ناظم اعلیٰ ہیں جنہوں نے اپنی جماعت کے اس قدیم سلفی ادارہ پر تشریف ارزانی فرمائی ہے۔ اس کے لئے ہم آپ کے بیحد ممنون ومشکور ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ہم آپ کو دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ اور حلقۂ نوگڑھ کی اس سرزمین پر ہم آپ کا پرخلوص خیر مقدم کرتے ہیں۔

حضرات! ایک طویل عرصہ کے بعد مرکزی جمعیۃ میں اتنی متحرک اور سرگرم عمل شخصیت ابھر کر سامنے آئی ہے اس لئے ہم نوجوانوں کو پوری امید ہے کہ آپ نئی نسل میں خون زندگی دوڑانے میں ضرور کامیاب ہوں گے۔ ۲۹ نومبر ۱۹۸۷ء کو مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند کے زیر اہتمام "ایوان غالب" نئی دہلی میں منعقد ہونے والا "حرمت حرمین شریفین کونشن" جس قدر کامیاب رہا انعقاد سے پیشتر اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ جہاں تک مجھے علم ہے تقسیم ملک کے بعد مرکزی جمعیۃ کی جانب سے دہلی کے اندر شاید اتنا عظیم الشان اور کامیاب اجلاس نہیں ہوا ہے۔ اس کونشن کے روح رواں مولانا موصوف ہی تھے جو اس وقت قائم مقام ناظم اعلیٰ تھے۔ آپ نے کونشن کی کامیابی کے لئے متعدد شہروں کے مسلسل دورے کئے۔ تمام جماعتی وغیر جماعتی احباب کو شرکت کی دعوت دی اور اس کے انتظام وانصرام کے سلسلے میں اپنا آرام وسکون تج دیا۔ انہوں نے جمعیۃ کی مختلف اکائیوں کو متحد کرکے حرمت حرمین کے اسٹیج پر مجتمع کیا اور حرم کے خلاف کی جانے والی ناپاک سازشوں کا تار وپود بکھیرنے کے لئے جمعیۃ اہل حدیث کے اکابرین علماء نوجوان اساتذہ اور طلباء نیز دیگر تنظیموں کے سربراہوں کی آوازوں میں ہم آہنگی اور بے ساختگی پیدا کی۔ مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند نے اس تاریخی کونشن کے ذریعہ جہاں معاندین ملت

وامیان جماعت کو جمع کر کے مقامات مقدسہ کی حفاظت کے سلسلے میں اپنے دلی جذبات کا اظہار کیا ہے۔ وہیں افراد جماعت کو ایک نیا حوصلہ بھی دیا ہے۔ اور اس کی حرکت وعمل اور نشاطات کو دیکھ کر یہ امید بندھ گئی ہے کہ شاید اب وہ تلافی مافات پر سنجیدگی سے غور کر سکے۔

یقیناً ہم بہت سوتے اور اتنا سوتے کہ بہت کچھ کھو دیا۔ بہت کچھ کھو دیا۔ اور ہمیں احساس تک نہ ہوا۔ اپنے اسلاف کا طریقہ فکر وعمل بھی ہمیں یاد نہ رہا۔ ہم نے اس پر بھی غور کرنے کی کبھی ضرورت محسوس نہ کی کہ ہم کیا تھے کیا ہیں اور کیا ہونا چاہئے۔ متاع کارواں کے لٹ جانے پر اگر زیاں کا احساس بھی مفقود ہو جائے تو یہ انسان کی سب سے بڑی ناکامی اور اس کی غفلت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

لیکن ادھر کچھ دنوں سے جو بیداری پیدا ہوئی ہے وہ کافی حد تک خوش آئند اور امید افزا ہے۔ چنانچہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی اپنے مسلکی تشخص کو برقرار رکھتے ہوئے ملی وملکی مسائل میں دلچسپی مسلم پرسنل لا اور بابری مسجد کے سلسلہ میں دیگر اسلامی جمعیتوں کے شانہ بشانہ جد وجہد، بابری مسجد کی بازیابی کے لئے ۳۰ مارچ ۱۹۸۷ء کو دہلی میں ہونے والی عظیم الشان تاریخی ریلی سے ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیۃ کا خطاب۔ قائدین جمعیۃ کے ملک گیر نیز بیرون ملک کے دعوتی و ثقافتی اور تنظیمی دورے رابطہ عالم اسلامی کی تیسری عالمی کانفرنس منعقدہ مکہ مکرمہ میں مرکزی جمعیۃ کی نمائندگی، اہل حدیث ریلیف فنڈ کا قیام اور عملی طور پر اس کا اجراء کل ہند شبان اہل حدیث کنونشن منعقدہ ۳۰ ستمبر او یکم اکتوبر ۱۹۸۹ء بمقام سپرو ہاؤس نئی دہلی اور ان جیسے مختلف اور اقدامات جہاں امید افزا اور حوصلہ بخش ہیں وہیں اس بات کا ثبوت بھی ہیں کہ ہم نے زیاں کا احساس کر لیا ہے اور یہی "احساس زیاں" انشاء اللہ ہمیں پھر سے ہماری منزل عطا کرے گا۔

مولانا موصوف کی اب تک کی کارکردگی اور جد وجہد سے جماعت میں جو حرارت پیدا ہوئی ہے وہ اس حقیقت کی غماز ہے کہ موصوف کے اندر تنظیمی صلاحیت موجود ہے۔ بلاشبہ ان کا دماغ وشعور اور سینہ اظہار حق کے لئے بالکل کھلا ہوا ہے ان میں وسعت نظر بھی ہے جرأت وبے باکی بھی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کی جمعیت کی بکھری ہوئی اکائیوں کو جد وجہد کی لڑی میں پرونے کا انہیں سلیقہ بھی ہے اور حوصلہ بھی۔ جمعیۃ کے شکستہ کشتی کو جوڑ کر جانب منزل رواں۔ واں اسی طرح آپ اگر کرتے رہے تو انشاء اللہ جمعیۃ ایک ایسے نقطہ پر مرتکز ہو کر رہے گی جہاں اس کا کھویا ہوا وقار واپس مل سکتا ہے۔ ہمیں آپ کی قیادت پر مکمل اعتماد ہے اور افراد جمعیۃ کی بہت ساری امیدیں آپ سے

وابستہ ہیں۔

اس موقعہ پر میں آپ کی توجہ چند ضروری امور کی طرف مبذول کرانا مناسب سمجھتا ہوں۔

۱۔ ہندوستان کی سلفی درسگاہوں دینی تعلیمی اداروں کے مابین کوئی خاص باہمی ربط وضبط نہیں ہے اور نہ تو یہ ادارے جماعتی نظم کے تحت منسلک ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام سلفی اداروں کو مرکزی دارالعلوم بنارس سے ملحق کرکے جماعتی نظام کا پابند بنانے کی کوشش کی جائے اور دستور کی اس دفعہ کو شرمندۂ تعبیر کیا جائے جس میں ایک اہل حدیث یونیورسٹی کا خواب دیکھا گیا ہے۔

۲۔ ملک کے چھوٹے بڑے تمام سلفی تعلیمی اداروں میں وحدت نصاب کی طرف توجہ دینی نہایت ضروری ہے۔ اگر یہ کام انجام پا جائے تو ہماری دعوت اور سلفی کاز کو ایک مستحکم قوت فراہم ہو جائیگی۔

۳۔ ہماری جماعت کے پاس مکتب کی تعلیم کے لئے اپنا تیار کردہ نصاب تعلیم کی کتابوں کا پورا سٹ نہیں ہے باقی مانده مضمون کی بھی کتابیں مرتب کرا کے مکمل درسیات مہیا کرنے کی شدید ترین ضرورت ہے۔

۴۔ ہم جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور کو مسلک حق کا مستحکم تعلیمی قلعہ بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں ہمیں اپنے مسبب الاسباب اور کارساز خدا پر پورا توکل ہے۔ اس سلسلے میں ہمیں آپ کے اور جماعت کے دیگر اکابرین واحباب جمعیت کے تعاون کی ضرورت ہے۔

یہ تھے ہمارے کچھ معروضات۔ ہمیں پوری توقع ہے کہ آنجناب ان امور پر توجہ فرما کر اس کے لئے ضروری اقدام کریں گے۔

جامعہ میں تعطیل کے موقعہ پر آپ کی تشریف آوری سے ہمیں اس بات کی فکر ہے کہ طلباء جامعہ آپ کی زیارت سے مشرف نہیں ہو سکے ورنہ یہ شبان اہل حدیث بھی موجود ہوتے تو کچھ مستفید ہو لیتے۔

یہاں دوران قیام اگر کوئی تکلیف اور پریشانی ہوئی ہو یا آپ کے شایانِ شان تواضع کرنے میں ہم سے کوئی کمی ہو تو اس کے لئے معذرت خواہ ہیں۔

بالآخر میں ہم ایک بار پھر آپ کا اور تمام حاضرین اجلاس کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ آپ حضرات نے اپنا قیمتی وقت دے کر جماعتی [illegible] کہتے ہوئے یہاں تشریف آوری کی زحمت گوارہ فرمائی۔

محترم عزت مآب ناظم علی مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند! ہم آپ کو دمہ داران و اساتذہ [illegible]

بقیہ صفحہ ۹ پر

ایران کے اسلامی انقلاب میں جنسی انقلاب

ایران کے موجودہ صدر علی اکبر ہاشمی رفسنجانی (جن کا شمار خمینی کے اسلامی انقلاب کے اساطیر میں ہوتا ہے) نے گذشتہ ماہ نماز جمعہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ایران میں جنسی روابط کے معاملہ میں اپنا رویہ بدلنا چاہئے اور اس بات کی مکمل آزادی ہونی چاہئے کہ مرد اور عورتیں ایک دوسرے سے بلا کسی روک ٹوک کے مل سکیں مسٹر رفسنجانی نے کہا کہ کچھ قانونی، معاشی، اور سماجی وجوہات کی وجہ سے لڑکوں اور لڑکیوں کو ۲۵ سے ۳۰ سال کی عمر تک انتظار کرنا پڑتا ہے۔ جو دونوں کے لئے بالخصوص لڑکوں کے لئے بہت دشوار اور صبر آزما ہوتا ہے انہیں اس انتظار میں مجبور کرنا اور جنسی خواہشات کی تکمیل میں روکاوٹیں ڈالنا انسانی فطرت سے جنگ کرنا ہے۔ لہذا جنسی تسکین کے لئے مختصر مدت کی شادیوں کا سہارا لیا جانا چاہیئے۔ اس کے لئے قانونی شادی یا رجسٹرار کے یہاں اندراج کی ضرورت نہیں رہنی چاہئے۔ بلکہ باہمی رضامندی اور خطوط یا فون وغیرہ پر بھی معاملہ کیا جا سکتا ہے۔

واضح رہے کہ ایران ایک شیعہ اسٹیٹ ہے جہاں متعہ کو اسلامی حکم سمجھا جاتا ہے۔ متعہ ایک معینہ وقت تک شادی کرنے یا جنسی خواہشات کے تکمیل کے لئے قانونی معاملہ کرنے کو کہتے ہیں۔ علمائے اہل سنت متعہ کو حرام سمجھتے ہیں۔ ایرانی صدر نے اہل ایران کو جنسی تسکین کے لئے جو مشورہ دیا ہے اس میں اور قحبہ خانہ میں کیا فرق ہے؟ کیا ایران کے اسلامی انقلاب کو اسی کا انتظار تھا؟

آسٹریلیا میں تین لاکھ مسلمان

اسلام گزشتہ ڈیڑھ سو برسوں کے دوران آسٹریلیا میں قابل لحاظ حد تک پھیلا ہے ان میں سے ، ۵ ہزار مسلمان نیو ساؤتھ ویلز صوبہ میں ہیں۔ آسٹریلیا میں متعدد مساجد ہیں اور تقریباً ۵۵ اسلامی انجمنیں کام کر رہی ہیں بتایا جاتا ہے کہ آسٹریلیا میں داخل ہونیوالا پہلا مسلمان ایک کشمیری دوست محمد تھا جو ایک برطانوی مہم جو کی مدد کیلئے ۲۴ اونٹ کراچی سے لے گیا تھا۔ یہ برطانوی آسٹریلیا میں نئے علاقے دریافت کر رہا تھا۔ دیگر ملکوں سے آنے والے مسلم مہاجرین میں افغانوں کی کافی بڑی تعداد ہے۔ (روزنامہ المدینہ)

تعمیر مسجد کیلئے پرزور اپیل

مسجد التوحید

غفار منزل نئی دہلی وقت کا ایک اہم فریضہ

قارئین حضرات! جیسا کہ آپکے علم میں ہے ہندوستان کا دل (شہر دہلی) تقسیم ملک کے نتیجہ میں ویران اور مسلمانوں سے خالی ہوگیا جسکا سب سے زیادہ ناقابل تلافی نقصان جماعت اہلحدیث کے حصہ میں آیا جماعت کے اداروں، مدرسوں، کتبخانوں کے علاوہ عظیم الشان مسجدیں بھی تباہ و برباد ہوگئیں۔

چالیس سال بعد مسلمان دہلی میں دوبارہ آباد ہونے لگے ہیں مگر یہ آبادی قدیم شہر سے باہر نئی دہلی میں ہے جہاں دینی اداروں، مساجد و مدارس وغیرہ کی ضرورت شدت سے ہے۔

نئی دہلی کی نوآباد کالونیوں میں مسلمانوں نے دلچسپ کوششوں سے سینکڑوں مسجدیں تعمیر کیں اور ان کو آباد کیا۔ ان مسجدوں کے علاوہ شیعوں اور دوسرے فرقوں کی مسجدیں بھی بنیں۔ یہانتک کہ قادیانیوں اور بہائیوں کی بھی عبادتگاہیں مسجد کے نام پر بنیں جس میں سیدھے سادھے مسلمان نماز کے وقت پہونچ جاتے ہیں۔

الحمدللہ مجلس الدعوۃ الاسلامیہ (جو نوجوان سلفی علماء و نوجوانوں کا دعوتی و تبلیغی ادارہ ہے) نے اس اہم ضرورت کیطرف توجہ دی ہے۔ اور ایک سلفی مسجد کی تعمیر کیلئے اللہ کی ذات پر بھروسہ کرکے جد و جہد شروع کردی ہے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ سے متصل غفار منزل میں مجلس الدعوۃ الاسلامیہ کی آفس اور ایک مسجد کیلئے چار سو گز زمین کا اگریمنٹ کرلیا ہے تاکہ علاقہ اور محلہ کے سلفی اخوان جامعہ ملیہ اسلامیہ کے طلباء و اساتذہ وغیرہ یہاں پابندی سے جمعہ و جماعت ادا کرسکیں! اس سے جماعت کے تعارف اور ایک دوسرے کو جوڑنے میں کافی مدد ملے گی۔ انشاء اللہ۔

مسجد اور مجلس کی زمین کیلئے ایک چوتھائی رقم دیجا چکی ہے مزید تین لاکھ روپے کی ضرورت ہے اس کی تعمیر کیلئے ہم تمام خیر پسند سلفی اخوان اور عام مسلمانوں اور مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند کے ذمہ داروں سے اپیل کرتے ہیں کہ اس میں بھرپور دلچسپی لیں اور ہر ممکن مالی تعاون فرمائیں اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ آپکے حق میں پورا کرے گا۔ مَنْ بَنَىٰ لِلّٰهِ مَسْجِدًا بَنَى اللّٰهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ۔ جس نے اللہ کیلئے مسجد بنائی اللہ اسکے لئے جنت میں محل تعمیر کریگا۔

مسجد کا تعاون چیک، ڈرافٹ، کیش مسجد التوحید کے نام سے اور مجلس کا تعاون "دعوۃ منزل" کے نام سے دفتر مجلس الدعوۃ الاسلامیہ ۱۱۶۴-اے چاہ رہٹ جامع مسجد دہلی ۶ کے پتہ پر بھیجیں۔

نوٹ: مسجد التوحید اور دعوۃ منزل کے ٹوکن برائے تعاون روپیوں کی شکل میں چھپ گئے ہیں دفتر سے طلب کریں۔ فون: 2.65935

اپیل کنندگان

عبدالعزیز سلفی و عبدالواجد فیضی
ذمہ داران مجلس الدعوۃ الاسلامیہ دہلی ۶۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۵
شمارہ ۲

علمی و تبلیغی رسالہ

ماہنامہ نوائے اسلام دہلی

مجلة شهرية اسلامية تصدر عن مجلس الدعوة الاسلامية دهلي الهند

سرپرست :- مولانا عطاء اللہ خان ایم اے بی ایڈ - امیر جمعیۃ اہلحدیث بھیونڈی

فروری ۱۹۹۱ء مطابق رجب ۱۴۱۱ھ

مدیر :- عزیز عمر سلفی   نائب مدیر :- عبدالواجد فیضی

زر تعاون	پاکستان سے
سالانہ :- چالیس روپے	سالانہ :- ایک سو روپے
خصوصی :- ایک سو روپے سے زائد	لائف ممبری :- دو ہزار روپے
لائف ممبری :- ایک ہزار روپے	بیرون ممالک سے ۲۰، ڈالر امریکی

بنگلہ دیش اور نیپال سے ہندوستانی روپے کے مساوی

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ

منیجر نوائے اسلام ۱۱۶۴-اے چاہ رہٹ جامع مسجد دہلی ۱۱۰۰۰۶

فون :- ۳۲۶۵۹۳۵   PHONE. 3265935

آئینۂ ترتیب

پرنٹر پبلشر عبدالواجد فیضی نے ایس ایس پریس برائے

جے کے آفسیٹ سے چھپواکر دفتر نوائے اسلام ۱۱۶۴ - ۱ ے

چاہ رہٹ جامع مسجد دھلی سے شائع کیا۔

افتتاحیہ

الیس منکم رجل رشید

مدیر

وقت کے دوش پر سوار جنگ کی دم ہولناک قیامت خیز اور محشر انگیز گھڑی آ ہی گئی جس سے بچنے کی بھرپور کوششیں جاری تھیں اب ہر سو تباہی کے مناظر بکھرے پڑے ہیں عراقی صدر صدام حسین کو چھ ماہ تک سمجھانے کی ساری کوششیں ناکام اور ضائع ہو گئیں دنیا بھر کے مسلم و غیر مسلم ممالک اسلامی تنظیمیں علماء و دانشوران اور بین الاقوامی اداروں نے صدام حسین کو عقل کا ناخن لینے کی برابر اپیلیں کیں جنگ کے خطرناک عواقب و نتائج سے خبردار کرتے رہے مگر صدام حسین نے کسی ایک کی نہ مانی۔ جس کے نتیجہ میں ملت اسلامیہ کا شیرازہ (جو بڑی مشکل سے کسی حد تک مجتمع ہو سکا تھا) بکھر گیا۔ صدام حسین نے دلوں کے وقار کو مجروح کر دیا۔ اسلام کی یکجہتی اس کی دور رس ترقیات پر پانی پھیر دیا۔ جابر صدام کے غیر انسانی اقدام (کویت پر جارحیت) کی وجہ سے عرب لیگ سخت اختلاف اور پھوٹ کا شکار ہو گئی۔ عالم اسلام زبردست نفسیاتی بحران کا شکار ہو گیا، اس کی سلامتی خطرہ میں پڑ گئی، اس کی جملہ اقتصادیات تہہ و بالا ہو گئیں اسلامی دعوت و فلاحی کاز اور کئی دینی پروگراموں کو بری طرح نقصان پہونچا۔ فلسطینیوں پر یہودیوں کے مظالم میں شدت آ گئی۔ اور عالم اسلام گوناگوں مشکلات کی گتھیوں میں الجھ گیا۔

ادھر کچھ مسلم عوام (بالخصوص ہندو پاک کے) صدام حسین کے پرفریب دعووں کے شکار ہو گئے ہیں "صدام حسین" جس نے تمام طرح کے فتنوں کو جنم دیا امن و امان کو غارت کیا اسلام کی عظمت کو مٹانے میں کوئی کسر چھوڑ نہیں رکھی جس نے اپنی بعث پارٹی کی برتری اور اس کو پروان چڑھا کر پورے جزیرۃ العرب پر قبضہ جما لینے کا ناپاک خواب دیکھا جو اپنے ناپاک مقصد کی تکمیل کیلئے اسلام کا نام برابر استعمال کرتا رہا اور اسلام کو آلہ کار بناتا رہا اور جس نے صلاح الدین ایوبی کی اولاد پچاس ہزار کرد بھائیوں کو کیمیائی گیس سے ہلاک کر دیا اور برادر ایران کی نسل کشی کی ہے۔ جس نے عراق میں اسلامی دعوت کے علمبرداروں کو گھروں سے نکالا ان کو قید و بند میں رکھا اور انہیں قتل کر دیا۔ افسوس کہ کچھ سادہ لوح مسلمان اس صدام کو پہچاننے میں زبردست غلطی کر رہے ہیں۔

"صدام حسین جس کا نظام حکومت مذہب دشمن اور اشتراکی نظام پر قائم ہے۔ اس کو مجاہد اسلام، قائد اسلام اور خلیفۃ المسلمین کے القاب سے نوازنا عقل و خرد کا دیوالیہ پن ہے قوموں کا عروج وزوال کا تعلق دولت و اقتدار سے نہیں ہے۔ بلکہ ان کے فکر کے زاویے بدل کر جب غلط رخ اپنا لیتے ہیں تو بھی ان کا زوال حقیقی ہوتا ہے۔ مجھے اپنے کچھ جذباتی مسلمان بھائیوں پر حیرت اور دکھ ہے جو جذبات میں حق و باطل میں تمیز کرنا بھول گئے ہیں اور گمراہ کن افواہوں کے برابر شکار ہوتے جا رہے ہیں اور کوئی بھی معقول اور سنجیدہ بات سننے کو تیار نہیں ہیں۔ بلکہ جاہلانہ جواب (مار دھاڑ) کیلئے تیار ہیں۔

کسے معلوم نہیں کہ کویت پر قبضہ کر کے فتنہ کا دروازہ صدام حسین نے ہی کھولا ہے۔ یورپین اور امریکن طاقتوں کو عرب کی سرزمین پر بلانے کا محرک صدام حسین ہی ہے جسے دوسروں کے حقوق کو تلف کرنے مسلمانوں کا خون بہانے اور ان کے مال و دولت کو لوٹنے کیلئے کسی کی ملامت کی ذرہ بھر پرواہ نہیں آج اس کے آزادی فلسطین کے پر فریب نعروں سے صرف وہی لوگ گمراہ ہو سکتے ہیں۔ جنہیں صحیح صورت حال سے قطعاً واقفیت نہیں ہے یا جنہیں اس سے خاص مفاد وابستہ ہے یا جنہیں اپنے اخبارات کو فروخت کرنے کے لئے مواقع کی تلاش ہے۔

سعودی حکومت اور اس کے حامی اسلامی ملکوں کے خلاف اس وقت جو گمراہ کن پروپیگنڈے اخبارات، رسالوں اور بڑے بڑے پوسٹروں کے ذریعہ کئے جا رہے ہیں، گھناونے اور شرمناک الزامات کے ذریعہ مسلمانوں کے جذبات بھڑکائے جا رہے ہیں اور عوام کو صحیح صورت حال سے دور رکھنے کا جہاد کیا جا رہا ہے۔ اس پر حیرت و استعجاب کی قطعی ضرورت نہیں ہے، ان کے پیچھے جو عناصر سرگرم عمل ہیں ان کی معاندانہ حرکتیں اور گھناونی شازشیں اور افترات نئی نہیں ہیں، بلکہ آل سعود کے خلاف گزشتہ ایک صدی سے ان کی یہ مذموم کوششیں جاری ہیں۔

آل سعود کی غلطیاں ڈھونڈھنے والوں کو شاہ عبدالعزیز بن عبدالرحمن بن سعود کے معاہدہ برطانیہ پر نظر ہے جو ۱۹۱۵ء میں جنگ یورپ کے خاص ماحول میں تیار ہوا تھا اور اسوقت ابن سعود صرف نجد کے ایک نہایت چھوٹے سے حصہ پر حکمراں تھے۔ اور اس وقت ان کی کوئی حیثیت بھی نہیں تھی مگر ۱۹۲۷ء کے معاہدہ جدہ پر نظر نہیں پڑتی جس کی وجہ سے مرکزیت عرب کی بنیاد پڑی۔..

دراصل ۱۹۱۵ء کا معاہدہ جنگ عظیم کے خاص حالات کا نتیجہ تھا۔ سلطان کو برطانیہ اور اس کے اتحادیوں سے سخت خطرہ تھا خصوصاً شریف مکہ کی طرف سے کئی خطرے درپیش تھے عراق خلیج فارس، البحرین کویت، شرق اردن اور فلسطین پر انگریزوں کا قبضہ تھا، شام فرانسیسیوں کے ماتحت تھا عرب کے تمام چھوٹے چھوٹے قبائل انگریزوں کے زیر اثر بلکہ ماتحت تھے۔ اسوقت جرمنی اور ترکی سے سلطان کو کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی۔ سلطان ابن سعود نے نہایت مجبوری کی حالت میں دوراندیشی اور حکمت عملی کے تقاضہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس معاہدہ کو منظور کرلیا۔ آج کی طرح اس وقت بھی دنیا میں بدلتے حالات سے بے خبر لوگوں کو سخت حیرت ہوتی تھی اور ان کو بھی شبہ ہوگیا تھا کہ سلطان عبدالعزیز بن سعود برٹش استعمار سے مرعوب ہوگئے ہیں اور برطانیہ کی خوشنودی کیلئے ہر جائز و ناجائز اقدام سے گریز نہیں کرسکتے۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ نہایت تھوڑے عرصہ میں ابن سعود نے کس عزم و حوصلہ جواں ہمتی اور تدبر سے عرب کی مرکزیت کو بحال کردیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے سامراجی طاقتوں کو عرب کی سرزمین سے باہر نکال پھینکا۔ جنگ یورپ کے چند ہی سال بعد ابن سعود ۱۹۱۵ء کے معاہدہ سے بے پرواہ ہوگئے۔ فرانس۔ سے تجارتی تعلقات قائم کرلیا۔ اور انگریزوں کے پروردۂ اقتدار شریف حسین اور اس کے خاندان سے اہل حجاز کو نجات دلایا۔ اور انگریزوں کے ماتحت عرب کے کئی چھوٹے چھوٹے علاقوں کو بھی آزاد کرالیا۔ یعنی عملاً اب کوئی معاہدہ نجد و برطانیہ کے درمیان باقی نہ رہا۔

چنانچہ ۲۲ ستمبر ۱۹۲۷ء کو معاہدہ جدہ کے نام سے ایک نیا معاہدہ عمل میں آیا۔ اس معاہدہ میں گیارہ شرطیں منظور ہوئیں جس کی نویں شرط اس طرح تھی ہز مجسٹی شاہ برطانیہ اور ہز مجسٹی سلطان حجاز و نجد و ملحقاتہا کے درمیان جو معاہدہ ۲۶ دسمبر ۱۹۱۵ء کو ہوا تھا جبکہ ہز مجسٹی صرف نجد کے حاکم تھے اب اس نئے معاہدہ کے بعد کالعدم ہوگیا۔

اس معاہدہ کے بعد ۱۹۱۵ء کے معاہدہ کی کوئی حیثیت اب باقی نہیں رہ جاتی ہے۔

یارب یہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے میری بات
دے ان کو سمجھ اور جو نہ دے مجھ کو زباں اور

صحابۂ کرام کی عائلی زندگی

محمد اسلام عمری

اسلامی تعلیمات میں اس بات کی طرف بڑی رغبت دلائی گئی ہے کہ عورت کو اپنے شوہر کی خوشنودی کا بہت خیال رکھنا چاہیئے۔ بلکہ اسلام نے تو عورت کو اس طرح کے بہت سارے مواقع پر واضح تعلیمات بھی دی ہیں۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے حضرت عائشہ ؓ نے گھر میں اپنے کپڑے کا پردہ لگا رکھا تھا جن میں تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ آپ کو یہ ناگوار گزریں، حضرت عائشہ ؓ نے آپ کی ناگواری کو محسوس کر لیا، چنانچہ انہوں نے اسے پھاڑ کر تکیہ بنا لیا جس پر آپ ٹیک لگاتے تھے۔[1]

شوہر کی خوشنودی حاصل کرنے کی اسلام نے بڑی تاکید کی ہے۔ وہ عورتوں کے مزاج کو اسی طرح بنانا چاہتا ہے جس سے دونوں جہان کا فائدہ ہو۔ عبادت کی اہمیت سے کس کو انکار ہے۔ اس میں روزہ کی فضیلت بہت زیادہ ہے، رمضان کے علاوہ ایام میں نفلی روزوں کی طرف بڑی رغبت دلائی گئی ہے۔ لیکن اسلام اس معاملہ میں قطعی چھوٹ نہیں دیتا بلکہ اس نے شوہر والی عورت پر یہ ضروری قرار دیا ہے کہ وہ اپنے شوہر کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ ہرگز نہ رکھے۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

لاتصوم المرأة وزوجها شاھد یوماً من غیر شھر رمضان الا باذنہ[2]

کوئی عورت شوہر کی موجودگی میں اسکی اجازت کے بغیر ایک دن کا بھی روزہ نہ رکھے سوائے رمضان کے۔

۱۔ منتقی الاخبار، کتاب اللباس، باب حکم مافیہ صور الخ

۲۔ ابن ماجہ، ابواب الصیام، باب المرأة تصوم بغیر اذن زوجھا

شوہر کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے دیگر صحابیات کیا جذبہ رکھتی تھیں۔ اس کا اندازہ ذیل کی ایک روایت سے لگایا جا سکتا ہے۔ حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ رضؓ کا ایک لڑکا بیمار تھا، وہ باہر گئے ہوئے تھے، اس درمیان اس کا انتقال ہو گیا۔

لیکن ان کی بیوی ام سلیم (انس کی ماں) نے ان کو اس کی خبر نہیں دی، گھر کے کنارے اسے لٹا دیا اور ان کے لئے کھانا وغیرہ تیار کیا، جب ابو طلحہ رضؓ باہر سے تشریف لائے تو بچے کی خیریت معلوم کی، انہوں نے کہا کہ پر سکون حالت میں ہے۔ ابو طلحہ نے اسے صحیح باور کر لیا، رات اطمینان سے سوئے۔ صبح غسل کر کے جانے لگے تو انہیں حقیقت حال سے باخبر کیا گیا، انہوں نے رسولؐ کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی اور لڑکے کے انتقال کی خبر دی[1] بعض روایتوں میں آتا ہے کہ ان کی بیوی نے اس رات زیب و زینت بھی کی تھی تاکہ ان کے شوہر کا میلان ان کی طرف برقرار رہے[2]

بیوی سے محبت اسلام صرف شوہر کے حقوق ہی نہیں بتاتا ہے بلکہ اسکی تعلیمات میں یہ بات بھی شامل ہے کہ شوہر پر بیوی کے حقوق کی ادائیگی کی ذمہ داری ہے۔ میاں بیوی کا رشتہ ایک قانونی رشتہ ہونے کے ساتھ الفت و محبت کا بھی رشتہ ہے۔ دونوں کو ایک دوسرے کا رتبہ و مرتبہ پہچانے بغیر اس رشتہ کو برقرار رکھنا ہی مشکل ہوگا کیونکہ دونوں کے درمیان میل و محبت انتہائی ناگزیر ہے۔ بلکہ اسلامی تعلیمات میں اس کی طرف بہت زور دیا گیا ہے۔ اس سے زندگی کے مقاصد کو حل کرنے میں بڑی سہولت ہوتی ہے۔ پرسکون اور خوشگوار زندگی اسی صورت میں ممکن ہے۔

صحابہ کرام جو ان تعلیمات کے پہلے مخاطب تھے انہوں نے بڑی حد تک ان کی اوصاف کو اپنے اندر پیدا کر لیا تھا حضرت ابن عمرؓ کو اپنی بیوی سے اس قدر محبت تھی کہ وہ اپنے والد کے حکم کے باوجود اسے طلاق دینے پر تیار نہیں تھے، وہ اپنی شریک حیات کے بارے میں کہتے ہیں۔

کانت تحتی امرأة وکنت احبھا[3] میری ایک بیوی تھی میں اس سے محبت کرتا تھا۔

---

[1] بخاری، کتاب الجنائز، باب من لم یظہر حزنہ عند المصیبۃ

[2] عینی بحوالہ حاشیہ البخاری ج ۱ ص ۱۷۴ ۔ [3] ابوداؤد، کتاب الادب، باب ما جاء فی بر الوالدین

طلاق واقع ہونے سے قبل کا ایک واقعہ حضرت زید بن اسلم رضؓ اسی طرح بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ مکہ کے راستہ سے آرہا تھا، راستہ میں ان کی بیوی صفیہ بنت ابی عبید کی بیماری کی ان کو خبر ملی، انہوں نے سواری کی رفتار کو تیز کر دیا اور شام کے وقت ہی مدینہ پہونچ گئے وہاں پہونچ کر ایک ہی ساتھ عشاء اور مغرب کی نماز ادا کی۔[1]

یہ اسی محبت کا نتیجہ تھا جو ایک شوہر کو اپنی بیوی سے ہونی چاہیئے، ان کو یہ فکر دامن گیر ہو گئی کہ ان کی عدم موجودگی میں ان کی بیوی کو تکلیف پہونچے۔ جلدی کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جلدی پہونچکر ان کو زندہ دیکھ لیں تاکہ اگر وہ کچھ وصیت کرنا چاہیں تو باآسانی کر سکیں۔[2]

حضرت لقیط بن صبرہؓ کی بیوی دراز زبان کی تیز تھیں، انہوں نے اس کی شکایت رسول صلعم سے کی۔ آپ نے فرمایا جب معاملہ ایسا ہے تو اسے طلاق دے دو۔ انہوں نے عرض کیا، زمانہ دراز سے وہ میرے ساتھ ہے اور اس سے ایک بچہ بھی ہے، پھر آپ نے انہیں نصیحت کرنے کی تلقین کی۔[3] بیوی کی ایک کمزوری کے باوجود اس سے گویا محبت کرتے تھے اور اس سے تعلق کو ختم کرنا نہیں چاہتے تھے۔

انسانی زندگی میں وہ وقت بڑا نازک ہوتا ہے جب کسی ایسے شخص کی موت واقع ہو جائے جس سے اسکے قریبی رشتہ دار کے دیرینہ تعلقات ہوں۔ زوجین میں سے کسی کی موت واقع ہو جائے تو دوسرے پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ ایسی حالت میں اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ آدمی صبر ضبط سے کام لے لیکن بشریت کے تقاضے سے اگر رو دے تو کوئی حرج نہیں۔ صحابہ کی زندگی میں اسی کا واضح نمونہ ملتا ہے۔ وہ زمانہ جاہلیت کے قریبی دور سے گزر رہے تھے، اس دور میں نوحہ اور ماتم کی بڑی مجلسیں منعقد ہوتی تھیں، اسلام نے اس سے سختی سے روکا، جس کا اثر یہ ہوا کہ بعض صحابہ تو کسی قریبی عزیز کی موت پر رونے پر اور آنسو بہانے پر تعجب کرنے لگے۔ اسلام نے صرف نوحہ اور ماتم سے منع کیا ہے۔ چنانچہ حضرت رسید بن حضیرؓ کو ان کی بیوی کے انتقال کی خبر ملی تو وہ رونے لگے۔[4]

۱۔ بخاری، کتاب الجہاد، باب السرعة فی السیر
۲۔ ابن حجر عسقلانی فتح الباری ج ۶ ص ۸۵
۳۔ ابوداؤد، کتاب الطہارة باب فی الاستنثار
۴۔ مسند احمد ج ۴ ص ۳۵۲

الفت و محبت کا جذبہ ایک فطری جذبہ ہے۔ یہ جس طرح انسانوں میں مردوں اور عورتوں میں پایا جاتا ہے، اسی طرح جانوروں کے اندر بھی پایا جاتا ہے۔ اس میں آزاد اور غلام کی کوئی قید نہیں ہے۔ لونڈی اور غلام معاشرے کا ایک اہم جز ہیں۔ تمام دیگر فطری داعیات کی طرح ان کے اندر میل جول اور آپسی الفت و محبت کا داعیہ بھی پایا جاتا ہے، دور نبوی میں بریرہ ایک لونڈی تھیں، ان کے شوہر کا نام مغیث تھا، وہ ایک غلام تھے، لیکن جب وہ آزاد کر دی گئیں تو اپنے شوہر سے الگ ہو گئیں حالانکہ ان کے شوہر ان کو الگ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ چونکہ وہ غلام تھے اس لئے ان کی رفاقت یا جدائی دونوں کا اختیار بریرہ کو تھا چنانچہ وہ ان سے الگ ہو گئیں، ان کے شوہر بریرہ کی اس جدائی پر روتے تھے۔

فکانت دموعہ تسیل علی خدیہ[۲] ان کے آنسو ان کے رخسار پر بہتے تھے۔

یہ دیکھکر آپ نے لوگوں سے کہا، دیکھو تو کس طرح مغیث بریرہ سے محبت کرتا ہے، آپ نے بریرہ سے سفارش بھی کی کہ وہ انکے ساتھ رہیں لیکن انہوں نے انکے ساتھ رہنا پسند نہیں کیا۔

بھائی سے محبت اسلام تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیتا ہے، اسی لئے وہ ان کے درمیان تعلقات کو بہتر بنانے اور ایک دوسرے کے تعاون کے جذبہ کو ابھارتا ہے۔ جب ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے اخوت کا رشتہ ہے تو اپنے حقیقی بھائی اور بہنوں سے کس قدر تعلق مضبوط اور انکے درمیان الفت و محبت ہونی چاہیئے حضرات صحابہ کرام اور صحابیات عظام کے حقیقی رشتۂ اخوت کے علاوہ اسلامی رشتۂ اخوت اس قدر غالب تھا کہ لوگ ایک دوسرے کو وراثت میں حصہ دینے لگے تھے، حتیٰ کہ اپنی بیویوں کو بھی دینا گوارہ کر لیا تھا[۳] حالانکہ وراثت کے حق دار حقیقی بھائی اور دوسرے حقیقی رشتہ دار ہوتے ہیں، یہ اسی اسلامی تعلیم کا نتیجہ تھا جو اسلام کے رشتۂ اخوت کو بڑھانے کیلئے دی تھی۔ حضرت عائشہؓ اپنے

---

[۱] ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی المملوکۃ تعتق وھی تحت حر۔
[۲] بخاری، کتاب المناقب، باب اخاء النبی ﷺ بین المہاجرین والانصار۔

بھائی کسے اس قدر محبت کرتی تھیں کہ جب ان کے بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر کا حبش میں انتقال ہو گیا تو ان کی لاش مکہ لائی گئی اور یہیں انکو سپرد خاک کیا گیا۔ انہوں نے جب یہ اندوہناک خبر سنی، تو وہ ان کی قبر کی زیارت کو آئیں اور مشہور مرثیہ کے چند اشعار پڑھیں[1]

اسلامی معاشرہ میں رشتہ اخوت دو بنیادوں پر استوار ہوتا ہے۔ حقیقی اور اسلامی۔ لیکن بعض اوقات فطری طور پر رشتہ حقیقی رشتہ اسلامی پر غالب آجاتا ہے اور یہ کوئی معیوب نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ کا ایک مشرک بھائی تھا جو مکہ میں رہتا تھا ایک مرتبہ انہوں نے مدینہ سے اس کے لئے ایک جوڑا کپڑا بھیجا[2] یہ اور اس طرح کی بہت ساری مثالیں ہیں جن سے رشتہ اخوت کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

جوانی کی دولت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت بے بہا ہے۔ اس دور میں انسان کے جذبات بہت بلند اور اس کی خواہشات کی پرواز بھی بہت بلند ہوتی ہے، وہ شادی بیاہ کے معاملہ میں اپنے ہی حالات کا لحاظ رکھتا ہے۔ اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کی شریک حیات کنواری اور دوشیزہ ہو۔ صحابہ کرام کی زندگی میں بعض مثالیں ایسی بھی ملتی ہیں جنہوں نے اپنے بھائی بہنوں کی صحیح تربیت کی خاطر کنواری عورت سے شادی کی خواہش کو ترک کرکے محض اس بنا پر ثیبہ سے شادی کی تاکہ ان کے بھائیوں اور بہنوں کی ٹھیک طرح سے تربیت ہو سکے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ کے جسم پر کچھ رنگ لگا ہوا ہے۔ پوچھا کیا شادی ہوئی ہے، بولے ہاں، پوچھا باکرہ سے یا ثیبہ سے عرض کیا کہ ثیبہ سے، پھر کہا کہ اے اللہ کے رسول! میرے والد عبداللہؓ ایک غزوہ میں شہید ہو گئے تھے۔ انہوں نے اپنے پیچھے کئی چھوٹی چھوٹی اولادیں چھوڑی ہیں، ان کی تربیت ہمارے ہی ذمہ ہے اس لئے ایسی عورت سے شادی کی ہے جو ان کی ٹھیک طرح سے دیکھ بھال کر سکے۔ اگر کسی دوشیزہ سے شادی کرتا تو وہ اپنے زیب و آرائش میں لگی رہتی اور یہ بچے برباد ہو جاتے[3]

---

[1] ترمذی: ابواب الجنائز، باب ما جاء فی الزیارۃ القبور للنساء

[2] نسائی: کتاب الزینۃ، باب ذکر النہی عن لبس السیر

[3] بخاری: کتاب النکاح، باب تزویج الثیبات، ترمذی: ابواب النکاح، باب ما جاء فی تزویج الابکار

اولاد سے محبت ایک فطری جذبہ ہے۔ اسلام نے اس جذبہ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے اور اس کو پروان چڑھانے کے مواقع بھی فراہم کیے ہیں۔ ضعیفی کی حالت میں اولاد ہی والدین کا واحد سہارا ہوتی ہے۔ دوسری طرف اولاد ہی کو مستقبل میں انسانیت کی قیادت کی باگ ڈور ملتی ہے، اس لئے انسان کو اولاد کی محبت کے ساتھ ساتھ ان کی تعلیم و تربیت کا بھی لحاظ رکھنا چاہیئے۔

اولاد سے محبت رحمت خداوندی کا ایک مظہر ہے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو درجے بنائے ہیں جن میں سے ایک حصہ دنیا میں نازل کیا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جانور اپنے پاؤں کو اپنے بچے کے اوپر سے ہٹا لیتا ہے، ایک مرتبہ دربار نبوت میں چند قیدی لیے گئے جن میں ایک بچہ والی لونڈی بھی تھی جس کا بچہ چھین لیا گیا تھا وہ جب کسی دوسرے بچہ کو دیکھتی تو اسے لے کر اپنے سینے سے لگا لیتی تھی۔[1]

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی اور اپنے بچے کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگی کہ یہ میرا لڑکا ہے، میرا پیٹ اس کا ظرف، میری چھاتی اس کا مشکیزہ اور میری گود اس کی پناہ گاہ ہے، اس کے باپ نے مجھ کو طلاق دے دی ہے اور اس کو مجھ سے چھین لینا چاہتا ہے، آپ نے فرمایا جب تک تم دوسرا نکاح نہیں کر لیتی اسوقت تک تم ہی اس کی پرورش کی زیادہ مستحق ہو۔[2] بعض اوقات دربار رسالت میں ایسے اوقات پیش کئے جاتے تھے کہ میاں بیوی کا اس بات پر اختلاف ہوتا تھا کہ بچے کی تربیت کون کرے۔ حضرت ابوہریرہ اس طرح کا ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسا ہی ایک معاملہ آیا تو آپ نے دونوں کے درمیان بچے کو کھڑا کر دیا اور کہا کہ والدین میں سے جس کے ساتھ چاہے چلا جائے چنانچہ اس نے ماں کی صحبت کو پسند کیا اور اسی کے ساتھ چلا گیا۔[3]

---

[1] بخاری: کتاب الادب، باب بغیر عنوان

[2] ابوداؤد: کتاب الطلاق، باب من احق بالولد

[3] واقعہ کی تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ابوداؤد کا حوالہ سابق

اولاد کی محبت میں عام طور سے امتیازی سلوک کیا جاتا ہے، لڑکوں سے محبت لڑکیوں کے مقابلہ میں زیادہ کی جاتی ہے۔ شاید یہ دور جاہلیت کا اثر ہے، جہاں لڑکیوں کی پیدائش ہی ننگ وعار تھی اور ان کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔ اسلام اس طرح کے امتیازی سلوک کی بیخ کنی کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ اس کی تعلیمات میں ایسا کوئی امتیازی برتاؤ کے جواز کا ثبوت نہیں چونکہ لوگوں کا رجحان اور ان کی توجہ لڑکوں کی طرف تھی اس لئے دونوں کے درمیان توازن کو برقرار رکھنے کیلئے اس نے لڑکیوں کی محبت اور ان کی تعلیم وتربیت کی طرف زیادہ زور دیا، تفصیل کا یہ موقعہ نہیں پھر بھی یہاں دو ایک مثالیں پیش کی جارہی ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ بخار میں مبتلا ہو گئیں، ان کے والد حضرت ابوبکرؓ ان کی عیادت کو آئے، خیریت معلوم کی اور ان کا منھ چوم لیا[1]

حضرت عائشہؓ لکھتی ہیں کہ عتبہ بن ابی وقاصؓ اپنے بھائی سعد بن ابی وقاصؓ کو اس بات کی وصیت کی تھی کہ ان کی لونڈی کا جو لڑکا ہے وہ ان سے ہے، لہذا تم اس کو لے لینا، جب مکہ فتح ہوا تو سعد بن ابی وقاصؓ نے اسے لے لیا اور کہا کہ یہ میرا بھتیجا ہے اور میرے بھائی کی لونڈی کی اولاد ہے، عبد بن زمعہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ یہ میرا بھائی ہے اور میرے باپ کی لونڈی کی اولاد ہے اسی کے یہاں پیدا ہوا ہے، پھر یہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک لے جایا گیا، چنانچہ آپ نے عبد بن زمعہ کے حق میں فیصلہ کیا[2]

اولاد سے محبت کے معاملہ میں صحابہ کرام اسلامی حدود کا ہی لحاظ رکھتے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ مکہ میں تھے، وہیں بیمار ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لئے تو انہوں نے آپ کے سامنے تجویز رکھی کہ میرے پاس مال اور اس کی مستحق میری ایک بیٹی ہے تو کیا میں اس کو اس کے نصف مال کی وصیت نہ کر دوں، آپ نے فرمایا، نہیں، صرف ایک تہائی کر سکتے ہو، نصف بہت زیادہ ہے[3]

---

[1] ابوداؤد: کتاب الادب، باب ماجاء فی قبلۃ الخد

[2] بخاری: کتاب البیوع، باب تفسیر المشبہات، ابوداؤد کتاب الطلاق، باب الولد للفراش

[3] بخاری: کتاب الوصایا، باب الوصیۃ بالثلث

حضرت نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں ان کے والد نے ایک عطیہ دیا اور ان کے دوسرے بھائیوں کو نہیں دیا، اس پر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنانا چاہتے تھے لیکن آپ نے اس کی گواہی دینے سے انکار کردیا اور فرمایا کہ اپنے تمام بچوں کو اسی طرح عطا کرو۔[۵]

اس عرب سوسائٹی نے جب اسلام قبول کرکے اسلامی تعلیمات کو اپنے اندر جذب کیا تو چند دنوں میں اس کی کایا پلٹ گئی، لڑکی کا حقیر وجود جو کبھی ان کے لئے شرم و ذلت کا باعث تھا یہ ان کے لئے سرمایہ فخر و نجات بن گیا، جو اپنی بچیوں کو ماؤں کی گود سے چھین کر زندہ دفن کر دیا کرتے تھے وہ اب غیروں کی بچیوں کو پالنے کیلئے آپس میں جھگڑنے لگے اسلام نے لڑکی کو زندہ رہنے کے حقوق کے علاوہ دوسرے بھی حقوق دیئے ہیں۔ جہانتک زندہ رہنے کا حق دینے کی بات ہے، آج کا مسلمان معاشرہ اس پر کاربند ہے اور اسلام کی روشنی ملنے کے بعد وہ اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا کہ لڑکی کو زندہ دفن کرے یا کسی اور طریقہ سے اسے جینے کے حق سے محروم کرے، البتہ لڑکی کو حقیر سمجھنے اور لڑکے کو لڑکی پر ترجیح دینے کے معاملے میں بعض مسلمان گھرانے بھی فکر و عمل کی بہت کوتاہیوں میں مبتلا ہیں جن کی اصلاح نہایت ضروری ہے۔

افریقہ کے غریب و مصیبت زدہ ممالک کی مدد کیلئے اسلامی کانفرس کی اپیل

تنظیم اسلامی کانفرس کے سکریٹری جنرل ڈاکٹر حامد غابد نے بین الاقوامی برادری کا مسلم ممالک اور اسلامی تنظیموں سے اپیل کی ہے کہ وہ افریقہ کے سیلاب زدہ، خشک سالی سے متاثرہ اور دیگر اقتصادی مسائل کا شکار غریب افریقی ممالک کی امداد کیلئے آگے بڑھیں انھوں نے بیان میں کہا کہ صحارنی کے آس پاس کے افریقی ممالک خاص طور پر اقتصادی بحران کا شکار ہیں۔ کویت پر عراقی حملہ کے نتیجہ میں ان ممالک کی اقتصادیات پر منفی اثرات پڑے ہیں اور پہلے سے ابتر معیشت مزید تباہی کا شکار ہو رہی ہے اسلئے ضرورت ہے کہ ان ممالک کی زیادہ سے زیادہ امداد کی جائے۔

---

[۵] ابوداؤد، کتاب البیوع، باب فی الرجل یفضل بعض ولدہ فی النحل

نوائے اسلام دہلی

مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند کے امیر محترم و علماء اور عوام سے ایک ضروری خطاب

خطیب الاسلام حضرت مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری
رکن رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ

بلا تمہید یہ عرض ہے کہ آج ہم مرکزی جمعیۃ کے احباب کرام کی توجہ جماعت کی چند خصوصیات کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں اور دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہمارے عزم و عمل کی دیوار کتاب و سنت کی بنیادوں پر استوار ہے یا ہم بھی دوسروں کی طرح ان سے بیزار ہیں توحید و سنت کے وہ جذبات جو اسلاف جماعت کا طرۂ امتیاز تھا ہمارے دلوں میں ہے یا دل کی گہرائیوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں ؟ ہمیں اس پر بھی غور کرنا ہے کہ ہماری جماعت حقہ میں اخوت محبت کا داعیہ کتنا ہے ہماری اجتماعی حالت کیسی ہے اور تنظیم جماعت کا جذبہ و حوصلہ کتنا ہے ہماری دینی و تبلیغی حیثیت سے ہم کس مقام پر ہیں ؟ اور ہم پر کیا مزید فرائض عائید ہوتے ہیں ؟ اور اب تک ہم نے کیا کیا اور آئندہ کیا قدم اٹھانا ہے ؟ ہمارے سوا دوسری جماعتوں میں بیداری و ترقی کے واضح نشاطات موجود ہیں ہمیں اپنا حال لکھتے ہوئے شرم آتی ہے مگر حقیقت ہماری ندامت پر غلبہ پاتی ہے اور ہم یہ لکھنے پر مجبور ہیں کہ ہماری جماعت آج سو رہی ہے اس کو ہزار بار جھنجھوڑ و جگانے کی کوشش کرو لیکن جیسے اس نے نا جاگنے کی قسم کھالی ہے سارے اجلاسات ساری تقریریں و تحریریں اب آپ کے لئے بے اثر بن چکی ہیں ہماری ذاتی و انفرادی کوشش جو جا بجا کچھ ہیں بھی تو ان کی چمک جگنو کی چمک سے زیادہ وسیع اور موثر نہیں ہیں یقین مانئے کہ آپ نے اپنی جماعت کو خود ہی بے جان کر رکھا ہے اور مرکزی جمعیت سے آپ نے رشتہ توڑ لیا ہے اس مرکزی جمعیۃ کے استحکام کے لیے جسے کبھی آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے نام سے یاد کیا جاتا تھا ہمارے اصفیائے کرام اور اولیاء اللہ نے اس کی بنیاد اس لئے رکھی تھی کہ کتاب و سنت کی ٹھوس تبلیغ اور احیائے ملت اسلامیہ کیلئے منظم تدبیر کی جا سکے۔ ایسی مرکزی جمعیت جس سے آپ کا رشتہ استوار نہ ہو آپ خیر کثیر کی توقع آخر

کس بنیاد پر رکھتے ہیں آپ اپنے نفس سے استفسار فرمائیے کہ مرکزی جمعیۃ کے بلند کاموں کی انجام دہی کیلئے آپ نے اس کی کیا امداد فرمائی ہے اقبالؒ نے سچ کہا ہے ؎

اپنے دل سے پوچھ ملا سے نہ پوچھ ⁖ کیوں ہوا اللہ کے بندوں سے خالی اب حرم

آج اگر مرکز میں وہ جان نہیں وہ روح نہیں تو محض اس بنا پر کہ آپ نے اپنی جانداری کا حق ادا نہیں کیا آپ اس کا علاج جدید امارت کی تبدیلی سمجھتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ سب سے پہلے آپ اپنے اندر تبدیلی پیدا کیجئے ورنہ غیرت حق اس پژمردہ وافسردہ بے عمل جماعت سے ایک نہ ایک دن ضرور احتساب کرے گی اور کیا عجب کہ انتقاماً اس جماعت کی جگہ دوسری پاکر دار جماعت کو اللہ تعالیٰ عروج وفروغ عطا کرے ارشاد باری ہے۔

"ان یشاء یذھبکم ایھا الناس ویات بآخرین وکان اللہ علی ذلک قدیر (سورہ نساء)

اے لوگو اگر وہ چاہے تو تم کو فنا کر دے اور تمہاری جگہ پر لوگوں کو پیدا کر دے خدا اس بات پر قادر ہے

اگر آپ نے دستور جدید کی روشنی میں مرکزی جمعیت کے ساتھ منظم رہنا پسند نہیں کیا تو آپ کا یہ انحراف واعراض اور اجتماعی زندگی سے گریز واجتناب قرآن کریم کی نگاہ میں ایک ایسا جماعتی جرم ہوگا جس کا خمیازہ آپ کی بے اعتنائی سے پوری جماعت بھگتے گی۔ اور آپ کو پوری جماعت کے خسارے کا ذمہ دار ہونا پڑے گا۔ اور سب کے خسارے کا بار آپ کے ناتواں کندھوں پر ہوگا ایسے جماعتی مجرموں کے بارے میں جن کی ایک غلطی جماعت کی غلطی کا موجد بن جائے اللہ کے نزدیک بہت بڑا جرم ہے ارشاد ہے "ولیحملن اثقالھم واثقالا مع اثقالھم ولیسئلن یوم القیامۃ عما کانوا یفترون" (عنکبوت آیت ۱۳) کہ اور یہ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ دوسرے لوگوں کے بھی بوجھ اٹھائیں گے

صدر مختلف فیہ کا معاملہ گرچہ مرکزی جمعیۃ کے انتخاب میں کچھ طبیعتوں میں سازش اور سیاسی پروپیگنڈے کا خیال قائم ہے اور اسی وجہ سے صدارت کے انتخاب میں کچھ نازیبا حالات اور واقعات پیش آگئے اور اس کی وجہ سے بعض جگہ جماعتیں سوچتی ہیں کہ ہمارے فلاں فلاں لوگ مرکزی جمعیۃ سے اور اس کے نظام و پروگرام سے بے تعلق ہیں اور عملاً ہر قسم کے تعاون و ہمدردی سے دور ہو چکے ہیں تو ہمارے لئے بھی مرکزی جمعیۃ سے عدم تعاون کی گنجائش موجود ہے پس ایسے موثر اور مفید اشخاص کی بے پروائی و بے

فکری جو دوسرے بہت سے لوگوں کو جماعتی خدمات میں حصہ لینے سے بے پرواہ بے فکر کردے یقیناً بڑا جرم ہوگا اور ان سب کے گناہوں کا بار ایسے چند ذمہ داروں کو تنہا اٹھانا پڑے گا ارشاد باری ہے۔ " واتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة واعلموا ان الله شديد العقاب " اور اس فتنہ سے ڈرو جو خصوصیت کے ساتھ انہیں لوگوں پر نہ ہوگا جو تم میں گنہگار ہیں اور یاد رکھو کہ خدا سخت عذاب دینے والا ہے۔ (سورہ انفال آیت ۲۵۔۲٠)

اس آیت کریمہ سے واضح ہو کہ ایسے اعمال وافعال جس کے اثر سے دوسرے بھی متاثر ہوں جس طرح صاحب افعال کو اس کی سزا میں جھونک دیں گے۔ اسی طرح دوسرے تماشائی بھی سزاوار ٹھہریں گے۔ اس لئے ایسے موثر حضرات سے استدعا ہو کہ جماعتی نظم کے تحت زندگی گذارنے کی عادت ڈالیں۔

امیر مرکزی جمعیت

حدیث شریف میں وارد ہے کہ " يد الله على الجماعة " جماعت کے ساتھ اللہ کی مدد ہوتی ہے اب جس طرح ہمارے جماعتی نظم ونسق کے تحت ایک انتخاب ہو چکا اور جس طرح کی ریشہ دوانیاں سب متوقع حضرات نے کیں کسی کی حکمت عملی دوسرے تمام تدبیر سازوں کی تدابیر پر غالب آگئی۔ اور ہماری اکثریت سے وہ جماعت کا امیر منتخب ہو گیا تو اس کی عیب جوئی ونقائص کی تلاش میں ہم اگر سرگرداں رہیں گے تو جماعت میں کوئی شخص بھی رہبری اور رہنمائی اور امارت وسیادت کے قابل نہ رہ جائے گا۔ ایک عربی شاعر نے کیا خوب ترجمانی کی ہے۔

ومن ذالذی ترضی سجایاہ کلہا　　کفی المرء نبلا ان تعد معائبہ

ایسا خوش قسمت کون ہے کہ جس کے تمام خصائل پسندیدہ ہوں آدمی کی فضیلت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اس کے عیوب ونقائص گنے چنے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی کی حقیقت واضح کرنے میں کتنا صاف صاف ارشاد فرمایا ہے۔

" ان النفس لامارة بالسوء الا ما رحم ربی ان ربی لغفور رحیم " سورة یوسف آیت ۵۳

یعنی نفس امارہ ہمیشہ ارتکاب معصیت کی ترغیب دیتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل ہو جائے تو الگ بات ہے میرا رب بہت بخشنے والا مہربان ہے۔

ایسی حالت میں اگر کسی دوست کی جزوی غلطی یا خطا کی آپ کو اطلاع ہے تو آپ کو اس کی اصلاح کرنی

چاہیئے اس کی وجہ سے اُسے حقیر نہ جانیں اور شب و روز اس کی تنقیص کے درپے نہ رہیں۔ اللہ تعالیٰ کی خشیت رکھنے والا وہ شخص نہیں ہے جو اپنے تقویٰ اور پرہیزگاری کے غرور میں اپنے آپ کو ان پر ترجیح دے۔ بلکہ باکمال شخص وہ ہے جو اپنے عیوب کو دیکھ کر دوسروں کو بھی کسی جزوی معاملے میں معذور قرار دے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ "بحسب امرئ من الشر أن یحقر اخاہ المسلم"

آدمی کے شر پسند ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے۔ بلکہ چاہیئے یہ تھا کہ اگر کسی سے خطا ہو گئی ہو تو اس کو اس کی انسانی کمزوری پر محمول کرے اس سے کوئی انسان محفوظ نہیں رہ سکتا اور اسے اس طبیعت و سرشت کا نتیجہ سمجھے جس کے قہر و تسلط سے آدمی کم ہی نجات پا سکتے ہیں۔ آپ اپنی ذات پر نگاہ ڈالیے کیا ایسی غلطیوں کا ارتکاب آپ نہیں کر رہے ہیں؟ ایسے حال میں زبان درازی اور کسی کی تحقیر و توہین پر اتر آنا صرف نفس کا فریب ہے۔

اصلاح و خیر خواہی

آج مولانا منظور احمد صاحب نعمانی کی ایک تحریر پیش کر رہا ہوں جسے مولانا نے اپنے رسالہ الفرقان میں شائع کیا تھا وہ قمطراز ہیں۔

دوسروں کی اہلیت اور اس کی قیادت کے خلاف ان کی ناقدری کرنا ان کی تعمیری خدمات سے صرف نظر کرنا اور کسی جزوی خامی کی وجہ سے ان کو تنقید کا نشانہ بنایا جانا یہ اس وقت کی بہت ہی بڑی مہلک بیماری ہے اور شیطان کو اس معاملے میں بڑی کامیابی حاصل ہوئی ہے کہ اس نے جماعتوں اور پارٹیوں کا ہی مزاج بنا کر امت کے کارکن افراد کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا ہے اب ایک ایسے شخص کے قائد و امیر منتخب ہو جانے کے بعد اس کی برائیاں اور غلطیاں اور کوتاہیاں اور لغزشیں تو منظر عام پر آ رہی ہیں یعنی رسایل و جرائد میں خوب دل کھول کھول کر برائیوں اور کوتاہیوں کو دور دور تک پھیلایا جا رہا ہے۔ اس کو بڑی نیکی اور کار خیر کی اشاعت سمجھا جا رہا ہے۔ میں کہتا ہوں اس طرح طریقہ کار سے امت میں صلح و اصلاح کا راستہ ہموار نہیں ہوگا۔ سعدی شیرازی نے ایک بڑا اچھا شعر کہا ہے ؎

ترسم کہ نہ رسی بکعبہ اے اعرابی — کہ ایں راہ کہ تو می روی بترکستان است

آج کسی شخص کی بعض غلطیاں عوام میں تو مشہور کی جاتی ہیں۔ لیکن ان کی خوبیوں کا کہیں چرچا نہیں ہوتا ملت کے ہر طبقہ میں خوبی و خیر کے پہلو کو دیکھنے کی کوشش کی جانی چاہیئے اور تنقید و اعتراض کا راستہ اختیار کرنے کے بجائے خیر خواہی و ہمدردی کے جذبے کے ساتھ ان غلطیوں اور کمزوریوں سے نکلنے میں ان کی مدد کریں۔ آج اس طریقے سے صرف نظر کرنے کے سبب غلطیوں اور کمزوریوں کو اچھالنے کا جو طریقہ

پیدا ہوگیا ہے اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ اپنی اصلاح کی فکر بجائے جواب الجواب اور جوابی حملوں کی تیاریوں میں لگا رہے گا۔ اس سے جماعت میں اختلاف بڑھے گا۔ دوری پیدا ہوگی ایک دوسرے کی توہین وتذلیل کا رواج بڑھے گا۔ اور سوائے حظ نفس کے کوئی فائدہ کسی کو حاصل نہ ہوگا۔

آج میں اپنے ذاتی تجربہ کے بناء پر کہہ رہا ہوں کہ مسلمانوں میں بہت سے افراد کا یہ حال ہے کہ ان میں خیر کا پہلو اتنا غالب ہے اور ان کا مقام اتنا بلند ہے کہ اس کے تناسب سے دوسرے افراد بہت پستی اور بہت کمزوری میں مبتلا ہیں۔ اس لیے جس فرد میں بہت سی خوبیاں غالب ہوں۔ ان خوبیوں کی قدر کی جائے۔ غلطیوں اور خامیوں کی تشہیر کے لیے ناحق اعتراض اور تنقید سے بچا جائے۔ اور تعلق ومحبت اور اخوت ومودت کے ذریعہ ان کو ان غلطیوں سے نکالنے کی کوشش کی جائے۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری کی ایک بے مثال نصیحت

آج اس موقعہ پر شیخ الاسلام سردار جماعت مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری کی ایک پرتاثیر نصیحت یاد آگئی۔ اپریل ۱۹۴۱ء کی بات ہے کہ علیگڈھ میں آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کے تیسرے روز کا آخری اجلاس ہو رہا تھا۔ بہار، یوپی، سی پی اور بنگال کے علماء اور فضلاء شریک تھے۔ حتیٰ کہ مولانا حافظ عبداللہ غازیپوری اور مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی بھی موجود تھے۔ اکثر عوام وخواص کی طرف سے درخواست ہوئی کہ مولانا امرتسری ہمیں کچھ اور خطاب فرمائیں۔ مولانا پرتپاک اور مسرت آمیز لہجے میں اسٹیج پر کھڑے ہو کر فرمانے لگے۔ بزرگو اور دوستو! مجھے آج آپ کی درخواست منظور ہے۔ مگر شرط یہ ہیکہ جو کچھ اس وقت کہوں گا۔ آپ سے یہ مطالبہ کروں گا کہ آپ اس پر عمل پیرا ہوں گے۔ اگر آپ اس پر عمل کرنے کا اقرار کریں تو میں بیان کروں (سب نے اقرار کیا) آپ نے مکرر کہا کہ تین بار اقرار کرو سب نے تین بار اقرار کیا۔ پھر آپ نے صحیحین کی حدیث پڑھی لایؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ مولانا نے فرمایا کہ میں اپنی طرف سے کچھ کہنا نہیں چاہتا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کا ترجمہ اور اس کی تفسیر بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہیکہ حضور صحابہ کرام کی مجلس میں فرماتے ہیں "تم میں اس وقت تک کوئی مومن نہیں ہو سکتا۔ جب تک تمہارے دل میں دوسرے بھائی کے لیے گنجائش نہ ہو کہ جو چیز تمہیں اپنے لیے پیاری ہے اپنے مسلمان بھائی کو بھی اس کا مستحق وحقدار خیال کرو۔ اگر تم اپنے لیے غیبت کو برا خیال کرتے ہو اپنے لیے سب وشتم کو برا خیال کرتے ہو تمہارے خلاف اگر بہتان لگایا جائے

تو اسے برا خیال کرتے ہو تو ان سب چیزوں کو اپنے بھائی کے لیے بھی برا جانو۔ مولانا مرحوم کے اس حدیث کو اس انداز میں بیان کرنے کا بڑا ہی اثر سامعین پر ہوا تھا۔

ہم توقع رکھتے ہیں کہ آج بھی اس حدیث شریف کا ہمارے رسائل لکھنے والوں اور جوابی حملوں کے ذریعہ اپنی پوزیشن صاف کرنے والوں پر صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی اس حدیث کا اثر ضرور ہوگا۔ اور یہ لوگ کسی مسلم کی تحقیر و توہین سے اور سازش اور کردار کشی کے فریب سے باز آجائیں گے۔ اور انسان کے تعمیری خوبیوں پر نظر رکھتے ہوئے عیب جوئی اور غیبت طرازی کے ناکارہ مہم سے قطعی اجتناب کریں گے۔ حافظ شیرازی کا مشورہ ہے عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو۔

مولانا عبد الماجد دریابادی کی ایک بہترین ادیبانہ تحریر مولانا اس طرح رقمطراز ہیں کہ صحیحین کی ایک حدیث ہے لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ، یعنی تم میں سے کوئی کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہو کیا وہ چاہتا ہے کہ دوسرے اس کے رازوں کے کھوج میں پڑے رہیں اور انھیں افشا کرتے رہیں؟ کیا وہ چاہتا ہے کہ اس کی رسوائی و فضیحت کے چرچے دوسروں کی زبان پر جاری رہیں؟ کیا وہ پسند کرتا ہے کہ اس کے فسق کے جانب اشارے کنائے دوسروں کی گفتگو میں آتے رہیں؟ کیا وہ گوارہ کرتا ہے کہ اس کی کمزوریاں اس کی لغزشیں اس کی کوتاہیاں طشت ازبام ہوتی رہیں؟ کیا اسے اچھا لگتا ہے کہ اس کا ذکر برائی و حقارت کے ساتھ دوسروں کی زبان پر آتا رہے؟ اور جب ان میں سے کوئی بھی بات آپ اپنے لیے نہیں پسند کرتے تو پھر یہ کیا ہے کہ آپ اپنے ایمانی بھائیوں کے حق میں ان سے ذرا بھی تکلف نہیں کرتے۔

یہ آپس کا رشک و تنافس، یہ رنجشیں یہ غیبتیں، یہ باہمی تہمتیں، یہ بدخواہیاں، یہ پارٹی بندیاں ان میں سے کسی بھی چیز کا وجود باقی نہ رہ جائے اگر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف اسی چھوٹی سی ہدایت پر ہمارا آپ کا عمل ہو جائے تو آج معاشرے کا کایا پلٹ کر رہیں۔ اور پھر کتنی کوفتوں سے کتنی الجھنوں سے کتنی پریشانیوں سے خود بخود نجات مل جائے اور ایک کا دل دوسرے کی طرف سے صاف ہو جائے۔ اور کتنا وقت اور کتنی قوت ضائع ہونے سے بچ جائے۔

بہرحال یہ زمانہ اختلاف کا متقاضی نہیں ایک دوسرے کے خلاف مجلّہ اور رسالہ لکھنے اور نکتہ چینیوں کا زمانہ نہیں ہے، نوک جھونک کا وقت نہیں ہے مخلصانہ رنگ میں اپنے حسنِ اخلاق سے نرمی و محبت اور شرافت سے اپنے بھائی کی اصلاح اور جزوی خامیوں کی اصلاح کی کوشش کیجیے۔ قرآن کریم میں ارشاد

۴۔ انما المومنین اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم (سورۃ حجرات ۱۰)

مومن سب بھائی بھائی ہیں تم اپنے دو بھائیوں میں صلح صفائی کرو۔ پس ہمیں صلح وصفائی کا حکم دیا گیا۔ اختلاف وانتشار سے بچنا چاہیئے اپنے آپ کو اس سے بچا کر رکھنا یہ ہمارا اخلاقی فریضہ ہے۔ اختلاف کی بنیاد خود غرضی، خود پرستی، بغض وحسد عناد تکبر پر ہوتی ہے۔

نفس کا فریب بعض ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو برملا حق کہنے کے بہانے لوگوں کے عیوب کی تشہیر کرتے ہیں اور درازہائے درون پردہ کو بھری مجلس میں بے نقاب کر دینے کے عادی ہوتے ہیں۔ ان کا طرز عمل دین سے افسوسناک ناواقفیت کی دلیل ہے یہ تو خالص تذلیل ہوئی جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے سختی سے منع فرمایا ہے۔ ایسے موقع پر جب نصیحت کرنا واجب ہو۔ ڈاکٹر مصطفیٰ سبائی صاحب اپنے رسالہ المسلمون میں لکھتے ہیں۔

جب نصیحت کرنا واجب ہو تو جلسہ عام میں ہرگز نصیحت کیا جائے۔ بلکہ خلوت اور تنہائی میں جہاں بجز آپ کے اور اس خطا کار کے جسے آپ نصیحت کرنا چاہتے ہیں کوئی تیسرا آدمی موجود نہ ہو کیونکہ نفس انسانی یہ ہرگز برداشت نہیں کرتا کہ اس کے عیوب اور خفیہ گناہوں پر کوئی دوسرا اطلاع پائے لیکن جب آپ بھرے مجمع میں کسی کے عیوب کو اچھالیں گے۔ تو یہ چیز کینہ وحسد کی غمازی کرے گی اور آپ کے اس فعل کو تشہیر وتذلیل پر محمول کیا جائے گا۔ قرآن مجید میں مومنوں کی فواحش عیوب کی اشاعت سے منع کیا گیا ہے۔

ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین آمنوا لھم عذاب الیم فی الدنیا والآخرۃ واللہ یعلم وانتم لا تعلمون (سورہ نور آیت ۱۹)

اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کو اپنے بھائی کی اصلاح کا حق دیا ہے اور اُسے برے کاموں سے روکنے کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ مگر اسمیں طریقہ ملحوظ فرمایا ہے کہ جس میں مسلمانوں کی تذلیل وتشہیر نہ ہو۔ مولانا منظور احمد صاحب نعمانی نے مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ نقل کیا ہے مجھے بڑا یقین ہے کہ ملت میں اصلاح کا کام پردہ پوشی اور چشم پوشی ہی سے ہو سکتا ہے ہماری طریقۂ کار کو وہ دینی حکمت سمجھتے تھے ہماری مرکزی جمیعت کے انتخابی اجلاس میں جو کچھ غیر حکیمانہ پالیسی اختیار کی گئی اور کسی فرد واحد کی تذلیل وتشہیر سے کچھ مسلمانوں کا دل خوش ہوا اور ان کے نفس کو کچھ حظ حاصل ہوا کہ ہم نے فلاں کی ذلت فلاں سے کرادی یہ صرف نفس کی فریب کاری ہے اور ہمیں اس غلطی اور تلبیس ابلیس کا اعتراف کرنا چاہیئے اور

کھلے دل سے میل و محبت اور اخوت و مودت کا اظہار کر کے کبیدہ خاطر دلوں کی دل جوئی کرنی چاہئے محترم امیر جماعت کو روٹھے ہوئے ناراض دوستوں سے ہاتھ ملانا چاہیئے۔ اور محبت و دوستی کے تعلقات بڑھانا چاہیئے۔ محترم امیر جماعت کی جو لوگ خامیوں اور کمزوریوں کو اور جزوی نقائص کو تلاش کرتے ہیں اور منظر عام پر لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو سوچنا چاہیئے کہ مشاجرات صحابہ میں لوگوں نے سکوت کا طریقہ اختیار کیا تھا۔ اگر ہمارے امیر جماعت میں کچھ ذاتی یا خانگی معاملات میں کسی کو کوئی شبہ یا رخنہ نظر آتا ہے تو اس کو نظر انداز کرنا چاہیئے۔ ذرے کو سامنے رکھ کر پہاڑ کا انکار نہ کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّ الحسنات یذھبن السیات ذلک ذکری للذاکرین (سورہ ہود آیت ۱۱۴)

یعنی نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ نصیحت حاصل کرنے والوں کیلئے اس میں نصیحت ہے۔

آج چپقلش اور آویزش اس بات میں ہیکہ فلاں صاحب فلاں صاحب سے افضل ہیں نا اہل اور نالائق کوئی نہیں کہہ سکتا۔ صرف افضل و مفضول کی بات ہے۔ لیکن بعض نواحی ایسے ہیں کہ وہ کچھ کم فضیلت والے کو بھی کچھ کم صلاح و تقویٰ والے کو بھی افضل الافاضل قرار دیتی ہیں۔ ان ناحیوں کی طرف اور ان گوشوں کی طرف ہماری مرکزی جمعیت کی مجلس شوریٰ نے نظر ڈالی۔ اور افضل الافاضل کا انتخاب ہوا۔ اب اس انتخاب کے بعد باہمی تنازعات کا دور ختم ہو جانا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے شوریٰ میں جس کا انتخاب مقدر کیا تھا۔ وہ انتخاب برحق ہو گیا۔ "وکان امر اللہ قدرا مقدورا" ہماری جماعت کی سب سے بڑی شخصیت شیخ الحدیث مدظلہ العالی کلیہ۔ انہوں نے اس نئی قیادت پر اپنی مبارک باد دی ہے۔ اور اپنے اعتماد کا اظہار فرمایا ہے اور اچھی دعائیں دی ہیں۔ ہم اسے جماعت کے حق میں حرف آخر سمجھتے ہیں۔ اب ضرورت ہے کہ باہمی اخوت و الفت اور اعتماد کے جذبے سے کام لیا جائے اور جماعت کی ترقی و استحکام کے جذبات سے ہمارے دل معمور ہو جائیں۔ اور ایثار، قربانی اور جماعتی جوش و تبلیغ سے ہمارے سینے آباد ہو جائیں۔ ورنہ جماعت میں انتشار و اختلاف اور دوسری تحریکوں میں انضمام و ادغام کا رد عمل جاری ہو جائے گا ؎

قمریاں شاخ صنوبر سے گریزاں بھی ہوئیں — پتیاں پھول کی جھڑ جھڑ کر پریشاں بھی ہوئیں
وہ پرانی روشیں باغ کی ویراں بھی ہوئیں — ڈالیاں پیرہن برگ سے عریاں بھی ہوئیں
وادی نجد میں وہ شور سلاسل نہ رہا — قیس دیوانۂ نظارۂ محمل نہ رہا

امیر محترم حفظہ اللہ سے ایک ضروری گزارش

ایک عقیدت مند کی حیثیت سے نہیں ایک بے لاگ مؤرخ کی حیثیت سے

اگر کوئی شخص مرکزی جمعیت کی خدمات کا دوسرے اسلامی اداروں و تحریک کے مرکزوں سے موازنہ کرے تو یک نظر اسے معلوم ہو جائے گا کہ جن حالات میں ارباب حل و عقد خاموش رہ کر منتظر فردا تھے ٹھیک انھیں حالات میں دوسری جماعتیں اپنے بلند عزائم کو جامۂ عمل پہنا رہی تھیں۔ ہم احوال و ظروف کے توسع و کشود کار کے انتظار میں وقت گذاری کرتے رہے۔ اسی زمانہ میں دوسری جماعتوں اور تحریکوں نے دیکھتے ہی دیکھتے کتنے اونچے منازل تک رسائی حاصل کی ؎

یہ بزم مے ہے یاں کو تاہ دستی میں ہے محرومی — جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

اس سے انکار نہیں کہ مرکزی جمعیت سے پچھلے دنوں "تقویۃ الایمان" اور "چمن اسلام" جیسی کتابیں منظر عام پر آتی رہیں۔ لیکن یہ کوئی ایسی علمی خدمت نہیں کہ مرکزی جمعیت ایسی خدمت پر قابلِ تحسین و تبریک ہو۔ اس کے علمی خدمات تو یہ تھے کہ سیرت نبوی اور اسوۂ صحابہ، تاریخ خلفاء، سوانح ائمہ، حواشی و شروح، اتحاف وغیرہ کے سلسلے میں اور زمانہ حال کی زبان و مقتضیات کے پیشِ نظر کچھ اہم کتابیں لکھی جاتیں۔ دوسری جماعتوں کی تصنیفات و رسائل کا علمی سکہ جم چکا ہے۔ ان کی خدمات سے الحاد و دہریت کے ایوان میں زلزلہ سا برپا ہے ان کی تحریک و تبلیغ کا جال پورے ملک میں بچھا ہوا ہے۔ ایک منظم جماعت کا ہاتھ اس کی پشت پر ہے۔ الغرض ادھر سب کچھ حزم و ہمت کے مظاہرے ہیں۔ اور ادھر سیاسیات سے الگ ہو کر بھی صرف مذہبی مقاصد و مہمات کے دائرے میں آج تک جمعیت کوئی روشن کارنامہ تیار نہ کر سکی۔

اب ہمارے امیر محترم مولانا مختار احمد ندوی سے ایک اور صرف ایک خواہش ہے کہ جمعیت کو آپ ایک اہم فعال جماعت کی پوزیشن میں لے آئیں۔ اور جماعت کی ترقی اور احیائے مسلک حقہ کیلئے اپنی صوابدید و بصیرت سے بہترین مشورے و ہدایات سے جماعت کو سرفراز فرمائیے۔ آپ عوام کو اپنے احکام پر عمل پیرا ہونے کے لیے انشاء اللہ تیار پائیں گے۔ عوام آپ کی ہدایات کے منتظر ہیں اور آپ کے پاکیزہ دستور کی روشنی میں چلنے کے لیے مضطرب اور بے چین ہیں۔ یہ عوام دوسری تحریکوں کی ترقی دیکھتے ہوئے بھی آپ ہی سے ابھی آس لگائے بیٹھے ہیں ؎

بادہ کش اور ہیں گلشن میں لب جو بیٹھے — سنتے ہیں جام بکف نغمۂ کو کو بیٹھے
دور ہنگامۂ گلزار سے یک سو بیٹھے — تیرے دیوانے بھی ہیں منتظر ہو بیٹھے
پھر پتنگوں کو مذاق تپش اندوزی دے — برق دیرینہ کو فرمان جگر سوزی دے

دو بنیادی اور تعمیری مقاصد یہاں ہو نگر دو بنیادی ضروریات کے سلسلہ میں صدر محترم سے گذارش

واستدعا ہے کہ ان پر پہلی فرصت میں توجہ دیں۔

۱۔ ابتدائی درجات کے بچوں کے لیے ایک ایسا نصاب تعلیم مرتب کیا جائے جس میں مذہبیات کے ساتھ تاریخ، حساب، جغرافیہ و دیگر عام معلومات پر مشتمل کتابوں کا بندوبست ہو۔ مصطفیٰ حسن علوی کی کتاب ہمارا سماج کئی حصص میں ہے۔ اور بہت معلومات افزا کتاب ہے۔ اس طرح کی اور کتابیں سامنے رکھکر اپنا مستقل اور مکمل نصاب تعلیم تیار کرنا ہمارے لئے ایک بے حد ضروری کام ہے۔ اگرچہ چمن اسلام کے چاروں حصے بیحد مفید ہیں مگر نصاب تعلیم کے سارے پروگرام کو پُر کرنے سے قاصر ہیں۔ اس طرف خصوصی توجہ درکار ہے۔

۲۔ ایک دارالمطالعہ و دارالتصنیف قائم کیا جائے جس میں صاحب ذوق و منتخب اہل علم آزادی فکر و فکری سے قرآن کریم، سیرت پاک، اسوۂ صحابہ، تاریخ امم و ملوک پر فراہم شدہ ذخیرہ کتب کا مطالعہ کریں، اور پھر زمانہ حال کی ضرورتوں اور تقاضوں کے مطابق ایک تازہ اسلوب نئے ڈھنگ اور پاکیزہ زبان و انشاء میں علمی و دینی کتابیں اور اصلاحی و تبلیغی رسائل تیار کریں اور اپنے ناخن علم و تدبر سے ملک و ملت کے پیش آمدہ مسائل اور پیچیدہ معاملات کی گتھیاں بھی سلجھائیں اور قوم میں دینی مزاج سے مناسبت پیدا کرنے اور ان کا رابطہ دین سے براہ راست استوار کرنے کے لیے بہترین انداز میں مقالات اور ایسے پُرتاثیر و پُرسوز مضامین لکھیں کہ ؎

جاگ اس بلبل تنہا کے نوا سے دل ہوں　　جاگنے والے اسی بانگ درا سے دل ہوں
یعنی پھر زندہ نئے عہد وفا سے دل ہوں　　پھر اسی بادۂ دیرینہ کے پیاسے دل ہوں

اس دارالتصنیف میں ایک شاخ ترجمہ کی بھی ہونی چاہیئے۔ جو تراجم کے علاوہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ و ابن قیم کی مصنفات کا پاکیزہ و شستہ زبان میں بہترین اردو ترجمہ کرے۔

یہ جو میں نے کہا کہ ایک دارالمطالعہ ہو اور اسمیں قلم و زبان کی صلاحیت رکھنے والے وہ علماء بیٹھیں جن کو آپ نے فکر و معاش سے مطمئن و بے پرواہ کر دیا ہو تو یہ اس مطالعہ و تصنیف کیلئے ایک ضروری شرط ہے۔ تہذیب الاسماء میں امام نوویؒ نے امام محمد بن حسن شیبانی کے متعلق لکھا ہے۔ کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ چونکہ تصنیفی مشاغل اور مطالعہ کتب کیلئے مجھے قطعی یکسوئی و بے فکری چاہیئے۔ اس لیے ضروریات خانگی اور امور مطبخ یا کاروباری معاملات کے لئے صرف میرے وکیل سے رجوع کیا جائے۔ اور امام شافعیؒ نے فرمایا، "لوکلفت بصلۃ ماعرفت مسئلۃ" یعنی اگر ایک پیاز کے لیے بھی مجھے تردد کرنا پڑتا تو

مجھے ایک مسئلہ کا بھی عرفان حاصل نہ ہوتا۔

صدر محترم و امیر جماعت سعی جمیل فرمائیں کہ دار المطالعہ و دار التصنیف ضرور جماعت کے سامنے آجائے تو انشاء اللہ ؎

فیضِ روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

شعبہ تعمیر و ترقی

پھر یہ گذارش ہے کہ شعبہ تراجم، و شعبہ تصنیف و تالیف کیلئے اور دیگر ادیان و ملل کی کتابوں کے مطالعہ کیلئے وسائل و ذرائع و مختلف تعمیرات اپنے شاہجہانی ذوق کے مطابق اعلیٰ سے اعلیٰ اور بہتر سے بہتر انتظامات آپ انجام دیں۔ ملک اور بیرون ملک میں اپنی ضروری تعمیرات و مقاصد کی اپیل پہونچانی چاہیئے تاکہ وسایل و ذرائع فراہم ہو سکیں۔ پھر انشاء اللہ انھیں کے ذریعہ علمی و دینی مقاصد تراجم، و تحشیہ و تفسیر و تاریخ نگاری اقوام و ملل کے درمیان اسلام کی سربلندی اور اس کی حقانیت و صداقت اور ابدی پیغام سے لوگوں کو روشناس کرا سکیں۔ اس تعمیر و ترقی کے منصوبے کو گہرے غور و فکر کے ساتھ انجام دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ پر یہ دشوار نہیں ہے کہ جس طرح ہماری آنکھوں کے سامنے دوسری جمعیتوں نے اپنی تنظیم کی اور وسائل پیدا کیے اور بڑے بڑے مکتبے کھولے۔ معیاری تصنیفات لکھیں اور ملک و ملت کی مجموعی طور پر خدمت کی۔ انھوں نے بڑے بڑے پلاٹ اور زمین کی خریداری کی اور اس پر اپنے تعمیری منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کی فکر میں ہیں۔ اسی طرح امیر محترم پر یہ بالکل آسان ہے کہ ایک نئے پلاٹ پر تمام دفاتر منتقل کریں۔ اور نئے پلاٹ پر منصوبہ کے ساتھ اپنے تمام شعبوں اور تمام دفاتر اور اپنے تمام نظاموں کی تکمیل کیلئے اور مختلف ضرورتوں کیلئے عمارات تیار کرائیں۔ اور جماعت کو ایک ٹھوس اور مستحکم اعلیٰ درجہ کا مرکزی و فعال ادارہ بنا کر دیں۔

آپ کا یہ زندہ جاوید عمل باقیات الصالحات اور نہایت قیمتی یادگار بن کر رہے گا۔ اور قوم و ملت مدتہائے دراز تک آپ کے اس زندہ تابندہ کارنامے کو تاحیات یاد رکھے گی۔ اللہ تعالیٰ اور رسول خدا کے علاوہ اہل ایمان بھی آپ کے اعمال جلیلہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں گے۔ ارشاد باری ہے "وقل اعملوا فسیری اللہ عملکم ورسولہ والمومنون" (سورہ توبہ آیت ۱۰۵)

آپ کی تعمیری خدمات مرکزی جمعیہ کے احباب عصر حاضر میں یاد رکھیں گے۔ اور آنے والی نسلیں بھی آپ کے سنہرے تعمیراتی خدمات پر فخر و ناز کرتی رہیں گی●

جیسی سنگت بیٹھئے، تیسو ہی پھل دین

فضل اللہ انصاری سلفی

تنہا اور اکیلا انسان بسا اوقات اکتا سا جاتا ہے۔ اور دل و دماغ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ بلکہ کہہ لیجئے کہ تنہائی کاٹ کھانے کو دوڑتی ہے اور اکیلا پن تن و من کیلئے گویا بار بن جاتا ہے۔ یہ من شاد، دل و دماغ آباد اور طبیعت باغ و بہار رہے، اس کیلئے وہ خلوت سے گریزاں جلوت میں ایک ایسی صحبت چاہتا ہے جہاں بے حال طبیعت بحال ہو، دلِ بے قرار کو قرار ملے تبسم زیر لب ہو، زباں کو بیان اور روئے تر کو مسکان ملے۔ اکیلے میں بور ہوئے تنہائی کو چھوڑ کر وہ صحبت ڈھونڈتا، جہاں خلوت کا سناٹا نہ ہو، بلکہ فرحت و سرور، نشاط و انبساط اور لطف و شادمانی کا جہاں آباد ہو۔ اب یہ ہر کسی کی اپنی طبیعت پر منحصر ہے کہ وہ کیسی صحبت اختیار کرے اور کون سنگت بیٹھا کرے۔ البتہ اتنی بات طے ہے کہ

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با...... باز

لیکن واضح رہے کہ کسی صحبت کا اثر اتنا گہرا ہوتا ہے کہ بس۔ کبیر داس کہہ گئے ہیں، جیسی سنگت بیٹھئے، تیسو ہی پھل دین! مشہور ہے کہ

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

اچھے کی صحبت اچھا اور برے کی صحبت برا بناتی ہے۔ اس میں بھلا کیسے شک ہوگا۔ یہ تو ایک مسلم، بلکہ مجرب حقیقت ہے۔ صحبت کی بابت پیارے نبی ﷺ نے تو سب سے جامع و مانع بات فرمادی ہے کہ۔ المرء علی دین خلیلہ، فلینظر احدکم من یخالل: یعنی آدمی اپنے دوست کے دین پر

ہوتا ہے۔ ہر کسی کو یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔ خیر! اب اس صحبت کو دو خانے، صالح و طالح (اچھی بری)، میں بانٹ دیجئے پھر آگے کی دیکھئے۔ صالح دماغ، نیک مزاج، ہوشمند اور باادب کی صحبت افادیات سے خالی نہیں۔ انسان یہاں بگڑتا نہیں، سنورتا ہے اور شادکام ہونے کے ساتھ صحبت کے اس چمن کا گلچیں بھی بن جاتا ہے۔ یہ صحبت بلاشبہ لائق رشک اور قابل اختیار ہے۔ جہاں علم و ادب کے پھل پھول ملیں، سرور و شادمانی حاصل ہو، صحبتی پھلے پھولے اور اس کا اچھا اثر پھیلے۔ یہ صحبت کی وہ اعلیٰ قسم ہے، جہاں آدمی انسان بنتا ہے، ایک دوسرے کے حق جانتا ہے اور پورے اصول و آداب کے ساتھ اپنی زندگی گزارنے کا درس لیتا ہے۔ کہہ لیجئے کہ ضخیم اور بڑی بڑی کتابوں کا کیڑا بن جانے کے بعد بھی وہ گوہر و جوہر" نہیں ملتا، جو اس بھلی سنگت کا اثر اور اچھی صحبت کا ثمر ہے۔ وہ شجر کہاں ہے، جہاں ایسا ثمر ملے"؟ کمیاب ہے مگر نایاب نہیں۔ انسان اگر چاہے تو دشواریاں جھیلے، اسے تلاش لے اور اس کے سایہ تلے بیٹھ جائے۔ ورنہ بغل ہی میں ہو تو پتہ نہیں چلتا۔ ایسی صحبت چھوٹ نہ پائے کہ بڑی کمیاب، مگر گراں قدر بھی ہے۔ اچھی صحبت کی مثال اس درخت کی سی ہے، جو سایہ دار بھی ہو اور پھل دار بھی۔ اللہ کے رسول ؐ نے فرمایا کہ:۔ مثل الجلیس الصالح۔ کمثل حامل المسک۔ فحامل المسک إما أن یحذیک أو تشتري منه او تجد منه ریحاً طیبۃً:۔ یعنی نیک و صالح دوست کی مثال مشک بردار کی طرح ہے۔ وہ تمہیں یا تو خوشبو دے گا یا تم اس سے خریدو گے یا پھر اس کی خوشبو پاؤ گے۔ سو کی ایک بات کہ اچھی صحبت ہر اعتبار سے سودمند اور فائدہ بخش ہی ثابت ہوتی ہے۔

ثمر اس کا شیریں اور پھل میٹھا ہی ہوتا ہے۔ صحبت کا یہ قانون بدل نہیں سکتا۔ چاہے زماں و مکاں بدل جائیں۔ بڑا ہی نصیب والا ہے وہ جگ میں، جسے بھلی سنگت اور اچھی صحبت ملی۔ ظاہر بات ہے کہ بدنصیب ہوگا وہ، جس نے بری صحبت پائی اور بروں کی سنگت اپنائی۔ کہتے ہیں کہ:۔ ہر چہ در کان نمک رفت، نمک شد یعنی جو چیز نمک کی کان میں گئی، وہ نمک بنی۔ سونے چاندی اور لعل و موتی بھی اگر نمک کی کان میں گئے تو نمک ان پر اثر انداز ہوگا اور ان کی ہیئت بالکل بدل جائیگی۔ برے تو برے اگر اچھے بھی بر کماش و بدمعاش اور بے ادب

وبدخلق کی صحبت میں رہنے لگے تو خدا خیر کرے۔ توبہ ہے اس صحبت بد سے، جس میں کہ نقصان وضرر کے سوا کچھ بھی نہیں۔ یہاں آدمی خود بگڑ جاتا، چہ جائے کہ وہ ایک اچھا انسان بنے ایک دوسرے کے حق اسے معلوم ہوں، جینے کے آداب واصول جانے اور زیورِ اخلاق سے آراستہ وپیراستہ وہ صحیح راستہ پر چلے۔ بری صحبت گویا نمک کی کان ہے، "جس میں ہیرے جواہرات" کا بھی خیر نہیں، اللہ بچائے ایسی سنگت سے (آمین) عربی کی ایک کہاوت ہے کہ، برے ہمنشیں (صحبت) کی مثال بھٹی کی سی ہے کہ اگر کپڑا آگ کی چنگاری سے نہ بھی جلے تو دھواں سے ضرور خراب ہوگا۔ مطلب پیچیدہ کہاں۔ بالکل واضح ہے کہ بری صحبت اور بروں کی سنگت میں نقصان ہی نقصان ہے۔ اللہ کے رسولؐ بری صحبت سے احتراز واجتناب کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ایاکم وقرین السوء، فانك به تعرف۔ یعنی برے ساتھی سے بچو کیونکہ تم اسی کے ذریعہ پہچانے جاؤگے۔ پھر کون چاہیگا کہ اس کا تعارف برا ہو اور "برا" اس کی وجہِ شناخت ہو۔ شیخ سعدی نے سچ ہی کہا کہ ؎

پسرِ نوح بابداں بہ نشست — خاندان نبوتش گم شد

سگ اصحابِ کہف روزے چند — پئے نیکاں گرفت مردم شد

حضرت نوح کا بیٹا بروں کی صحبت میں بیٹھا۔ اس سے نبوت کا خاندان چھوٹ گیا۔ اصحاب کہف کے کتے نے چند روز نیکوں کی صحبت اختیار کی آدمی بن گیا۔

معزز قارئین کرام۔ السلام علیکم

۱۹۹۰ء کے پر آشوب دور سے آپ واقف ہیں ریزرویشن مخالف تحریک اور ظالم اڈوانی کے رتھ یاترا سے ملک میں جو ابتری پیدا ہوئی ہے اس سے اقلیتی فرقہ کا عام شہری غیر محفوظ ہو گیا۔ جس کی وجہ سے ادارہ کی جانب سے کوئی سفر نہ ہو سکا۔ دفتر۔ مسجد اور نوائے اسلام کے لئے ادارہ مجلس الدعوۃ الاسلامیہ زبردست مالی بحران کا شکار ہو گیا۔ جس کے لئے آپ کے خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔ والسلام

اراکین مجلس الدعوۃ الاسلامیہ۔

نوائے اسلام دہلی

مظلوم ابن سعود

ایک مصری سیاح کی نظر میں

دنیا میں ایسی شخصیتیں بہت ہی کم ہونگی جن کے خلاف اتنی غلط بیانیاں کی گئی ہونگی جتنی آل سعود اور شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدی کی گئی ہیں جبکہ انہی دونوں شخصیتوں کی عظیم خدمات کے صلہ میں احیاء اسلام کی تحریک اٹھی، اسلامی جہاد ہوا، ٹوٹے اور بکھرے ہوئے عرب میں مرکزیت قائم ہوئی۔ جنگ عظیم کے بعد عرب کی حالت ابتر ہو گئی تھی بیسویں صدی کے اوائل ربع تک سرزمین عرب بیسیوں ٹکڑوں میں منقسم تھی۔ حجاز نجد وملحقات عسیر، کویت، بحرین، عراق، شام، لبنان، فلسطین، یمن، لحج، عمان، نیز شرق اردن اور جنوبی عرب میں عدن سے لیکر عمان تک اور حضر موت میں متعدد چھوٹے چھوٹے قبائل اور ان کے الگ الگ امیر تھے۔

فلسطین، عراق، اور شرق اردن نیز لحج سے لیکر عمان تک تمام قبائل انگریزوں کے ماتحت تھے بحرین اور کویت پر بھی انگریزی اثر تھا شام فرانسیسیوں کے ماتحت تھا۔ صرف نجد کے سلطان عبدالعزیز بن سعود اور امام یحیٰی آزاد تھے۔

عراق سرسبز وشاداب ملک تھا مگر حاکم عراق فیصل کی نااہلی سے عراق پر انگریزوں کی گرفت شدید تھی بیسویں صدی کے تیسرے دہے میں عراقی آبادی کا نقشہ اس طرح تھا۔ اس کی آبادی میں بہت بڑا حصہ شیعوں کا ہے۔

عراقی شیعہ: پندرہ لاکھ عراقی سنی: گیارہ لاکھ: عراقی یہودی: اٹھارہ ہزار، عراقی عیسائی: اسی ہزار عراق کے بقیہ مذاہب: بیالیس ہزار،

امین ریحانی نے ۱۹۲۴ میں ملوک عرب پر دو جلدوں میں ایک کتاب لکھی تھی۔ جس میں بڑے بڑے ملوک والاں کی رعایا کے تعلقات اختصاراً یوں بیان کئے گئے تھے

شریف حسین (شریف مکہ) رعایا ان کے مطیع اور ان سے خائف ہے

سلطان ابن سعود :- رعایا ان کی مطیع ہے اور ساتھ ہی ان سے محبت کرتی ہے۔
امام یحییٰ :- رعایا ان کی مطیع ہے لیکن نہ ڈرتی ہے اور نہ محبت کرتی ہے۔
فیصل (شاہ عراق) :- نہ رعایا ان سے ڈرتی ہے اور نہ محبت کرتی ہے اور نہ ان کی مطیع ہے ہاں جبر کے باعث خاموش ہے (اور یہ عراقی عوام کی سنت ہے)
امین ریحان کے تجزیہ سے سلطان ابن سعود کی شخصیت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر چمگادڑ سورج کو نہ دیکھ سکے تو اس میں قصور کس کا؟
سلطان عبدالعزیز بن سعود نے جن نازک حالات اور کٹھن دور میں اور انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں نجد، حائل، عسیر، حجاز، الحساء وغیرہ کو جس حسن عمل اور جہاں ہمتی سے ایک مرکز پر جمع کر دیا۔ اسکی مثال پیش کرنے سے عرب کے بہت بڑے حصے کی تاریخ کے اوراق خالی ہیں۔
امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کے الہلال کے اگست و ستمبر ۱۹۲۷ء کے شماروں میں ایک مصری سیاح (محمد شفیق مصری اخبار نویس) کے مشاہدات و تاثرات شائع ہوئے تھے ابن سعود کے تعلق سے مصری سیاح نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اسے ہم اپنے معزز قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ ———— ادارہ

سلطان ابن سعود :-

سلطان عبدالعزیز بن سعود دراز قامت ہیں۔ جسم بھرا ہوا اور ٹھوس ہے، رنگ گندمی ہے۔ آنکھیں چمکیلی ہیں، پیشانی کشادہ ہے۔ عینک استعمال کرتے ہیں۔ غیر معمولی ذہانت، قوت ارادی عزم و حزم، خوش مزاجی، تدبر، یہ وہ اوصاف ہیں جو سلطان کی صورت دیکھتے ہی آدمی محسوس کر لیتا ہے۔ عمر ۵۰ کے قریب ہے۔ بائیں ہاتھ کے انگوٹھے میں گولی لگی تھی۔ اس کا نشان اب تک نمایاں ہے وہ ہمیشہ سر جھکا کر چلتے ہیں۔ نجدی وضع کا مزرکش جبہ پہنتے ہیں اور اس کا ایک دامن عموماً بغل میں دابے رہتے ہیں تاکہ تیز چل سکیں۔ پوری قوم ان سے محبت کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں اپنی زندگی کا کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوتا۔ وہ بغیر کسی محافظ کو ساتھ لئے بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں۔

پہلی ملاقات پہلی ملاقات ہی میں سلطان مجھ سے بالکل بے تکلف تھے۔ انہوں نے گفتگو میری مزاج پرسی سے شروع کی۔ راستہ میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟ میرے عہدے داروں نے کیسا سلوک کیا؟"

"کسی بدو نے کوئی شرارت تو نہیں کی؟" اسی قسم کے بہت سے سوال شروع کر دیتے۔ میں نے اپنے سفر کی تمام روداد سنا دی۔ جس قدر میری خاطر تواضع ہوئی تھی، شکریہ کے ساتھ اس کا بھی ذکر کیا جو کچھ امن وامان میں نے مشاہدہ کیا تھا، اس کی طرف بھی اشارہ کیا۔ چوری، قزاقی اور جرائم کی عدم موجودگی پر تعجب کا اظہار کیا۔

سلطان کی گفتگو میری خاموشی کے بعد سلطان نے کہا

"الحمد للہ ہمارے ملک میں ایک ہی دین اور ایک ہی مذہب ہے تمام نجدی ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ بلاشبہ فقہ اسلامی میں ۴ مذاہب مشہور ہیں۔ لیکن ہمارے خیال میں امام احمد بن حنبل کا مذہب، سنت رسول اللہ سے زیادہ قریب ہے۔ ہمارے عقیدے میں تمام مسلمان، باہم بھائی بھائی ہیں۔ نجد میں ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے "السلام علیکم" کہہ دینے کے معنی یہ ہیں کہ دونوں خدا کے امان وسلام میں ہو گئے۔ تمام مسلمان، کلمۂ توحید پر جمع ہیں۔ تمام حبل اللہ المتین کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں اس بنیاد پر ہماری سلطنت قائم ہے۔ ہم سلطنت کے بھوکے نہیں ہیں اور نہ فخر وغرور اور تن پروری کے لئے حکومت کرتے ہیں۔ زمین اللہ کی ہے ہم سمجھتے ہیں کہ اللہ نے اپنی یہ امانت ہمارے سپرد کی ہے۔ لہذا ہم پوری کوشش کرتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ ایمان داری کے ساتھ یہ امانت ادا کر دیں۔ ہمیں شرک سے نفرت ہے۔ اگر ہمیں تمام مشرک ملکوں کی فرمانروائی بھی پیش کی جائے تو ہم اسے ہرگز منظور نہ کریں ہم کسی سے لڑائی نہیں پسند کرتے۔ حتیٰ کہ کفار سے بھی نہیں۔ البتہ ان کے لئے ہماری یہ دعا ضرور ہے کہ خدا انہیں صراط مستقیم دکھا دے۔ جب تک وہ ہم سے تعرض نہیں کرتے ہم بھی انہیں نہیں چھیڑیں گے۔ ہم ان سے دور رہنا چاہتے ہیں۔ ہم ان سے تشبہ بھی پیدا کرنا نہیں چاہتے۔ حتیٰ کہ ان کا لباس بھی پسند نہیں کرتے حقیقی مسلم وہ ہے جو اپنے دین کے اصول کی پیروی کرتا ہے۔ جو کوئی کفار کی تقلید کرتا ہے، وہ نہ اپنے دین میں کوئی بھلائی حاصل کر سکتا ہے نہ دنیا میں"

یہ گفتگو، اس جلیل القدر صحرائی بادشاہ کی ذہنیت پوری صفائی سے ظاہر کرتی ہے۔ صحرائے عرب کے باشندے صدیوں سے قتل، غارت گری اور جرم وگناہ کے عادی تھے۔ صرف صحرا ہی کے نہیں بلکہ حجاز کے باشندے بھی۔ وہ کسی نظام وحکومت کی اطاعت کے عادی نہ تھے۔ لیکن یہ اسی سلطان کا تدبر ودبدبہ تھا جس نے انہیں اپنے آہنی ہاتھوں سے مطیع کیا اور امن ونظام قائم کر دیا۔

طرز حکومت نجد کی حکومت، قدیم وضع کی ہے۔ وہاں حکومت، علیحدہ علیحدہ شعبوں پر منقسم نہیں

ہے۔ نہ مجلس حکومت ہے، نہ وزارت ہے۔ پوری حکومت خود سلطان کی ذات ہے، اور ان کا قانون کتاب وسنت ہے لیکن کیا مجال کہ کسی قسم کی بدنظمی پیدا ہو جائے۔ آمد وخرچ کے تمام حسابات مرتب رہتے ہیں خود سلطان ان کی نگرانی کرتے ہیں۔ ایک پیسہ کا بھی غبن نہیں ہو سکتا۔ برخلاف اس کے اسی صحرائی پادشاہ نے حجاز میں آکر حکومت کی وضع دوسری کر دی۔ حجاز کی حکومت دفتری نظم کی حکومت ہے۔ وہاں کیلئے نجد کی سی حکومت موزوں نہ تھی۔

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ مسلسل تین سال کی غیر حاضری کے بعد سلطان اپنے دارالسلطنت میں واپس آئے تھے۔ وہ ہم سے چار دن پہلے ریاض پہونچ چکے تھے۔ تاہم ہم نے اپنی آمد پر دیکھا کہ شہر مسرت وانبساط کے موثر نظاروں سے لبریز ہے۔ بے شمار وفد، نجد کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے تھے اور عقیدت وخلوص کا اظہار کر رہے تھے۔ دوسری طرف سلطان کی فیاضیوں کا دروازہ کھلا تھا۔ کوئی نہ تھا جسے وہ اس کی توقع سے زیادہ نہ دے رہے ہوں۔ ان کی سخاوت دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی میں نے اپنے دل میں کہا "یقیناً یہ ایک ایسا آدمی ہے جو نہ دولت سے محبت کرتا نہ فقر وفاقہ سے ڈرتا ہے"

ملوکیت نجد کا اعلان خوش قسمتی سے میں اس تاریخی جلسہ میں بھی شریک ہو سکا جو سلطان ابن سعود کو "ملک نجد" بنانے کیلئے منعقدہ ہوا تھا۔ نجدیوں نے یہ دیکھ کر کہ سلطان ابن سعود اب ملک الحجاز ہو گئے ہیں پسند کیا کہ اپنے ملک کیلئے بھی ان کا یہی لقب قرار پا جائے۔

سلطان کی لڑکی کا عقد اسی طرح ایک اور جلسہ میں بھی مجھے شرکت کا موقعہ ملا۔ یہ سلطان کی بیٹی شاہزادی "تسارہ" کی شادی کا جلسہ تھا۔ امیر فیصل ابن سعد سلطان کے بھتیجے سے ان کا عقد ہوا ہے مجھے دیکھ کر تعجب ہوا کہ نجد میں شادیاں کس طرح سادہ ہوتی ہیں۔ یہ خود سلطان کی لڑکی کی شادی تھی۔ مگر اس میں نہ کوئی اسراف تھا نہ دھوم دھام تھی از حد سادہ تقریب تھی۔ قصر شاہی کے ایوان میں فرش بچھا دیا گیا تھا۔ کھانے چنے گئے تھے۔ دعوت ولیمہ کے بعد سلطان کے حکم سے ۵۰۰ بکریاں ذبح کی گئیں اور عام دعوت شروع ہو گئی۔ اس میں امیر غریب کی کوئی تمیز نہ تھی۔ ہر کس وناکس مدعو تھا۔

تجارت وزراعت ریاض کے باشندے عام طور پر تجارت پیشہ ہیں احساء، کویت، اور بحرین سے مال لاتے اور فروخت کرتے ہیں۔ نجد کی ایک بڑی تجارت مویشی کی تجارت ہے عوامی میں نجدیوں نے خاص شہرت حاصل کر لی ہے اور کافی دولت حاصل کرتے ہیں۔ ریاض کے اطراف میں دولت کم ہے۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ یہ تجارتی شہر ہے نہ کہ زرعی۔

سلطان کے معمولات سلطان کے معمولات یہ ہیں کہ کچھ رات ہی سے بیدار ہو جاتے ہیں لیکن اپنے کسی خدمت گار کو بھی اتنے سویرے اپنی خدمت کیلئے نہیں بلاتے خود ہی پانی لیتے ہیں۔ وضو کرتے ہیں۔ تلاوت کرتے ہیں۔ فجر کی اذان سن کر مسجد جاتے ہیں۔ نماز کے بعد محل واپس آتے۔ اپنے خاندان کے ساتھ ناشتہ تناول کرتے ہیں اس کے بعد اپنے دفتر میں آبیٹھتے ہیں خطوط پڑھتے ہیں سرکاری کاغذات ملاحظہ کرتے ہیں۔ احکام لکھتے ہیں طلوع آفتاب کے ایک گھڑی بعد تک یہی مشغولیت رہتی ہے۔ پھر ایوان عام میں تشریف لاتے ہیں۔ یہاں خاص لوگوں سے ملاقات کرتے ہیں "پھر اخوان" کے وفد حاضر ہوتے ہیں۔ ان سے بڑی بے تکلفی سے باتیں شروع ہوتی ہیں۔ یہ لوگ بڑے ہی آزاد مزاج ہیں۔ اپنے بادشاہ کو اس طرح مخاطب کرتے ہیں، گویا اپنے کسی بھائی کے سامنے ہیں۔ یہ اس لئے نہیں کہ وہ بالکل وحشی ہیں۔ میں نے انہیں وحشی نہیں پایا۔ میرے خیال میں ان کا یہ طرز خطاب اس لئے ہے کہ وہ اسے اتباع سلف صالح سمجھتے ہیں۔ وہ بڑی بے تکلفی سے "یا عبدالعزیز!" کہہ رہے تھے۔ ایک شخص نے میرا تعجب محسوس کرتے ہوئے کان میں کہا یہ طریقہ خود ہی سلطان نے مقرر کیا ہے۔ وہ خطاب کے دوسرے طریقے قبول نہیں کرتا"

چاشت کے وقت ایک دوسرے ایوان میں جاتے ہیں۔ یہ جگہ "مجلس کبیر" کہلاتی ہے۔ یہاں نجد کے بڑے بڑے شیوخ اور خاندان رشید اور خاندان عائذ کے امراء سے ملاقات ہوتی ہے۔ اول الذکر خاندان حائل کا فرمانروا تھا۔ آخر الذکر آبہا کا۔ اب یہ دونوں ریاستیں نجد کے ماتحت ہیں اور ان کے شاہی خاندان، ریاض میں قید ہیں۔ لیکن یہ قید ایسی ہے کہ ان پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ وہ شہر کے اندر اپنی نقل و حرکت میں بالکل آزاد ہیں اور نہایت عزت و احترام کا ان سے برتاؤ کیا جاتا ہے۔

اس مجلس میں سلطان کی گفتگو عام معاملات پر ہوتی ہے۔ دین، تاریخ، ادب، سیاست، ہر موضوع پر باتیں کرتے ہیں اور نہایت آزادی اور صفائی سے۔ ان کی صاف گوئی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک دن سلطان نے ایک شامی اخبار مجھے دیا۔ اس میں یہ خبر درج تھی کہ "سید عبداللہ بن عائذ مکہ سے بھاگ گئے ہیں اور ایک بڑی فوج کے ساتھ ابن سعود پر یورش کر رہے ہیں"۔

سلطان نے کہا "اخبار نے یہ خبر لکھی ہے، حالانکہ سید عبداللہ یہاں اس مجلس میں موجود ہیں ہم اور سید عبداللہ اور خاندان رشید، سب بھائی ہیں۔ ہم میں کوئی نزاع نہیں ہے"

سلطان کے قول کی تمام مجلس نے تصدیق کی۔ خصوصاً سید عبداللہ بن عائذ نے۔

اس مجلس سے اٹھ کر سلطان اپنے والد عبدالرحمن بن سعودؒ سے ملاقات کو جاتے ہیں ان کی عمر اب نوے سال سے قریب ہے مگر اب تک ہوش حواس بالکل درست اور قویٰ مضبوط ہیں نہایت خوش اخلاق، خوش محبت خوش گفتار ہیں والد سے رخصت ہو کر اپنی بڑی بہن شاہزادی "نورہ" سے ملنے جاتے ہیں۔ نجد میں بڑی بہن کی عزت بہت زیادہ کی جاتی ہے۔ سلطان حد سے زیادہ ان کا احترام کرتے ہیں۔ یہ نجدی شاہزادی بھی اپنے عربی اخلاق میں غیر معمولی ہے۔ اس کی شرافت وسخاوت دور دور مشہور ہے۔ خود مجھ سے اس کا برتاؤ نہایت ہی شفقت کا تھا۔ روز میری خیریت دریافت کرتی تھی میرے لئے اچھے اچھے کھانے بھیجا کرتی تھی۔

عشاء کے بعد سلطان کئی گھنٹے اپنے عہدیداروں سے ملاقات میں صرف کرتے ہیں۔ ہر عہدیدار کے دفتر میں خود جاتے ہیں۔ دن بھر کے کاموں کا جائزہ لیتے ہیں اور ضروری مشورے اور ہدایتیں دیتے ہیں۔ یہ ان کے روزمرہ کے معلومات ہیں۔ لیکن کبھی کبھی صحرا میں شکار کیلئے بھی جاتے ہیں۔ یہ سفر آج کل موٹروں پر ہوتا ہے۔ پچھلے دنوں مصری اخبارات نے یہ خبر مشہور کر دی تھی کہ نجد کے سب سے بڑے شیوخ مثلاً فیصل الدرویش شیخ قبیلہ ارطاویہ اور سلطان بن مجاد شیخ قبیلہ غطغط، سلطان ابن سعود کے مخالف ہو گئے ہیں ریاض میں اپنی موجودگی کے وقت میں نے بھی اس قسم کی خبریں سنی تھیں۔ فیصل الدرویش کی مخالفت کی وجہ یہ بتائی گئی کہ پچھلے سال موسم حج میں محمل مصری کی فوج سے نجدیوں کا تصادم ہو گیا تھا، اس میں فیصل الدرویش کی رائے ہے کہ سلطان نے مصریوں کی طرفداری کی اور نجدیوں کے قاتلوں سے قصاص نہیں لیا۔ لیکن یہ خبر غلط تھی۔ خود میں نے اپنی آنکھوں سے فیصل کو سلطان کی خدمت میں دیکھا ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ عقیدت و اطاعت کا اظہار کر رہا تھا۔

بلاشبہ سلطان بن مجاد کو کچھ شکایت ہو گئی تھی۔ یہ شکایت بعض شرعی احکام کی تطبیق کے بارے میں تھی۔ لیکن بہت جلد غلط فہمی دور ہو گئی اور وہ بھی سلطان کی خدمت میں پہونچ گیا۔

نجدیوں کا ایمان تمام نجدیوں۔ بدوؤں اور شہریوں۔ کا پختہ ایمان ہے کہ آدمی صرف اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت کرے اور اس کی شریعت کی پابندی میں سرگرم رہے۔ ہر آدمی کی قسمت پہلے سے لکھ دی ہے موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ ہرگز اس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی لہذا اسے موت سے بے خوف ہو کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ڈھونڈھنی چاہئے۔ ہر آدمی کو اس کے عمل کی جزا و سزا ملیگی۔ نیکی کا ثواب حاصل ہوگا۔ بدی پر عذاب پائے گا۔ یہی باعث ہے کہ وہ ہر قسم کے گناہوں اور جو ملاسے خفیہ اور علانیہ پرہیز

عوام کے اسلامی دیں کرتے ہیں۔

شوقِ جہاد جنگ کو وہ عبادت سمجھتے ہیں۔ دین الٰہی کے دشمن کا قتل عظیم ترین ثواب خیال کرتے ہیں۔ دین کی راہ میں خود قتل ہو جانا شہادت عظمیٰ تصور کرتے ہیں۔ اس بات پر انہیں اس درجہ یقین ہے کہ بڑے ہی شوق سے جنگ پر جاتے ہیں۔ ہر بدو اپنا کفن اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ نہایت بے پروائی سے اپنے تئیں موت کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ جب ان کا کوئی ساتھی لڑائی میں گرتا ہے، تو بیک زبان نعرہ مارتے ہیں واخلیلاہ! لقد سبقتی الی الجنۃ! اے دوست مجھ سے پہلے ہی جنت میں داخل ہو گیا!) جب دشمن کو بھگا دیتے ہیں تو چلاتے ہیں یا اہل التوحید! یا اہل التوحید! ایاک نعبد وایاک نستعین" (ہاں اے اہل توحید! خدایا ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے مدد مانگتے ہیں۔)

وہ گولیوں کی باڑھ کو "ریح الجنۃ" (جنت کی ہوا) کہتے ہیں اور انتہائی شوق و رغبت سے سینے تانے دشمن پر ٹوٹ پڑتے ہیں وہ اس موت کو موت نہیں، زندگی خیال کرتے ہیں اگر ان کے کسی آدمی کی پیٹھ پر گولی لگتی ہے تو اسے بزدل کہتے اور سخت نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کا قول ہے ہمیشہ سینے پر زخم کھاؤ پشت کبھی نہ دکھاؤ۔ موت اٹل ہے اس سے کہاں بھاگ سکتے ہو؟ شہادت کی موت مر کر سرمدی زندگی حاصل کرو! میدان سے بھاگنا ان کے خیال میں ایسا عیب ہے کہ ایسے شخص کو دفن تک نہیں کرتے یہی باعث ہے کہ وہ مر جاتے ہیں مگر بھاگتے نہیں ان کی یہ ثابت قدمی بالاخران کے حوصلے پست کر دیتی ہے اور وہ بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔

نجدیوں کی یہ شجاعت و لبالت عرب میں اس قدر مشہور ہو گئی ہے کہ لوگ ان کے نام ہی سے ڈر جاتے ہیں۔ چند نجدی سوار سیکڑوں آدمی بھگا دیتے ہیں حجاز کی جنگ اس حقیقت کا بین ثبوت ہے۔ حجازی فوج اس قدر مرعوب ہو گئی تھی کہ بے لڑے ہتھیار ڈال دیتی تھی۔ حائل۔ احساء اور قطیف وغیرہ ممالک کی فتح بھی زیادہ تر اسی رعب کی وجہ سے ہوئی تھی۔

موت کے بعد نجدی، سنت نبوی کی اتباع میں، بہت ہی سخت ہیں اپنے مقتولوں اور مردوں کا ماتم نہیں کرتے۔ قبروں پر گنبد اور عمارتیں نہیں بناتے ان کا عقیدہ ہے کہ موت کے بعد جس طرح آدمی کی دنیاوی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اس کا عمل بھی منقطع ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں مردوں کو ہماری ظاہری تکریم و تعظیم کی کوئی ضرورت نہیں وہ ہم سے بے نیاز ہو گئے ہیں آخرت میں انہیں جو درجہ ملے گا وہی اصلی درجہ ہے ان کے لئے اسی کی دعا کرنی چاہیئے۔ ●

خلیج کی موجودہ جنگ

حدیث کی روشنی میں

ڈاکٹر مولانا ماجد علی خاں — شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

حضرت ذی مخبر نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے۔ "مسلمانو تم عنقریب روم سے با امن صلح کروگے پھر تم اور رومی باہم مل کر ایک اور دشمن سے مقابلہ کروگے، پس تمہاری مدد کیجائیگی تم غنیمت حاصل کروگے، اور سلامت رہوگے۔ پھر تم سب (یعنی مسلمان اور رومی) واپس ہوگے اور ایک ایسی جگہ قیام کروگے جو سبزہ سے شاداب ہوگی اور جہاں ٹیلے ہونگے۔ وہاں نصرانیوں میں ایک شخص صلیب کو لیکر کھڑا ہوگا اور کہے گا ہم نے صلیب کی برکت سے فتح اور غلبہ حاصل کیا اس پر ایک مسلمان غضبناک ہوجائے گا اور صلیب کو توڑ ڈالے گا اس وقت رومی عہد کو توڑ ڈالیں گے اور جنگ کیلئے لشکر جمع کریں گے۔ اور بعض راویوں نے اس حدیث میں یہ الفاظ بیان کئے ہیں کہ مسلمان اپنے ہتھیاروں کیطرف دوڑیں گے اور نصرانیوں سے لڑیں گے پس خداوند تعالیٰ مسلمانوں کی اس جماعت کو شہادت سے سرفراز فرمائیگا۔"

(رواہ ابوداؤد کذافی مشکوۃ۔ کتاب الفتن، باب الملاحم)

اس حدیث میں روم سے مراد عیسائی یا اہل مغرب (WESTERN POWERS) ہیں۔ راقم السطور کے محدود علم میں تاریخ اسلام میں حالت امن میں اس کا معاہدہ (صلحاً امناً) اب تک نہیں ہوا ہے جس طرح موجودہ معاہدہ مسلمانوں (یعنی سعودی عرب، کویت، امارات، بحرین، قطر، وغیرہ کی مسلم حکومتوں) اور اہل مغرب کی عیسائی قوتوں (امریکہ، انگلینڈ، فرانس وغیرہ) کے درمیان عراق کے کویت پر قبضہ کرلینے کے بعد ہوا ہے اور جس کے نتیجہ میں کئی لاکھ مغربی افواج، ایک ہزار سے زیادہ جنگی ہوائی جہاز، سیکڑوں بحری جہاز، ہزاروں ٹینک اور دیگر آلات حرب جزیرۃ العرب میں آگئے ہیں۔ اس کے باوجود عراق اپنی ضد پر اٹل رہا جسکے نتیجہ میں آج ۱۷ جنوری ۱۹۹۱ء (۲۹، ۳۰ جمادی الثانی ۱۴۱۱ھ) بروز جمعرات سے منحوس جنگ کی ابتداء ہوگئی۔

حضرت شاہ رفیع الدین صاحب اپنی مشہور کتاب "قیامت نامہ" میں اس کی طرف اشارہ ضرور کرتے ہیں لیکن انہوں نے دشمن عراق کو نہیں مانا ہے بلکہ ایک اور عیسائی حکومت کو اور جگہ قسطنطنیہ و شام بنائی ہے۔

ان کے الفاظ جیسا کہ بہشتی زیور میں نقل کیئے گئے ہیں یہ ہیں: "اور اسی زمانہ میں شام کے ملک میں ایک شخص ابو سفیان کی اولاد سے ایسا پیدا ہو کہ بہت سے سیدوں کا خون کرے اور شام اور مصر میں اس کے حکم احکام چلنے لگیں۔ اسی عرصہ میں روم کے مسلمان بادشاہ کی نصاریٰ کی ایک جماعت سے لڑائی ہو اور نصاریٰ کی ایک جماعت سے صلح ہو جائے، دشمن جماعت شہر قسطنطنیہ پر چڑھائی کر کے اپنا دخل کر لیں وہ بادشاہ اپنا ملک چھوڑ کر شام کے ملک میں چلا جائے۔ اور نصاریٰ کی جس جماعت سے صلح اور میل ہو اس جماعت کو اپنے ساتھ شامل کر کے اس دشمن جماعت سے بڑی بھاری لڑائی ہو۔ اس اسلام کے لشکر کو فتح ہو۔ ایک دن بیٹھے بٹھلائے جو نصاریٰ موافق تھے ان میں سے ایک شخص ایک مسلمان کے سامنے کہنے لگے کہ ہماری صلیب کی برکت سے فتح ہوئی۔ مسلمان اس کے جواب میں کہے کہ اسلام کی برکت سے فتح ہوئی۔ اسی میں بات بڑھ جائے یہانتک کہ دونوں آدمی اپنے اپنے مذہب والوں کو پکار کر جمع کر لیں اور آپس میں لڑائی ہونے لگے۔ اس میں اسلام کا بادشاہ شہید ہو جائے اور شام کے ملک میں بھی نصاریٰ کا عمل دخل ہو جائے، اور یہ نصاریٰ اس دشمن جماعت سے صلح کر لیں اور بچے کھچے مسلمان مدینہ کو چلے جائیں اور خیبر کے پاس تک نصاریٰ کی عملداری ہو جائے"۔ (بہشتی زیور از مولانا اشرف علی تھانوی ساتواں حصہ، ص ۳۴۳، ۳۴۴)

شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے اپنے دور کے حالات کے مطابق مندرجہ بالا صورت حال احادیث کی روشنی میں تحریر کی ہے۔ لیکن راقم السطور کے خیال میں مندرجہ بالا حدیث خلیج کے موجودہ حالات کی عکاسی کرتی ہے۔ اس سلسلہ کے مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو یہ حدیث:۔

حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایک خلیفہ (بادشاہ) کے مرنے پر اختلاف واقع ہوگا پھر ایک شخص مدینہ سے نکلے گا اور مکہ کی طرف چلا جائیگا مکہ کے لوگ اس کے پاس آئینگے اور اس کو گھر سے باہر نکال کر لائیں گے اور حجر اسود و مقام ابراہیم کے درمیان اسکے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کو اپنا خلیفہ بنالیں گے۔ حالانکہ وہ شخص اس کو پسند نہیں کرے گا۔ (یہ شخص امام مہدی ہوں گے) پھر شام کے (بادشاہ کی طرف سے) اس کے مقابلہ کے لئے ایک لشکر بھیجا جائیگا جس کو مکہ و مدینہ کے درمیان مقام بیداء پر زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ جب لوگوں کو اس کی خبر پہونچے گی اور یہ حال معلوم ہوگا تو شام کے ابدال اور عراق کے بہت سے لوگ اس کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور اس کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے۔ پھر قریش میں سے ایک اور شخص جس

جس کی ننہال قبیلہ کلب میں ہوگی۔ اس شخص (یعنی امام مہدی) کے خلاف لشکر بھیجے گا اور اس لشکر پر امام کا لشکر غالب آئے گا اور یہ فتنہ لشکر کلب کا فتنہ ہے۔ وہ (یعنی امام مہدی) لوگوں کے درمیان اپنے رسول کی سنت کے مطابق عمل کرینگے اور اسلام اپنی گردن زمین پر رکھدے گا (یعنی قائم اور استوار ہو جائیگا) وہ (یعنی امام مہدیؑ) سات برس تک قائم رہینگے پھر وفات پاجائیں گے اور ان کے جنازہ پر مسلمان نماز پڑھیں گے۔" (رواہ ابوداؤد کذافی مشکوۃ، کتاب الفتن باب اشراط الساعۃ)

شاہ رفیع الدینؒ دہلوی اپنی مندرجہ بالا مرقوم عبارت کے آگے تحریر فرماتے ہیں: اس وقت مسلمانوں کو فکر ہو کہ حضرت مہدی علیہ السلام کو تلاش کرنا چاہیئے تاکہ ان مصیبتوں سے جان چھوٹے۔ اس وقت امام مہدی علیہ السلام مدینہ منورہ میں ہونگے اور اس ڈر سے کہ کہیں حکومت کے لئے میرے سر نہ ہوں مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کو چلے جائیں گے اور اس زمانے کے ولی جو ابدال کا درجہ رکھتے ہیں سب حضرت امامؑ کی تلاش میں ہوں گے اور بعض لوگ جھوٹ موٹ بھی دعوی مہدی ہونے کا کرنا شروع کر دیں گے۔ غرض امام خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوں گے اور حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان میں ہوں گے اور بعضے نیک لوگ ان کو پہچان لینگے اور ان کو زبردستی گھیر گھار کر ان سے حاکم بنانے کی بیعت کریں گے اور اسی بیعت میں ایک آواز آسمان سے آئیگی جس کو سب لوگ جتنے وہاں موجود ہونگے سنیں گے۔ وہ آواز یہ ہوگی کہ یہ اللہ تعالی کے خلیفہ یعنی حاکم بنائے ہوئے امام مہدی ہیں اور حضرت امام کے ظہور سے بڑی نشانیاں قیامت کی شروع ہوتی ہیں۔ غرض جب آپ کی بیعت کا قصہ مشہور ہوگا تو مدینہ منورہ میں جو فوجیں مسلمانوں کی ہونگی وہ مکہ چلی آئینگی اور ملک شام اور عراق اور یمن کے ابدال اور اولیاء آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور بھی عرب کی بہت فوجیں اکھٹی ہو جائیں گی۔ جب یہ خبر مسلمانوں میں مشہور ہوگی، ایک شخص خراسان سے حضرت امام کی مدد کے واسطے ایک بڑی فوج لیکر چلے گا جس کے لشکر کے آگے چلنے والے حصہ کے سردار کا نام منصور ہوگا۔ اور راہ میں بہت سے بددینوں کی صفائی کرتا جائے گا۔ اور جس شخص کا اوپر ذکر آیا ہے کہ ابوسفیان کی اولاد میں ہوگا اور سیدوں کا دشمن ہوگا چونکہ حضرت امام بھی سید ہوں گے وہ شخص حضرت امام کے لڑنے کو ایک فوج بھیجے گا۔ جب یہ فوج مکہ مدینہ کے درمیان کے جنگل میں پہونچے گی اور ایک پہاڑ کے تلے ٹھہرے گی تو یہ سب کے سب زمین میں دھنس جائیں گے۔ صرف دو آدمی بچ جائیں گے۔ جن میں سے ایک تو حضرت امام

کو خبر دیگا اور دوسرا اس سفیانی کو خبر پہونچائے گا۔ اور نصاریٰ سب طرح سے فوجیں جمع کریں گے اور مسلمانوں سے لڑنے کی تیاری کریں گے۔ اس لشکر میں اس روز اسی جھنڈے ہونگے اور ہر جھنڈے کے ساتھ بارہ ہزار آدمی ہوں گے تو کل آدمی و لاکھ ساٹھ ہزار ہوئے۔ حضرت امام مکہ سے چل کر مدینہ تشریف لائیں گے اور وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار شریف کی زیارت کرکے شام کے ملک کو روانہ ہوں گے اور شہر دمشق تک پہونچنے پائیں گے کہ دوسری طرف سے نصاریٰ کی فوج مقابلہ کو آجائیگی۔ بہشتی زیور از مولانا اشرف علی تھانوی ساتواں حصہ، ص ۴۴، ۴۵)

اس کے آگے حضرت شاہ صاحبؒ نے مسلمانوں اور نصاریٰ کے لشکروں کے مقابلہ کی جو تفصیلات احادیث میں آئی ہیں وہ لکھی ہیں اسی ذیل میں ظہور دجال اور نزول مسیح علیہ الصلوۃ والسلام کے بارے میں آئی ہوئی احادیث کو بنیاد بناکر تفصیلات احادیث میں اور بہشتی زیور کے ساتویں حصہ میں یاقیامت نامہ از شاہ رفیع الدین صاحبؒ دہلوی میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

اس مضمون میں بنیادی طور پر صرف دو حدیثیں نقل کی گئی ہیں جو ان تمام پیشگوئیوں کی اصل ہیں۔ امام مہدیؑ ظہور دجال اور نزول حضرت مسیحؑ کے بارے میں تقریباً تمام روایات مشکوٰۃ شریف میں جمع کردی گئی اس میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

راقم السطور کے اس مضمون میں تحریر کی گئی پہلی حدیث کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر اس حدیث کا مصداق موجودہ خلیجی جنگ ہے تو عراق پر فتح کے بعد مغربی افواج اور مسلمانوں کے درمیان عرب (سعودی عرب) کی سرزمین پر ایک اور جنگ ہوگی جس میں مسلمانوں کو زبردست ہزیمت کا سامنا کرنا پڑے گا اور یہ جنگ حدیث کی پیشین گوئی کے مطابق عقائد کی بنیاد پر ہوگی یعنی عیسائیوں کا یہ دعویٰ ہوگا کہ ان کی صلیب کی برکت سے یہ پہلی جنگ جیتی گئی ہے جبکہ مسلمانوں کا یہ دعویٰ ہوگا کہ اللہ کی مدد و نصرت سے پہلی جنگ جیتی گئی ہے۔ دیکھئے کیا صورت پیش آئے۔ ہوسکتا ہے کہ راقم السطور کا یہ قیاس صحیح ثابت نہ ہو اور اس حدیث کا مصداق آئندہ آنے والا کوئی اور واقعہ ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اس وقت مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں دعا و توبہ میں مشغول ہوں اور اس کی اطاعت کو اختیار کریں۔ ●

خادم حرمین شریفین کی طرف سے

صدام حسین کے کھلے خط کا جواب

ومن الناس من یعجبک قولہ فی الحیاۃ الدنیا ویشھد اللہ علی ما فی قلبہ وھو الد الخصام واذا تولی سعی فی الارض لیفسد فیھا ویھلک الحرث والنسل واللہ لا یحب الفساد۔

اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے دنیاوی زندگی کے بارے میں جس کی بات تمہیں پسند آتی ہے اور وہ جو کچھ اسکے دل میں ہے اس پر خدا کو گواہ بناتا ہے لیکن وہ سب سے شدید دشمن ہوتا ہے اور جب اسے اختیار ملتا ہے تو زمین میں فساد برپا کرنے اور کھیتی و نسل کو ہلاک کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کو فساد پسند نہیں۔

جناب صدر صدام حسین! آپ نے اپنے خط میں جو گھٹیا اسلوب اختیار کیا ہے اس سطح تک گرنا ہماری عادت و معمول کے خلاف ہے البتہ ہم اسلامی تعلیمات و اخلاق کی روشنی ہی میں جواب دیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "جب ان سے جاہل لوگ مخاطب ہوتے ہیں تو وہ سلام کر کے خاموشی اختیار کر لیتے ہیں"۔

اسی اسلامی جذبہ سے اور تمام لوگوں کے سامنے حقائق کو واشگاف انداز میں رکھنے کیلئے ہم آپ کے خط میں پیش کئے گئے اعتراضات اور غلط بیانیوں کا — جن سے آپ خود بخوبی آگاہ ہیں — پردہ چاک کریں گے۔

۱۔ عالم عرب کی سطح پر آج جو انتشار نظر آرہا ہے اور عرب قوم جس المناک صورت حال سے دوچار ہے آپ اس کے براہ راست سبب سے کیوں نگاہ چراتے ہیں آپ نے ایک عرب مسلم ملک پر غدارانہ طور پر حملہ کیا یہ امن پسند پڑوسی ملک مصیبت کے وقت آپ کا ساتھ دیتا رہا اور ہر ممکن مدد بہم پہونچاتا رہا آپ نے وہ سارے وعدے کیوں توڑ ڈالے جو آپ نے ہم سے اور صدر حسنی مبارک سے ذاتی طور پر کئے تھے اور جن کے مطابق آپ نے یہ عہد کیا تھا کہ آپ نہ کویت پر حملہ کریں گے نہ اسے کوئی

نقصان پہونچائیں گے۔

اس کے وعدے کے چند ہی روز بعد آپ نے تاریخ انسانی کے سب سے گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا اور رات کی تاریکی میں اپنے لشکر کے ساتھ کویت پر چڑھ دوڑے وہاں حرمتوں کی پامالی کی بے گناہوں کا خون بہایا اور ایک پوری قوم کو ان کے گھروں سے اجاڑ کر صحرا میں خاک چھاننے کیلئے دھکیل دیا اس طرح آپ نے تمام معاہدوں قدروں اور روایتوں کو پامال کر ڈالا۔

پھر آپ نے سعودی عرب کی سرحدوں پر فوج اور آلات حرب کیوں جمع کئے جبکہ اس مملکت نے ایک وفادار مرد کی طرح اس جنگ میں آپکا ساتھ دیا تھا جسے آپ نے آٹھ سال تک جاری رکھا اور جس کے نتائج صرف آٹھ منٹ میں ضائع کر دئے۔ جبکہ لاکھوں مقتولین کا خون بھی ابھی عراق و ایران کی زمینوں پر خشک نہیں ہوا تھا۔ آج آپ پوچھ رہے ہیں کہ برادرانہ دوست ممالک کی فوجیں سعودی عرب کی سرزمین پر کیوں آئی ہیں اور اس سے انجان بننے کی کوشش کر رہے ہیں کہ آپ کے ہاتھ کتنے جرائم اور گناہوں سے آلودہ ہیں۔

۲۔ میرے اور آپ کے درمیان دوستی و محبت کے جو رشتے تھے انکی بنیاد پر میں نے بہت کوشش کی کہ دانشمندی و خوشی اسلوبی سے معاملات طے ہو جائیں جب آپ کے اور کویت و امارات کے مابین تیل کی پیداوار اور اسکی قیمتوں کے بارے میں اختلافات پیدا ہوئے تب بھی میں نے آپ کی خواہش کے مطابق معاملہ ختم کرانے کی بھرپور کوشش کی اور ان دونوں ملکوں کے ذمہ داروں سے رابطہ قائم کر کے آپ کی مرضی پوری کرا دی پھر میں نے صدر حسنی مبارک کے تعاون سے کویت کے ساتھ عراقی سرحدوں کا مسئلہ نمٹانے کی کوشش کی اور آپ کے بھیجے ہوئے عزت ابراہیم کو کویتی ولی عہد و وزیر اعظم شیخ سعد عبداللہ سے جدہ میں ملوایا تاکہ اختلافات ختم ہوں اور قابل قبول حل نکل آئے۔ دونوں لیڈروں نے بات چیت کے بعد مذاکرات کا اگلا دور بغداد میں شروع کرنے کا فیصلہ کیا اور ابھی اسے چند گھنٹے ہی نہیں گذرے تھے کہ ۲ اگست کو کویت پر آپ کے قبضہ کی خبریں اچنبھے میں ڈال گئیں اور یہ سب کچھ ساری دنیا کی آنکھوں کے سامنے ہوا اور اسی کے نتیجے میں یہ المناک حالات پیدا ہوئے۔ میں نے اس وقت فوراً آپ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی کہ شاید کوئی بات بن جائے تو آپ نے عزت ابراہیم کو بھیج دیا جو یہ فرما گئے کہ کویت عراق کا حصہ ہے اور اس کے پاس لوٹ آیا ہے۔

۳۔ صدر حسنی مبارک نے قاہرہ میں عرب چوٹی کانفرنس بلائی تاکہ عرب سطح پر سب سے موزوں

طریقہ سے آپ کو واپسی کا موقع فراہم کیا جا سکے ہم نے عرب قوم کے خیر خواہ رہنماؤں کے ساتھ ہر ممکن کوشش کی کہ ظلم و جارحیت کا خاتمہ ہو جائے اور معاملہ نمٹ کر معمول پر آ جائے تاکہ عرب یکجہتی اور عرب قوم کا اتحاد برقرار رہے اور عرب قیادتیں بنیادی مسائل جن میں سر فہرست فلسطینی قضیہ ہے پر توجہ مرکوز کر سکیں۔

لیکن آپ نے اس موقع پر بھی سب خون مارنے کی کوشش کی اور ہمیں سخت اچنبھا ہوا جب خود عرب لیگ کے ممالک میں اس وقت پہلی بار سنگین پھوٹ پڑ گئی جب بعض ممالک نے حق کا راستہ چھوڑ کر ظلم و جارحیت اور باطل و ناحق کی حمایت اور ساز باز شروع کر دی عرب قوم کے مخلص رہنماؤں اور عوام کے دلوں میں اس المناک واقعہ کا بہت برا اثر پڑا عرب قوم کی صفوں میں آپ نے جو گہرا زخم لگایا ہے وہ برسہا برس تک رستا رہے گا۔

۴۔ عرب اسلامی اور بین الاقوامی سطحوں پر قراردادوں کے ذریعہ پوری دنیا نے اس پر اتفاق رائے ظاہر کیا کہ آپ کو کویت سے بلا قید و شرط فوراً واپس ہو جانا چاہیئے۔ وہاں کی قانونی حیثیت بحال ہونی چاہیئے اور سعودی عرب کی سرحدوں سے آپ کی فوجوں کا جاؤ ختم ہونا چاہیئے دنیا کے مختلف ممالک کے خیر خواہوں اور ثالثوں نے مسلسل زبردست کوششیں کیں کہ آپ کو کویت پر ظلم ختم کرنے اور ۲ر اگست سے پہلی کی حالت بحال کرنے پر قائل کر لیا جائے اور ان منصفانہ و قانونی مقاصد کی تکمیل کیلئے برابر اقدامات اور اپیلیں کی جاتی رہیں لیکن آپ اس ہٹ دھرمی پر قائم رہے کہ جارحیت جاری رہے گی اور یہ کہ کویت عراق کا ایک حصہ ہے۔ جبکہ خدا گواہ ہے اور تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ کویت کبھی بھی عراق کے تابع نہیں رہا اور آل صباح خاندان وہاں تقریباً ڈھائی سو سال سے حکومت کرتا چلا آ رہا ہے۔ آپ آخر کس بنیاد پر ایسا دعوی کر رہے ہیں اور لوگوں کو قائل کرنے کی بیکار کوشش کر رہے ہیں۔

۵۔ آپ نے اپنے خط میں بہت گھٹیا انداز میں یہ بات کہی ہے کہ آخر آپ کو عرب، اسلامی اور دوست فوجیں بلانے کا اختیار کس نے دیا تھا۔ شاید آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ اپنی سرزمین، اپنی حرمت، اپنے وسائل زندگی کے دفاع کے فرض نے ہمیں ایسا کرنے پر مجبور کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی توفیق دی کہ صحیح وقت پر ہم نے صحیح فیصلہ کیا اور آپ کی غداری اور مکر و فریب کو ناکام بنا دیا۔ لیکن یہ تو بتائیے کہ آپ کو کس نے اختیار دیا تھا کہ عراقی فوج اور عوام کو ایران کے ساتھ ایک خونریز اور ناکام جنگ میں جھونک دیں؟ کس نے اختیار دیا تھا کہ عراق و ایران کے تقریباً دس لاکھ مسلمانوں کی جان لے لیں پھر اور پھر جس کے لئے لڑ رہے تھے اسے ایک طرف ڈال دیں پھر کس نے آپ کو اختیار دیا تھا کہ کویت پر قبضہ کر لیں؟ وہاں کے لوگوں کو قتل کرا دیں؟

وہاں کی عورتوں کی بے حرمتی کرائیں، وہاں کی دولت لوٹ لیں اور ترقی کے سارے آثار کو مٹا ڈالیں۔

بلاشبہ آپ کو اختیار دینے والی چیز نفس کی خواہش، شیطنت اور توسیع پسندی کے لالچ کے علاوہ کچھ نہیں۔ آپ چاہتے تھے کہ اپنے خلیجی پڑوسیوں پر تسلط جمالیں جبکہ یہ ممالک عراقی فوج پر فخر کیا کرتے تھے اور علاقہ پر کسی جارحیت کے مقابلہ میں اس سے دفاع کی امید رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ۝

جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہوں گے۔

آپ نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ ہم نے آپ کو صرف ۱۱ ملین ۵ لاکھ تیس ہزار دینار بصرہ کی تعمیر کیلئے اور فاؤ کی تعمیر کیلئے ایک ملین دینار کے آلات دیئے۔ ہمارے خیال میں آپ نے مجبور کر دیا ہے کہ ہم لوگوں کے سامنے امداد کی پوری تفصیل رکھ دیں۔

سعودی عرب نے عراق کو مجموعی طور پر ۲۵ ارب ۲، کروڑ ۴۴ لاکھ ۶۹ ہزار ۸۸۸ ڈالر کی امداد دی جس میں۔

ناقابل واپسی امداد کی صورت میں	ڈالر	۵,۸۴,۲۲,۸۷,۹۷۱
نقد قرض آسان شرطوں پر	ڈالر	۹,۴۴,۴,۶۵,۷۵,۲۴۲
ترقیاتی قرض	ڈالر	۹,۵۸,۹۰,۴۱۰
پٹرول کے میدان میں امداد	ڈالر	۲,۷۳,۹۱,۸۴,۷۷
بصرہ کی تعمیر کیلئے	ڈالر	۱۶,۷۷۲,۸۰۰
عراق پر سعودی بنیادی صنعتوں کی کمپنی کے واجبات	ڈالر	۲۰,۶۶,۶۶۷
سڑکیں وغیرہ بنانے کیلئے ۲۷۰ گاڑیوں کی شکل میں	ڈالر	۲۱,۳۳۳,۳۳۳

،۔ آپ کہتے ہیں کہ ہمارے آپ کے درمیان بہت سے معاہدے ہیں جن میں حملہ نہ کرنا داخلی معاملات میں مداخلت نہ کرنا اور طاقت استعمال کرنے سے بچنا شامل ہے آپ نے خود ان معاہدوں کی کتنی پابندی کی جب سعودی عرب کی سرحدوں پر فوجیں جمع کر دیں؟ ہم اس شخص پر کیسے اعتماد کریں جس نے معاہدہ توڑا اور وعدہ شکنی کی اور لغو دلیلوں کی بنیاد پر ایک پر امن و صلح پسند ملک پر قبضہ کر لیا جبکہ دونوں کے درمیان اختلافات کی نوعیت معمولی تھی اور انکے مناسب حل کی کوشش بھی جاری تھیں جب اس طرح کی بدنیتی اور اعتماد شکنی کا مظاہرہ ہو جائے تو پھر معاہدوں کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے۔

آپ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہوا آپ اسے ایک ڈراؤنا خواب سمجھ کر بھولنے کیلئے تیار ہیں اور عراق سعودی عرب تعلقات پھر معمول پر آجانے چاہئیں نہ کوئی جارحیت ہو نہ دونوں کے درمیان کوئی حملہ ہو۔ بلکہ دونوں کے درمیان حکم کتاب اللہ ہو اور دونوں قوموں کے درمیان برادرانہ روحانہ تعلقات قائم ہوں جو باہمی محبت ورحم دلی پر مبنی ہوں صرف بیرونی فوجیں واپس چلی جائیں۔

ہم اس کا آسان سا جواب دیں گے اللہ نے فرمایا ہے کہ تم سچے ہو تو دلیل لاؤ اور ہم بلکہ ساری دنیا صرف یہ دلیل چاہتے ہیں کہ آپ فوری واپسی کا اعلان کریں اور کویت سے عملاً نکل جائیں تاکہ امیر کویت شیخ جابر احمد صباح کی قیادت میں وہاں کی قانون حکومت بحال ہو جائے پھر سعودی عرب کی سرحدوں سے ساری فوجیں ہٹالیں۔ تبھی وہ ساری باتیں ختم ہو سکتی ہیں جو کویت پر آپ کے قبضہ کے نتیجے میں پیدا ہوئی ہیں۔

آخر میں میں پھر آپ سے یہ اپیل کرتے ہوئے یہ خط ختم کرتا ہوں کہ آپ بہادری سے واپسی کا فیصلہ کیجئے اور ساری دنیا پر یہ ثابت کر دیجئے کہ آپ عراق پر حاکم کی ذمہ داری کے مطلوبہ معیار پر پورے اترتے ہیں اور آپ کا یہ فیصلہ تاریخ میں ہمیشہ محفوظ و یادگار رہے گا کیونکہ اسکے ذریعہ آپ خونریزی کو بچالیں گے بے گناہوں کی جانوں کو محفوظ رکھیں گے اور عرب و اسلامی ملت کی دولت کی حفاظت کر کے اسکی امیدیں پوری کریں گے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ وہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اسوقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلے۔

بقیہ صفحہ ۱۲ کا

مولانا کی شخصیت اور خدمات پر کتاب ہر پہلو حاوی ہے۔ کتابت عمدہ، دیدہ زیب، کاغذ دبیز، اور تصحیح کا پورا اہتمام کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ، مرتب، ناشرین، قارئین اور خود بے چارہ تبصرہ نگار کو جزائے خیر دے۔ اور توفیق ارزاں فرمائے کہ مولانا کی حیات کے ولولہ انگیز کارناموں سے اپنی حیات مستعار کیلئے زاد راہ فراہم کریں۔ آمین ثم آمین۔

عبدالمجید اصلاحی ۱۰ دسمبر ۹۰ء

تعارف وتبصرہ

کتاب:- نقوش منظر
مرتب:- عبدالباقی منظہر
صفحات۔ ۲۷۲

حکیم مولانا عبدالمجید اصلاحی

ناشرین:- عبدالہادی وعبدالباقی منظر اکیڈمی سمرا، پوسٹ سمری خانکوٹ سدھارتھ نگر یوپی

کتاب "نقوش منظر" مولانا عبدالمبین منظر علیہ الرحمہ کے اوراق حیات کا ایک دلکش اور دلاویز تفصیلی مرقع ہے۔ جسے مرحوم کے صاحبزادہ مولانا عبدالباقی مظہر نے حسن سلیقہ حسن ادب، حسن ذوق اور نہایت خوبصورتی کے ساتھ ترتیب دیا ہے۔ "نقوش منظر" میں مولانا عبدالمبین منظر کے خودنوشت اوراق حیات، اور وہ نقوش وتاثرات کہتے جنہیں مختلف اصحاب قلم اور ارباب ذوق وبصیرت نیز علماء ومشائخ نے دل کی گہرائیوں سے پیش کیا ہے۔ کتاب کے اندر مولانا مرحوم کی شخصیت کارنامہ، تخلیقات، شعروادب، محاضرات افکار ونظریات زندگی کے اندر تنگ وناز، اقدام وعمل، اور ان کی ذات گرامی کے وہ تمام زریں وزر نگار کمالات درج کیئے گئے ہیں جن سے مرحوم نے اپنی قبائے صفحات تیار کی تھی۔

حقیقت تو یہ ہے کہ جن لوگوں نے مولانا منظرؒ کو دیکھا اور سنا ہے ان کی یاد آتے ہی ان کے ذہنی افق پر ہنستی مسکراتی، محبت آمیز، شفقت بھری، اولوالعزم، صداقت ودرستی، اور عمل واخلاص کی ایک تصویر معاً آجاتی ہے۔ مگر جن لوگوں نے مولانا کو دیکھا اور سنا ہے وہ کتاب زیر تبصرہ کا مطالعہ کریں۔ مولانا کے اخلاق وسیرت کردار وعمل، محبت واخوت، رفعت ومعرفت، ہمدردی ومواسات اور جہد مسلسل کی چلتی پھرتی تصویر ان کے سامنے آجائے گی۔ مولانا کی زندگی، زندگی گزارنے والوں کیلئے مصدر عبرت اور صحیفۂ موعظت ہے۔

حیات وشخصیت کا یہ مرقع معلومات ہی نہیں اقدام وعمل کی دعوت بھی اس طرح دیتا ہے جیسے انسان مفاد خویش کیلئے نہیں مفاد عامہ کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔ مولانا کی زندگی کا یہی وہ ابلد نقطہ ہے جس نے ان کی ہستی کو عظیم تر اور لائق سند بنا دیا ہے۔ اللھم اغفرہ وارحمہ بقیہ ص۴۹ پر

انجمن تہذیب البیان کا انتخاب نو

انجمن تہذیب البیان مدرسہ محمدیہ عربیہ ٹانڈہ دھوزہ بریلی کے طلبہ کی انجمن تہذیب البیان کا ۱۹۹۰ء کا انتخاب نو ہوا جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ سرپرست۔ محمد شمس الحق ناظم مدرسہ محمدیہ عربیہ ٹانڈہ۔ ۳۔ نائب صدر حافظ محمد سالم جماعت ثانیہ ۲۔ صدر۔ عبدالقیوم منتظم مدرسہ محمدیہ جماعت رابعہ۔ ۴۔ ناظم محمد عبداللہ جماعت رابعہ۔ ۵۔ نائب محمد یوسف درجہ چہارم۔ ۶۔ معتمد عمر فاروق جماعت ثانیہ۔ ۷۔ نائب معتمد عبدالواحد جماعت ثالثہ۔ ۸۔ خازن مسرور احمد۔ جماعت ثانیہ۔ ۹۔ محاسب حافظ زین العابدین محمدی معاون ناظم مدرسہ محمدیہ عربیہ ٹانڈہ بریلی
۱۰۔ مربی انجمن مولانا اشتیاق احمد اثری مدرس مدرسہ محمدیہ عربیہ ٹانڈہ

توحید وسنت کی ایک شمع

مدرسہ محمدیہ عربیہ دھوزہ ٹانڈہ ایک دینی ادارہ ہے۔ جو بریلی جیسے شرک وبدعات کی آماجگاہ میں ۲ فروری ۱۹۸۳ء میں توحید وسنت کی اشاعت کیلئے قائم کیا گیا ہے۔ مدرسہ میں فی الحال مکتب کے علاوہ عربی جماعت رابعہ تک کی تعلیم کا معقول انتظام ہے تقریباً ۴۰ طلبہ بیرونی داخل ہیں جنکے قیام وطعام اور دیگر مصارف کا مدرسہ کفیل ہے مدرسہ کی ذاتی آمدنی کوئی نہیں ہے صرف توکل علی اللہ و مخیر حضرات کا تعاون ہے اس لئے اخوان جماعت سے تعاون کی اپیل ہے

العارض:۔ زین العابدین محمدی معاون ناظم مدرسہ محمدیہ عربیہ کیراف عبدالجلیل فریدی ٹانڈہ دھوزہ بریلی
۲۴۳۲۰۴

ضرورت مبلغ وسفراء

جامعہ جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور کیلئے دو لائق، محنتی، جفاکش مبلغ وسفیر کی فی الفور ضرورت ہے۔ خواہش مند حضرات ذیل کے پتے پر رابطہ قائم کریں تنخواہ حسب محنت معقول دی جائیگی۔

ناظم جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور۔ پوسٹ شیو پتی نگر۔ سدھارتھ نگر یوپی ۲۷۲۲۰۶

فضلاء دیوبند سے اپیل

تنظیم ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند نے ایک ایسی ڈائرکٹری مرتب کر کے شائع کرنے کا پروگرام بنایا ہے جس میں ملک کے گوشہ گوشہ میں بکھرے ہوئے فضلائے دیوبند کے نام پتے مشاغل تصنیفات اور کارنامے وغیرہ درج ہوں۔ اس مقصد کیلئے تنظیم نے ایک تعارفی فارم طبع کرالیا ہے۔ دفتر

تنظیم سے یہ فارم طلب کریں اور پہلی فرصت میں اپنا اپنے رفقاء کا یا قدیم فضلاء کا سوانحی خاکہ مرتب فرماکر روانہ فرمائیں۔ پتہ

164 OTOGABAI JAMIA NAGAR N. DELHI. 110025
11-25
محمد افضال الحق قاسمی صدر دفتر تنظیم ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند نئی دہلی

اپیل برائے تعاون

مدرسہ عربیہ دارالکتاب والسنہ رسول پور گورکھپور شہر گورکھپور کے اندر گزشتہ سال شعبان المعظم میں جماعت اہلحدیث کی پہلی دینی و تعلیمی۔ تربیتی و اصلاحی درسگاہ مدرسہ عربیہ دارالکتاب والسنہ کے نام سے قائم ہو چکی ہے جس کے اندر پرائمری درجات سے لیکر جماعت ثالثہ عربی تک کی معیاری تعلیم کا انتظام کر لیا گیا ہے۔ جملہ اہل خیر حضرات سے درمندانہ اپیل ہے کہ اپنے گرانقدر تعاون سے اسکی ترقی میں حصہ لیں۔

خادم عبدالصبور سلفی مدرسہ عربیہ دارالکتاب والسنہ رسولپور گورکھپور۔ یوپی انڈیا

عراق میں بغاوت سات کو پھانسی

لندن ۲۲ جنوری (یواین آئی)۔ ایک سینئر عراقی شیعہ لیڈر کے حوالہ سے آج کہا گیا ہے کہ گزشتہ جمعہ کو سات عراقیوں کو جن میں حکمراں پارٹی کے ممبر بھی شامل تھے اس وقت گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا جب انہوں نے صدر صدام حسین کا تختہ الٹنے کیلئے بغداد کے اصلی ٹیلویژن سٹیشن پر قبضہ کرنے کی کوشش کی دمشق میں مقیم عبدالعزیز الحکیم نے جنہوں نے اس ہفتہ لندن میں سینئر برطانوی افسروں سے بات چیت کی کہا کہ قتل کئے جانیوالوں میں عراق کی حکمراں بعث پارٹی کے ممبر بھی شامل تھے جو جنگ روکنے کے لئے بے چین تھے۔ شری الحکیم نے کہا کہ جب انہوں نے قوم کے نام صدام حسین کے خلاف بغاوت کا پیغام نشر کرنے کی کوشش کی بجلی فیل ہو گئی۔

شری الحکیم اور عراق کے اپوزیشن لیڈر کردستان ڈیموکریٹک پارٹی کے جنرل سیکریٹری سمیع عبدالرحمان نے برطانیہ کے نائب وزیر خارجہ ڈیوڈ گورلیو سے سوموار سے الگ الگ ملاقات کی۔

ہدیۂ تبریک

جناب مولانا مختار احمد صاحب ندوی حفظہ اللہ کے امیر جمعیت اہلحدیث ہند منتخب ہونے پر

از

تمردار شفیق - استاذ جامعہ اثریہ مئو

بہ صد خلوص و ادب ہدیۂ بہار تجھے — سلام شوق ہے میرا اے شہریار تجھے

تو ایک علم و بصیرت کا پیکر شاداب — کیا ہے سنت و قرآں نے تازہ کار تجھے

یہ اسپتال، محمدیہ، عائشہ، زہرا — خدا نے خوبیاں بخشی ہیں بے شمار تجھے

عطا ہوئی ہے تجھے مسند ثناء اللہ — کہ اگلے وقتوں کی ہونا ہے یادگار تجھے

ہے جس چراغ سے اہل حدیثیت روشن — ملا ہے اس کی حفاظت کا اختیار تجھے

بنا کے قوم نے تجھ کو امیر جمعیت — دیا ہے مسلک سنت کا اعتبار تجھے

خدا نے اپنی عنایت سے دشت بدعت میں — بنا کے بھیجا ہے آہوئے نافہ دار تجھے

جہاں سے پھوٹی تھی پہلی کرن محبت کی — بلا رہی ہے وہی صبح انتظار تجھے

عرب کی خاک سے لائے تجھے جو ولی اللہ — چمن میں لائی ہے واپس وہی بہار تجھے

کسی بھی مسئلہ حل طلب کی فکر نہیں — عطا کیا گیا ہے دست ریزہ کار تجھے

ہے ہم رکاب ترے اتنے قدسیوں کا خلوص — عدو بھی کر نہ سکے گا جگر فگار تجھے

میری دعا ہے ترے عزم معتبر کے طفیل — یہ راستہ کرے منزل سے ہمکنار تجھے

تجھے کمالِ شعورِ نظر مبارک ہو
یہ تاجداریٔ علم و ہنر مبارک ہو

(بشکریہ ماہنامہ آثار مئو)

مسجد التوحید

دعوۃ منزل نئی دہلی وقت کا ایک اہم فریضہ

[illegible] حضرات! جیسا کہ آپکے علم میں ہے ہندوستان کا دل (شہر دہلی) تقسیم ملک کے نتیجہ میں ویران اور [illegible]
[illegible] سب سے زیادہ ناقابل تلافی نقصان جماعت اہلحدیث کے حصہ میں آیا جماعت کے ادارے اور مسجدیں [illegible]
[illegible] ان کی مسجدیں بھی تباہ و برباد ہو گئیں۔

[illegible] چالیس سال بعد مسلمان دہلی میں دوبارہ آباد ہونے لگے ہیں مگر یہ آبادی قدیم شہر سے باہر نئی دہلی میں ہے [illegible]
[illegible] مساجد و مدارس وغیرہ کی ضرورت شدت سے ہے۔

نئی دہلی کی نو آباد کالونیوں میں مسلمانوں نے دلچسپ کوششوں سے سیکڑوں مسجدیں تعمیر کیں اور ان کو آباد کیا انکی مسجدیں [illegible]
[illegible] اور دوسرے فرقوں کی مسجدیں بھی بنیں یہانتک کہ قادیانیوں اور بہائیوں کی بھی عبادتگاہیں مسجد کے نام [illegible]
[illegible] میں سیدھے سادھے مسلمان نماز کے وقت پہونچ جاتے ہیں۔

الحمد للہ مجلس الدعوۃ الاسلامیہ (جو نوجوان سلفی علماء و نوجوانوں کا دعوتی و تبلیغی ادارہ ہے) نے اس اہم ضرورت کے پیش نظر [illegible]
[illegible] اور ایک سلفی مسجد کی تعمیر کیلئے اللہ کی ذات پر بھروسہ کرکے جد وجہد شروع کردی ہے جامعہ ملیہ اسلامیہ سے متصل [illegible]
[illegible] الدعوۃ الاسلامیہ کی آفس اور ایک مسجد کیلئے چار سو گز زمین کا اگریمنٹ کرلیا ہے تاکہ علاقہ اور محلہ کے سلفی احباب [illegible]
[illegible] اسلامیہ کے طلباء واساتذہ وغیرہ یہاں پابندی سے جمعہ وجماعت ادا کرسکیں اس سے جماعت کے تعارف اور [illegible]
[illegible] جوڑنے میں کافی مدد ملے گی۔ انشاء اللہ

مسجد اور مجلس کی زمین کیلئے ایک چوتھائی رقم دیجا چکی ہے مزید تین لاکھ روپے کی ضرورت ہے اس کی تعمیر [illegible]
[illegible] مخیر سلفی اخوان اور عام مسلمانوں اور مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند کے ذمہ داروں سے اپیل کرتے ہیں کہ اس [illegible]
[illegible] ممکن مالی تعاون فرمائیں اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ آپکے حق میں پورا کرے گا۔ مَنْ بَنَى لِلّٰهِ مَسْجِدًا
[illegible] بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ۔ جس نے اللہ کیلئے مسجد بنائی اللہ اسکے لیے جنت میں محل تعمیر کریگا۔

مسجد کا تعاون چیک / ڈرافٹ / کیش مسجد التوحید کے نام سے اور مجلس کا تعاون [illegible]
دفتر مجلس الدعوۃ الاسلامیہ ۱۱۶۴-۱ اسے چاہ رہٹ جامع مسجد دہلی ۶ کے پتہ پر بھیجیں۔
مسجد التوحید اور دعوۃ منزل کے نقشہ [illegible] تعاون رسید [illegible] عبدالعز[illegible]
[illegible] دفتر سے طلب کرلیا [illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جلد ۹

شمارہ ۳،۴،۵

علمی و تبلیغی رسالہ

ماہنامہ نوائے اسلام دہلی

مجلة شهرية إسلامية تصدر عن مجلس الدعوة الإسلامية دهلي الهند

سرپرست :۔ مولانا عطاء اللہ خان ایم اے بی ایڈ ۔ امیر جمعیۃ اہلحدیث بھیونڈی

مارچ، اپریل، مئی ۱۹۹۱ء مطابق شعبان، رمضان، شوال ۱۴۱۱ھ

مدیر :۔ عزیز عمر سلفی نائب مدیر :۔ عبد الواحد فیضی

زر تعاون	پاکستان سے
سالانہ :۔ چالیس روپے	سالانہ :۔ ایک سو روپے
خصوصی :۔ ایک سو روپے سے زائد	لائف ممبری :۔ دو ہزار روپے
لائف ممبری :۔ ایک ہزار روپے	بیرون ممالک سے ۲۰ ڈالر امریکی

بنگلہ دیش اور نیپال سے ہندوستانی روپے کے مساوی

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ

منیجر نوائے اسلام ۱۱۶۴-اے چاہ رہٹ جامع مسجد دہلی ۱۱۰۰۰۶

Phone 3265935 فون

آئینہ ترتیب

طابع وناشر عبدالواحد فیضی نے ایس ایس پریس برائے جے کے آفسیٹ سے چھپوا کر ۲۱۲۰ پہاڑی بھوجلہ دہلی سے شائع کیا۔

نقش آغاز ——— مدیر

ایک حدیث پاک ہے۔ "المؤمن لا یلدغ فی جحر مرتین"، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایمان والا ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا ہے۔ آج ہم جب اس حدیث کی روشنی میں اپنے ماحول اور معاشرہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہندوستانی مسلمانوں کی مسلمانیت اور انکی مومنیت سمجھ میں نہیں آتی ان کا سارا معاملہ اس حدیث کے بالکل برعکس نظر آتا ہے وہ جس سوراخ سے ایک بار ڈسے جاتے ہیں بار بار اسی سوراخ میں انگلی ڈالتے ہیں ہر بار ڈسے جاتے ہیں اور ہر بار درد و کرب کی تکلیف سے چیخ و پکار کرتے ہیں اور سب سے حیرت ناک بات یہ ہے کہ جلد ہی اس شدید تکلیف کو بھول بھی جاتے ہیں آج کا مسلمان حافظہ کا اتنا کمزور ہو گیا ہے کہ اس کا زخم رستا رہتا ہے اور وہ تکلیف کو بھول جاتا ہے میں نہیں سمجھتا کہ اس کو غفلت کہتے ہیں یا بے حسی؟ ہندوستان میں مسلمانوں نے اپنی جذباتیت اور عاقبت نااندیشی کے جرم میں اپنے ایمان و عمل کو خطرہ میں ڈال دیا ہے۔ ذلت و مسکنت کی زندگی گزارنے پر مجبور کئے جا رہے ہیں پھر بھی ان میں اس بات کا ذرہ بھر احساس نہیں پایا جا رہا ہے زندہ قوموں کی جتنی بھی علامتیں ہو سکتی ہیں مسلمان وہ سب کچھ کھو چکے ہیں اور وہ صرف خوبصورت اور کھوکھلے نعروں کا ساتھ دیتے ہیں۔

ہمارے ملک کے سیاسی لیڈروں کی بازی گری سب سے زیادہ مسلمانوں پر کارآمد ثابت ہوتی ہے ہمارے سیاسی زعماء اور قومی قزاقوں نے مسلمانوں کو حیوان بنا دیا ہے ہرا چشمہ پہنا کر ان کے آگے سوکھی گھاس ڈال دیتے ہیں اور مسلمان اس کی حقیقت کو سمجھے بغیر ہری گھاس سمجھ بیٹھتے ہیں

عراق کا ظالم و جابر ڈکٹیٹر حکمراں اسلام اور مسلمانوں کا قاتل صدام کو اس کے مکر و فریب، اس کے ظلم و بربریت اور سفاکی و عیاری کو مسلمانوں کا تحسین کی نظر سے دیکھنا یہ کوئی ایسا معمہ نہیں ہے جس کا سمجھنا مشکل ہو دراصل ملک کے سیاسی لیڈروں نے اور

سیاسی جماعتوں نے اسے کچھ ایسی شکل میں پیش کیا کہ مسلمان اپنی کور نگاہی اور سیاسی بے شعوری کی وجہ سے سمجھ نہیں سکے اور سیاسی بازی گروں کے دام فریب میں آگئے مثلاً صدام نے اسلام کی بنیاد اکھاڑ پھینکنے کے لیئے جو شرمناک اور مذموم حرکت کی اس پر پوری دنیا نے حیرت اور سخت غم و غصہ کا مظاہرہ کیا۔ مگر ہندوستان کے جذباتی مسلمانوں نے عراق کی بھرپور حمایت کی، سیاسی قزاقوں نے جب دیکھا کہ مسلمان اپنا حافظہ کھو کر عراق کی حمایت پر کمربستہ ہو گئے ہیں تو ان کے کندھے سے کندھا ملا کر عراق کی حمایت میں بڑے بڑے پوسٹر شائع کیے۔ جلسے کرائے، ریلیف اور دعا کا اہتمام کیا جن کا دعاؤں پر یقین نہیں وہ بھی صدام کے حق میں دعائیں کرنے کرانے لگے اور پوری چالاکی اور عیاری کے ساتھ اپنی سیاسی ساکھ مضبوط کرنے لگے اس میدان میں وہ لوگ سب سے آگے تھے جن کو پچھلے انتخاب میں لات مار کر اقتدار کی کرسی سے دور پھینک دیا گیا تھا مگر ان کانگریسیوں نے بڑی عیاری سے عراق، صدام اور مسلمانوں کا نام لیکر مسلمانوں کو اپنے دام میں لے لیا اور تمام وسائل و ذرائع کو اپنا کر مسلمانوں کو گمراہ کر کے ان کے اوٹ پر قبضہ کرنے کا جال تیار کر لیا، چونکہ مرکز میں ایک کمزور بلکہ مردہ حکومت کی نعش تھی جس کو مرگھٹ پر لے جانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں اس لئے مسلم اوٹ بنک کرنے کا منصوبہ بند طریقہ اپنایا گیا۔ کانگریس اس میدان میں سب سے زیادہ فکرمند تھی لہذا اس نے اپنی سابقہ روایت کے مطابق مسلمانوں پر ڈورا ڈالنا شروع کر دیا اور اپنے روزنامہ اور دین و ملت کے تاجر اخبارات کے ذریعہ صدام کو غازی اور مجاہد اسلام بنا کر جذباتی مسلمانوں کو خوش فہمی میں مبتلا کر کے اوٹ کا ڈرامہ اسٹیج کر دیا۔ کانگریسیوں نے صدام اور صدام نوازوں کی کھلم کھلا مدد کر کے مسلمانوں اور اسلام کو زبردست نقصان پہونچایا ہے۔

اب جبکہ الکشن قریب آگیا ہے تمام سیاسی جماعتیں میدان میں اتر چکی ہیں سب کو کشمیر پنجاب اور آسام کے ساتھ ساتھ مسلمانوں اور اقلیتوں کا اچانک خیال آگیا ہے جبکہ مخلصانہ طور پر کسی بھی سیاسی جماعت نے ان کے مسائل پر سنجیدگی سے کبھی غور نہیں کیا اور نہ ہی ان کی طرف ذرہ بھر توجہ دی ایسے میں ان لیڈروں کے قول و فعل پر کیا اعتبار کیا جا سکتا ہے مسلمان دوبارہ ایک ہی سوراخ سے ڈسنے سے بچیں ماضی کا جائزہ لیں اور ٹھوس اقدام

بقیہ ص۱۲۹ پر

تحریکِ اہلِ حدیث کا مدّ و جزر

اور

حضرت شاہ ولی اللہ کی تجدیدی مساعی کے اثرات

علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ پہلی امتوں میں بھی مختلف ذہن تھے۔ بعض الفاظ کے ظاہری مفہوم پر اعتماد کرتے تھے۔ بعض کی توجہ اسباب و علل کی طرف ہوتی تھی وہ الفاظ کو صرف ذریعہ سمجھتے تھے۔ کچھ لوگ اس عالم کون وفساد میں دین اور دنیا دونوں کو حاصل زندگی سمجھتے تھے۔ کچھ ترکِ دنیا اور زہد وورع کو حاصل مقصد خیال کرتے تھے۔ معلوم ہے کہ اپنی اپنی جگہ یہ سب چیزیں درست ہیں اور اس کارخانۂ حیات وموت میں نہ الفاظ سے گریز ممکن ہے نہ اسباب و علل کو نظرانداز کیا جاسکتا ہے۔ اس دنیا میں رہ کر دنیا اور اس کی ضروریات سے بالکلیہ دامن کشی نہ شریعت کا مقصد ہے اور نہ دنیا پرستی اور اس کی طلب میں جنون کی حد تک بھاگ دوڑ صحیح راہ عمل ہے۔ غلو کسی میں نہ آئے اس میں خرابی پیدا ہوگی۔ اسلام اور آں حضرت فداہ روحی نے اس میں اعتدال کی طرف راہنمائی فرمائی ہے:

قال ابن کربون وکان الیھود فی دینھم	یہود میں اس وقت تین گروہ تھے فقہاء
یومئذ ثلث فرق فرقۃ الفقہاء واھل	تھے جن کو وہ بڑا حکیم کہتے تھے۔ ربانیین بھی
القیاس ویسمونھم الفروشیم وھم	انہیں کا نام ہے بعض ظاہری تھے، جو کتاب
الربانیون وفرقۃ الظاھریۃ المتعلقین	کے ظاہری الفاظ کو مانتے تھے۔ ان کا
بظواھر الالفاظ من کتابھم ویسمونھم	نام صلادقیہ تھا اور انہیں قراء بھی کہا جاتا
الصلادقیۃ وھم القراؤون وفرقۃ	تھا اور ایک گروہ فقراء اور زاہدوں کا تھا
العبّاد المنقطعین للعبادۃ والتسبیح	انہیں تسبیح وتہلیل کے سوا کسی چیز سے
والزھاد فیما سوی ذٰلک ویسمونھم	رغبت نہ تھی ان کو حسیدیم کہا جاتا تھا۔
الحسیدیم (ابن خلدون ۱/۱۸۰)	

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

لتتبعن سنن من کان قبلکم حذو النعل بالنعل	تم پہلے لوگوں کے قدم بقدم چلو گے۔

مختلف ذہن آج اسلام میں بھی تینوں قسم کے آدمی موجود ہیں۔ بعض شریعت پر غائر نظر رکھتے ہیں اور دین کے مصالح ہمیشہ ان کے پیش نظر رہتے ہیں۔ کچھ ظاہریں ہیں جن کی نظر بالکل سطحی ہے اور زاہدوں کا گروہ تو پورے ملک کے ذہن پر چھار ہا ہے خانقاہی نظام ابتدا میں کس قدر اچھا تھا۔ اس کی تفصیلات معلوم ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اکثر بدعات انہیں کے قدموں سے اٹھتی ہیں اور بدعی فتنوں کا مرکز یہی لوگ ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد صحابہ میں فقہاء بھی موجود تھے، اہل ظاہر بھی، زاہد اور اتقیاء بھی پائے جاتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت میں مختلف طبقات رہے، اور یہ قسمیں اہل فکر میں موجود رہیں لیکن اس میں کبھی بے اعتدالی ہو جاتی۔ جمود تو اسلام کی افتاد فطرت کے خلاف تھا۔ لیکن یہ جمود تینوں تحریکات میں آیا۔ کبھی ظاہر پرستی اس طرح اذہان پر چھا گئی کہ الفاظ کی پرستش شروع ہو گئی۔ لوگوں نے مقاصد اور مصالح کو نظر انداز کر کے محض الفاظ پر سارا زور صرف کر دیا۔ کبھی آراء رجال و رقیاسات علماء نے ذہن کو اس قدر متاثر کیا کہ شخصی آراء و افکار نے تقلید اور جمود کی صورت اختیار کر لی۔ ائمہ اور علماء کی تقلید کو واجب اور فرض کیا جانے لگا۔ مقتدر علماء کی جزوی مخالفت اس قدر جرم سمجھی جانے لگی گویا وہ پیغمبر کی مخالفت ہے۔ یہ دونوں غلو کی راہیں تھیں یہی مرض زہاد و اتقیاء میں نمودار ہوا۔ وہاں بھی پیر کو مظہر بنایا پیغمبر کا نعم البدل سمجھا جانے لگا۔ بزرگوں کے عادات و رسوم اور اوراد و وظائف کو وحی کا مقام دیا گیا۔ فقر و حال کو شریعت اور وحی کا رقیب ظاہر کیا گیا۔ شرعی حلال کو حرام اور حرام کو حلال کہنے میں ان حضرات کو

ائمہ اربعہ اور باقی ائمہ سنت اور ان کے علوم کے ساتھ تعلق کی جو آج جامد صورت پیدا ہو چکی ہے معلوم ہے ابتدا میں نہیں تھی۔ نہ ائمہ اسے پسند فرماتے اور نہ ان کے تلامذہ۔ ہارون نے امام مالکؒ کے سامنے مؤطا کی آئینی حیثیت کا جب ذکر کیا تو امام مالکؒ نے سختی سے اس کا انکار کیا۔ (الدیباج ۲۰/۱)

ائمہ اربعہ نے اپنی تقلید سے روکا۔ حجۃ اللہ اور کتاب العلم ابن عبد البر وغیرہ میں ان کے ارشادات بصراحت موجود ہیں۔ تعجب ہے کہ اکابر دیوبند آج بڑی جرأت سے اسی جمود اور تقلید کی دعوت دیتے ہیں اور اسے واجب تک کہنے سے گریز نہیں فرماتے حالاں کہ یہ صاحب شریعت کا وظیفہ ہے۔ معلوم ہے کہ تقلید اور اس جمود کا دور چار سو سال بعد ہوا۔

کوئی تامل نہ تھا۔ یہ بھی ایک جمود ہے جو اسلام کے مزاج اور طبیعت کے بالکل خلاف ہے۔ اسلام ایک متحرک دین ہے۔ اس میں کتاب و سنت کو اساس قرار دے کر ہر دور میں فکری آزادی کی نہ صرف حمایت فرمائی گئی ہے بلکہ حریتِ فکر کے لئے ممکن طور پر راہیں ہموار کر دی گئی ہیں، اور جمود اور تقلید کو روکنے کی ہر کوشش عمل میں لائی گئی۔

جمود شکن تحریکات

اسلام کی اشاعت کے مختلف ادوار میں اس کے اثر و رسوخ اور مختلف اذہان کی عقیدت مندیوں اور مختلف قسم کے امیال و عواطف کی نیرنگیوں نے مد و جزر کی صورت اختیار کی، کبھی ظاہر پسندی اور الفاظ کے تقاضوں نے اتنا زور پکڑا کہ قیاس صحیح اور مصالح کو شکست دے دی گئی کبھی آراء و مقائیس کی محبت نے ایسا جمود پیدا کیا کہ آراء رجال کے سامنے نصوص مہجور اور متروک قرار پا گئے۔ فرضی مسائل کا نام شریعت رکھ دیا گیا۔

اس مد و جزر کا نتیجہ حافظ ابن حزم کی ظاہریت ہے اور اسی کا نتیجہ فقہاء کی کتاب الحیل ہے جس نے عبادات سے لے کر معاشیات تک دین کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ بڑے بڑے فواحش دین کے لبادہ میں عبادت اور تفقہ تصور ہونے لگے۔ نماز، زکوٰۃ، حج، حیل کی وبا سے محفوظ نہ رہ سکے۔ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ ظاہریت کا تعلق فن حدیث سے ہے۔ ابن حزم وغیرہ پر ظاہریت اسی لئے غالب رہی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ فقہی حیل اور ظاہریت دونوں ایک ہی ذہن کی پیداوار ہیں۔ ابن حزم اور ان کے رفقاء نے حدیث کے الفاظ کے ظاہر سے ٹھوکر کھائی اور ارباب حیل نے فقہی قواعد کے ظواہر سے دھوکہ کھایا۔ شارع کے مقاصد اور مصالح دونوں جگہ نظر سے اوجھل ہو گئے۔ دونوں جگہ الفاظ کی ظاہریت نے معاملہ فہمی اور ذکاء کی نگاہوں کو چکا چوند کر دیا۔

قیاس سے اگر نظائر کا صحیح جائزہ نہ لیا جا سکے اور شریعت کے مقاصد کا صحیح طور پر لحاظ نہ رکھا جا سکے تو صرف قیاس کے اعتراف یا اسے اصول ادلہ مان لینے سے کچھ بھی حاصل نہیں۔ اکابر کے ارشادات اگر محض اکابر کی برتری کی وجہ سے قابل احترام ہوں، تو یہ بھی ظاہر پرستی کی ایک قسم ہے اور جمود کا ایک نامناسب مظاہرہ۔

تاریخ مذاہب پر ایک نظر

حجاز، نجد، مصر اور مغرب میں حدیث کا دور دورہ تھا۔ لوگ حدیث پڑھتے پڑھاتے تھے۔ حفظ و ضبط کی مجالس

گرم تھیں۔ مدارس میں حدثنا اور اخبرنا کے غلغلے بلند تھے۔ یکایک حجاز اور مصر میں امام شافعیؒ کے حفظ و ذکا کا اثر بڑھا۔ سوڈان سے اندلس تک امام مالکؒ کے مسلک فقہ کا اقتدار قائم ہوا۔ کوفہ سے ایران اور پھر اقصائے ہند میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی علمی ضیاباریوں نے اپنا اثر ظاہر کیا۔ نجد اور اس کے حوالی میں حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کی قربانیاں اپنا رنگ لائیں اس کے علاوہ بھی بعض ائمہ اجتہاد نے بعض علاقوں پر اپنا اثر ڈالا جیسے امام اوزاعیؒ ابن جریرؒ طبری، حافظ ابن خزیمہ داؤد ظاہری رحمہم اللہ تعالیٰ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان بزرگوں کے فہم اور طریق فکر کو بھی حدیث فہمی میں ضروری قرار دیا گیا۔ ابتدا میں یہ خیال تھا کہ ان حضرات کے افکار کا تتبع ذہن کو لغزش سے بچا سکے گا۔ لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ یہ فکر مندی خود ایک لغزش بن گئی اور سنگِ میل سنگِ راہ ہو گیا۔

ائمہ حدیث اور فقہاء کے مباحث، احناف اور شوافع کے مناقشات، اسلام کی خدمت کی بجائے بعض مقامات پر اسلام کے لئے نقصان دہ ثابت ہوئے۔ قرآن و سنت کے نصوص باہم تقسیم ہو گئے۔

تحریکات اصلاح

اپنی تاریخ پر نظر ڈالئے تو معلوم ہو گا۔ ہر دور کے اہلِ علم اس مرض کے علاج میں مصروف رہے۔ آوارگی سے بچتے تو جمود آ جاتا، جمود سے بچنے کی کوشش کرتے تو آوارگی کے خارستان میں دامن الجھ جاتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

پیشِ نظر گذارشات میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کی مساعی اور ان کے نتائج فکر کا تذکرہ اس نگاہ سے ہے کہ مغل دور کے اواخر میں جب جمود کی گھٹائیں ہند کے افق پر چھائی ہوئی تھیں۔ اورنگ زیب عالمگیر جیسا نیک دل بادشاہ زیادہ سے زیادہ یہی کوشش کر سکا کہ اس نے فتاویٰ ہندیہ کی صورت میں علماء کے ذریعہ اسلام کی خدمت کی۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ان کے رفقاء اور ان کے متوسلین نے اس اندھیرے میں ایک روشنی کے مینار کی طرف توجہ دلائی اور وہ فقہاء و محدثین کا طریق تھا۔ شاہ صاحب ہندوستان کی حنفیت اور ابن حزم کی ظاہریت کو فقہاء و محدثین کے دامن میں پناہ دینا چاہتے تھے۔

ہندوستان کے اہلِ توحید حنفی یا اہل حدیث شاہ ولی اللہ سے کوئی صحیح نسبت ہے تو حنفیت خالصہ اور ظاہریت محضہ سے بچ کر انہیں فقہاء محدثین کا طریق اختیار کرنا چاہیئے۔

اس دور میں اسلام کی یہ سب سے بڑی خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اتباع حق عمل اور اعتقاد میں اعتدال کی توفیق دے۔ آئندہ اوراق میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ مختلف اذہان کے غلو میں صالح تحریکات نے کیا کردار نمایاں ادا کیا۔ تحریکات سلفیہ نے مختلف ادوار میں کیا اصلاحات فرمائیں فقہاء اسلام نے کیا خدمات انجام دیں۔ صوفیاء نے کیا کیا۔ اور ان تینوں اذہان پر شاہ ولی اللہؒ کی اصلاحی کوششوں نے کیا اثر ڈالا۔

○

شروع شروع میں لفظ "اہل حدیث" کا مقصد یہ تھا کہ اجتہادی امور میں تقلید اور جمود کو دین میں پنپنے کا موقع نہ دیا جائے بلکہ صحابہ اور ائمہ اسلام کے اجتہاد سے وقت کے مصالح کے مطابق فائدہ اٹھایا جائے اور فقہی فروع میں جمود اور فرقہ پروری کی حوصلہ افزائی نہ ہونے پائے، اصل نظر کتاب اللہ اور آنحضرت کی سنت پر مرکوز ہے۔

کتاب وسنّت میں اگر کسی مسئلہ یا وقتی حادثہ کے متعلق صراحت موجود نہ ہو تو اس کا فیصلہ محض کسی شخصی رائے کے مطابق نہ ہو۔ یا کسی علاقہ کے علماء اپنے مخصوص افکار امت پر نہ ٹھونس دیں بلکہ اصل مطمع نظر صحابہ اور اسلاف کرام کی وسعت نظر ہو جمود اور شخصیت پروری سے امت میں تضیق نہ پیدا کیا جائے۔

جب نصوص نہ ہوں۔ کتاب وسنت میں احکام صراحتاً نہ ملیں تو رائے یا اجتہاد کے سوا چارہ نہیں۔ صحابہ نے بھی اجتہاد فرمایا۔ ائمہ اربعہ اور دوسرے ائمہ مجتہدین نے بھی بوقت ضرورت اجتہاد فرمایا۔ وقت کے ضروری مسائل کو اجتہاد ہی سے سمجھنے اور حل کرنے کی کوشش ہونی چاہیئے۔ اہلحدیث اور فقہاء، مذاہب سب ہی نے اجتہاد کیا، اور قیاس شرعی یا میزانی وقت کے مسائل میں مخلصی کی راہ پیدا فرمائی۔

حافظ ابن حزم اور امام داؤد ظاہری کا قیاس سے بالکل صرف نظر کا نظریہ ائمہ حدیث میں مقبول نہ ہو سکا۔ اور فقہاء عراق میں تو اس کی گنجائش ہی کہاں تھی۔ اسلئے ائمہ حدیث اور فقہاء عراق میں قیاس سے استفادہ یا نظائر میں احکام کی وحدت کا جہاں تک تعلق ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ بوقت ضرورت قیاس کو سب درست سمجھتے ہیں بلکہ ضروری۔

شاہ صاحبؒ نے ان دو مختلف اور غیر معتدل نظریات اور ان کے نتائج کے حسن و قبح سے متاثر ہو کر اپنے تلامذہ اور متوسلین کو یہ وصیت فرمائی :

"وصیّت اول ایں فقیر چنگ زدن است بکتاب وسنت در اعتقاد و عمل و پیوستہ بتدبیر ہر دو مشغول شدن وہر روز حصہ از ہر دو خواندن واگر طاقت خواندن ندارد ترجمہ ورقے از ہر دو شنیدن و در عقائد مذہب قدمار اہلِ سنت اختیار کردن و تفصیل و تفتیش آنچہ سلف تفتیش نکردہ اند اعراض نمودن و بہ تشکیکات معقولیاں خام التفات نکردن و در فروع پیروی علمار محدثین کہ جامع باشند میان فقہ وحدیث کردن و دایما تفریعات فقیہہ را بر کتاب وسنت عرض نمودن آنچہ موافق باشد در حیز قبول آوردن والا کالائی بد بریش خاوند دادن امت را ہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب وسنت استغنا حاصل نیست و سخن متقشفہ فقہ کہ تقلید عالمی را دست آویز ساختہ تتبع سنت را ترک کردہ اند نشنیدن و نظر بدیشاں نکردن و قربت خدا جستن بدوری ایشاں" (تفہیمات ۲/۲۴۰)

فقیر کی پہلی وصیت یہ ہے کہ اعتقاد اور عمل میں کتاب وسنت کے ساتھ تمسک کرے اور ان دونوں کو اپنا مشغلہ قرار دے کر اور ہر دو سے کچھ حصہ روزانہ پڑھے اور اگر پڑھ نہ سکے تو چند اوراق کا ترجمہ سنے اور عقائد میں سلف اہل سنت کی روش اختیار کرے اور ائمہ سلف کی طرح موشگافیوں سے بچے اور خام کار معقولیوں کی شک آفرینیوں سے بچے اور فرعی مسائل میں ان محدثین کا اتباع کرے جو حدیث اور فقہ دونوں سے پوری طرح واقف ہوں —— اور فقہی مسائل کو ہمیشہ کتاب وسنت پر پیش کرے۔ جو موافق ہو اسے قبول ورنہ بالکلیہ نظر انداز کر دے۔ امت کو اپنے اجتہادات کو کتاب وسنت پر پیش کرنے سے کبھی استغنا حاصل نہیں ہوا اور ضدی قسم کے فقیہ حضرات جنہوں نے بعض اہلِ علم کی تقلید کو دین کا سہارا بنا رکھا ہے اور کتاب وسنت سے اعراض ان کا شیوہ ہے کی بات تک نہ سننا اور ان کی طرف نگاہ مت اٹھانا اور ان سے دور رہنے میں ہی

خدا کا قرب تلاش کرنا۔

شاہ صاحب کے دانشمندانہ اور جرأت آمیز اعلان سے تعجب ہوتا ہے۔ شاہ صاحب نے جس ماحول میں تربیت پائی تھی وہ فقہی جمود کا دور تھا۔ اس وقت کا بہت بڑا متدین اور روشن خیال بادشاہ، وہ اسلام کی جو سب سے بڑی خدمت کر سکا وہ فتاوئی عالمگیری کی تالیف تھی۔ جسے فتاوئی ہندیہ کہا جاتا ہے۔ عالمگیر نے اسلامی قانون کی بہتر تعبیر کے لئے وقت کے بہترین علماء کو جمع کیا۔ ان مقدس بزرگوں نے اپنے وسیع علمی معلومات کی روشنی میں فقہ حنفی کی یہ بہترین خدمت انجام دی۔

اس کتاب کی خوبی صرف اسی قدر ہے کہ فقہاء رحمہم اللہ کے اقوال سے افق بالمصالح اقوال کو لے لیا گیا اور مختلف فیہ کو اسی طرح درج کر دیا گیا ہے تاکہ جس پر مناسب ہو عمل کر لیا جائے۔ گویا اس دیرینہ جمود میں ایک محدود مقام تک حرکت کی کوشش کی گئی۔ قرآن اور سنت یا دوسرے ائمہ کے مذاہب کے لحاظ سے شرعی مصالح کا جائزہ لینے کی کوشش نہیں کی گئی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اسی ماحول میں پڑھا اور غالبا والد صاحب کی زندگی میں مسند درس کی زینت بنے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کے درس اور طریق افتاء سے طالب علم اور اس وقت کے عوام مطمئن تھے لیکن خود شاہ صاحب مطمئن نہ تھے۔ جس چشمہ سے عام دنیا سیرابی حاصل کر رہی ہے وہ چشمہ خود اپنی سوتوں میں تشنگی، اور خشک سالی محسوس کر رہا تھا۔ جامد اور تقلید مزاج طبائع اپنی رسائی اور فہم کے لحاظ سے سمجھ رہے تھے۔ فقہ حنفی اور اس کے مصالح کی ترجمانی کا حق صحیح طور پر ادا ہو رہا ہے بلکہ علم و تفقہ حکمت مصالح کا یہ ترجمان دل ہی دل میں محسوس کر رہا تھا کہ جب مذاہب مجتہدین اسلام کی ترجمانی ہے اور ائمہ فقہ کا ماخذ قرآن اور سنت ہے تو بعض تعبیرات کو کلیۃ کیوں ترک کیا جائے اور بعض پر قناعت کیوں کی جائے۔ اگر کسی موسم اور کسی ملک میں ایک تعبیر اسلامی مصالح اور دینی مقاصد کے چوکھٹے میں پوری سازگار آسکے تو بالکل ممکن ہے کہ دوسری تعبیر دوسرے ماحول میں اس سے بھی زیادہ .. سازگار آئے۔ نبوت جب ختم ہو چکی ہے تو صرف ترجمانی اور تعبیر کو کیوں نبوت کی طرح واجبی اور دوامی حیثیت دی جائے۔ امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ دین

کے خادم ہیں اور اسلام کے ترجمان۔ دین ان کا دست نگر اور خادم نہیں کہ ان کے ارشادات اور احکام کے لئے ہر وقت چشم براہ رہے۔

فقہار کی عرصہ سے یہ حالت تھی کہ وہ اسمی اور فقہی تقلید کو واجب اور فرض سمجھتے تھے اس کی مزعومہ حیثیت کی بنار پر انکار تکفیر اور ایک دوسرے کی اقتدا سے حتمی طور پر روکا جاتا تھا۔ یہ سوتیلی ماں کا معاملہ ایک دانشمند کے لئے موجب حیرت تھا۔ شافعی حنفی ہو تو سزا پائے اور حنفی شافعی ہو تو خلعت ملے۔ یہ کیسی حق پروری ہے۔

یہ عجب وطیرہ تھا کہ علمار کے اقوال اور ارشادات اور نصوص کتاب وسنت میں جب اختلاف اور تعارض ہو تو تاویل اور توڑ پھوڑ نصوص کا حصہ تھا اور اپنی جگہ پر قائم رہنا ائمہ کی فقہیات کا حق تھا اور پھر دعویٰ یہ تھا اصل مطاع نبوت ہے اجتہاد نہیں۔ یہ دو عملی اور تضاد حضرت شاہ صاحب ایسے دوراندیش، معاملہ فہم فقیہہ کے لئے کیسے اطمینان کا موجب ہو سکتا تھا۔

اس لئے ظاہر ہے کہ جمود پیشہ اور قاصر النظر دنیا کی سیرابی اور اطمینان کے اسباب مروائی ایک بالغ النظر اور تجدیدی ذہن کے لئے کبھی اطمینان کا موجب نہیں ہو سکتے تھے۔ اسلئے شاہ صاحب رح کی تشنگی فطری اور قدرتی تھی۔

پھر جمود اور استعداد اجتہاد کا فقدان فقہائے احناف سے مخصوص نہ تھا بلکہ تقلید کے مزاج کا تقاضا تھا کہ وسعت نظر اور دقت سے ممکن طور پر اجتناب کیا جائے۔ دلائل کی چھان پھٹک کے مشغلہ سے بچ کر رجال اور ان کے اقوال کے سہارے پر زندہ رہنے کی کوشش کیجائے۔

جس طبیعت کا خمیر ہی تجدید اور اجتہاد سے اٹھایا گیا ہو۔ جہاں حکم اور مصالح ذوق میں سمو دیئے گئے ہوں۔ جس شخص نے اسرار شریعت اور دین کی حکمتوں میں رازی و غزالی سے سبقت حاصل فرمائی ہو۔ ابن حزم اور عزبن عبدالسلام جیسے فحول ائمہ پر تنقیدی تبصرے کئے ہوں۔ وہ توضیح اور کشف الاسرار پر کیسے مطمئن ہو سکتا تھا۔ اصول فقہ اور فقہ کے متعارض اور متصادم اصول اور جزئیات کیسے مطمئن کر سکتے تھے۔

ظاہر پرستی کا مرض

حافظ ابن حزم اور داؤد ظاہری رحمہم اللہ نے قیاس کی ان بھول بھلیوں سے تنگ آکر اس کی حجیت سے انکار کر دیا اور اسی تلاش میں نکلے کہ صرف کتاب وسنت

پر کفایت کریں۔

یہ راستہ اس لحاظ سے بے خطر تھا کہ اس میں اپنی ذمہ داریاں کم ہوجاتی ہیں۔ تاویلات اور قیاسات کی دوڑ دھوپ سے تھکنے یا ہار جانے کی نوبت نہیں آتی۔ جب دین میں مدار نقل پر ہے تو نقل پر انسان کو مطمئن ہوجانا چاہیئے، اگر عقل بالفرض قاصر ہے تو حرج نہیں، اصل تو نقل ہی ہے۔ جب قرآن وسنت میں ایک حکم مل گیا تو اب عقل و نظائر کی تلاش چنداں ضروری نہ تھی نہ ہی عقل کی موافقت کی شرط۔ اس لئے اپنی طرف سے نہ کسی اضافہ کی ضرورت ہے نہ ہی اس خطرے کو خریدنے میں کوئی فائدہ۔

لیکن معلوم ہے کہ نصوص کا ذخیرہ محدود ہے سنن ثابتہ چند ہزار کی پس وپیش ہوں گی اور قرآن عزیز کی ایک سو چودہ سورتیں آیات احکام کی تعداد معمولی ہے لیکن حوادثات کا سلسلہ غیر محدود ہے جب تک دنیا فنا کی حدود تک نہ پہونچ جائے؛ واقعات اور حوادثات ہوتے رہیں گے ان غیر محدود واقعات کے متعلق ان محدود نصوص میں صریح احکام کیسے مل سکتے تھے اس لئے ظاہریت کی راہ بالآخر تکلفات کی راہ بن گئی اور عملی زندگی میں زیادہ دور تک نہ جا سکی اور ملتے جلتے نظائر سے حکم میں فرق اور تفرقات معقول اور پسندیدہ راہ شمار کی جا سکتی۔ اس لئے اگر ظاہری مکتب فکر ایک لحاظ سے بے خطر تھا دوسرے نقطہ نظر سے بے کار بلکہ بسا اوقات مضحکہ خیز بھی ہوگا۔

قیاس اور تفقہ کی راہ

عملی زندگی میں آگے بڑھنے اور اسے آگے بڑھانے کے لئے اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ نظائر اور ان کے احکام میں ہم آہنگی پیدا کی جائے۔ شارع حکیم کے احکام کے وجوہ اور اسباب پر غور کیا جائے ان مصالح کا بغور مطالعہ کیا جائے۔ جن کی بناء پر شارع حکیم نے یہ احکام نافذ فرمائے۔

اور قرآن عزیز نے جب قدم قدم پر عقل وفہم کو مخاطب فرمایا ہے، توحید ونبوت اور معاد کے دلائل تذکرہ میں عقل لب اور نہی کے استعمال کی

تلقین کی گئی ہے تو اسے معطل کیوں چھوڑا جائے۔

فبشر عبادی الذین	وہ لوگ بشارت کے مستحق ہیں
یستمعون القول فیتبعون	جو گفتگو سنکر اس کے حسن وقبح میں
أحسنه أولئك الذین	تمیز کرتے ہیں اچھی باتوں کو قبول
هداهم أولئك هم	کرتے ہیں یہی لوگ اللہ سے ہدایت
أولوا الألباب۔	کے مستحق ہیں اور یہی عقل مند کہلانے
	کے حق دار۔

اس میں عقلمند اور معاملہ فہم لوگوں کی تعریف فرمائی گئی ہے۔ ملتے جلتے مسائل میں توازن قیاس صحیح کا نتیجہ اور عقل کا واجبی تقاضہ ہے۔

الحمد للہ الذی أنزل الکتاب	اللہ نے کتاب کو حق کے ساتھ اتارا
بالحق والمیزان۔	اور اس کے ساتھ میزان کو
	بھی اتارا۔

جس میزان کا تعلق کتاب کے ساتھ ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ اتری ہے۔ یہ ترازو وہ نہیں جو مادی اور جسمانی چیزوں میں توازن کے لئے بنائی گئی ہے۔ اس سے مراد وہی میزان ہے جو کتاب کے فہم اور ادلہ شرعیہ میں جس سے بصیرت ہوتی ہے جس سے مختلف نظائر کے حکم میں توازن ہوتا ہے اس کا فقہی اور اصطلاحی نام قیاس سمجھ لینا چاہیئے لیکن حقیقت میں وہ میزان ہے۔

اس لئے نہ قیاس کی ضرورت سے انکار کیا جاسکتا ہے نہ ہی اپنے مقام پر اس کی حجیت اور افادیت کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ ائمہ حدیث ظواہر حدیث کے ساتھ پوری عقیدت، الفاظ اور ان کے لغوی معانی کے ساتھ پورے اعتناء کے باوجود قیاس کو شرعی حجت سمجھتے ہیں اور ان قیاسی ادلہ سے پوری طرح استفادہ کے قائل ہیں۔ ان اصول کے احتوار اور ممکن عموم اور ہمہ گیری کے معترف ہیں لیکن نصوص شرعیہ کو ان اصول پر قربان نہیں کرتے جس کی بعض مثالیں ان گذارشات

میں مذکور ہو رہی ہیں۔ عام فقہاء اور خصوصاً فقہاء حنفیہ سے اس معاملہ میں کچھ مسامحات ہوئی ہیں رحمہم اللہ۔ شاہ صاحب رح کی اصل بے چینی یہی ہے۔ بعض جگہ اصول نصوص سے ٹکرا گئے ہیں اور بعض جگہ اصول کی جامعیت اور اس کے طرد و عکس میں خلل واقع ہوا ہے۔ جہاں اصول کی جامعیت نے دل کی گہرائی میں جگہ لی اور نظائر کو اس پیمانہ سے ناپنا شروع کیا، دیکھتے ہی دیکھتے پیمانہ ریزہ ریزہ ہو گیا، نظائر کا حکم باہم ٹکرا گیا اور اصول پاش پاش ہو گیا۔

آگے بڑھنے سے پہلے اس کی چند مثالیں ملاحظہ فرما لیجئے:

صحیح بخاری میں ہے:

كانت عائشة يؤمها عبدها ذكوان من المصحف۔ (۲/۵۶۷)

حضرت عائشہؓ کا غلام ذکوان قرآن سے دیکھ کر نماز پڑھاتا تھا۔

(عمدۃ القاری فتح الباری طبع ہند ۱/۳۸۶)

ابن سیرین، حسن بصری، حکم، عطاء قرآن سے نماز میں قرات جائز سمجھتے تھے حضرت انس کے پیچھے سامع کے ہاتھ میں قرآن ہوتا وہ انہیں لقمہ دیتے۔ امام مالک تراویح میں اسے جائز سمجھتے ہیں۔ حافظ عینی فرماتے ہیں:

قلت القرءة من مصحف فی الصلوٰة مفسدة عند ابی حنیفة لانه عمل کثیر وعند ابی یوسف ومحمد یجوز لان النظر فی المصحف عبادة لکنه یکره لما فیه من التشبه باهل الکتاب۔

(عمدۃ القاری ۲/۷۵۷)

نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنے سے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نماز فاسد ہو گی کیوں کہ یہ عمل کثیر ہے۔ جس سے خشوع اور نماز کی ہیئت بگڑ جاتی ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد فرماتے ہیں۔ قرآن میں دیکھنا عبادت ہے اس لئے نماز درست ہے لیکن مکروہ ہو گی۔ اسمیں اہل کتاب سے مشابہت ہے وہ کتاب سے دیکھ کر ہی نماز پڑھتے ہیں۔

امام قرأ فی المصحف فصلوٰته فاسدة قال ابو یوسف ومحمد تامة ویکره

(جامع الصغیر امام محمد ۱۵/۔ طبع مصر)

حضرت امام کے نزدیک قرآن دیکھ کر پڑھنے سے نماز فاسد ہو گی امام محمد اور ابو یوسف کے نزدیک ہو گی لیکن مکروہ۔

حضرت عائشہ اور اکابر ائمہ تابعین کے عمل کے باوجود دل مانتا ہے کہ مصحف میں پڑھنا ٹھیک نہیں۔ یہ واقعی عمل کثیر ہے (عمل کثیر کی کچھ حد ہو) اوراق کی الٹ پلٹ اور صفحات کی طرف توجہ اور حفاظت سے واقعی نماز کی طرف صحیح اور مناسب توجہ نہیں رہے گی۔ اسلئے مناسب یہی ہے کہ جہاں تک ہو سکے یہ تکلف نہ کیا جائے اور حفظ سے پڑھا جائے۔

تشابہ کی وجہ تو سمجھ میں نہیں آتی۔ اگر یہ شرعاً درست ہے تو تشابہ کیا ہوا اور جب آپ پڑھنا شروع کر دیں گے تو پھر اہل کتاب کا آپ سے تشابہ ہو جائے گا تاہم دوسرے نمبر پر یہ وجہ بھی مان لی جائے تو اس سے دو اصول سمجھ میں آتے ہیں۔

۱۔ نماز میں عمل کثیر نہیں ہونا چاہیئے نماز سے توجہ ہٹ جائے گی۔

۲۔ غیر مسلم قوموں کے ساتھ تشبیہ سے بچنا چاہیئے۔

اب دوسرا نکتہ سنیئے:

لو نظر مصلی الی المصحف وقرء	اگر نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھے تو نماز
منہ فسدت صلوتہ لا الی فرج	فاسد ہو گی لیکن اگر عورت کی شرمگاہ جنسی
امرءۃ بشھوۃ کان الاول تعلیم	جذبہ کے ساتھ دیکھے تو نماز فاسد نہیں ہو گی
وتعلم فیہا لا الثانی اہ	کیوں کہ پہلی صورت درس و تدریس کی ہے
الاشباہ والنظائر ۲۴۴/ (مطبوعہ مندیم)	شرمگاہ دیکھنے سے یہ مطلب حاصل نہیں ہوتا۔

اب اس عقل پروری اور تفقہ نوازی کو کون سمجھے جہاں قرآن دیکھنے سے خشوع ٹوٹے اور عمل کثیر ہو اور شرمگاہ کی طرف جنسی جذبات کے ساتھ توجہ نماز پر کوئی اثر ہی نہ ڈالے۔

کچھ شک نہیں جب علماء بحث و مناظرہ کے موڈ میں آجائیں تو بھیڑیا حلال کر سکتے ہیں۔ مرغی حرام فرما سکتے ہیں مگر عقل سلیم اور میزان اعتدال تو موشگافیوں اور نکتہ نوازیوں کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ اسلئے محدثین نے قیاس کی حجیت کے باوجود اس دو عملی سے بچنے کے لئے پوری احتیاط سے کام لیا ہے۔

ہمارے حضرات احناف کی ایک قسم بریلی سے نمودار ہوئی ہے۔ ان کی عمر تقریباً ساٹھ ستر سال کے پس وپیش ہو گی۔ یہ حضرات اسلام کے مدنی ڈھانچے کے حصہ عقائد میں بڑی اہم اور دوررس ترمیمات چاہتے ہیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اسلام کے مدنی عقائد بریلی، لاہور، لائلپور

کے تابع بنوا لئے جائیں۔

ان حضرات کی نظر سید احمد شہیدؒ کے ملفوظات حصہ دوم (جو صراط مستقیم کے نام سے مشہور ہے) کی اس بات پر پڑی کہ گاؤ خر کے تصور سے نماز میں خشوع پر اتنا اثر نہیں پڑتا لیکن آنحضرت کے تصور سے خشوع زیادہ مجروح ہوتا ہے۔ (صراط مستقیم)

عنوان یا تعبیر کچھ ہو بات صحیح اور درست تھی کہ محبوب اور پسندیدہ چیز کے تصور سے طبیعت کے رجحان اور خشوع پر زیادہ اثر پڑے گا گاؤ خر ایسی معمولی اور حقیر چیز کے تصور سے نماز اور خشوع پر وہ اثر نہیں پڑے گا۔ بات پتے کی تھی آنحضرت کے ساتھ محبت اور والہانہ تعلق جب توحید کی سرمستیوں سے ٹکرائے تو اس سے بچنا بڑی دانشمندی ہے۔ نہ تو نبوت کی بلندیوں کو گاؤ خر کی حقارتوں سے ہم آہنگ ہونے دیا جائے نہ ہی نماز کے معراج اور اس مکالمۂ الٰہیہ کے ذوق میں کسی دوسرے محبوب کو اشتراک کا موقعہ دیا جائے۔

مسئلہ درست تھا اگر تعبیر ناپسند تھی تو اسے بدل دیا جاتا۔ مولانا عبدالحیٔ بڈھانوی کا ترجمہ وحی نہیں تھا لیکن یہاں کوئی پرانا بغض تھا جسے نکالنا ضروری سمجھا۔ سید احمد کا ارشاد اور مولانا عبدالحیٔ بڈھانوی کا ترجمہ دونوں حضرت شاہ اسمٰعیل شہید کے نام لگا دیئے گئے اور فتوؤں کی مشین تان دی گئی اور کفر کے انبار بالاکوٹ کے میدان میں دریائے منہار کے کناروں پر انڈیل دیئے گئے۔ جنہیں خون شہادت کے چند قطروں نے دریائے منہار کے سپرد کر دیا اور شہداء کی طہارت ان نجس اور غلیظ فتوؤں سے متأثر نہ ہو سکی۔

سراسیمگی اور شوریدہ سری کی کوئی حد ہے کہ سید شہید کے ملفوظات اور مولانا عبدالحیٔ کا ترجمہ دونوں بچارے شاہ اسمٰعیل کے نام الاٹ کر دیئے گئے اور درس و افتار کی مسندیں شہید حق کے کیڑے نکالنے میں مشغول ہو گئیں جو ان کے درجات کی رفعت کا موجب ہوں گے انشاءاللہ۔

سید شہیدؒ نے نماز کی سرگوشیوں میں آنحضرت کے مقام کی رفعت اور گاؤ خر کی حقارت انگیزیوں میں اگر امتیاز فرما کر نماز کی روحانی کیفیتوں کو شرک کی غلاظتوں سے پاک وصاف رکھنے کی تلقین فرمائی تو وہ کافر ہوئے اسلئے کہ وہ آنحضرت سے محبت فرماتے ہیں۔ آپ کی فقہی موشگافیوں نے حریم نماز میں مصحف کے تقدس کو شرمگاہ کی عریانی اور انسانی کمزوریوں کے جنسی شہوت سے قرآن عزیز کو شکست دے دی۔ آپ کا ایمان سلامت رہا اور آپ بالکل تانے اہلسنت وجماعت ہو گئے۔

اور شہدائے بالاکوٹ شہادت اور قربانی کے باوجود کافر ہی رہے ؎

من کان ھذا القدر مبلغ علمہ — فلیستتر بالصمت والکتمان

اگر فقہاء بریلی کا انداز فکر یہی رہا تو یہ قافلہ چند دن کا مہمان سمجھنا چاہیئے۔ بریلی، بدایوں، مارہرہ، لاہور، لائل پور کوئی مقام اور کوئی نسبت ایسے لوگوں کے لئے زندگی کی کفیل نہیں ہو سکتی پاکستان میں جہالت کا یہ دور اور علم فروشی کا یہ بازار انشاء اللہ زیادہ دیر تک نہیں چل سکے گا۔

آپ ہی سوچیں اس پون صدی کی کفر نوازی سے آخر اسلام کو کیا فائدہ پہنچا، ملک کہاں تک سربلند ہوا، دین اور سیاست میں آپ کو کون سا مقام ملا آپ نے اہل توحید کو مشق ستم کے لئے انتخاب فرمایا اور وہ شرافت سے سر جھکا کر کھڑے ہو گئے اور آپ نے مظالم کی مشق ان مساکین پر فرمالی ہوا کیا؟ ؎

ہمہ آہواں دشتی سر خود نہادہ برکف

بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

ظن کو فیصلوں میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ شریعت نے بیسوں مقامات میں قرائن سے فیصلہ کیا کہ بچہ کے الحاق میں اور لقیط کو ورثاء کیساتھ ملانے میں قیافہ کو بہت بڑا دخل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ بن زید کے متعلق قیافہ اور ان کی رائے پر بڑی مسرت کا اظہار فرمایا۔ بعض فقہائے اس قرینہ کا اس لئے انکار فرمایا کہ اس میں محض ظن وتخمین پر فیصلہ کیا گیا ہے۔ اپنی جگہ یقین کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یقین کے بالمقابل ظن کو کوئی وقعت حاصل نہیں ان الظن

الظن لا یغنی من الحق شیئا۔

لیکن بعض فقہاء نے ان قرائن کو نظر انداز کر دیا کیوں کہ یہ ظنی ہیں لیکن جب ظن کے قبول کا رجحان ذہن میں آیا تو کمال کر دی۔ شکوک واوہام کو یقین کا مقام دے دیا۔ ابن قیم فرماتے ہیں:

قال بعض الفقہاء ومن العجب انکار لحوق النسب بالقیافۃ التی اعتبرھا النبی وعمل بہ الصحابۃ من بعدہ وحکم بہ عمر بن الخطاب والحاق النسب فی مسئلۃ فیمن تزوج باقصیٰ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اور حضرت عمر نے قیافہ کو اثبات نسب میں معتبر سمجھا لیکن بعض فقہاء نے اس کا انکار کر دیا۔ اور اقصیٰ مغرب میں ایک آدمی اس عورت سے نکاح کرے جو اقصیٰ مشرق میں ہے چھ ماہ کے بعد

المغرب امرأۃ باقصی المشرق وبینهما مسافۃ سنین ثم جاءت بعد العقد باکثر من بعد ستۃ اشهر بولد منہ

اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا، تو یہ حضرات اس کی نسب کو صحیح سمجھتے ہیں۔

یہ قیاس کا عجیب کرشمہ ہے۔ مستند قرآن کا انکار کر دیا گیا اور اوہام و ظنون کی بنا پر نسبت ثابت کر دی اور بچہ ثابت النسب قرار پا گیا۔

یہ اوہام تو قابل اعتماد پائے اور قیافہ کی وجہ سے خبر واحد کے پورے ذخیرہ پر عتاب فرمایا گیا کہ وہ ظنی ہے۔ شاہ ولی اللہؒ اس غیر معتدل طریق فکر پر کیسے مطمئن ہوتے۔

علمائے اصول نے ایک قاعدہ بیان فرمایا الخاص لایحتمل البیان (حسامی ص۳ نورالانوار ص۱۵ کشف الاسرار [illegible])

اس قانون کا مطلب یہ ہے کہ خاص کا مفہوم چونکہ واضح اور بین ہوتا ہے اس لئے اسے بیرونی تشریح اور وضاحت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسی قانون کی روشنی میں کئی مواقع میں شوافع پر حجت قائم کی اور یہ ظاہر فرمایا کہ ہمارا موقف صحیح ہے اور شافعی غلطی پر ہیں۔ بلکہ اگر کہیں صحیح حدیث بھی اس قانون سے ٹکرا گئی تو حدیث کو نظر انداز کر دیا گیا اور اس قانون کی آبرو رکھ لی گئی۔

قرآن عزیز میں ارشاد ہے:

یاایها الذین آمنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا ربکم۔ (الحج ۷۷)

اے ایمان والو! رکوع اور سجود کرو اور اللہ کی عبادت کرو۔

فقہائے حنفیہ فرماتے ہیں: رکوع کے معنیٰ جھکنا ہے۔ سجود کے معنیٰ زمین پر سر رکھنا اگر کوئی شخص ذرا جھک جائے یا زمین پر سر رکھ لے تو نماز ہو جائے گی گو رکوع اور سجود میں اطمینان اور اعتدال حاصل نہ ہو۔ شوافع اطمینان اور اعتدال کو فرض سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ جس طرح نماز میں رکوع و سجود ضروری ہے ٹھیک اسی طرح شرعاً نماز میں طمانیت اور سکون بھی ضروری ہے۔ اگر ان ارکان میں اعتدال نہ ہو تو شوافع اور ائمہ حدیث کے نزدیک نماز نہیں ہو گی۔

احناف فرماتے ہیں: نماز ہو جائے گی کیوں کہ رکوع اور سجود کا لغوی معنیٰ ثابت ہو گیا اس لئے شوافع کا خیال غلط ہے خاص کو کسی بیان اور خارجی تشریح کی ضرورت نہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک آدمی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نماز پڑھی اس نے رکوع و سجود اطمینان سے نہیں کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تین دفعہ فرمایا:

صلِّ فانک لم تصلِّ (تم نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی)

یعنی شرعاً تمہاری نماز کا کوئی وجود نہیں۔ اسی حدیث کی بنا پر اہل حدیث اور شوافع وغیرہم کا بھی یہی خیال ہے کہ اگر رکوع اور سجود میں اطمینان نہ ہو تو نماز نہیں ہوگی۔ احناف فرماتے ہیں: رکوع اور سجود کا معنیٰ معلوم ہو جانے کے بعد ہم حدیث کی تشریح اور نماز کی نفی قبول نہیں کرتے۔

قرآن کی عظمت اسی اصل کی حمایت میں یہ عذر فرمایا گیا کہ اگر شوافع کے مسلک یا حدیث پر یقین کرتے ہوئے یہ مان لیا جائے کہ نماز میں اطمینان فرض ہے تو یہ قرآن پر زیادتی ہوگی۔ جو نسخ کے مترادف ہے۔ جب قرآن عزیز نے خاص الفاظ سے ایک حقیقت کا اظہار فرما دیا اس پر زیادتی کسی طرح درست نہیں۔ ایسا کرنا یا سمجھنا قرآن عزیز کی عظمت اور اس کی رفعت شان کے منافی ہے۔ قرآن کی عظمت واقعی ضروری ہے لیکن اس آڑ میں مقام نبوت کا تعطل ہو جائے۔ پیغمبر کو یہ بھی حق نہ رہے کہ وہ قرآن عزیز کے مفہوم کی تعیین فرمائیں کسی عمل کی شرعی ہیئت کا اظہار یا کوئی ایسا حکم جس سے قرآن عزیز نے سکوت فرمایا ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسے بیان نہ فرما سکیں خود صاحب وحی بھی اپنی وحی کا مطلب بیان نہ فرما سکیں۔ مجتہد اور فقیہ، عالم اور صوفی تو اپنے خیال سے اپنی استعداد کے مطابق قرآن کا مطلب بیان فرمائیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو روک دیا جائے کہ آپ قرآن کے متعلق کچھ نہیں فرما سکتے یہ عجیب ہے۔

آخر یہ اصول بھی تو قرآن فہمی ہی کے لئے بنائے گئے اور انکے بنانے میں بقول صاحب کشف الظنون /۸۹ زیادہ کوشش معتزلہ اور اہل حدیث نے کی۔ ان کا احترام تو اس قدر رکھا کہ حدیث بھی ان کے ہوتے ہوئے نظر انداز فرما دی گئی اور نصوص نبوی کے لئے یہ گنجائش بھی نہ رکھی گئی کہ وہ قرآن عزیز کی وضاحت فرما سکیں۔ حالاں کہ قرآن عزیز یہ مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری کے طور متعین فرماتا ہے:

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ولعلھم یتفکرون (النحل ر ۴۴)	ہم نے ذکر تم پر اس لئے اتارا کہ آپ لوگوں کے سامنے اسے واضح فرمائیں اور یہ لوگ اس پر سوچیں۔
وما انزلنا علیک الکتاب الا لتبین لھم الذی اختلفوا فیہ وھدی	اور ہم نے آپ پر یہ کتاب صرف اس لئے اتاری کہ آپ ان کے باہم اختلافات کو واضح

ورحمة لقوم یومنون۔ (النحل/۶۴)
فرمائیں اور یہ کتاب اہل ایمان کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔

ان دونوں آیات میں تبیین اور اظہار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری قرار پایا ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی طرح بھی صرف نظر نہیں فرما سکتے۔ سورۂ مائدہ میں اہل کتاب کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کی طرف دعوت دی:

یٰاھل الکتاب قد جاءکم رسولنا یبین لکم کثیرا مما کنتم تخفون من الکتٰب ویعفوعن کثیر۔ (المائدہ/۱۵)
اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے رسول اس لئے تشریف لائے کہ وہ تمہاری چھپائی ہوئی چیزوں کی وضاحت فرمائیں۔

تعجب ہے کہ جس بیان کے سامنے اہل کتاب کو بھی انقیاد کی دعوت دی جارہی ہے۔ مسلمان ان سے محروم ہونے کی اسلئے کوشش فرماتے ہیں کہ ارباب اعتزال کے طے فرمودہ قوانین کو نقصان پہونچنے کا خطرہ ہے۔ حدیث رہے یا نہ۔ اصول اور ان کی پختگی میں کمی نہ آنے پائے۔ پھر یہ ذمہ داری تمام انبیاء علیہم السلام پر ڈالی گئی:

ما أرسلنا من رسول الا بلسان قومه لیبین لهم فیضل الله من یشاء ویهدی من یشاء وهو العزیز الحکیم۔ (ابراھیم/۴)
ہم نے ہر نبی کو اس کی مادری زبان میں اس لئے مخاطب فرمایا کہ وہ پوری وضاحت کر سکے پھر ہدایت اور گمراہی اللہ کے اختیار میں ہے اور وہ عزیز اور حکیم ہے۔

پھر پیغمبر کے اس بیان کو اپنا بیان قرار دیا تاکہ خالق اور مخلوق کی مغایرت کا اثر بیان پر مرتب نہ ہو فرمایا:

فاذا قرأنه فاتبع قرانه ثم ان علینا بیانه (القیامة/۱۸،۱۹)
تم ہمارے ارشاد کے مطابق قرآن کو پڑھو پھر اس کا بیان ہمارے ذمہ ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے حکم کے مطابق خدا کے احکام کی وضاحت فرمائیں۔ لیکن وہ بیان ہمارے خود ساختہ اصول کے ہم پلہ نہ ہو سکے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک یہ عجیب تھا، اسلئے حجۃ اللہ، الخیر الکثیر، تفہیمات، مصفی مسوی، عقد الجید، الانصاف وغیرہ میں اسے بار بار دھرایا، اور مختلف طرق سے اس فقہی جمود کو توڑنے کی کوشش فرمائی اور احتجاج فرمایا کہ سنت کے ساتھ

یہ بے انصافی اور ترجیحی سلوک نہیں ہونا چاہیئے۔ بڑا ہی نامناسب ہے کہ غیر معصوم انسانوں کے بنائے ہوئے اصول تو دین کا اساس قرار پائیں اور سنت جو فی الحقیقت وحی اور دین کی بنیاد ہے وہ ان مصنوعی اصول کے سامنے یتیم اور لاوارث قرار پائے اور سنت سے ایسا سلوک وہ لوگ کریں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں۔

حدیث کی صحت حدیث کی صحت یا ضعف کا مسئلہ اس وقت خارج از بحث ہے اسلئے کہ ان اصول کی حکومت کے سامنے حدیث صحیح ہو یا ضعیف، بے بس ہے ویسے تو ہیں بتایا گیا ہے کہ حدیث ضعیف بھی ہو تو وہ قیاس سے مقدم ہے اور اس کے لئے اصول فقہ کے دفاتر میں حدیث قہقہہ کے انداز کی شاید ایک دو مثالیں بھی مل جائیں۔ دراصل حضرات فقہائے عراق خصوصاً اتباع قاضی عیسیٰ بن ابان سنت سے ویسے ہی کچھ ناراض ہیں۔ وہ رائے کے دروازوں کو کھلا رکھنا چاہتے ہیں سنت کے ابواب بند ہوتے ہیں تو ہو لیں۔ اس لئے حضرت شاہ ولی اللہ جیسا بیدار مغز، معاملہ فہم، دور اندیش، تجدیدی ذہن رکھنے والا آدمی پورے ماحول کی اس نامناسب کیفیت پر کیسے مطمئن ہو سکتا تھا۔

شاہ صاحبؒ نے اصول فقہ کے ان نظریات پر اپنی تصانیف میں جا بجا تنقید فرمائی اور یہی تنقید اس وقت ان ذہین لوگوں کے سامنے بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے جو اہل حدیث یا سلفی کہلاتے ہیں اس تحریک کا قطعاً یہ مقصد نہیں کہ ائمہ کی مساعی بیکار ہیں یا ان ائمہ کے علوم سے استفادہ شرعاً ناجائز ہے۔ ان کے علوم اور اجتہادات پر تنقید زندگی کا کوئی اہم اور ضروری شغلہ ہے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان کے اجتہادات اور جملہ مسائل کی حیثیت ایک علمی تحقیق یا مقدس محنت کی ہے۔ ان کا مقام علوم نبوت کا مقام نہیں جس طرح ان سے استفادہ اور ان کے سامنے انقیاد بشرط صحت درست ہے کتاب و سنت کی روشنی میں ان پر تنقید بھی درست ہے اور ان سے صرف نظر بھی کیا جا سکتا ہے۔ تحقیق کی راہیں جس طرح ان کے لئے کھلی ہیں۔ ان کے اتباع اور تلامذہ کو بھی اجازت ہے کہ علم و نظر کی راہنمائی میں کتاب و سنت کی نصوص پر غور کریں اور مصالح وقت کے لحاظ سے ان پر عمل کریں۔ گو یہ تحقیق ان کی تحقیق سے مختلف بھی ہو جائے۔ تحقیق و نظر کے لئے علوم اور خلوص نیت کے بعد ضروری نہیں کہ مطلق اجتہاد اور اس کے مفروضہ علمی [illegible] پیش نظر ہوں۔ یہ اصطلاح زمانہ نبوت میں اس مفہوم سے موجود نہ تھی اور یہ علوم اجتہاد بھی زمانہ نبوت سے صدیوں بعد موجود ہوئے۔ ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ نے

بھی یہ تمام علوم نہ پڑھے بلکہ اس تحریک کا مقصد یہ ہے کہ اس مصنوعی جال سے ہر ایک کو شکار کرنے کی کوشش نہ کی جائے علم کو علم ہی کی راہ سے منوایا جائے ۔ اسے فتویٰ یا حکومت یا اکثریت کے دباؤ سے نہ منوایا جائے ۔

ایک اور مثال قرآن عزیز میں ارشاد ہے : فاقرءوا ماتیسر من القرآن (المزمل/۲۰) اس میں رات کی نماز کا ذکر فرماتے ہوئے حکم فرمایا کہ تہجد میں قرآن کا جو حصہ آسانی سے پڑھا جا سکے اسے ضرور پڑھو ۔ احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ ماتیسر سے مراد سورۂ فاتحہ ہے جس طرح حدیث میں ماتیسر کا لفظ وارد ہوا ہے اسی طرح اس حدیث کے دوسرے طرق میں ماتیسر کی وضاحت ام القرآن سے کی گئی ہے گویا جو تذکرہ قرآن عزیز میں ماتیسر کے لفظ سے ہوا تھا ۔ اسی کا دوسرا نام یا اس کی وضاحت اُم القرآن سے فرمائی گئی ہے ۔ اسلئے آپ امام ہوں یا مقتدی یا منفرد آپکو سورۂ فاتحہ ضرور پڑھنی چاہیئے ۔ (جزء القراۃ للبیہقی /۳/۴۰)

فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ کا خیال ہے : فاتحہ کا تعین درست نہیں ۔ چوں کہ القرآن کا لفظ خاص ہے ، اسے مزید کسی تشریح کی ضرورت نہیں اسلئے فرض صرف قرآن ہوگا اور احادیث کی وضاحت قابل قبول نہ ہوگی ۔

لیکن یہ پابندی قائم نہ رہ سکی فاقرءوا ماتیسر من القرآن میں قرأت کی مقدار کا تعین بقدر ایک آیت یا تین آیت قیاس ہی سے کیا گیا ۔ پھر فاقرءوا میں امام مقتدی منفرد سب شامل تھے ۔ اسی سے مقتدی کو حدیث من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ (دارقطنی) سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ۔ حالاں کہ یہ حدیث بھی باتفاق ائمہ ضعیف ہے ۔ اس کا کوئی طریق صحیح ثابت نہیں ہو سکا ۔ اگر قرأت کے حکم سے مقتدی مستثنیٰ ہو سکتا ہے تو فاتحہ کا تعین بھی ہو سکتا تھا اگر حدیث اپنے مسلک کی موید ہو تو اس سے قرآن کے مفہوم کی تعیین ہو سکتی ہے اگر وہ کسی دوسرے مسلک کے لئے مفید ہو تو اس سے قرآن کے احترام کو نقصان پہنچتا ہے ۔ یہ طریق درست نہیں ۔

فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ ۔ تیسری طلاق کے بعد عورت پہلے خاوند کیلئے حلال نہیں ہو سکتی جب تک کسی دوسرے خاوند (البقرہ/۲۳۰) سے نکاح نہ کرے ۔

آیت میں تنکح کا فاعل ضمیر مونث ہے [illegible]

بلحاظ فاعل عورت پر رکھی گئی ہے۔ جب تک وہ دوسرا نکاح نہ کرے۔ تین طلاقات کے بعد وہ پہلے خاوند کی طرف رجوع نہیں کر سکتی۔

فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ نے اسے خاص سمجھ کر اس سے حصر کا فائدہ اٹھایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: عورت نکاح کے معاملہ میں مختار ہے اسے ولی کی ضرورت نہیں بالغہ ہونے کی صورت میں وہ جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے، ولی اسے پابند نہیں کر سکتا اور حدیث:

ایما امرأۃ نکحت بغیر اذن ولیھا — جو عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے

فنکاحھا باطل باطل باطل (ترمذی ۲/۵،۱) — اس کا نکاح باطل ہے۔

اس حدیث سے ولی کی ضرورت ظاہر ہوتی ہے۔ مگر آیت کے مقابل یہ حدیث قابل قبول نہیں آیت اس تشریح کی محتاج نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ نکاح کے انعقاد میں چار شخصیتوں کو دخل ہے: ناکح، منکوحہ، ولی، گواہ لیکن حصر کی کوئی دلیل نہیں۔ ان چاروں سے کوئی بھی دوسرے سے مستغنی نہیں کر سکتا۔ اپنے اپنے فرائض کے لحاظ سے سب پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اگر تنکح کی نسبت فاعلی کا اثر ولی پر پڑ سکتا ہے۔ تو ناکح اور شاہدین پر بھی پڑنا چاہیئے۔ عورت کو اس استدلال کے مطابق نکاح میں مختار مطلق ہونا چاہیئے نہ خاوند کی رضا کی ضرورت ہوگی نہ گواہ کی۔

حالاں کہ قرآن عزیز میں نکاح کا فاعل کئی جگہ مردوں کو قرار دیا گیا:

فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلٰث وربٰع	$\frac{4}{3}$	(النساء/۳)
ولا تنکحوا ما نکح اٰباءکم من النساء	$\frac{4}{22}$	(النساء/۲۲)
اذا نکحتم المومنات ثم طلقتموھن	$\frac{33}{49}$	(الاحزاب/۴۹)
ولا تنکحوا المشرکات حتیٰ یؤمن	$\frac{2}{221}$	(البقرۃ/ ۲۲۱)
ولا جناح علیکم ان تنکحوھن اذا اٰتیتموھن اجورھن	$\frac{60}{10}$	(الممتحنۃ/۱۰)
فانکحوھن باذن اھلھن واٰتوھن اجورھن	$\frac{4}{25}$	(النساء/۲۵)

ان تمام آیات میں نکاح کا فاعل مردوں کو قرار دیا گیا ہے۔ اگر فاعلیت سے حصر پر استدلال کیا جائے تو قرآن میں تعارض ہوگا، کہیں عورت کو مختار مطلق بنایا گیا ہے کہیں مرد کو۔

نکاح میں دو گواہ معاملہ کے لحاظ سے بھی ضروری ہیں اور حدیث میں اس کی صراحت بھی

موجود ہے حتی تنکح زوجا غیرہ کی تخصیص حدیث شہادت پر بھی اثر انداز ہونی چاہیئے یا پھر ولی پر انداز نہیں ہونی چاہیئے۔

پھر بالغہ کو تو اس آیت کی بنا پر مختار سمجھا گیا لیکن نابالغہ کو اس قدر بے بس کر دیا گیا کہ اس میں باپ اور دادا کی ولایت کو جبری قرار اور اس بچاری مسکینہ سے خیار بلوغ کا حق بھی چھین لیا گیا۔ حالاں کہ آیت میں بالغہ اور نابالغہ کی نہ تخصیص ہے نہ شرط۔ ایک اصل کی حمایت نے قرآن وسنت دونوں سے تعلق ڈھیلا کر دیا۔ اگر آیت میں عورت کو خصوصیت سے نکاح کا اختیار دیا گیا ہے تو نابالغہ کے استثنار کے لئے کون سی آیت آئی ہے۔ بلا وجہ ترجیح کے لئے کوئی معقول وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ صاحب فصول الحواشی بڑی متانت سے فرماتے ہیں:

ونحن ترکنا الخبر الواحد بمقابلۃ الخاص من الکتاب ۲۶/	ہم نے قرآن حکیم کے خاص حکم بالمقابل خبر واحد (حدیث اشتراط ولی) کو چھوڑ دیا۔

اور نابالغہ کے متعلق پھر اسی خبر واحد سے استفادہ فرمایا گیا اور مرد کے قبول کو بھی مان لیا گیا، حالاں کہ آیت تنکح میں مرد کی قبولیت کا بھی ذکر نہیں اسی طرح گواہوں کی ضرورت بھی مان لی گئی حالاں کہ آیت میں شہود کا بھی کوئی تذکرہ نہ تھا۔ اس آیت کا مقصد گویا فقط ولی کی ضرورت کو توڑنا تھا اور بس۔

شاہ صاحب اس صورت حال پر کیسے مطمئن ہو سکتے تھے۔ جہاں اصول کا یہ حال ہو وہاں فروع تو بہر حال اس پر متفرع ہوں گی۔

ایک اور مثال حرمت رضاع کے متعلق قرآن عزیز نے مطلقاً فرمایا:

وامھاتکم اللاتی ارضعنکم (النساء/۲۳) تمہاری رضاعی مائیں بھی تم پر حرام ہیں۔

احناف اور موالک فرماتے ہیں: کہ ایک قطرہ بھی اگر کسی کا دودھ پی لیا گیا ہو تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔ قرآن عزیز نے رضاع میں کوئی مقدار معین نہیں فرمائی اسلئے حرمت کے لئے ایک گھونٹ پینا اور دو سال پینا برابر ہے۔ ائمہ حدیث اور شوافع کا خیال ہے کہ حدیث میں خمس رضعات موجود ہے اگر اس سے کم دودھ پیا جائے تو حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ امام احمد کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔ احناف فرماتے ہیں کہ یہ حدیث خبر واحد ہے۔ اس سے قرآن کی تخصیص نہیں ہو سکتی۔ اسلئے حدیث سے صرف نظر کیا جائے گا اور قلیل وکثیر رضاع سے حرمت ثابت ہو جائے گی۔ حالاں کہ

صورت اسطرح نہیں۔ اولاً یہاں تخصیص کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بلکہ قرآن عزیز کے اطلاق کیساتھ قید لگائی گئی ہے۔

قرآن مجید میں جو چیز مطلقاً مذکور ہے۔ حدیث نے خمس رضعات سے اسے مقید فرما دیا۔

رہا خبر واحد کا مظنون ہونا تو یہ بھی کامیاب عذر نہیں۔ خود فقہاء حنفیہ نے قرآن عزیز کی تخصیص کئی مقام پر فرمائی ہے۔ فرضیت جمعہ کے لئے علی العموم سورہ جمعہ کی آیت سے استدلال فرمایا گیا ہے:

یاآیہا الذین امنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع (الجمعۃ ۹)

غلام، مسافر، عورت وغیرہ کا استثنار خبر واحد ہی سے عمل میں آیا ہے۔

مکر وہات کو جمعہ سے مستثنیٰ کرنے کے لئے مرفوع روایت بھی میسر نہیں آسکی وہاں صرف حضرت علی کے اثر سے ہی قرآن عزیز کی تخصیص کا کام لے لیا گیا۔ ع

دراز دستی ایں کوتاہ آستیناں بیں۔

شاہ صاحب سمجھتے تھے کہ ایسے ہی اصول جن کی ساخت کے ساتھ ان کی شکست کی بنیاد بھی رکھ دی گئی ہو، دین کی بنیاد اور اجتہاد و تفقہ کی اساس نہیں قرار پا سکتے اور حضرات ائمہ اصول اور فقہاء حنفیہ آیت کے اس احترام کو بھی قائم نہ رکھ سکے۔

معلوم ہے کہ آیت میں رضاع کی وجہ سے صرف ماں کی حرمت کا ذکر ہے۔ نص قرآن میں کسی دوسرے رشتہ کا ذکر نہیں لیکن حدیث شریف میں حضرت علی سے مروی ہے:

ان اللہ حرم من الرضاع ما حرم من النسب۔ (ترمذی ۲/۱۹۷)	جو رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہیں۔ رضاع کی وجہ سے بھی حرام ہوں گے۔"

اس مقام پر آیت کی وضاحت میں مزید وسعت حدیث سے ہوئی یہ زیادت خبر واحد کی بنا پر ہی کی گئی ہے۔

اسی طرح آیت میں مدت رضاع کا کوئی ذکر نہیں، کس عمر میں دودھ پیا جائے تو وہ حرمت میں موثر ہوگا۔ آیت اس میں خاموش ہے لیکن جمہور ائمہ کے نزدیک وہی رضاع مؤثر ہوگی جو بچے کی غذا بنے۔ حدیث شریف میں ام سلمہ سے مروی ہے:

لا یحرم من الرضاع الا ما فتق الامعاء وکان قبل الفطام۔ ھذا حدیث	" رضاع وہی موثر ہوگی جو دو سال سے پہلے ہو اور رگوں کی غذا بنے۔

حسن صحیح (ترمذی مع تحفہ ۲/۲۰۱)

دو سال کے بعد رضاعت کا کوئی اثر نہیں۔ مدت رضاع کا تذکرہ قرآن میں نہیں۔ یہ صراحت سنت میں ہے۔ جو قاعدہ تعیین رضعات کے متعلق بنایا گیا تھا مدت رضاع اور باقی رضاعی رشتوں کی حرمت کے سلسلہ میں اسے توڑ دیا گیا، اصول کتنا ہی مخدوش کیوں نہ ہو۔ شاہ صاحب ایسے اصول پر کیسے مطمئن ہو سکتے تھے۔

اہل حدیث بھی ان علوم کو پڑھتے ہیں لیکن وہ سنت کے بالمقابل کسی اصل کو قابل قبول نہیں سمجھتے جہاں قرآن اور سنت کسی امر کی صراحت کر دے وہاں کوئی اصل قبول نہیں کیا جاسکتا!

اگر اصول فقہ کو طالب علمی کی سراحت سے پڑھا جائے تو واقعی اس کی گرفت سخت ہوتی ہے۔ اگر ذرا گہرائی سے دیکھا جائے تو یہ اصول اس قدر وزنی نہیں رہتے شاہ صاحب ایسے اصول کیسے قبول فرما سکتے ہیں۔ اسی لئے انہوں نے بڑی جرأت سے فرمایا کہ مجھے فقہاء محدثین کی راہ پسند ہے اور یہی نصیحت انہوں نے اپنے تلامذہ اور اپنے متعلقین کو تلقین فرمائی۔

محدثین کی روش البتہ محدثین اور فقہاء عراق میں اتنا فرق تھا کہ وہ نصوص کی موجودگی میں قیاس کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے تھے گو استنباط اور اجتہاد کے اصول اس کے ظاہر الفاظ کے خلاف فیصلہ کا تقاضا کریں۔ فقہاء عراق رحمہم اللہ کا خیال ہے اصول نظر انداز نہیں ہوں گے۔ چنانچہ اگر شراب کا سرکہ بنالیا جائے تو یہ حلال ہی ہوگا اور ایسا کرنا درست بھی ہے، کیوں کہ جب کسی چیز کی صورت ہی بدل جائے تو اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے لیکن محدثین کا خیال ہے کہ سرکہ بنانا درست نہیں ــ اور اگر کوئی سرکہ بنا بھی لے تو حرمت بدستور قائم رہے گی، اسلئے اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ حدیث میں شراب سے سرکہ بنانے کی صراحۃً ممانعت آئی ہے۔

مال مسروق کی صورت اگر بدل جائے مثلاً غلہ اگر پیس دیا جائے یا جانور ذبح کر کے اس کا گوشت بنا دیا جائے تو فقہاء کرام کے نزدیک چور کے تمام تصرفات مالکانہ ہوں گے۔

فقہاء حدیث ان ظاہری تبدیلیوں کے باوجود سارق کے مالکانہ حقوق کو نہ تسلیم فرماتے ہیں نہ اسے مزید تصرفات کی اجازت دیتے ہیں۔

ان کا خیال ہے کہ اس مال میں گو بظاہر تبدیلی آگئی ہے لیکن چور بدستور چور ہے جب تک وصف موضوع معلوم اور ثابت ہے۔ تاویلات اور مفاد پر چور کو مالک نہیں کہہ سکتے۔

نص السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما کا مقصد یہ ہے کہ جب تک سارق، سارق ہے مال مسروق ہے اس کی خرید و فروخت جس طرح اس کی اصل صورت میں ممنوع ہے، اسی طرح تبدیل شدہ صورت میں بھی اس میں تصرف شرعاً درست نہیں بشرطیکہ سرقہ کا علم ہو۔

میرا یہ مطلب نہیں کہ فقہاء عراق کے پاس اپنے مسلک کی حمایت کے لئے کوئی دلیل نہیں۔ انہوں نے ان مسائل کو درست ثابت کرنے کے لئے بڑے دلائل اور نظر و فکر کی گہرائیوں سے کام لیا ہے۔ لیکن محدثین کا انداز فکر چونکہ بالکل مختلف ہے اسلئے وہ ان نکتہ نوازیوں پر مطمئن نہیں ہو سکے وہ بدستور ان مسائل کو ظاہر سنت کے خلاف سمجھتے رہے۔ ان نکتہ آفرینیوں کو رائے سے تعبیر کرتے رہے اور اہل الرائے کے دلائل حدیث و سنت کے مقابلہ میں ان کی تسلی نہ کر سکے۔ فقہاء نے اپنے اصول کی حمایت کے لئے احادیث کو نظر انداز کر دیا اور اگر ضرورت محسوس ہوئی تو ضعاف اور موقوفات کو قبول کر لیا۔

فقہ الحدیث کے اصول

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ائمہ حدیث کی فقہ یا فقہ الحدیث کے بنیادی اصول مندرجہ ذیل ذکر فرماتے ہیں:

۱۔ جب قرآن میں کوئی حکم صراحۃً موجود ہو تو اہل حدیث کے نزدیک کسی دوسری چیز کی طرف توجہ کی ضرورت نہیں۔

۲۔ اگر قرآن میں تاویل کی گنجائش ہو، مختلف مطالب کا احتمال ہو تو سنت کا فیصلہ ناطق ہوگا۔ قرآن کا وہی مفہوم درست ہوگا جس کی تائید سنت سے ہوتی ہو۔

۳۔ اگر قرآن کسی حکم کے متعلق بالکل ہی خاموش ہو تو عمل سنت پر ہوگا وہ سنت فقہاء میں متعارف اور معلوم ہو یا کسی شہر کے ساتھ مخصوص یا کوئی خاص خاندان اسے روایت کرے۔ کسی نے اس پر عمل کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ ائمہ حدیث اسے قابل استناد سمجھیں گے۔

۴۔ جب کسی مسئلہ میں حدیث مل جائے تو کسی مجتہد اور امام کی پرواہ نہ کی جائے گی اور نہ کوئی اثر قابل قبول ہوگا۔

۵۔ جب پوری کوشش کے باوجود حدیث نہ ملے تو صحابہ اور تابعین کے ارشادات پر عمل کیا جائے گا اور اس میں کسی قوم اور شہر کی قید یا تخصیص نہیں ہوگی۔

۶۔ اگر جمہور فقہاء اور خلفاء متفق ہو جائیں تو اسے کافی سمجھا جائے گا۔

۷۔ اگر فقہاء میں اختلاف ہو تو زیادہ متقی اور ضابطہ کی حدیث قبول کی جائے گی، یا پھر جو روایت زیادہ مشہور ہو اسے لیا جائے گا۔

۸۔ اگر علم و فضل، ورع و تقویٰ اور حفظ و ضبط میں سب برابر ہیں تو اس مسئلہ میں متعدد اقوال تصور ہوں گے جس پر جی چاہے عمل کرے، اس میں کوئی حرج نہیں، نہ اس میں کوئی سختی پیدا کیا جائے۔

۹۔ اگر اسمیں بھی تسکین بخش کامیابی نہ ہو تو قرآن و سنت کے عمومات اقتضاء اور ارشادات پر غور کیا جائے گا اور مسئلہ زیر بحث کے نظائر کے حکم کو دیکھا جائیگا اور حکم استخراج کیا جائیگا اصول فقہ کے مروجہ قواعد پر اعتماد نہ کیا جائیگا بلکہ طمانیت قلب اور ضمیر کے سکون پر اعتماد کیا جائیگا جسطرح متواتر روایات میں اصل چیز راویوں کی کثرت نہیں بلکہ اصل شے دل کا اطمینان اور سکون ہے۔

یہ (۹) اصول پہلے بزرگوں (صحابہ و تابعین) کے طریق کار سے ماخوذ ہیں۔ (حجۃ اللہ البالغہ ۱۱۶/۲)

اس وقت تحریک اہل حدیث

ابتدائی چار سو سال تک تقلید شخصی اور جمود کم تھا بلکہ پہلی صدی میں آج کی مروجہ تقلید کا رواج ہی نہیں تھا۔ اواخر صدی میں امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما پیدا ہوئے تھے۔ پھر بتدریج ائمہ کے مسالک کا رواج ہو تا گیا۔ اس وقت کے اہل حدیث علماء کے سامنے اہم مسئلہ یہ تھا کہ:

۱۔ لوگ قرآن عزیز اور سنت مطہرہ کی پابندی کریں۔

۲۔ اور ان کے سمجھنے میں اگر مشکل پیش آئے تو صحابہ اور تابعین کی روش پر اسے سمجھا جائے۔ فہم میں نہ جمود اور تقلید پیدا ہو نہ آزادی اور آوارگی راہ پائے بلکہ صحابہ کرام کے زمانہ اور انکے فتووں میں وقت کے مصالح کی بناء پر وسعت قائم رہے۔ علماء کے فتووں کو قرآن اور سنت کا قائم مقام نہ سمجھا جائے۔

حسن بن بشر معاذ سے نقل فرماتے ہیں اور معاذ امام اوزاعی سے:

قال کتب عمر بن عبد العزیز:

لا رأی لأحد فی کتاب اللہ وانما رأی	"کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے ہوتے
الائمۃ فیما لم ینزل فیہ کتاب ولم	ہوئے کسی شخص کی رائے کو کوئی اہمیت حاصل
تمض بہ سنۃ من رسول اللہ صلی.	نہیں۔ ائمہ کی آراء اس وقت قابل توجہ

اللہ علیہ وسلم ولا رأی لاحد فی ہیں جب نہ کتاب اللہ ہو نہ سنت رسول اللہ
سنۃ سنھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم۔ (سنن دارمی/۶)

ایک دوسرا اثر ملاحظہ فرمایئے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے خطبہ دیا۔

"اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کے بعد کوئی پیغمبر نہیں بھیجا، اور قرآن کے بعد کوئی کتاب نازل نہیں فرمائی۔ آنحضرت کی زبان سے جو حلال ہے وہی حلال ہے اور جو آپ نے حرام ٹھہرادیا وہی حرام ہے یہ حکم تاقیامت ہے، میں خود قاضی نہیں بلکہ آں حضرت کے فیصلوں کو نافذ اور جاری کرتا ہوں۔ میں پہلوں کا متبع ہوں۔ میں خود کچھ نئی چیز پیدا نہیں کرنا چاہتا میں تم سے بہتر نہیں ہوں لیکن مجھ پر تم سے ذمہ داری اور بوجھ زیادہ ہے۔ اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت ضروری نہیں۔ کیا میں نے سنا دیا۔ (دارمی/۶)

ان آثار سے اس وقت کی ذہنی حالت کا پتہ چلتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت علماء کے ذہن پر کیا خطرات محیط ہیں۔ اتباع سلف پر اعتماد کے ساتھ جامد پابندی اور آوارگی دونوں سے بچنا چاہتے ہیں۔ بدعت سے بھی پرہیز پیش نظر ہے اور اپنی حاکمانہ حیثیت سے بھی کوئی حکم منوانا پسند نہیں فرماتے۔ پوری توجہ اس طرف ہے کہ بدعت اور آوارگی نہ آنے پائے اور صداقت کی اشاعت جبر سے نہ ہو بلکہ ضمیر کی آواز اور محض اللہ کے لئے ہو۔

سنن دارمی کے ابتدائی ابواب پر غور فرمایئے:

باب اجتناب اہل الأھواء والبدع والخصومہ

باب اجتناب الأھواء فضل العلم والعلماء

باب التوبیخ لمن یطلب العلم لغیر اللہ

ان تمام ابواب در سلف اہل علم کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتاب و سنت کے بعد ائمہ سلف کے طریق کی پابندی ضروری سمجھتے ہیں۔ شخصی آرا وافکار اور تقلید جامد سے اذہان کو ہر قیمت پر آزاد رکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن اہل بدعت کی سی ذہنی آوارگی کسی قیمت پر بھی پسند نہیں کرتے۔

اس وقت کے علماء اہل حدیث کے سامنے چند کام ہیں۔ احادیث نبوی کا حفظ اور ضبط۔ احادیث میں تفقہ اور استنباط۔ بدعات اعتقادیہ اور عملیہ سے کلیۃً پرہیز۔

شاہ عبد العزیز علیہ الرحمہ سے ائمہ حدیث کے مذہب کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

"علمائے محدثین یک مذہب از مذاہب مجتہدین نے باشند۔ بس بعضا اعمال ایشاں مطابق کتب فقہ می باشند و بعضے دیگر مطابق کتب فقہ می باشند و بعضے مگر مطابق کتب دیگر" اھ (فتاویٰ عزیزی ۲/۱۱۷)

"ائمہ حدیث مروجہ مذاہب کے پابند نہیں ہوتے۔ فقہاء عراق باقی علمی مآخذ سے برابر استفادہ فرماتے ہیں۔" اھ

شاہ صاحب کے ارشاد سے واضح ہے کہ یہ ایک مستقل مکتبِ فکر ہے جس میں پابندی اور جمود نہیں۔

فتنۂ اعتزال جب عجمی اہلِ اسلام سے متاثر ہوئے، اسلام کی سادگی نے جہاں انہیں کافی حد تک اپنی تربیت میں لے لیا۔ وہاں ان لوگوں نے بھی اسلام کو متاثر کیا، یونانی علوم اور فلسفی نظریات اسلام کے بعض بنیادی عقائد سے ٹکرائے، صفاتِ باری کی حقیقت کیا ہے؟ باری تعالیٰ کے اتصاف کی نوعیت کیا ہے؟ صفات عین ذات ہیں؟ یا غیر ذات؟ حادث اور قدیم کے درمیان ربط کی کیا صورت ہے؟ بیسیوں مسائل و مباحث سطح ذہن پر ابھر آئے۔ یہیں سے اعتقادی بدعات کا آغاز ہوا۔ علماء سنت کو یونانی اسلحہ سے مسلح ہو کر ان مباحث کو حل کرنا پڑا۔ بدعات کے شیوع نے ایک دفعہ اہلِ علم کو حیرت میں ڈال دیا۔ امام احمد، علامہ عبدالعزیز کنانی وغیرہ نے اس وقت بڑی جرأت اور ثابت قدمی سے کام کیا۔ مامون رشید، واثق باللہ، معتصم باللہ، عمائد حکومت ان خیالات سے متاثر تھے۔ اس وقت ائمہ حدیث بے انتہا مشکلات میں مبتلا ہوئے۔

یہ اندازِ فکر تقریباً آٹھویں صدی تک چلتا رہا۔ یونانی فلسفہ سے ائمہ حدیث نے خم ٹھونک کر مقابلہ کیا۔ اس دور کی فرقہ پرستی کے لئے ابن حزم کی "الفصل" اور شہرستانی کی "الملل والنحل" علامہ ابو طاہر عبدالقادر بغدادی (۴۲۹ھ) کی الفرق بین الفرق المواعظ والاعتبار المقریزی ۱۴۱/۱ تا ۱۸۶ ملاحظہ فرمائیے۔

اسلام میں بدعی فرقوں کی کس قدر گرم بازاری رہی۔ آٹھویں صدی میں معلوم ہوتا ہے۔ علمائے سنت نے یونانی فلسفہ کو فاش شکست دیدی۔ یونانی نظریات کا تار پود بکھیر کر رکھ دیا۔ علمائے حدیث نے انہی کی زبان میں ان سے گفتگو کر کے انہیں یقین دلایا کہ وہ غلطی پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے متعلق ان کی معلومات سطحی ہیں اور اسلامی عقائد پر ان کے اعتراضات کی

حیثیت تلبیس نفس سے زیادہ نہیں۔

حضرات متکلمین عقائد کی اس دیرپا اور صبر آزما جنگ میں کچھ لوگ مخالفت کے باوجود فلاسفہ سے متاثر ہوئے۔ بعض نصوص میں انہوں نے تاویل کی، اسلامی نصوص کے لئے ایسے محامل تلاش کئے جو مسلک تفویض سے مختلف اور جدا تھے۔ لیکن ائمہ سلف اور ائمہ اربعہ کا تقریباً اجماعی عقیدہ تفویض تھا۔ احناف نے عموماً عقائد میں ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی کی راہ اختیار کی۔ شوافع کا زیادہ رجحان اشعریت کی طرف ہوگیا۔ ائمہ حدیث اور حنابلہ اپنی پرانی راہ پر قائم رہے۔ تاویل سے بچ کر انہوں نے امام احمد اور باقی ائمہ حدیث کی روش کو نظر سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔ بلکہ اس سادگی کو قائم رکھا جس کا دوسرا نام تفویض تھا اور عقائد میں ائمہ اربعہ متفق ہیں۔

تقلید کی تین راہیں یہ عجیب اتفاق ہے کہ چوتھی صدی کے قریب فقہی فروع میں تلفیق اور اتباع ہوا سے بچنے کے لئے اس دور کے عقلاء نے ائمہ اربعہ کی تقلید اختیار کرلی۔ اجتہاد کو بند کرنے کا فیصلہ کیا۔ صحابہ و تابعین کے زمانہ میں جس قدر وسعت تھی۔ تقلید شخصی و ذہنی جمود سے اسے روک دیا گیا۔ لوگوں کو خواہ مخواہ مجبور کیا گیا کہ وہ چار ائمہ سے کسی نہ کسی کی تقلید ضرور کریں۔ گو یہ شرعاً واجب نہیں مگر ضرورتاً اسے کالواجب سمجھنا چاہیئے۔

تھوڑی دور آگے بڑھ کر عقائد کے اختلافات میں امام ابوحنیفہ رح امام مالک رح اور امام شافعی رح کی جگہ اشعری اور ماتریدی کو دے دی گئی۔ یہ حضرات عقائد میں الگ ائمہ قرار پائے۔ گویا فقہی فروع میں الگ امام، عقائد میں اور امام ـ پھر ذرا اس سے آگے بڑھ کر جب تصوّف میں طبقاتی دور آیا۔ اسلامی زہد و ورع یا احسان میں جب بدعات شامل ہونے لگیں اور خانقاہی نظام نے پیشہ اور دوکانداری کی صورت اختیار کرلی تو اس وقت کے دانشوروں نے چند امام یا فرقے انتخاب کرلئے۔ یعنی حنفی اور شافعی، مالکی اور حنبلی۔ تصوف نقش بندی، قادری، سہروردی اور چشتی وغیرہ ہوگئے۔ گویا تین مختلف محاذوں پر ائمہ کے متبعین نے اپنے امام بدل لئے۔

یوں سمجھئے کہ امام ابوحنیفہ رح اور ان کے باقی رفقاء کی امامت فروع تک محدود ہوگئی وہ تصوف اور عقائد میں امام مقتدیٰ نہیں بن سکتے۔ ہمارے ملک میں احناف کی بریلوی قسم عموماً قادری ہیں حالانکہ شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فروع میں حنبلی تھے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف

میں دس فرقوں کا ذکر فرمایا ہے۔

اہلحدیث کی روش ان تمام مقامات میں بحمداللہ اہل حدیث کی روش ایک جیسی رہی، وہ فروع عقائد اور تصوف میں صحابہ کی اتباع کرتے رہے اور خانقاہی نظام کی بدعات سے اسی طرح نفرت کی جس طرح فروع میں جامد تقلید اور عقائد میں بے دینی کی بدعات سے انہیں نفرت تھی ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ان تمام مراحل میں ائمہ سلف کی اتباع کرتے اور وقت کی ہر بدعت سے برسرپیکار رہے ؎

اهل الحديث هموا اهل النبي

وان لم يصحبوا نفسه انفاسه صحبوا

یہی حال تقریباً حنابلہ کا رہا وہ اشعریت اور ماتریدیت سے بہت کم متاثر ہوئے۔ اہلِ حدیث نے کتاب وسنت کے فہم میں کسی فرد کی امامت کی بجائے ائمہ سلف اور صحابہؓ کو اپنا امام تصور کیا، اور فروع و عقاید واحسان اور تصوف میں ان بزرگوں کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ اور نہ شخصی آراء وافکار کو ائمہ سلف اور صحابہ کا بدل سمجھا۔ دراصل فتنوں کے دور عروج میں آزادی اور پابندی جمود اور آوارگی کے بین بین یہی صحیح حل تھا جسے ائمہ حدیث نے تلاش فرمایا اور عملاً صدیوں اس پر کاربند رہ کر آوارگی ذہن اور جمود کا مقابلہ کیا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) کی مجاہدانہ کوششیں صفحات تاریخ کی رونق ہیں۔ انہوں نے جہاں اعتزال اور تجہم کو دفن کیا اور ان کے تابوت میں آخری میخ ٹھونکی، وہاں رفاعی فرقہ کے فقیروں کے آگ میں کودنے کا چیلنج قبول فرما کر بدعی تصوف کو ہمیشہ کی نیند سلا دیا۔

وحسبه تلك تالله اللهم ارحمه رحمة واسعة

یہ جرأت مندانہ جہاد اس وقت عمل میں آیا جب کہ ارباب تقلید وجمود کی اکثریت بدعات میں مبتلا ہو چکی تھی.... بلکہ ان حضرات نے اصلاح کے پروگرام کی قدم قدم پر مخالفت کی۔ شیخ الاسلام کا یہ ارشاد کس قدر جاندار ہے۔

اهل الحديث في الفرق كالاسلام في الملل۔ (رد المنطق)

"منہاج السنۃ" کتاب "العقل والنقل" اور رسالہ "رد المنطق" اس موضوع پر انتہائی مفید معلومات سے بھرپور ہیں۔ شیخ الاسلام کی کتاب "الرد علی المنطقیین" میں اس قدر شگفتگی نہیں جس قدر رد المنطق میں

ہے۔ اس مختصر رسالہ میں شیخ الاسلام نے مسلک اہل حدیث کی حمایت اور ترجیح میں بڑی وسعت سے کام لیا ہے۔ شاید یہ بسط شیخ کی کسی دوسری کتاب میں نہ ملے۔ اس کتاب سے شیخ الاسلام کی روشن خیالی اور وسعت ظرف کا اندازہ ہوتا ہے۔

یونانی فلسفہ کی پسپائی

شیخ الاسلام اور ان کے رفقاء عالی مقام نے یونانی فلسفہ کی صرف مخالفت ہی نہیں فرمائی، بلکہ اس پر اسقدر بھرپور وار کئے کہ علماء کے علاوہ عوام میں بھی یونانی علوم اور یونانی نظریات کی کوئی علمی آبرو نہ رہی بلکہ ان کی جند ما ھنالك مھزوم من الاحزاب کی سی کیفیت ہوگئی اور صدیوں کی اعتقادی پابندیاں اور اس دور کی تقلید پر نزاعیں تقریباً ختم ہوگئیں، اور اعتزال و تجہم سے پیدا ہوئے فرقے ایک ایک کرکے تاریخ کے اوراق میں دفن ہوگئے۔ مذاہب و ملل اور ردو مناظرات کی کتابوں کے سوا یہ فرقے عملاً ختم ہوگئے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے تجدیدی کارناموں میں یہ اہم کارنامہ اور ائمہ حدیث کی مصالحانہ خدمات میں یہ سب سے عظیم الشان خدمت ہے۔

اللّٰھمّ تقبّل منھم کما تقبل من عبادك الصالحین

شیخ الاسلام اور ان کے رفقاء یونانی جارحیت کے خلاف تو کامیاب ہوگئے۔ لیکن تقلیدی جمود کے خلاف اس قدر کامیاب نہ ہو سکے جس قدر ظروف اور حالات کا تقاضا تھا بلکہ فقہی جمود تیز تر ہوگیا۔ ائمہ اربعہ کی حقانیت مسلمہ ہو جانے کے باوجود یہ چاروں حق پرور گروہ ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہوگئے۔ ہر ایک نے یہی سمجھا کہ حق حقیقۃً ہمارے یہاں فروکش اور تشریف فرما ہے۔ باقی ائمہ کی صداقت صرف ایک ظن ہے حضرت علامہ علاء الدین حصکفی درالمختار میں اشباہ والنظائر کے حوالہ سے فرماتے ہیں:

وفیھا اذا سئلنا عن مذھبنا ومذھب مخالفنا قلنا وجوبا مذھبنا صواب یحتمل الخطاء ومذھب مخالفنا خطاء یحتمل الصواب واذا سئلنا عن معتقدنا ومعتقد خصومنا قلنا وجوبا الحق ما نحن علیه والباطل ما علیه خصومنا ص ۱۰۵

جب ہمیں اپنے اور اپنے مخالف کی بابت پوچھا جائے تو ہم کہیں گے، کہ ہم یقیناً حق پر ہیں۔ احتمال ہے کہ ہمارا خیال غلط ہو جائے۔ ہمارا مخالف یقیناً خطا پر ہے، ممکن ہے اس کا خیال درست ہو، لیکن عقائد کے معاملہ میں ہم یقیناً حق پر ہیں اور ہمارے مخالف غلطی اور باطل پر ہیں۔

حالاں کہ عقائد میں پورا استدلال تاویل کا ایک نظر فریب جال ہے۔

ائمہ اربعہ کو حق پر ماننے کے بعد فکر کا یہ انداز ہ یقیناً مستحسن نہیں ہے۔ جب ائمہ اجتہاد کے متعلق معلوم ہے کہ وہ پیغمبر نہیں ہیں، بلکہ ان کی کوششیں مخلصانہ ہیں تو اس تنگ نظری سے کیا حاصل؟ لیکن تقلید وجمود کا یہ لازمی نتیجہ ہے۔ شخصی محبت میں افراط کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے مخالف کے متعلق تفریط کرے۔ اس کے محاسن کو بھی عیب کی نظر سے دیکھے۔ تقلید وجمود میں یہ بڑی ہی عیب ناک چیز ہے۔ اس میں عصبیت اور سوء ادب سے بچنا سخت مشکل ہے۔ تعجب ہے کہ یہ حضرات خود ازبس بے ادب ہیں لیکن الزام دوسروں کو دیتے ہیں۔

امام شافعیؒ کے متعلق عجیب روش

حضرت امام شافعیؒ کی ذہانت اور علمی رفعت کی بنا پر کوشش فرمائی گئی کہ انہیں اپنا شاگرد ظاہر کیا جائے اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں۔ علم امانت ہے جہاں سے ملے لے لینا چاہیئے۔ امام شافعیؒ نے یقیناً اپنے وقت کے اکابر سے علم حاصل کیا۔ فقہ اور حدیث دونوں اپنے وقت کے کامل اساتذہ سے سیکھے چنانچہ علامہ علاء الدین حصکفی ذکر فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ امام محمد کے تلامذہ سے تھے؛

ومن تلامذته الشافعی رضی الله عنه وتزوج بام الشافعی وفوض الیه کتبه وماله فسببه صار الشافعی فقیهاً۔ (در المختار برحاشیہ رد المحتار ۱/۵۲)	امام شافعیؒ امام محمد کے شاگرد تھے امام محمد نے امام شافعی کی والدہ سے نکاح کیا اور اپنی کتابیں اور اپنا مال امام شافعی کو دے دیا۔ اسی لئے امام شافعی فقیہ بن گئے۔

لیکن امام محمد کی فقہ سے ہمیشہ برسر پیکار رہے۔

پھر امام شافعی کا اقرار ذکر فرماتے ہیں:

والله ماصرت فقیهاً الا بکتب محمد بن الحسن (کتاب مذکور ۱/۵۳)	میں صرف امام محمد کی کتابوں سے فقیہ بنا۔

ذہبیؒ نے بھی ذکر کیا ہے؛

وکتب عن محمد بن الحسن الفقیه وقر بختی الخ (تذکرۃ الحفاظ ۱/۳۲۹)	امام محمد فقیہ سے امام شافعی نے اونٹ کا بوجھ نقل فرمایا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا امام محمد سے استفادہ فرمانا کوئی عیب کی بات نہیں، امام محمد تو اکابر ائمہ سنت ہیں۔ ائمہ حدیث علم کے معاملہ میں اس قدر وسیع النظرف تھے کہ تنقید اور تنقیح کے بعد وہ اہل بدعت سے بھی تحصیلِ علم میں کوئی عیب نہیں سمجھتے تھے۔ مستند کتبِ حدیث میں ان لوگوں سے احادیث مروی ہیں جن کو ائمہ حدیث دین کے لحاظ سے پسند نہیں فرماتے تھے اس لئے امام محمد سے تلمذ ائمہ سنت کی خوبی ہے۔

امام شافعیؒ ایسے شاگرد تھے جن کی مناظرانہ استعداد سے امام محمد کئی دفعہ خاموش ہو جاتے چنانچہ اخبار آحاد کی حجیت، شاہد اور یمین کے ساتھ فیصلہ لا وصیۃ لوارث، وغیرہ مسائل پر امام شافعی نے مسکت گفتگو فرمائی۔ (رحمۃ اللہ)

اہل علم میں تعلیم و تعلم اور بحث و نظر میں کوئی حرج نہیں۔ یہ امام شافعی اور امام محمد دونوں کے لئے باعث فضیلت ہے ایسے شاگرد پر جس قدر فخر کیا جائے بجا ہے۔

امام شافعیؒ کی تنقیص

ایک طرف تو امام شافعیؒ کی شاگردی پر فخر ہے۔ دوسری طرف جب امام شافعیؒ نے بعض فقہائے عراق کے بعض مسائل پر تنقید فرمائی تو حضرت امام شافعیؒ پر اعتراضات شروع ہو گئے اور جاہل تک کہہ دیا گیا۔ اصول بزدوی اور اس کی شرح کشف الاسرار سے لے کر اصول شاشی تک ہر بزرگ کو دیکھئے امام شافعی کی اجتہادی مسائل کو جہالت سے تعبیر کیا ہے۔ بعض نے امام شافعی کا صراحت سے نام لیا ہے۔ بعض نے مسائل کا ذکر کر کے انہیں جہالت سے یاد فرمایا ہے:

وکذلک جهل من خالف فی	اسی طرح ائمہ فقہ اور مجتہدین کی جہالت بھی
اجتهاده الکتاب والسنة من	عند اللہ عذر نہیں ہو سکتی جس میں کتاب اللہ
علماء الشریعة وائمة الفقه	اور سنت مشہورہ کی مخالفت کی ہے یا کسی
او عمل بالغریب من السنة	غریب حدیث پر عمل کیا ہے۔ یہ جہالت مردود
علی خلاف الکتاب والسنة المشهورة	اور باطل ہوگی جیسے ام ولد کی بیع کا فتویٰ قسامہ
فمردود باطل لیس بعذر اصلا	میں، قصاص کا فتویٰ یا جس جانور پر بوقت
مثل الفتوی ببیع امهات الاولاد	ذبح عمداً اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کی حلت کا
ومثل القول فی القصاص فی	فتویٰ اور مدعی کی قسم اور ایک گواہ

القسامة وشل استباحة متروك التسمية کی بنا پر مدعا علیہ کے خلاف ڈگری

عمدا والقضاء بالشاهد واليمين۔ اھ کی اجازت۔ ر

(۱) اس کی تفصیل اسطرح ہے کہ امام داؤد ظاہری کا خیال ہے کہ ام ولد کی بیع درست ہے یعنی اس لونڈی کی جس کے بطن اور اس کے مالک کی پشت سے اولاد ہو، جمہور ائمہ سید کی موت کے بعد اس کی بیع کو درست نہیں سمجھتے۔ لیکن داؤد ظاہری بعض احادیث کی بنا پر اسے درست سمجھتے ہیں۔ یہ ان کی "جہالت" ہے۔

(۲) کسی محلہ میں میت پائی جائے لیکن قاتل معلوم نہ ہو۔ امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام شافعی فرماتے ہیں۔ اگر اہل محلہ اور مقتول میں سابقہ دشمنی اور باہم خلش کا علم ہو تو قاضی مقتول کے ولی سے پچاس قسمیں لے کر قاتل کی تعیین کے بعد قصاص کی اجازت دے گا۔ احناف کرام اور حضرت ائمہ اصول کے نزدیک یہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کی "جہالت" ہے، (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ)

(۳) امام شافعی کا خیال ہے کہ اگر ذبیحہ پر بوقت ذبح جان بوجھ کر بھی خدا کا نام نہ لیا جائے لیکن ذبح کرنے والا مسلمان ہو تو گویہ فعل درست نہیں لیکن ذبیحہ حلال ہے احناف اسے امام شافعی کی "جہالت" سے تعبیر فرماتے ہیں۔

(۴) اسی طرح اگر مدعی کے پاس دو گواہ نہ ہوں تو مدعی خود قسم کھائے اور ایک گواہ دے دے تو امام شافعی اجازت دیتے ہیں کہ قاضی اس صورت میں مدعی کو ڈگری دے دے۔ ائمہ حنفیہ کا خیال ہے کہ یہ امام شافعی کی "جہالت" ہے۔

مسائل میں اختلاف ہو سکتا ہے اور مجتہدین کو حق پہنچتا ہے کہ اپنی تحقیق کے مطابق فتویٰ دیں، اتباع کو حق ہے کہ اپنے امام کی رائے کے مطابق عمل کریں مگر تلخ اور ترش زبان تو بے حد نامناسب ہے۔ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے متعلق بھی ایسی زبان اختیار نہیں کرنی چاہیے چہ جائیکہ ائمہ اجتہاد کے متعلق یہ لب و لہجہ اختیار کیا جائے پھر بھی بے ادب غیر مقلد ٹھہریں۔ کیا یہ تقلیدی جمود اور اس میں غلو کا نتیجہ نہیں ؟

کشف الاسرار میں علامہ شیخ عبدالعزیز (۷۳۰ھ) نے متن کی شرح فرماتے ہوئے ائمہ کے اسماء کا تذکرہ فرمایا ہے جن کے اجتہادات کو علامہ بزدوی نے جہالت سے تعبیر فرمایا ہے لیکن

اس تیز لب ولہجہ کے متعلق ایک حرف بھی نہیں فرمایا۔

حسامی نے تھوڑے سے اختصار کے ساتھ اصول بزدوی کے الفاظ نقل فرما دیئے ہیں اور وہی امثلہ جو بزدوی نے بیان فرمائی ہیں بطور توارث نقل کر دی ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب بزرگوں پر رحم فرمائے۔ یہ دورِ جمود کی بڑی تلخ اور ناپسندیدہ یادگار ہے اور بعض بزرگوں کے ساتھ محبت میں غلو کا نتیجہ۔

حسامی کے شارح عبدالحق حقانی رحمہ اللہ نے نامی میں دو لفظ فرمائے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں یہ زبان اور انداز پسند نہیں۔ فرماتے ہیں؛

وکل واحد یجهل الأخر فیما	ہر ایک اپنے مخالف کو جاہل اور سنت
خالفه ویقول انه مخالف للسنة	کے مخالف کہتا ہے۔

(نامی مجتبائی ۱۴۷)

المنار میں ماتن نے صرف امہات اولاد کا ذکر کیا ہے لیکن شارح ملاجیون نے امثلہ میں پوری تفصیل کی ہے۔ امام شافعی اور امام داؤد ظاہری کا نام صراحتہً لیا ہے اور آخر میں فرماتے ہیں؛

وقد نقلنا کل هٰذا علی نحو ما	ہم نے یہ سب کچھ اس لئے نقل کیا ہے کہ ہمارے
قال اسلافنا وان کنا لم نجتو	پہلے بزرگوں نے ایسا ہی فرمایا ہے ورنہ ہم
علیه اھ (نورالانوار ۲۹۸)	یہ جرأت نہ کرتے۔

گویا یہ تلخ بیانی یا غلط نوازی حضرات سلف کی اتباع میں ہوگی۔ ورنہ ملاجیون خود اس کے لئے آمادہ نہ تھے۔ عذر گناہ، گناہ سے بھی عجیب رہا۔ یہ سب دورِ جمود و عصبیت کی نوازشیں ہیں، ورنہ نہ شافعی ایسے کمزور ہیں نہ ان کے اتباع اتنے کم سواد کہ صریح کتاب وسنت کے خلاف فتویٰ دیں۔ یہ معلوم ہے کہ متاخرین فقہاء حنفیہ اور ائمہ اصول سے ائمہ شوافع کی کتاب وسنت پر نظر زیادہ وسیع اور عمیق ہے۔ علماء حدیث کی تعداد شوافع میں کافی زیادہ ہے۔

یہ جمود و تقلید کے لوازم سے ہے۔ فرط محبت میں اپنے مخالف کے ساتھ تلخی اور بے ادبی قرین قیاس ہے۔

اس دور کے علماء اہل حدیث نے اس جمود کے خلاف اپنا پورا زور لگایا۔ اس جمود اور اس کے مضرت رساں اثرات اور طوفان خیز نتائج کا اندازہ حافظ ابن قیم کی کتاب "اعلام الموقعین" "زاد المعاد" "الطرق الحکمیۃ" وغیرہ سے ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے تلمیذ اور قریب ترین اہل علم میں حافظ ذہبی (۷۴۸ھ) سابقہ بدعات کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتے ہوئے عباسی دور کی اعتقادی اور ملحدانہ یورش کا تذکرہ فرماتے ہیں:

وفی هذا الزمان ظهر بالبصرة عمرو بن عبید العابد وواصل بن عطاء الغزال ودعوا الناس الی الاعتزال والقدر وظهر بخراسان الجهم بن صفوان ودعا إلی تعطیل الرب عزوجل وخلق القرآن وظهر بخراسان فی قبالة مقاتل بن سلیمان المفسر وبالغ فی اثبات الصفات حتی جسم وقام علی هؤلاء علماء التابعین وائمة السلف وحذروا من بدعهم وشرع الکبار فی تدوین السنن وتالیف الفروع وتصنیف العربیة ثم کثر ذلک فی ایام الرشید وکثرت التصانیف وألفوا فی اللغات واخذ حفظ العلماء ینقص ودونت الکتب واتکلوا علیها وانما کان قبل ذلک علی الصحابة والتابعین فی الصدور فهی کانت خزائن العلم لهم رضی الله عنهم (تذکرة الحفاظ ۱/۱۵۰)

اس وقت بصرہ میں عمرو بن عبید اور واصل بن عطاء کا ظہور ہوا۔ وہ لوگوں کو اعتزال اور انکار تقلید کی دعوت دینے لگے اور خراسان میں جہم بن صفوان نے تعطیل صفات اور خلق قرآن کی دعوت دی اور خراسان ہی میں مقاتل بن سلیمان مفسر نے صفات کی دعوت اس طرح دی جس نے تجسیم کا شبہ ہونے لگا۔

علماء سلف اور ائمہ تابعین نے انکے خلاف دعوت دی اور ان کی بدعتوں سے لوگوں کو ڈرایا اور اکابر ائمہ حدیث سنت کی تدوین اور فروع کی تصنیف میں مشغول ہو گئے عربی زبان کے علوم کی تدوین کثرت سے ہوئی۔ یہ ہارون رشید کے دور حکومت کی حالت ہے۔ اسی زمانہ میں کتب لغت کی تالیف ہوئی اور علماء کا حفظ کم ہونے لگا اور کتابوں پر زیادہ اعتماد ہونے لگا اس سے پہلے صحابہ اور تابعین کا علم سینوں میں تھا اور ان کے سینے علم کے خزانے تھے۔

یہ اعتقادی بدعات کا دور تھا اور ائمہ حدیث کی اس باب میں مساعی تھیں ان کا مختصر تذکرہ حافظ ذہبی نے فرمایا ہے۔ وہ اپنے وقت کے فقہاء اور ائمہ حدیث کا سلف کے اہل علم سے موازنہ فرماتے ہوئے تقلید و جمود کے اثرات کا تذکرہ دل گداز انداز سے فرماتے ہیں:

ابو محمد فضل بن محمد (۲۰۲ھ) کے تذکرہ کے بعد فرماتے ہیں:

"اس وقت کے قریب قریب ائمہ حدیث کی بڑی تعداد موجود تھی۔ جن کا تذکرہ میں نے تاریخ میں کیا ہے۔ یہاں میں نے اس کا عشر عشیر بھی ذکر نہیں کیا۔ اسیطرح اس وقت ائمہ اہل الرائے اور فروع سے بھی کثیر جماعت تھی اور شیعہ متکلمین اور معتزلہ سے بھی بڑے بڑے اساطین موجود تھے، جو معقول کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ اور اتباع سلف اور آثار نبویہ سے بے پرواہ تھے اور فقہا میں تقلید نمایاں ہو چکی تھی اور اجتہادات میں تناقض ظاہر ہو چکا تھا۔ اللہ پاک ہے جس کے قبضہ میں خلق اور امر ہے۔

اے شیخ! خدا کی قسم اپنے آپ پر رحم کرو اور انصاف کی نگاہ سے دیکھو اور ان کی طرف غلط نگاہ مت ڈالو اور ان کے نقائص کی تلاش مت کرو اور یہ مت خیال کرو کہ وہ آج کل کے محدثین کی طرح ہیں۔ حاشا و کلا۔ میں نے جن ائمہ حدیث کا ذکر کیا ہے وہ دین میں پوری بصیرت رکھتے تھے اور نجات کی راہ کو خوب سمجھتے تھے۔ ہمارے زمانے کے بڑے بڑے محدث بھی علم و بصیرت میں ان کا لگا نہیں کھا سکتے تھے۔

میں یقین رکھتا ہوں کہ تم اپنی ہوا پرستی کی وجہ سے اگر کھلے طور پر نہ کہہ سکے تو بزبان حال کہو گے کہ احمد بن حنبل کیا چیز ہے؟ ابن مدینی کون ہے؟ ابو داؤد اور ابوزرعہ کی کیا حقیقت ہے؟ یہ صرف محدث ہیں انہیں فقہ کا پتہ ہی نہیں نہ وہ اصول سے واقف ہیں نہ انہیں معلوم ہے کہ رائے کیا چیز ہے؟ نہ وہ معانی اور بیان کے وقائع کو سمجھتے تھے۔ نہ وہ منطق کی باریکیوں کو جانتے تھے۔ نہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی پر دلائل دے سکتے تھے۔ نہ فقہائے ملت میں ان کا کہیں تذکرہ پایا جاتا ہے یا تو علم سے چپ رہو یا علم سے بات کرو مفید علم وہی ہے جو ان حضرات سے منقول ہے۔

تمہارے فقیہ تو ہمارے آج کل کے محدثین کی طرح ہیں۔ نہ ہم کچھ چیز ہیں، نہ آپ ہی کچھ جانتے ہیں۔ اربابِ فضیلت کی قدر اہل فضل ہی جانتے ہیں جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اپنی کمزوری کا اعتراف کرتا ہے جو کبر وغرور اور شر پسندی سے گفتگو کرتا ہے اس کا معاملہ خدا پر چھوڑ دو۔ اس کا انجام وبال ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے معافی وسلامتی چاہتے ہیں۔"
(تذکرۃ الحفاظ/۸۲۔ ذہبی/۲)

حافظ ذہبی نے اپنے وقت کے اس مرض کو جس دردانگیز طریقہ سے بیان فرمایا اور جس ہمدردی سے ذکر کیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ آٹھویں صدی میں جمود اور شخصیت پرستی کس قدر بڑھ چکی ہے اور حافظ ذہبی اس سے کس قدر خائف اور متأثر ہیں اور اس کے عواقب اور نتائج سے ائمہ حدیث کی دوراندیش نظریں کس قدر آگاہ ہیں۔

اور عجیب بات یہ ہے کہ اہل حدیث کے خلاف آٹھویں صدی ہجری میں بھی وہی اسلحہ استعمال ہوتے تھے جو آج زنگ آلود شکل میں آج استعمال ہو رہے ہیں۔ یہ فقیہ نہیں یہ عطار ہیں۔ اصول سے ناآشنا ہیں۔ منطق نہیں جانتے۔ عقلی دلائل سے بے خبر ہیں۔ علم کلام انکے اذہان سے بالا ہے۔

یہ وہی زنگ آلود اور بوسیدہ اوزار ہیں جو فلاسفۂ یونان نے متکلمین کے خلاف استعمال کئے اور فقہا کرام نے ائمہ حدیث کو ان معائب سے مطعون کیا اور اب حضرات اربابِ تقلید ان لوگوں کے خلاف استعمال فرماتے ہیں جو اس وقت آزادیٔ فکر کے حامی ہیں۔ چاہتے ہیں کہ جب ائمہ مجتہدین حق پر ہیں تو ان سب کے اجتہادات کیوں قابلِ عمل نہ سمجھے جائیں؟ چار کی تحدید اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے نہیں فرمائی۔ بعض اوقات حکومتوں نے اپنے مقاصد یا امن عامہ کی حفاظت کے لئے کی، اس کے لئے شرعاً اس کی کوئی سند نہیں پائی گئی۔

اگر کسی شخص کو قرآن وسنت میں مناسب بصیرت نہ ہو تو وہ ائمہ اجتہاد کے علوم سے بلا تعیین استفادہ کرے۔ جب سب مجتہدین حق پر ہیں تو حق کو تقسیم کیوں نہ کیا جائے۔ تعیین شخص کا تقسیم کے سوا کوئی مطلب نہیں!

بیشک تلفیق سے روکا جائے، اتباعِ ہوا سے منع کیا جائے لیکن ہر شخص کی نیت پر مسلط ہونے کی کوشش نہ کی جائے۔ خفیات اور سرائر کو اللہ تعالیٰ عالم الغیب کے سپرد کیا جائے، یا پھر اس قوت کی تحویل پر اعتماد کیا جائے۔ جو ملک کے نظم ونسق اور قیامِ امن

کی ذمہ دار ہے۔ لیکن انسانی اذہان وافکار، عقل وبصیرت اور نظر واجتہاد پر تالے ڈالنے کی کوشش نہ کی جائے۔ یہ انسانیت پر ظلم بھی ہے اور اس کی توہین بھی اور علم وبصیرت کے مترادف بھی!

حافظ ذہبی، حضرت عبداللہ بن مسعود کے مناقب، وسعتِ علم اور ان کے تفردات اور اختیارات کا ذکر فرماتے ہوئے اپنے دور کے شخصی جمود کا تذکرہ عجیب انداز سے فرماتے ہیں:

"حضرت عبداللہ بن مسعود کی سیرت اگر لکھی جائے تو تقریباً نصف جلد اسی میں سما جائے وہ کبار صحابہ سے تھے۔ وہ نہایت وسیع العلم اور ہدایت کے امام تھے۔ اس کے باوجود فروعی مسائل اور قرأت میں ان کے کچھ تفردات تھے، جو کتابوں میں موجود ہیں اور ہر امام کی بعض باتیں لے لی جاتی ہیں اور بعض نظر انداز کر دی جاتی ہیں سوائے امام الاتقیاء صادق مصدوق نبی الرحمہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو معصوم اور امین ہیں۔ اس عالم پر تعجب ہے کہ جو کسی خاص امام کی تقلید کرے باوجودیکہ اسے ان نصوص کا علم ہے جو اس کے امام کے خلاف پائی جاتی ہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ اھ (تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۵)

جمود کے خلاف ہر دور کے علماء نے بہت کچھ کیا ہے۔ ابوشامہ شاطبی ابن قدامہ ایسے مشاہیر نے اس مرض کے خطرات سے آگاہ فرمایا۔ ابن قیم فرماتے ہیں:

العلم معرفۃ الھدی بدلیلہ ماذاك والتقلید یستویان

اداجمع العلماء ان مقلدا للناس کالاعمیٰ ھما اخوان

علم معرفت بالدلیل کا نام ہے۔ تقلید اس کے مساوی اور مرادف نہیں ہو سکتی۔

علماء کا اجماع ہے کہ تقلید نابینگی کے مرادف ہے۔

میں نے اس مقام پر ذہبی کے تاثرات کو اسلئے ذرا تفصیل سے لکھا ہے، کہ ذہبی مختلف مکاتب فکر میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ ان کی نظر تاریخی لحاظ سے اور رجال میں بہت وسیع ہے۔

بحر العلوم مسلم الثبوت کی شرح میں ذہبی کے متعلق فرماتے ہیں:

قال الذھبی ھو من اھل الاستقراء التام فی نقل حال الرجال۔ (بحر العلوم ۲/۱۴۴)

ذہبی کا استقراء اسماء الرجال میں بہت کامل ہے۔

ذہبی نے فکر کے جمود اور تقلید کے متعلق ان ممالک کا حال لکھا ہے۔ جو ارض حرم کے قریب اور دینی علوم کے لئے مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہندوستان جیسا ملک جو علوم نبوت سے پہلے ہی کافی دور ہے۔ جہاں محققین کی پہلے ہی کمی ہے یہاں کے حالات تو اور بھی خراب ہوں گے۔

غزالی فرماتے ہیں:

فان خاض المقلد فی الحاجۃ فذالک منہ فضول والشغل بہ صار کضارب فی حدید بارد وطالب لصلاح الفاسد وھل یصلح العطار ما افسد الدھر

مقلد کے ساتھ بحث ٹھنڈا لوہا کوٹنے کے مرادف ہے۔ عطار وقت کی بگڑی کو نہیں بنا سکتا۔

ہندوستان میں اسلام

معلوم ہے کہ ہندوستان میں فاتحین اسلام دو راستوں سے آئے۔ سندھ کی راہ سے اور ایران کی راہ سے پہلا لشکر محمد بن قاسم کی قیادت میں پہلی صدی کے اواخر میں پہنچا[1]۔ اس وقت ائمہ اربعہ سے امام ابوحنیفہ کے سوا باقی ائمہ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ حضرت ابوحنیفہ کے لئے یہ دور طالب علمی کا تھا اور امامت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ یہ لشکر اہل حدیث تھا اور موجودہ تفریق سے بےخبر ان کا مسلک تقریباً وہی تھا جو آجکل اہلحدیث کا ہے۔ یعنی بلاتخصیص شخص، مسائل اہلِ علم سے پوچھتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے۔ اسی لئے عامۃ المسلمین میں اس وقت تعصب ناپید تھا۔ دوسرا حملہ ایران کی راہ سے ہوا۔ یہ فاتح عموماً حنفی تھے۔ انہی کی وجہ سے ہندوستان میں حنفیت پورے زور سے پہونچی اور اس وقت تک احناف کی ملک میں کثرت ہے اور عوام و خواص میں عصبیت بھی ہے۔ الا من رحم۔

یہ علاقے مرکز سے کافی دور اور علوم کی برکات سے بے حد تشنہ رہے۔ یہاں کے علماء عموماً حجاز میں اقامت اور ہجرت کو ترجیح دیتے رہے۔ ان حالات میں اگر یہاں جمود ہو،

---

[1] ہندوستان پر پہلا حملہ ۹۴ھ میں ہوا۔ اس وقت ولید بن عبدالملک خلیفہ تھے۔ حجاج بن یوسف گورنر اور محمد بن قاسم قائد جیوش۔ محمد بن قاسم کے یہ حملے ۹۵ھ تک جاری رہے۔ ملتان سے قنوج تک ان کی فوجیں پہنچیں۔ دوسرا حملہ چوتھی صدی ہجری میں سلطان محمود غزنوی نے کیا۔ اس وقت مذاہب اربعہ کا رواج کسی قدر ہو چکا تھا۔ غزنویوں کے بعد حکومت غوریوں کی طرف منتقل ہو گئی۔ ۱۲

تحقیق اور اجتہاد سے عوام نفرت کریں تو اس میں تعجب نہیں۔ جمود کے ایسے علاقوں میں مستبعد نہیں۔ اس صورت حال کے پیشِ نظر برصغیر ہندوستان و پاکستان کے حالات عرب سے کہیں ابتر ہونے چاہئیں۔ اس کا تذکرہ حافظ ذہبی نے فرمایا ہے یہاں کی حکومت اکثر جاہل اس کے ساتھ حکام میں بے علمی اور بد عملی دونوں کارفرما تھیں۔ علماء اور فقراء بھی اپنے مقام سے ہٹ چکے تھے۔

علامہ صغانی (۶۵۰ھ) کے بعد یہاں چند گنے چنے بزرگ نظر آتے ہیں۔ شیخ علی المتقی (۹۷۵) شیخ محمد طاہر پٹنوی شہید (۹۸۶ھ) اور سب سے آخر میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲) جہاں اکبر ایسے فاسق بادشاہ اور ملا مبارک کا خاندان ملک کے دروبسط پر محیط ہوں۔ فواحش اور فسق و فجور کی حکومت کی طرف سے حوصلہ افزائی ہو، وہاں تقلید و جمود سے آگے ذہن کہاں تک پرواز کر سکتے ہیں، اور یہ چند مخلص بزرگ بدعت اور شرک کے ان جھگڑوں اور آندھیوں کا کہاں تک مقابلہ کر سکتے ہیں!

اس آخری دَور میں شیخ عبدالحق (۱۰۵۲ھ) کا وجود غنیمت ہے۔ وہ اپنے وقت کے محدث ہیں۔ ان کے وجود سے دہلی اور دہلی کے اطراف میں حدیث کا چرچا ہوا۔ ان کی رجال پر نظر ہے لیکن نقل روایت میں حافظ سیوطی کے بعد شاید ہی کوئی اس قدر غیر محتاط ہو۔ ان کی مدارج النبوت میں سیرت کے متعلق بڑی جامعیت ہے۔ لیکن اضعاف اور موضوعات کا ذخیرہ بھی۔ حضرت شیخ نے جمع فرما دیا ہے پھر وہ تصوف کی مخترعات اور وقت کی دوسری بدعات کے خلاف کھل کر کچھ کہنا نہیں چاہتے، بلکہ ان کا رجحان حمایت کی طرف ہوتا ہے۔ وہ سطحیات کے دل دادہ ہیں۔

ان کے رجحانات کا یہ حال ہے کہ سفر السعادۃ ایسی محققانہ اور محدثانہ کتاب کی شرح لکھی اور اسے جمود سے ہم آہنگ کرنے کی بھرپور کوشش فرمائی۔ جہاں اتنے بڑے اکابر محدثین کا یہ حال ہو، وہاں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی تجدیدی مساعی اور ابن القیم کے تنقیدی کارناموں کا کیا اثر ہو سکتا ہے۔ مولانا عبدالحئی لکھنویؒ بحوالہ حافظ سخاوی لفظ شیخ الاسلام کے غلط استعمال کا شکوہ فرماتے ہیں اور اس کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ثم اشتهر بها جماعة من علماء	شیخین (حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ) کے
السلف حتى ابتذلت على رأس المأة	بعد سلف سے ایک جماعت کے لئے یہ لقب

الثامنة فوصف بها من لا يحصى وصارت لقب الّن ولى القضاء الاكبر ولو عرى عن العلم والسن فإنا لله وإنا اليه راجعون) انتهى كلام السخاوى قلت ثم صارت الآن لقبا لمن تولى منصب الفتوى وان عرى عن لباس العلم و التقوى۔

(الفوائد البهيه /۱۰۱)

مشہور ہوا۔ پھر آٹھویں صدی میں یہ لقب ایسا عام ہوا کہ جسے قضاء کبریٰ کا عہدہ ملا وہی شیخ الاسلام کے لقب سے مشہور ہوگیا اور بیشمار شیخ الاسلام ہوگئے اگرچہ علم اور عمر کے لحاظ سے وہ کچھ بھی اہمیت نہ رکھتے ہوں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا عبدالحئی فرماتے ہیں" پھر یہ لقب ان لوگوں کے لئے مخصوص ہوگیا جو منصب افتاء پر کسی طرح قابض ہوگئے گو وہ علم اور تقویٰ سے قطعاً تہی دست ہوں۔

اواخر تیرہویں صدی تک علم کے دروس وانحطاط کا حال ظاہر ہے۔ علم وتقویٰ کی بجائے القاب پر زور ہے جس قدر علم کم ہوگا اسی قدر جمود بڑھے گا۔ لوگ دوسروں کا سہارا لینے کی کوشش کریں گے۔ ضرورت کے لحاظ سے اسے کوئی واجب کہے یا مباح لیکن ہے تو ایک لاعلمی کا کرشمہ۔ اسی لئے اس دور میں سارا زور القاب پر آگیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی اصلاحی کوششوں کے بعد اعتقادی بدعات کی جگہ عملی بدعات نے لے لی۔ موت اور شادی کے مواقع پر ہندوؤں سے یہ رسوم اور بدعات مستعار لے لی گئیں۔ حکومتوں کے ایوانوں سے لے کر غریب کی جھونپڑیوں تک یہ اندھیرا چھا گیا۔ علماء کا کام بھی محض حیل کی تلاش رہ گیا، اور شرعی احکام کو ٹالنا فقہ کی انتہا قرار پا گئی۔

آخری دینی کوشش فتاویٰ عالمگیری کی تدوین ہے۔ وہ بھی آخر یہی کہ مخصوص آراء کو جمع کر دیا گیا اور حکومت کی سرپرستی سے اسے اعتماد کی صورت حاصل ہوگئی۔

حافظ ذہبی کی زبان سے اپنے وقت اور اپنے ماحول کے جمود اور تقلید معین کا شکوہ آپ سن چکے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا انتقال ۷۴۸ھ میں ہوا۔ اس دور کے متعلق حافظ ذہبی نے شکایت فرمائی ہے کہ" لوگ تحقیق کی بجائے تقلید کی طرف زیادہ مائل ہیں۔ اپنی تقلید اور اپنے علم پر اعتماد کی بجائے دوسروں کے فہم پر اعتماد اور دوسرے کے سہارے پر زندہ رہنا پسند کرتے ہیں۔ اور حقیقت یہی ہے۔ اگر دماغی قویٰ اور قوت فکر اور شعور کو استعمال نہ کیا جائے تو وہ

اپنا عمل چھوڑ دے گی اور معطل ہو کر رہ جائے گی۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ائمہ سلف کے بعد علم اور تفقہ بتدریج کم ہو رہا ہے۔ کتابت اور تذکروں نے حافظوں کو کافی حد تک کمزور کر دیا ہے۔ محدثین کے حافظوں کا ذکر کیا جائے تو لوگ اسے افسانہ سمجھتے ہیں۔ فقہار کی دوراندیشیوں اور نکتہ زائیوں کا تذکرہ آجائے تو خواص امت تک حیرت میں کھو جاتے ہیں یہ ساری مصیبت جمود نے پیدا کی۔ بڑے بڑے ہوش مند اہل علم احساس کمتری میں مبتلا نظر آئیں گے۔

اس عمومی ابتلار کے باوجود جمود بتدریج اذہان پر چھا گیا ہے۔ زمانہ میں ایسے بزرگ بھی ملیں گے جو اپنی نظر سے دیکھتے ہیں، اپنی سمجھ سے سوچتے ہیں۔ منقولات کے فہم میں انہیں اپنے علم اور اپنی فراست پر بجا طور پر اعتماد ہے اور کسی کی تقلید کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

تذکرۃ الحفاظ

حافظ ذہبی نے فن رجال میں دو کتابیں لکھی ہیں: "میزان الاعتدال" اور "تذکرۃ الحفاظ" میزان میں تو عموماً ضعیف اور مجروح رواۃ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ تذکرۃ الحفاظ کی چار جلدیں ہیں۔ جن میں حفاظ کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔ اکیس طبقات ہیں۔ پہلی اور دوسری جلد میں دس طبقات کا ذکر ہے۔ تیسری اور چوتھی میں گیارہ طبقات مرقوم ہیں۔ کل اکیس طبقات ہوئے اور ان میں تقریباً گیارہ سو انیس ائمہ کا ذکر فرمایا ہے بعض ائمہ کا ذکر ضمناً آیا ہے اور بعض کا تذکرۃً ذکر فرمایا ہے۔ اس تعداد کے علاوہ حافظ ذہبی نے التزام سے تو نہیں فرمایا کہ ہر آدمی کے ساتھ اس کے مسلک کا ذکر کریں گے۔ لیکن چوں کہ ائمہ حدیث کے تذکرہ میں یہ کتاب تصنیف فرمائی ہے۔ اسلئے وہ تذکرۃً کہیں ذکر فرما جاتے ہیں کہ فلاں بزرگ تقلید نہیں کرتے تھے۔ فلاں بزرگ اہل الرائے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ فلاں بزرگ نے اپنے علاقہ میں اہل اثر کے مذہب کو رواج دیا۔ تذکرۃ الحفاظ پر سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ ذہبی کے زمانہ میں ۷۴۸ھ تک ایسے لوگ موجود تھے جو شخصی تقلید اور جمود سے پرہیز کرتے تھے کتاب وسنت کو براہ راست سلفِ اُمت، صحابہ اور تابعین کی طرح سمجھنے اور سوچنے کی کوشش فرماتے تھے۔ تقلید اور جمود کی تنگ دامانیوں سے وہ اپنا دامن بچائے رکھتے تھے۔ اور ایسے لوگ ہر زمانے میں کافی تھے اور پھر یہ لوگ بہت ہی اچھی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ یہ لوگ اساتذہ تھے۔ لوگ ان سے علم سنت پڑھتے اور سیکھتے تھے۔

ایک مختصر سی فہرست بقید سنین ذکر کی جاتی ہے۔ یہ فہرست تذکرۃ الحفاظ اور البدر الطالع بمحاسن من بعد القران السابع للشوکانی اور التاج المکلل للنواب صدیق حسن خاں سے منقول ہے۔ اس سے دو چیزوں کی وضاحت مقصود ہے۔ اول یہ کہ یہ نظریہ نیا نہیں بڑے فحول اور اکابر اہل علم نے تقلید سے پرہیز اور ائمہ سلف کی راہ کو پسند فرمایا ہے۔ دوسرے یہ کہ تقلید شخصی پر کبھی اجماع نہیں ہوا بلکہ ہر دور میں اہل علم اہل تحقیق وتفحص کے طلبگار رہے۔ اس مسلک کے لئے "وہابیت" کا عنوان بڑا جھوٹ ہے۔
وہابیوں کا مرکزی مقام نجد اور حجاز ہے لیکن وہ لوگ اکثر حنبلی ہیں۔ خال خال ان میں سلفی بھی ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں جن حضرات نے فن حدیث کی تحصیل ہندوستان سے کی یا پھر حافظ شوکانی اور علامہ حیات سندھی سے علم حدیث کا استفادہ فرمایا۔ گویا وہابیوں کو بھی سلفیت یا ہندوستان سے ملی یا یمن اور حجاز سے۔ تعجب ہے، آج کل کے بعض اکابر علماء دیوبند بھی اس لقب کے استعمال میں غلط بیانی سے نہیں ڈرتے۔ بریلوی انہیں وہابی کہتے ہیں۔ وہ اس کا انتقام اہلِ حدیث سے لیتے ہیں۔

تیسری صدی تک تو اتفاق ہے کہ تقلید ائمہ کی پابندی کا رواج نہ تھا۔ بلکہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے ارشاد کے مطابق اسکا عام رواج چوتھی صدی کے بعد ہوا لیکن محققین ائمہ کے نزدیک اجتہاد کا دروازہ اس وقت بھی بند نہیں ہوا اسلئے امام ذہبی کئی ائمہ کے تذکرہ میں فرماتے ہیں: کہ وہ مجتہد تھے۔ کہیں فرماتے ہیں: کان لایقلد احدا۔ کہیں فرماتے ہیں: لم یکن یعلم اهل الرائ وغیر ذلك۔

ائمہ محققین کی فہرست مع قید سنین

بقی بن مخلد (۲۰۶ھ)	شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ)	ابوزرعہ بن محمد (۵۶۶ھ)
حافظ ابویعلی (۳۴۶ھ)	احمد بن عاصم (۲۸۷ھ)	قاسم بن محمد اندلسی (۲۷۶ھ)
حافظ ابن خزیمہ (۳۱۰ھ)	علامہ ابن المنذر (۳۱۸ھ)	حسین بن محمد سنجی (۳۱۵ھ)
حافظ محمد بن علی ساحلی (۳۴۴ھ)	حسن بن سعد قرطبی (۳۳۱ھ)	ابن شاہین (۳۸۵ھ)
امام عبدری (۵۴۴ھ)	امام حمیدی (۴۸۸ھ)	محمد بن طاہر مقدسی (۵۰۷ھ)
		حافظ ابن الرومیہ (۶۳۷ھ)

الحافظ مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس (۸۱۷ھ) محمد یوسف ابو حیان اندلسی (۷۴۵ھ)
شیخ شہاب الدین (۹۵۱ھ) سید یحیٰی بن حسین (۱۰۸۰ھ) صالح بن محمد حمیدی مقبل (۱۱۰۸ھ)
عبدالقادر بن علی البدری (۱۱۶۰ھ) ——— سید محمد بن اسمٰعیل امیر یمانی (۱۱۸۲ھ)

ان ائمہ کے اسمائے گرامی اور سنین وفیات پر توجہ فرمائیے اور غور کیجئے کہ یہ حضرات ترک تقلید کے باوجود امام ہیں۔ ہم اور آپ نقل احادیث میں ان کے علوم سے استفادہ کرتے ہیں۔ حدیث کے دفاتر میں ان کی نقل پر اعتماد کرتے ہیں۔ استدلال اور فقہی فروع کے ماخذ میں ان ہی کے علم پر یقین کرتے ہیں۔ پھر آج اگر کوئی شخص ائمہ اربعہ رضوان اللہ علیہم سے کسی امام کی کلی طور پر تقلید نہ کرے تو اکابر اہل علم کی نظر میں وہ مجرم قرار پاتا ہے۔ بریلی اور دیوبند والے اس پر ناراض ہوتے ہیں۔ طرح طرح کے القاب سے ان لوگوں کو یاد فرمایا جاتا ہے۔ یہ مسلک بھی اپنی قدامت کے لحاظ سے ائمہ اربعہ رحہم اللہ کے مسالک سے کسی طرح کم نہیں بلکہ ان حضرات نے اپنے مسالک میں ائمہ حدیث ہی سے استفادہ کیا ہے۔

جہاں تک تاریخی شہادت کا تعلق ہے۔ خراسان، ایران، یمن، الجزائر، بربر اور اقصائے مغرب میں ابتداءً ائمہ حدیث ہی کا مسلک رائج تھا۔ موجودہ فقہی مسالک کو بذریعہ حکومت یا دوسری وجوہ سے غلبہ حاصل ہوا ہے۔ یہ ایک مستقبل بحث ہے کہ مختلف ممالک میں کیسے اور کن وجوہ سے مختلف مسالک رائج ہوئے۔ مقدمہ ابن خلدون اور المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار مقریزی میں ص۱۴۱ سے ص۱۶۳ تک شیعہ سنی مذاہب کی اشاعت اور ان کے مناقشات کا مبسوط تذکرہ ملتا ہے اور ان وجوہ پر روشنی پڑتی ہے جن سے مروجہ مذاہب کی اشاعت ہوئی۔ مقریزی نے ان ائمہ اور بادشاہوں کا نام بنام اور سنین کے حساب سے تذکرہ کیا ہے۔ جن کی معرفت مروجہ مذاہب کا رواج ہوا۔ اس کے ساتھ ہی شیعہ حضرات اور ان کے تشدد کا بھی ذکر کیا ہے جو اپنے مسلک کی اشاعت میں مصر اور اس کے اطراف میں ان سے ظاہر ہوا۔ اس سے سلف کے مسلک کی قدامت اور غربت کے وجوہ بھی ظاہر ہوتے ہیں۔

اندھیرے میں روشنی کی کرن

بارہویں صدی ہجری اللہ تعالیٰ کی رحمت کا خاص وقت معلوم ہوتا ہے۔ اس ماحول میں دنیائے اسلام میں ایک بیداری محسوس ہو رہی ہے۔ ان محیط اندھیروں میں کہیں کہیں اور کبھی کبھی روشنی سی نمودار ہوتی ہے۔

عرب میں نجدی تحریک پیدا ہوئی جس کی قیادت شیخ عبدالوہاب نجدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی۔

ایران میں سید جمال الدین افغانی نے صور پھونکا جس کی آواز مصر، اسکندریہ اور قسطنطنیہ تک پہونچی۔

تقریباً تھوڑی دیر پہلے ہندوستان کی قسمت جاگی اور رشد و ہدایت کی سوئی ہوئی طاقتوں نے انگڑائی لی۔ اس بیداری کا آغاز سید احمد سرہندی رحمہ اللہ نے گیارہویں صدی ہجری میں فرمایا۔ بدعات کے خلاف کھلی جنگ لڑی۔ بدعت کی تقسیم کا حیلہ عز بن عبدالسلام کے وقت سے آرہا تھا۔ لوگ بدعت کو حسنہ کہہ کر جواز کی راہ پیدا کر لیتے تھے۔ حضرت مجدد نے اسے تار تار کر دیا اور فرمایا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر بدعت کو ناپسند فرماتے ہیں۔ اسے حسنہ کہنے کا حق کسی کو نہیں دیا جا سکتا۔ شرعاً کوئی بدعت حسنہ نہیں کہلا سکتی۔

سنت سے محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کی سچی دلیل ہے بدعتی کتنا ہی عابد و زاہد ہو بارگاہ نبوت میں وہ کسی احترام کا مستحق نہیں۔

مجدد صاحبؒ کی مساعی نتائج و عواقب کے لحاظ سے آج کی مصطلح تحریکات سے کہیں زیادہ ہمہ گیر اور مؤثر تھیں۔

حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہؒ، حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہم اللہ

نے کوئی اصطلاحی تحریک نہیں چلائی۔ جس کے بزرگ صدر یا سربراہ ہوں۔ اس کی مجالس کا جال ملک میں پھیلا ہو۔ جس کے ممبر اور اعوان وانصار کسی عرفی تنظیم کے ماتحت کام کر رہے ہوں، بلکہ ان میں ہر ایک اپنے وقت میں ایک مینار ہے جس سے خود بخود روشنی پھیلتی ہے، لوگ متاثر ہوتے ہیں، کسی عہدہ اور عرفی نظم کے بغیر ان تاثرات کو پھیلایا جاتا ہے اور وہ اس سرعت سے پھیلتے ہیں کہ کوئی عرفی تحریک اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ اسلئے ان گذارشات میں اگر کہیں تحریک کا لفظ آجائے تو اس سے مراد آج کی انجمن سازی اور اسی قسم کی اصطلاحی تحریک نہیں ہوگا بلکہ پرانا مفہوم ہوگا جس میں ایک شخص ایک سچائی کو لے کر اٹھتا ہے۔ پروانے خود بخود شمع کے اردگرد جمع ہو جاتے ہیں اور روشنی اپنا کام شروع کر دیتی ہے۔ وقت کے اسباب و وسائل اپنی بساط کے مطابق استعمال ہونے لگتے ہیں۔ میری دانست میں مجدد صاحبؒ سے شروع ہو کر سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ تک کام کی نوعیت یہی رہی۔ ایک سپاہی کے دل میں ذمہ داری کا احساس اور مقاصد کی تحصیل کے لئے اتنا ہی درد تھا جس قدر کسی بڑے سے بڑے عہدہ دار کو ہونا چاہیئے اور یہ احساس ہی کامیابی کا راز ہے۔

ولی اللّٰہی تحریک کا مزاج

اس تحریک کے اہم عناصر مندرجہ ذیل ہیں:
حضرت شیخ احمد فاروقی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ، قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی، حضرت مرزا مظہر جان جاناں، حضرت مولانا فاخر الٰہ آبادی۔ آزاد بلگرامی، حضرت مولانا شاہ ولی اللہ، مولانا شاہ عبدالعزیز مولانا شاہ رفیع الدین، مولانا شاہ عبدالقادر، مولانا شاہ عبدالغنی، حضرت سید احمد شہید، مولانا شاہ اسمٰعیل، مولانا عنایت علی مولانا ولایت علی، مولانا عبدالحئی بڈھانوی۔ ان میں بعض علماء حنفی ہیں لیکن عقیدۃً اہلِ حدیث بعض عمل و عقیدہ دونوں میں حنفی بعض دونوں میں اہلِ حدیث لیکن اس اختلاف کی نمائش ان حضرات نے کبھی نہیں فرمائی۔

قاضی ثناء اللہ صاحب کا تفسیر مظہری میں رجحان فقہ حنفی کی طرف ہے لیکن بدعت کی

---

[1] مولانا عبیداللہ صاحب سندھی رحمہ اللہ نے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کو مصطلح تحریک کا بانی قرار دیا ہے یہ ان کا محض عصری تخیل ہے اور بالکل بے دلیل وہم۔

مخالفت میں کوئی لچک نہیں۔ ارشاد الطالبین میں قبر پرستی اور قبور پر چراغاں اور انہیں چونا گچ کرنے کے متعلق ان کی رائے بہت واضح ہے۔ آج کے ارباب دیوبند کی طرح ان میں لچک اور مداہنت نہیں۔ آج بعض اکابر دیوبند کے افکار کا رجحان زیادہ تر بریلویت کی طرف ہے۔ وہ اہل توحید اور اصحاب سنت سے زیادہ اہل بدعت کو خوش کرنا چاہتے ہیں۔

اللہ ورسولہ احق ان یرضوہ ان کانوا مومنین۔

ان حضرات کے مقاصد کا تجزیہ

۱۔ حنفیت کے باوجود یہ حضرات فقہی جمود اور عصبیت کو قطعًا ناپسند کرتے ہیں۔

۲۔ ائمہ کے اختلافی مسائل میں یہ حضرات وسیع القلب ہیں۔ کسی طرح بھی عمل کیا جائے انہیں ناگوار نہیں ہوتا۔

۳۔ بدعات کو ناپسند کرتے ہیں اور ان کے خلاف سخت انکار فرماتے ہیں۔

۴۔ شیعہ حضرات سے سمجھوتے کے قائل نہیں تاوقتیکہ صحابہؓ کے متعلق وہ اپنی رائے بالکلیہ نہ بدل لیں۔ مجدد صاحب کے رسائل اور ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء (از شاہ ولی اللہ صاحبؒ) اور تحفہ اثنا عشریہ (شاہ عبدالعزیزؒ) اس کے شاہد ہیں۔ ان کتابوں میں شیعہ حضرات پر انتہائی معقول تنقید فرمائی ہے، حمایت نہیں کی۔

۵۔ تصوف سے بہت متاثر ہیں لیکن اس راہ کی بدعی رسوم سے انتہائی متنفر۔

۶۔ وہ اہل سنت کے دو فریق سمجھتے ہیں۔ اہلِ حدیث اور اہل الرائے دونوں اہلِ سنت ہیں لیکن شاہ صاحب فقہائے اہل حدیث کی راہ کو زیادہ پسند فرماتے ہیں جیسا کہ آئندہ انشاء اللہ آئے گا۔

شیخ ابو منصور عبدالقاہر دمشقی نے بھی "الفرق بین الفرق" میں متعدد مقامات پر اہلِ حدیث اور اہل الرائے دونوں کو اہلِ سنت قرار دیا ہے۔

علامہ عبدالکریم شہرستانی کا بھی یہی حال ہے۔

۷۔ یہ جماعت سیاسی سربراہی کی خواہش مند نہیں لیکن اگر لادینیت برسرِ اقتدار آنا چاہے یا آجائے تو وہ ایسے سیاسیین سے جہاد کرنا پسند کرتے ہیں، جھکنا گوارا نہیں کرتے۔

حضرات دہلی کے نظریات

شاہ صاحب امت میں دو جماعتوں کی روش کو فی الجملہ صحیح سمجھتے ہیں اور غلو کو ناپسند کرتے ہیں اور کسی کے لئے شخصی طور پر تعصب پسند نہیں فرماتے:

باید دانست کہ سلف در استنباط مسائل و فتوی بر دو وجہ بودند۔ یکے آنکہ قرآن و حدیث و آثار صحابہ جمع مے کردند و ازاں جا استنباط مے نمودند دریں طریقہ اصل راہ محدثین است و دیگر آنکہ قواعد کلیہ کہ جمع از ائمہ تنقیح و تہذیب آں گروہ اندیاد گیرند بے ملاحظہ ماخذ آنہا پس مسئلہ کہ وارد می شد جواب آں از ہماں قواعد طلب می کردند وایں طریقہ اصل راہِ فقہاء است و غالب بر بعض سلف طریقہ اولی بود و بر بعض آخر طریقہ ثانیہ اھ (مصطفی ۱/۴۲)

سلف میں استنباط مسائل کے متعلق دو طریق تھے۔ پہلا یہ تھا کہ قرآن و حدیث اور آثار صحابہ جمع کئے جائیں اور انہیں اصل قرار دے کر پیش آمدہ مسائل پر ان کی روشنی میں غور کیا جائے یہ محدثین کا طریق ہے۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ ائمہ کے منقح اور مہذب کئے ہوئے کلیہ قواعد کو اصل قرار دیا جائے اور پیش آمدہ مسائل کا حل انہیں سے تلاش کیا جائے اور اصل ماخذ کی طرف توجہ کی ضرورت نہ سمجھی جائے۔ یہ فقہاء کا طریقہ ہے۔ سلف سے ایک کثیر گروہ پہلے طریق کا پابند ہے۔ اور ایک گروہ دوسرے طریق کا۔

پھر ان دونوں طریقوں کا تفصیلی اور ان کے طریق عمل کی پوری وضاحت حجۃ اللہ البالغہ میں فرمائی ہے۔ حدیث کی جمع و کتابت پھر تدوین و تالیف کا تذکرہ فرمایا ہے۔ پھر فقہائے محدثین کا تذکرہ فرمایا ہے:

فرجع المحققون منهم بعد احكام	محققین اہلِ حدیث نے فن روایت
فن الرواية ومعرفة مراتب الحديث	میں پختگی اور مراتب حدیث سے پوری معرفت پیدا
الى الفقه فلم يكن عندهم من الرأى	کی اور فقہ کی طرف توجہ کی۔ لیکن ان کا یہ
ان يجمع على تقليد رجل ممن	طریق نہ تھا کہ اس معاملہ میں گذشتہ بزرگوں
مضى مع ما يرون من الاحاديث	سے کسی خاص شخص کی تقلید پر اتفاق

والآثار المتناقضة فی کل من هب من تلك المذاهب فاخذ مایتبعون احادیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم وآثار الصحابۃ والتابعین والمجتهدین علی قواعد احکموھا فی نفوسھم۔	کرلیں کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ ان مروجہ مذاہب میں احادیث اور آثار متناقض موجود ہیں اسلئے انہوں نے احادیث اور ائمہ مجتہدین کے علوم پر اپنے قواعد کی روشنی میں غور کیا۔

(حجۃ اللہ البالغۃ ۱/ ۱۱۹)

اس کے بعد شاہ صاحب نے مختصر طور پر محدثین کے ان قواعد کا بھی تذکرہ فرمایا ہے جو ان کے نزدیک تطبیق بین النصوص یا استنباط مسائل کے لئے معیار ہیں۔ یہ قواعد حضرت عمرؓ کے ایک اثر کی تعمیل میں مرتب کئے گئے ہیں قاضی شریح فرماتے ہیں۔ مجھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا:

اگر کوئی مسئلہ اللہ کی کتاب میں مل جائے تو اس کے مطابق فیصلہ کرو اور کسی کے کہنے پر اس سے صرفِ نظر مت کرو۔ اگر کتاب اللہ میں نہ ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر غور کرو اور اسی کے مطابق فیصلہ کرو۔ اگر مسئلہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ دونوں میں نہ ہو تو لوگوں کے عمومی عمل کو دیکھو اور اس کے مطابق عمل کرو۔ اگر کوئی معاملہ ان تینوں طریقوں سے طے نہ ہو سکا تو اس کا فیصلہ یا تو اجتہاد سے کر دو یا پیچھے ہٹ جاؤ اور میری دانست میں تاخیر زیادہ مناسب ہے۔ (دارمی ص ۲)

دوسرے گروہ (اہل الرائے) کے ذکر میں فرماتے ہیں:

یہ لوگ سوالات کی کثرت اور فتوؤں سے نہیں گھبراتے لیکن حدیث کی روایت سے گھبراتے ہیں۔ کہیں الفاظ میں کمی بیشی نہ ہو جائے۔ ان کا خیال ہے کہ دین کی بنیاد فقہ پر ہے۔ اس کی اشاعت ضروری ہے۔

آخر میں فرماتے ہیں:

" ان حضرات کی نظر میں فقہ، حدیث اور مسائل کی تدوین دوسرے طریق سے

ہوئی۔ کیونکہ ان کے پاس حدیث اور آثار کا سرمایہ اس قدر نہیں تھا جس کی بنا پر وہ ان اصولوں پر اعتماد کر سکتے جن پر علماء اہلِ حدیث نے اعتماد کیا ہے۔ نہ مختلف ممالک کے سابقہ علماء کے اقوال ان کی نگاہ میں تھے جس سے شرح صدر کے ساتھ استنباط کرتے۔ اور اپنے اکابر پر انہیں بے حد اعتماد تھا۔ اس لئے وہ ان کے طے کردہ اصولوں پر زیادہ یقین رکھتے تھے۔ غرض یہ حضرات استنباط میں کتاب و سنت کی جگہ اپنے گذشتہ بزرگوں کے ارشادات پر اعتماد کرتے اور انہی کی روشنی میں مسائل کو حل فرماتے۔

اس دور کے بعد معاملہ اور بھی بگڑ گیا اور ایک ایسا گروہ سامنے آگیا جس کا تذکرہ شاہ صاحب ان لفظوں میں فرماتے ہیں:۔

ومها انهم اطمأنوا با لتقليد و	وہ لوگ تقلید پر مطمئن ہو گئے اور تقلید
دت التقليد فى صدورهم دبيب	ان کے رگ و ریشہ میں پیوست ہو گئی
النمل وهم لايشعرون .اھ	(حجۃ اللہ البالغہ ۱/۱۲۳)

شاہ صاحب نے اس انحطاط کی متعدد وجوہ لکھی ہیں:

۱۔ فقہاء کا باہم اختلاف اور مزاحمت، جس کا انقطاع کسی پہلے بزرگ کے حوالہ کے بغیر نہ ہو سکا۔

۲۔ رؤسا کی جہالت اور علماء کا حدیث اور تخریج سے ناآشنا ہونا۔

۳۔ دوراز کار فرضی مسائل میں تعمق وغیر ذالک۔

اس کے نتائج کے متعلق شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"اس کے نتیجہ میں جہالت، اختلاط شکوک اور اوہام پیدا ہو گئے۔ جس کی اصلاح کی کوئی امید نہیں رہی۔ پھر مدتوں خالص تقلید ہی ان کا شیوہ رہا۔ اور حق و باطل کا امتیاز جاتا رہا اور فقہ محض جھگڑے اور باتیں بنانے کا نام رہ گیا اور محدث چند غلط سلط احادیث نقل کر دینے کا نام رہ گیا۔"

آخری الفاظ سنیئے:

دثم يأت قرن بعد ذالك إلاهو اكثر فتنة واوفر تقليدا واشد انتزاعا للامانة

من صدور الرجال حتی اطمأنوا بترك الخوض فی امر الدین وبان یقولوا انا وجدنا اباءنا علی امة وانا علی آثارهم مقتدون والی اللہ المشتکی۔ اھ (حجۃ اللہ البالغۃ ۱۳۲/۱)

ان تصریحات کا نتیجہ

۱۔ اہل حدیث اور اہل الرائے دونوں مکتب فکر ہیں اور دونوں اہلِ علم میں رائج ہیں۔

۲۔ شاہ صاحب کے خیال میں اہل حدیث اور اہل الرائے اس آخری دور میں اپنی جگہ سے ہٹ چکے ہیں۔

۳۔ متاخرین اہل الرائے میں استدلال اور استنباط کی بجائے تقلید اور جمود آگیا ہے یہ شاہ صاحب کی نظر میں نامناسب معلوم ہوتا ہے۔

۴۔ اہلِ حدیث نے بھی حدیث کی طرف بے توجہی کی ہے وہ تقریباً اسے ایک رسم کے طور پر کر رہے ہیں۔ استنباط اور اجتہاد کے نقطہ نظر سے نہیں کرتے، اور نہ تفقہ کی کوشش کرتے ہیں۔

شاہ صاحب کا مقصد

شاہ صاحب چاہتے ہیں کہ دونوں گروہ حقیقت پسندی سے کام لیں اور اہل الرائے اکابر کی بجائے کتاب وسنت کو اساس قرار دیں اور اہل حدیث ظاہریت سے بچکر تفقہ سے کام لیں۔

ملاحظہ ہو تفہیمات جلد اول /۲۰۹

ومنها انی اقول لهؤلاء المسلمين انفسهم بالفقهاء الجامدين علی التقليد يبلغهم الحديث من احاديث النبی صلی اللہ علیہ وسلم باسناد صحيح وقد ذهب اليه جمع عظيم من الفقهاء المتقدمين ولا يمنعهم الا التقليد لمن يذهب اليه وهؤلاء الظاهرية المنكرين للفقهاء الذين هم

اور میں ان نام کے فقہاء سے کہتا ہوں جن میں تقلید کی وجہ سے انتہائی جمود آچکا ہے۔ جب ان کو صحیح حدیث پہنچتی ہے جو امت میں معمول بہا ہے لیکن وہ صرف ان لوگوں کی تقلید کی وجہ سے یہ حدیث جن کے مسلک کے خلاف ہے اس حدیث کا انکار کر دیتے ہیں، اور ان ظاہری حضرات سے بھی کہتا ہوں جو ائمہ دین اور رجوع

طرازحملة العلم وائمة اهل الدين انهم جميعا على سفاهة وسخافة رأى وضلالة وان الحق بين بين۔

کے فقہاء کا انکار کرتے ہیں۔ تم دونوں فریق غلط راہ پر جا رہے ہو۔ یہ کم فہمی کی راہ ہے اور حق، ان دونوں کے بین بین ہے۔

دونوں فریق پر کس صاف گوئی سے تنقید فرمائی اور جمود توڑنے کے لئے کس قدر واضح راہ بتلائی ہے رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

واشهد لله بالله ان كفر بالله ان يعتقد فى رجل من الامة ممن يخطى ويصيب ان الله كتب على اتباعه حتما وان الواجب على هو الذى يوجبه هذا الرجل وان الشريعة الحقة قد ثبت قبل هذا الرجل برمان الخ (تفہیمات ۱/۲۱۱)

میں اللہ کے نام سے اس کی قسم کھاتا ہوں کہ امت کے کسی آدمی کے جو خطا اور ثواب دونوں کا مرتکب ہو سکتا ہے یہ خیال کرنا کہ اس کا اتباع واجب ہے اور جسے یہ واجب کہے وہی امر واجب ہے یہ اللہ تعالیٰ کے کفر کے برابر ہے کیونکہ شریعت اس شخص سے کہیں پہلے موجود ہے۔

شاہ صاحب نے یہاں تقلید شخصی اور جمود کو کفر باللہ سے تعبیر فرمایا ہے۔ وہ کسی شخص کے حق کو اس مسئلہ میں تسلیم نہیں فرماتے۔ تقلید سے جو ذہنی انقباض ہوتا ہے اور قوت فکر کی راہ میں جو رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اس کے متعلق اور کھل کر فرماتے ہیں:

وترى العامة سيما اليوم فى كل قطر يتقيدون بمذهب من مذاهب المتقدمين يرون خروج الانسان من مذهب من قلده ولو فى مسئلة كالخروج من الملة كانه نبى بعث اليه وافترضت طاعته عليه وكان اوائل الامة قبل المائة الرابعة غير متقيدين بمذهب واحد اھ (۱/۱۵۱)

ہر علاقے میں عوام ائمہ متقدمین سے کسی نہ کسی مذہب کے مقلد اور پابند ہیں۔ کسی ایک مسئلہ میں بھی وہ اختلاف کرنا نہیں چاہتے۔ گویا وہ امام نبی ہے اور ان پر اس کی اطاعت واجب ہے۔

تفہیمات جلد ا ص ۲۱۴ میں لہجہ ذرا اور سخت ہو گیا۔ اس میں صوفیوں اور علماء کا تذکرہ اس جلال سے فرماتے ہیں:

نحن لا نرضیٰ بھولاء الذین یبایعون الناس لیشتروا به ثمنا قلیلا او یشوبوا اغراض الدنیا بتعلم علم اذ لا تحصل الدنیا الا بالتشبیه باهل الهدایة ولا بالذین یدعون الی انفسهم ویامرون بحسب انفسهم هؤلاء قطاع الطریق دجالون کذابون مفتونون فتانون ایاکم وایاهم ولا تتبعوا الا من دعیٰ الیٰ کتاب الله و سنة رسوله ولم یدع الیٰ نفسه اھ

ہم نہ تو ان صوفیوں کو پسند کرتے ہیں جو دنیا کے لئے لوگوں سے بیعت لیتے ہیں کیونکہ دنیا کمانے کیلئے بھی اصحاب ہدایت سے مشابہت ضروری ہے اور نہ ان علماء کو پسند کرتے ہیں جو اپنی طرف دعوت دیتے ہیں یہ ڈاکو ہیں، جھوٹے ہیں۔ خود فتنے میں مبتلا ہیں لوگوں کو فتنہ میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں سے بچو اور صرف ان لوگوں کی بات قبول کرو جو کتاب و سنت کی طرف دعوت دیں اور اپنی ذات کی طرف دعوت نہ دیں۔

پھر طالب علموں کو فرما کر ارشاد ہوتا ہے:

ورب انسان منکم یبلغه حدیث من احادیث نبیکم فلا یعمل به ویقول انما عملی علی مذهب فلان لا علی الحدیث ثم احتال بان فهم الحدیث والقضاء به من شان الکملة المهرة وان الائمة لم یکونوا ممن یخفیٰ علیهم هذا الحدیث فما ترکوه الا لوجه ظهر لهم فی الدین من نسخ ومرجوحیة۔

(تفہیمات ۱/۲۱۵)

بہت سے لوگوں کو تم سے حدیث نبوی مل جاتی ہے لیکن وہ اس پر عمل نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں: میرا مذہب فلاں مذہب پر ہے۔ پھر بہانہ بناتے ہیں کہ حدیث سمجھنا اور اس کے مطابق فیصلہ کرنا کامل اور ماہر لوگوں کا کام ہے۔ اور ائمہ سے یہ حدیث پوشیدہ نہ تھی۔ کوئی وجہ ضرور ہوگی جسکی بناء پر ائمہ نے اس پر عمل نہیں کیا۔

* * * *

اس کے نتیجہ میں فرماتے ہیں:

یہ قطعًا دین کی بات نہیں تم صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو مذہب کے موافق ہو یا مخالف اللہ کی مرضی یہی ہے کہ تم کتاب و سنت کی اطاعت کرو۔ الخ

بظاہر شاہ صاحب فقہ حنفی سے مانوس ہیں۔ ان کا خاندانی مسلک عام طور پر فقہ عراقی ہے لیکن شاہ صاحب چونکہ جمود اور اس توفیقی فقہ سے بیزار ہیں، اسلئے اس فقہی نظام پر بھرپور وار کرتے ہیں۔ "قرۃ العینین" میں شیخین (حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ) کے محاسن میں فرماتے ہیں کہ دراصل اختلاف شیخین کے بعد شروع ہوا۔

گویا اصل مذاہب اربعہ اجماعیات
شیخین افتادہ، اما این سخن
بکسے کہ سرمایہ علم او بجز قدوری
و وقایہ باشد نتواں گفت۔
(قرۃ العینین ۱۴۲)

مذاہب اربعہ میں اجماعی مسائل
شیخین ہی کے مرہون منت ہیں
لیکن یہ بات ان حضرات کی سمجھ میں
نہیں آسکتی جن کے علم کا کل سرمایہ
قدوری، اور وقایہ ہے۔

دوسرے مقام پر اسی انداز سے فرماتے ہیں:

این نکتہ کسے کہ سرمایہ فقہ او
شرح وقایہ و منہاج باشد نے
تواند دانست آں را عالمے متبحر
باید۔ (۱۴۵)

یہ نکتہ شرح وقایہ اور منہاج
وغیرہ پڑھنے والے فقہاء کی سمجھ
میں نہیں آسکتا۔ اس کے لئے
متبحر عالم کی ضرورت ہے۔

شاہ صاحب کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ متون و شروح فقہ کو جو اعتماد و تفوق حاصل ہوا ہے وہ ائمہ اور ان کتب کے مصنفین کے ساتھ محبت اور ان کے علوم پر یقین سے حاصل ہوا ہے۔ دراصل یہ اعتماد صحابہ اور خصوصاً شیخین پر ہونا چاہیئے۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

بالکل اسی انداز سے یہ تذکرہ "ازالۃ الخفاء" میں آیا ہے۔ شاہ صاحب کی نظر میں یہ فقہی نظام اور یہ تقلید محض شخصی کوششیں ہیں۔ انہیں اساسی طور پر کوئی اہمیت نہیں۔ اسکے وجوب اور فرضیت کی بحث بے معنی اور لاحاصل ہے۔ یہ بزرگ عالم تھے ان کے علوم سے ممکن طور پر استفادہ کرنا چاہیئے۔

اس قسم کی تصریحات حجۃ اللہ البالغہ کے کئی صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں بلکہ بعض مقامات پر تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حجۃ اللہ البالغہ میں تفہیمات کے بعض مجمل مضامین کی تفصیل اور شرح ہے۔

اصول فقہ اس میں شک نہیں کہ اصولِ فقہ کی تاسیس اور تدوین علماء اہلِ حدیث خصوصًا امام شافعی نے فرمائی ہے اور عمومًا اصولِ قرآن وحدیث اور لغتِ عرب اور عقلِ سلیم سے اخذ کئے گئے ہیں۔ امام شافعی کے اس شاہکار کا تذکرہ ابجد العلوم نواب صدیق حسن خاں مرحوم کشف الظنون للکاتب چلپی فہرست ابن ندیم وغیرہ میں ملتا ہے۔ شاہ ولی اللہ نے بھی یہ تذکرہ حجۃ اللہ (۱/ ۱۱۷) وغیرہ تصانیف میں فرمایا ہے۔ ویسے اصولِ فقہ اور اصولِ حدیث کی حیثیت منطق کی ہے۔ حدیث کی تصحیح اور تضعیف میں اصول حدیث اور فقہی جزئیات کی تخریج میں اصولِ فقہ کو وہی مقام حاصل ہے جو معقولات میں منطق کو۔ اس فن کی تاسیس گو امام شافعی ہی نے فرمائی ہے لیکن فقہاء حنفیہ کی خدمات اس فن میں قابلِ تعریف ہیں بلکہ اس فن کی بدولت انہوں نے بانیٔ فن امام شافعی پر بھی بعض مقامات پر کڑی تنقید کی ہے اور سچ یہ ہے کہ فقہ کا کام اور خوبی اصولِ فقہ ہی سے ہے۔ شاہ صاحب نے فقہ کے ساتھ اصول فقہ پر بھی تنقید فرمائی ہے اور اس بھرم کی حقیقت کھول دی ہے قرۃ العینین / ۱۸۶ پر فرماتے ہیں:

حنفیان برائے احکام مذہب خود	اور احناف نے مذہب کی پختگی کیلئے کچھ
اصلے چند تراشیدہ اند (۱) الخاص	اصول تراشے ہیں۔ مثلاً خاص بین ہے
بین فلا یلحقہ البیان (۲) العام	اسے بیان کی ضرورت نہیں۔ عام بھی
قطعی کالخاص (۳) المفہوم المخالف	خاص کی طرح قطعی الدلالت ہے مفہوم
غیر معتبر الترجیح بکثرۃ الرواۃ غیر	مخالف معتبر نہیں ہے کتاب اللہ پر زیادہ
معتبر الزیادۃ علی الکتاب نسخ۔اھ	کتاب کا نسخ ہے۔

بعینہ اسی انداز سے شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فتاویٰ عزیزی / ۶۲ میں کسی قدر تفصیل سے فرمایا ہے۔ شاہ عبدالعزیز کا لہجہ شاہ ولی اللہ صاحب سے زیادہ سخت ہے:

ومن اللطائف التی تلما ظفر بھا	متأخرین کے چند گھڑے ہوئے قواعد
جدلی کحفظ مذھبہ ما اخترعہ	حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کی حفاظت
المتاخرون لحفظ مذھب ابی	کیلئے جو دنیا کے عجائبات سے ہیں ان قواعد
حنیفۃ وھی عدۃ قواعد یردون	کی بدولت وہ تمام صحیح احادیث کو رد

بماجیع ما یحتج بما علیہم من الاحادیث الصحیحۃ۔ کر دیتے ہیں جو ان کے مذہب کے خلاف ہوں۔

اس کے بعد شاہ عبدالعزیز صاحب نے تقریباً نو قواعد کا ذکر فرمایا ہے۔ جن میں بعض تو وہی ہیں جن کا تذکرہ شاہ ولی اللہ صاحب نے فرمایا ہے۔ میں نے بسط او راطناب سے ڈرتے ہوئے اسے چھوڑ دیا ہے۔ طالب حق کو فتاویٰ عزیزی ۱/ ۶۲ کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

حجۃ اللہ البالغہ میں کئی جگہ اصول فقہ پر شاہ ولی اللہ صاحب نے کڑی تنقید فرمائی ہے۔ لیکن باب حال الناس بعد المأۃ الرابعۃ میں تقلید اور اس کے شیوع کی بحث فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

وبعضہم یزعم ان بناء المذاھب علی ھذہ الجدلیۃ المذکورۃ فی مبسوط والھدایۃ والتبیین ونحو ذلک ولا یعلم ان اول من اظہر ذلک فیہم المعتزلۃ (۱/ ۲۸)	بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مذاہب کی بنیاد ان مناظرانہ محاورات پر ہے جن کا ذکر مبسوط، سرخی ہدایہ اور تبیین میں ہے کہ یہ بیچارے نہیں جانتے کہ در اصل ان جدلیات کے بانی معتزلہ ہیں۔

اس کے بعد اصولِ فقہ کے متعدد قواعد اور ان کا حدیث کے انکار میں جو اثر پڑتا ہے ذکر فرمایا ہے۔ پھر پورے جلال کے ساتھ ان قواعد پر معارضات عائد فرماتے ہیں اور ثابت کیا ہے کہ احناف خود بھی ان قواعد کے پابند نہیں یہ بحث کئی صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ حق پسند طالب علم کو ان مقامات کا مطالعہ پورے غور سے کرنا چاہیئے۔

اس وقت گذارش کا مطلب یہ ہے کہ شاہ صاحب جس طرح فقہی جزئیات کو دین اور شریعت نہیں سمجھتے اسی طرح وہ اصولِ فقہ کو بھی لازوال اور دائمی نہیں سمجھتے یہ محض علمی کوششیں ہیں جو علمائے اپنے مسالک کو بچانے کے لئے کی ہیں۔ نہ فروع کے انکار سے کفر لازم آتا ہے۔ نہ اصول فقہ کے انکار سے دیانت میں خلل لازم آتا ہے۔

فروع کے متعلق شاہ صاحب کی روش

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے رفقاء عقائد، اصول اور فرعی مکاتب فکر کے التزام میں جس طرح جمود کو پسند نہیں فرماتے۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ کسی پابندی

کے بغیر مذاہب اربعہ اور ائمہ حدیث کے مسائل پر عمل کیا جائے۔ اور بظاہر حنفی ہونے کے باوجود وہ محدثین اور شوافع کے معمولات کو ترجیح دیتے اور پسند فرماتے ہیں۔

اس وقت ابنائے دیوبند سے بڑی کثرت شاہ صاحب اور ان کے خاندان کے ساتھ انتہائی عقیدت کا اظہار کرتی ہے۔ مگر ان کی روش اور ان کا عمل شاہ صاحب، ان کے رفقاء اور خاندان کے نظریات کے بالکل خلاف ہے۔

آج کا دیوبند، بریلویت سے چنداں مختلف نہیں۔ اختلافات لفظی قسم کے رہ گئے ہیں۔ آگے آنے والی گذارشات سے معلوم ہوگا کہ شاہ صاحب فروع میں کس قدر وسیع الظرف تھے اور دیوبند کی موجودہ پود میں کس قدر تنگ ظرفی اور انقباض ہے وہ اپنے خلاف کوئی چیز سننا پسند نہیں کرتے اور شاہ صاحب شافعی مکتب فکر پر عمل سے پرہیز نہیں فرماتے۔

حدیث قلتین پانی کی طہارت کے متعلق شوافع اور احناف میں بے حد اختلافات ہیں قلتین کی حدیث کو ان میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ احناف اسے مضطرب فرماتے ہیں۔ شوافع اسے صحیح سمجھتے ہیں اور معذرت فرماتے ہیں کہ قدماء احناف اور موالک پر ایسی احادیث مخفی رہیں یا فہم مراد میں ان حضرات سے تسامح ہوا۔

ومثالہ حدیث القلتین فانہ حدیث صحیح روی بطرق کثیرۃ الخ — قلتین کی حدیث صحیح اور متعدد طرق سے مروی ہے۔

(حجۃ اللہ البالغۃ ۱/۱۱۷)

گویا طہارت کے مسائل پر اس حدیث کی وجہ سے جو شبہات واقع ہوتے تھے شاہ صاحب ان کا فیصلہ شوافع کے حق میں دیتے ہیں اور احناف و موالک کی طرف سے معذرت فرماتے ہیں کہ ابتدائی دور میں یہ حدیث عام نہیں ہوئی۔

امام کے پیچھے فاتحہ ائمہ احناف اور شوافع کے نزدیک امام کی اقتدا میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے متعلق نزاع مشہور ہے۔ بیسیوں رسائل اس موضوع پر شائع ہوئے ہیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

وان کان ماموما وجب علیہ الانصات — مقتدی کو چاہیئے کہ امام کے پیچھے خاموش

والاستماع فان جهر الامام لم يقرا	سے سُنے۔ اگر امام آواز سے پڑھے۔ اگر امام
الا عند الاسكاتة وان خلفت فله	آہستہ پڑھ رہا ہو، تو مقتدی جس طرح
الخيرة فان قرأ فليقرأ بفاتحة الكتب	چاہے پڑھے لیکن اس طرح پڑھے کہ
قراءة لا يشوش على الامام وهذا	امام کی قرات میں تشویش اور پریشانی نہ ہو۔

اولى الاقوال عندى وبه يجمع بين احاديث الباب۔ (حجۃ اللہ البالغۃ ۲/۷)

شاہ صاحب کے ارشادات میں اعتدال ہے۔ دونوں فریق کے تشدد کو شاہ صاحب پسند نہیں فرماتے۔

رفع الیدین اور وتر

رکوع وغیرہ میں رفع الیدین اور وتروں کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد ہے:

والحق عندى فى مثل ذلك ان الكل	میرے نزدیک حق یہ ہے کہ رفع یدین
سنة ونظيره الوتر بركعة واحدة و	کرنا نہ کرنا دونوں سنت ہیں اسی
ثلث والذى يرفع احب الى ممن	طرح ایک رکعت اور تین رکعت وتر پڑھنے
لا يرفع فان حديث الرفع اكثر و	والا اور رفع الیدین کرنے والا مجھے نہ کرنے
اثبت غير انه لا ينبغى لانسان فى	والے سے زیادہ پسند ہے کیوں کہ رفع یدین
مثل هذه الصور ان يثير على نفسه	کی احادیث زیادہ ہیں اور صحیح ہیں لیکن
فتنة عوام بلده	انسان کو ایسے اعمال کیوجہ سے اپنے خلاف
(حجۃ اللہ البالغۃ ۲/۸)	ہنگامہ بپا نہیں کرانا چاہیئے۔

(خدا کا شکر ہے کہ ہنگاموں کا موسم گذر گیا)

ظاہر ہے عوام میں ان اعمال کی وجہ سے نفرت پیدا ہوتی تھی اور خواص اس کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ اب وہ سلسلہ بحمد اللہ ختم ہو گیا۔

زیارت قبور کیلئے شد رحال

عوام میں مروج ہے کہ بزرگوں اور استھانوں کی زیارتوں کیلئے دور دراز کے سفر کرتے ہیں اور حج کے شعائر کی طرح ان زیارتوں کی پابندی کرتے ہیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

والحق عندی ان القبر ومحل عبادۃ ولی من الاولیاء والطور کل ذلک سواء فی النھی واللہ اعلم

(حجۃ اللہ البالغۃ ۱/۱۵۳)

حق یہ ہے کہ قبروں کی عبادت گاہ اور طور پہاڑ وغیرہ نہی میں برابر ہیں۔ کسی کے لئے بالاستقلال سفر درست نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شد رحال سے منع فرمایا ہے۔

زیارت پسند دیوبندی اور بریلوی حضرات اس مسئلہ میں بڑی طعن آمیز گفتگو کرتے ہیں لیکن شاہ صاحب وہی فرماتے ہیں جو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور دوسرے ائمہ توحید نے فرمایا ہے۔

وضو کے نواقض وضو کے نواقض میں فقہاء مختلف ہیں۔ شاہ صاحب کی رائے یہ ہے:

واصل موجب الوضوء الخارج من السبیلین وماسوی ذٰلک محمول علیہ

(حجۃ اللہ البالغۃ ۱/۱۳۹)

وضو ٹوٹنے کا اصل سبب وہی ہے جو سبیلین سے نکلے باقی اس پر محمول ہیں۔

وتر وتروں کے متعلق اختلاف ہے۔ فقہائے حنفیہ واجب کہتے ہیں، اور ائمہ حدیث سنت۔ شاہ صاحب کی رائے یہ ہے:

والحق ان الوتر سنۃ ھو اوکد السنن بینہ علی وابن عمر وعبادۃ الصامت

(حجۃ اللہ البالغۃ ۲/۱۳)

وتر سنت مؤکدہ ہے۔ حضرت علی، ابن عمر اور عبادہ بن صامت سے یہی منقول ہے۔

قنوت فقہاء احناف قنوت کو وتروں میں واجب سمجھتے ہیں اور شوافع صبح کی نماز میں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

واختلفت الاحادیث ومذاھب الصحابۃ والتابعین فی قنوت الصبح وعندی ان القنوت وترکہ سیان ومن لم یقنت الا عند حادثۃ عظیمۃ اوکلمات یسیرۃ اخفاء قبل الرکوع احب الی

صبح کی قنوت کے متعلق احادیث میں اور صحابہ اور تابعین کے مذاہب مختلف ہیں۔ (شاہ صاحب) فرماتے ہیں: قنوت پڑھنا نہ پڑھنا دونوں برابر ہیں اور اہم حوادث پر چند کلمات پڑھنا مجھے زیادہ پسند ہے۔

لان الاحادیث شاهدة على ان الدعاء	کیوں کہ احادیث سے ثابت ہے کہ قبیلہ
على رعل وذكوان كان اولاثم ترك	رعل وذکوان پر بد دعا ترک کردی گئی
وهذا ان لم يدل على نسخ مطلق	اس سے گو علی الاطلاق قنوت کا ترک
القنوت لكنها تؤمي الى ان القنوت	ثابت نہیں ہوتا۔ لیکن اس سے یہ واضح
ليس مستقرة۔ اھ (حجۃ اللہ البالغہ ۲/۹)	ہے کہ یہ مستقل اور دائمی سنت نہیں۔

جمع بین الصلوٰتین

عذر کی وجہ سے نماز جمع کرنے کے متعلق ائمہ میں اختلاف ہے۔ فقہائے احناف نہ جمع تقدیم کے قائل ہیں نہ جمع تاخیر کے اور جمع صوری دراصل جمع ہی نہیں بلکہ جمع کی صورت ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں: نماز کے دراصل تین ہی وقت ہیں۔ عصر ظہر سے نکال لی گئی۔ اور عشاء مغرب سے اخذ کرلی گئی۔ تاکہ دو نمازوں میں فاصلہ کم ہو اور نیند سے پہلے ہی ذکر سے غفلت نہ ہو۔

فشرع لهم جمع التقديم والتاخير لكنه	شارع حکیمؐ نے جمع تقدیم اور تاخیر
لم يواظب عليه ولم يعزم عليه مثل ما	دونوں کی اجازت دیدی لیکن نہ اس
فعل في القصر اھ۔	پر ہمیشگی کا حکم دیا نہ اس پر تاکید فرمائی
(حجۃ اللہ البالغہ ۲/۱۸)	جیسے نماز قصر کیلئے تاکید نہیں فرمائی۔

تکبیرات عیدین

عید کی تکبیرات اور نماز عید کی ترتیب میں فقہاے اہل حدیث میں اختلاف ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

يكبر في الاولى سبعا قبل القراءة والثانية	پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری
خمسا قبل القراءة وعمل الكوفيان ان	میں پانچ تکبیریں قرأت سے پہلے (طریقہ
يكبر اربعا كتكبير الجنائز في الاولى قبل	اہل الحرمین) علماء کوفہ کا خیال ہے کہ
القراءة وفي الثانية خمسا بعدها وهما	جنازہ کی طرح پہلی میں چار تکبیرات قرأت
سنتان وعمل الحرمين ارجح۔ اھ	سے پہلے اور دوسری میں پانچ قرأت کے

(حجۃ اللہ البالغہ ۲/۲۲۳) بعد اور اہل حرمین کا عمل راجح اور بہتر ہے۔

دَہ در دہ پانی فقہائے حنفیہ اور فقہائے شوافع میں ماء کثیر کے متعلق اختلاف ہے۔ متاخرین فقہائے احناف اس کی مقدار دہ در دہ فرماتے ہیں اور شوافع قلتین بتاتے ہیں۔ پھر اگر کنواں پلید ہو جائے تو اسے پاک کرنے کے لئے ڈولوں کی مقدار کے متعلق عجیب قیاسی گھوڑے دوڑائے ہیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

وبالجملۃ لیس فی ھذا الباب شئ یعتد به ویجب العمل به (حجۃ اللہ البالغہ ۱/۱۴۰) ان مسائل میں کوئی واجب العمل اور قابلِ اعتماد چیز نہیں ہے۔

پھر فرماتے ہیں:

وقد اطال القوم فی فروع موت الحیوان فی البئر والعشر والماء الجاری لیس فی کل ذلك حدیث عن النبی صلی اللہ علیه وسلم (حجۃ اللہ البالغہ ۱/۱۴۰) کنوئیں میں جانور مرنے اور دہ دردہ اور ماء جاری کے مسائل میں علماء نے طویل گفتگوئیں کی ہیں لیکن ان میں کسی کے متعلق بھی قطعاً کوئی حدیث نہیں ہے۔

حجۃ اللہ، مصفّیٰ اور مسوّیٰ میں اور بھی کئی فروعی مسائل ہیں۔ جن میں شاہ صاحب نے نہایت ہی وسعت ظرف سے اپنا رجحان فقہائے حدیث اور شوافع کی طرف فرمایا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ خشک حنفیت اور جامد عصبیت کو شاہ صاحب قطعاً پسند نہیں فرماتے اور نہ ہی قدماء احناف میں اس قسم کا جمود پایا جاتا تھا۔ یہ جمود چوتھی صدی سے شروع ہو کر آٹھویں نویں صدی تک عروج پر پہنچا۔ بدعت سے روکنے کی اصل راہ اتباعِ سلف ہے۔ ائمہ کی تقلید نے بھی بدعت کی راہ میں رکاوٹ پیدا کی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ عقیدت مندی کا جمود آگیا۔ اتباع سلف اور صحابہ کی مختلف رائیں اور ان کے فتوؤں میں مصالح کی بناء پر تنوع ہے اسلئے وہاں جمود نہیں آسکتا۔

چار مصلے برقوق چرکسی نے حرم بیت اللہ میں ائمہ اربعہ کے نام سے چار مصلے قائم کئے تھے۔ غالباً یہ عمل ۸۰۰ھ کے پس وپیش میں ہوا۔ اس وقت بھی علمائے حق نے اس تفریق کی مخالفت کی لیکن حکومت اس تفریق کے احترام پر مصر رہی۔ یہ تفریق یہاں تک بڑھی کہ علی العموم ایک دوسرے کی اقتداء متروک ہو گئی۔ حنفی جماعت ہو رہی ہو

توشوافع اور حنابلہ بے پروا ہو کر بیٹھے رہتے۔ گویا یہ اذان اور نماز ان کے لئے قائم ہی نہیں ہوئی۔[1] یہی حال ان کے ساتھ احناف کرتے۔ حرم کعبہ میں اس بدعت کے احداث سے ساری دنیائے اسلام میں اس کا اثر ہوا۔ ائمہ کے اتباع ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اس کے متعلق فرماتے ہیں:

"وخدائے تعالٰی بے خبر نیست از آنچہ در زمان آئندہ عملی خواہید کرد واز راہِ بدعت یک یک جہت از جہاتِ کعبہ تقسیم خواہید و در ترجیح و تفضیل جہت مختار خود ہر کس خواہد آورد۔ مثلاً حنفیہ جہت جنوب را اختیار خواہند کرد وامام ایشاں جانب شمال کعبہ خواہند استاد و در مقام خواہند گفت کہ قبلۂ ما قبلۂ ابراہیمی است زیرا کہ آنجناب جانب میزاب متوجہ می شدند۔ وشافعیہ غرب را اختیار خواہند کرد وامام ایشاں در شرق کعبہ خواہد استاد و در مقام فخر خواہند گفت با استقبال باب کعبہ مے نمائیم وقبلہ ما قبلہ منصوصہ است۔ اھ (تفسیر فتح العزیز ۱/۵۴۱)

اللہ تعالٰی کو معلوم ہے کہ تم آئندہ ایک بدعت کرو گے اور اطراف کعبہ کو تقسیم کرکے اس پر فخر کرو گے۔ احناف جنوب کی طرف کھڑے ہوں گے۔ ان کا رُخ شمال کی طرف ہوگا وہ فخر کریں گے کہ ہمارا قبلہ ابراہیمی ہے۔ شوافع مغرب کی طرف کھڑے ہو کر مشرق کی طرف رُخ کریں گے اور فخر سے کہیں گے کہ ہمارا قبلہ میزاب کے سامنے ہے، یہی سمت مخصوص ہے۔

شاہ صاحب ان مصلوں کی تقسیم کو بدعت سمجھتے ہیں اور اسلام میں اس تقسیم کو ناپسند فرماتے ہیں۔

ائمہ کی تقلید اور ان کی اطاعت کا مسئلہ اپنی جگہ پر قابل بحث ہے اگر مروجہ تقلید کے جواز میں کوئی سہارا مل بھی جائے تو ائمہ رحمہم اللہ کے نام پر یہ تفریق کبھی درست نہیں ہوسکتی۔ برقوق جیسے مسرف بادشاہ سے یہی امید ہوسکتی تھی۔ تفریق بین المومنین کا مزید بوجھ اس کی

---

[1] شکر ہے کہ بیت اللہ کی جدید تعمیر میں سلطان سعود بن عبدالعزیز نے یہ مصلی بالکل ختم کر دیئے ہیں۔ اب لوگ ایک ہی امام کی اقتداء کرتے ہیں مختلف جماعتیں نہیں ہوتیں اب یہ بدعت ختم ہوگئی والحمد للہ رب العالمین

گردن پر ہوگا اور اسی طرح ان علماء پر جنہوں نے اسے سندِ جواز عطا کی۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

شاہ صاحب کا مقصد

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ جمود غلط ہے تو پھر صحیح کیا ہے؟ شاہ صاحب موجودہ حالات میں کیا تبدیلی چاہتے ہیں؟ قیاس اور رائے پرستی بھی انہیں پسند نہیں اور ظواہر پرستی بھی ان کی نگاہ میں معیوب ہے تو پھر وہ کیا ہے جسے پسند کیا جائے اس معاملہ میں شاہ صاحب اپنا عندیہ حلف مؤکد کیساتھ بیان فرماتے ہیں:۔

واشہد للہ باللہ انہ کفر باللہ ان یعتقد فی رجل من الامۃ ممن یخطی ویصیب ان اللہ کتب علی اتباعہ حتما وان الواجب علی ھو الذی یوجبہ ھٰذا الرجل علی ولکن الشریعۃ الحقۃ قد ثبت قبل ھٰذا الرجل بزمان قد وعاھا العلماء واداھا الرواۃ وحکم بہا الفقہاء وانما اتفق الناس علی تقلید العلماء علی معنی انہم رواۃ الشریعۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانہم اشتغلوا بالعلم مالم نشتغل فلذٰلک قلدوا العلماء فلو ان حدیثا صح وشہد لصحتہا لمحدثین و عمل بہ ھٰؤلاء لان متبوعہ لم یقل بہ فھٰذا ھو الضلال البعید اھ

میں اللہ کیلئے اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ امت میں کسی ایسے آدمی کے متعلق جو غلطی بھی کرتا ہو اور صحیح بھی کہتا ہو، یہ عقیدہ رکھنا کہ اس کی اطاعت ضروری ہے اور جسے وہ واجب کہے اسے واجب سمجھنا ضروری ہے۔ یہ قطعاً کفر ہے۔ کیونکہ شریعت اس شخص سے مدتوں پہلے سے موجود ہے۔ علمائے نے اسے حفظ اور ضبط کیا اور رواۃ نے اسے بیان کیا۔ فقہائے نے اسکے مطابق فیصلے فرمائے۔ لوگوں نے علماء کی تقلید صرف اسلئے متفقہ طور پر قبول کیا کہ وہ درحقیقت شریعت کے آنحضرت سے راوی ہیں اور علم ان کا مشغلہ ہے اور وہ ہم سے زیادہ جانتے ہیں لیکن اگر حدیث صحیح ہو، محدثین اسکی صحت کے شاہد ہوں۔ عامۃ المسلمین نے اس پر عمل کیا ہو۔ معاملہ واضح ہو چکا ہو پھر اسپر صرف اسلئے عمل نہ کیا جائے کہ امام یا متبوع نے اسکے مطابق

فتویٰ نہیں دیا، بہت بڑی گمراہی ہے۔

شاہ صاحب کا ارشاد کسی حاشیہ آرائی کا محتاج نہیں۔ وہ تقلید کے صرف اس حد تک قائل ہیں کہ اہل علم کتاب وسنت سے روایت کرتے ہیں۔ علمی مشاغل کی وجہ سے ان کی معلومات زیادہ ہیں۔ عوام ان کی معلومات سے استفادہ کرسکیں۔ صحیح حدیث کا علم جب صحیح ذرائع سے پہنچ جائے تو علماء کے ساتھ تقلیدی وابستگی کا تعلق یکسر ختم ہو جائے گا اور حدیث صحیح کے ہوتے ہوئے کسی عالم کے لئے تعصب یا اس کی حمایت کے لئے تاویل کے دروازوں کا کھول دینا شاہ صاحب کی نگاہ میں بہت بڑی گمراہی ہے۔ اس انداز کو وہ کسی طرح بھی پسند نہیں فرماتے۔

اس مقصد کیلئے دوسری راہ

شاہ صاحب کی تجویز یہ ہے کہ اس فقہی جمود کو توڑنے کے لئے مختلف مسالک کو باہم آمیز کیا جائے اور کوشش کی جائے کہ مصالح اور ان کے تقاضوں کی روشنی میں بعض مسائل میں حنفی مسلک فکر اختیار کیا جائے اور بعض میں شافعی مسلک کو قبول کرلیا جائے۔

فرماتے ہیں:

ونشأ فی قلبی داعیۃ من جھۃ الملاء الأعلی	ملاء اعلیٰ کی طرف سے میرے دل میں ڈالا
ان مذھب ابی حنیفۃ	گیا کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ دونوں
والشافعی ھما مشھوران فی الامۃ	ائمہ کے مذاہب امت میں مشہور ہیں۔
المرحومۃ وھما اکثر المذاھب تبعا و	اور کثرت اتباع اور کثرت تصنیف کے لحاظ
تصنیفا وکان جمھور الفقھاء والمحدثین	سے مشہور ہیں اور جمہور فقہاء اور محدث
والمفسرین والمتکلمین والصوفیۃ	مفسر اور متکلم اور صوفی شافعی مذہب کے
متمذھبین بمذھب الشافعی۔ و	پابند تھے اور اکثر بادشاہ اور یونان کے
جمھور الملوک وعامۃ الیونان	رہنے والے حنفی مسلک کے پابند تھے اور
متمذھبین بمذھب ابی حنیفۃ و	ملاء اعلیٰ کی نظر میں حق اور صحیح یہ ہے کہ
ان الحق الموافق لعلوم الملاء الاعلی	ان دونوں مذاہب کی جزئیات کو کتب

اليوم ان يجعل كمذهب واحد يعرضان على الكتب المدونة فى حديث النبى صلى الله عليه وسلم من الفريقين فما كان موافقًا بهما يبقى ومالم يوجد اصله يسقط الخ (تفہیمات ۱/۲۱۲)

حدیث پر پیش کیا جائے اور معلوم ہے کہ دونوں مذاہب کے اہلِ علم نے فن حدیث میں تصنیفات کی ہیں جو مسائل حدیث کے موافق ہوں قبول کر لئے جائیں اور جنکا اصل حدیث سے نہیں ہے انہیں کلیۃً ساقط کر دیا جائے۔ اور نقد و نظر کے بعد جن مسائل میں اتفاق پیدا ہو جائے انہیں دانتوں میں تھام لیا جائے اگر اختلاف ہو تو انہیں دو قول تصور کر لیا جائے اور دونوں پر عمل صحیح سمجھا جائے۔ یہ اختلافات قرأت قرآن کی طرح سمجھا جائے یا رخصت اور عزیمت پر محمول کیا جائے یا تنگی سے نکلنے کیلئے دو راہیں اختیار کر لی جائیں یا دونوں کو مباح سمجھا جائے اور معاملہ اس سے آگے نہیں جانا چاہیئے۔

شاہ صاحب نے حنفیت کی کثرت ہندوستان میں دیکھی اور شوافع کی اکثریت انہیں حجاز میں نظر آئی۔ اس لئے انہوں نے ان دونوں میں اتحاد کی ضرورت کو محسوس فرمایا۔ اگر شاہ صاحب نجد اور سوڈان میں حنبلیہ اور مالکیہ کو ملاحظہ فرمالیتے تو ان ہی وجوہ کی بنا پر ان کو بھی ان کے ساتھ ملا دیتے، اور ان کے ساتھ اتحاد کو ضروری سمجھتے۔ اگر ان مسالک میں اتحاد دین کے کسی تقاضا کو پورا کر سکتا ہے تو مذاہب اربعہ میں اتحاد کی کوشش اور آرزو یقیناً اس تقاضا کو پورا کرے گی اور شاہ صاحب ان مصالح کو اسلام کی روح تصور فرماتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فقہی افکار کا جمود شاہ صاحب کے ذہن پر ایک بوجھ ہے جس کیلئے وہ بے حد متفکر ہیں۔ طلباء کو نصیحت اور علوم دین اور علوم دنیا میں تمیز فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

خضتم کالخوض فی استحسانات الفقہاء من قبلکم ان الحکم ما حکم اللہ ورسولہ ورب انسان منکم یبلغہ حدیث من احادیث نبیکم فلا یعمل بہ ویقول انما العمل بہ من مذہب فلان لا علی الحدیث ثم احتال بان فہم الحدیث والقضاء بہ من شان الکملۃ المہرۃ وان الائمۃ لم یکونوا ممن یخفی علیہم ہذا الحدیث فما ترکوہ الا لوجہ ظہر لہم فی الدین من نسخ موجوحیۃ الخ (تفہیمات ۱/۲۱۴)

"تمہاری توجہ پوری طرح فقہا کے استحسانات اور تفریعات کی طرف ہے اور تم نہیں جانتے کہ درحقیقت حکم تو اللہ تعالیٰ کا ہے اور اس کے رسول کا اور تم میں سے بہت سے لوگوں کو آنحضرت کی حدیث پہنچ جاتی ہے لیکن وہ اسے اسلئے قابلِ عمل نہیں سمجھتا کہ اس کا عمل فلاں مذہب پر ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ حدیث پر عمل کرنا تو ماہرین اور اصحاب کمال کا کام ہے اور ائمہ پر کوئی چیز مخفی نہ تھی۔ انکو اس حدیث کا علم ضرور ہوا ہوگا اور کوئی وجہ از قسم نسخ اور مرجوحیت ضرور ہوگی ورنہ وہ ضرور اس پر عمل کرتے۔!

شاہ صاحب ایمہ کا احترام فرماتے ہیں لیکن ان کی علمی وسعت کے باوجود ان پر اسطرح اعتماد اور حسن ظن کو پسند نہیں فرماتے جس سے صحیح حدیث کو نظرانداز کرنے کی نوبت آجائے مروجہ تقلید میں یہی عیب ہے جو شاہ صاحب کے ذہن میں کھٹک رہا ہے۔ وہ طلباء کو نصیحت فرماتے ہیں کہ حدیث کے متعلق انہیں اس سطح سے اونچے ہوکر غور کرنا چاہیئے۔

شاہ صاحب کا اپنا مسلک

سابقہ نظریہ سے ظاہر ہے کہ شاہ صاحب ضروری سمجھتے ہیں کہ عوام علماء کی اطاعت واتباع کریں لیکن نہ اس میں پیغمبر کی طرح کسی شخص کا تعین ہو اور نہ جمود کی روح سرایت کرنے پائے۔ شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ اور مصفّٰی میں اہل حدیث اور اہل الرائے کا ذکر فرمایا ہے۔ اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کی نظر میں ائمہ کوفہ کے سوا باقی ائمہ اہلِ حدیث ہیں، وہ اپنے اساطین اور اساتذہ کے قواعد کی بجائے استدلال اور اجتہاد کی بنیاد کتاب وسنت پر رکھتے ہیں لیکن جہاں تک عوام شوافع، موالک اور حنابلہ کا تعلق ہے، وہ بہرحال وہ کچھ ہیں جو شاہ صاحب کے

کسی طرح بھی پسند نہیں۔ وہاں جمود بھی ہے اور عصبیت بھی۔ ابوبکر محمد بن عبداللہ بن محمد (ابن العربی) کے مقام کی رفعت کو دیکھئے اور امام شافعی کے متعلق ان کے لب و لہجہ کی تلخی کو دیکھئے (ملاحظہ ہو ان کی احکام القرآن) تعصب کے سوا اس کی اور کیا تعبیر ہوسکتی ہے اور تمام مذاہب میں یہ عصبیت اور تلخی تقریباً ملتی ہے۔

اسلئے شاہ صاحب نے سابقہ نظریہ پر عمل کے لئے ایک اور راہ اختیار فرمائی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس وقت اس کے سوا کوئی دوسری راہ ہے بھی نہیں شاہ صاحب المقالۃ الوفیۃ فی النصیحۃ والوصیۃ میں فرماتے ہیں:

> وصیت اول ایں فقیر چنگ زدن است بکتاب و سنت در اعتقاد و عمل و پیوسۃ بتدبر ہر دو مشغول شدن و ہر روز حصہ از ہر دو خواندن نداردترجمہ ورقے از ہر دو شنیدن و در عقاید مذہب قدماء اہل سنّت اختیار کردن واز تفصیل و تفتیش آنچہ سلف تفتیش نکر دند اعراض نمودن بہ تشکیکات معقولیان خام التفات نکردہ و در فروع پیروی علمائے محدثین کہ جامع باشند میان فقہ و حدیث کردن و دائما تفریعات فقیہ را بر کتاب و سنت عرض نمودن۔ وآنچہ موافق باشد درخبر قبول آوردن والا کالائے بدبریش خاوند دادن امت را ہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب و سنت استغناء حاصل نیست وسخن متقشفہ فقہا کہ تقلید عالمے ساختہ تتبع سنت را ترک کردہ اند نشنیدن و بدیشاں التفات نہ کردن و قربت حق جستن بدوں ایشاں۔ (تفہیمات ۲/۲۴۰)

تھوڑا بہت جاننے والوں کیلئے تو فقہا و محدثین ہی کی راہ صحیح ہوسکتی ہے۔ البتہ عوام کو ضرورت کے وقت حنفی اور شافعی کو کم از کم ملا لینا چاہیئے اور کم از کم ان دونوں فقیہوں سے جو بھی اوفق بالکتاب والسنۃ ہو اختیار کرلینا چاہیئے۔

ونحن ناخذ من الفروع ما اتفق	ہم فروعی مسائل میں ان مسائل پر عمل کی
علیہ العلماء لاسیما ہاتان الفرقتان	کوشش کرتے ہیں جن پر علماء متفق ہوں
العظیمتان الحنفیۃ والشافعیۃ و	خصوصاً دو بڑے گروہ حنفی اور شافعی۔
خصوصا فی الطھارۃ والصلوٰۃ فان	طہارت اور نماز کے مسائل میں یہ طریقہ

لم ينهم الاتفاق ولختلفوا فنا خذ بما يشهد له ظاهر الحديث ومعروفه (تفہیمات ۲/۲۰۲)

اور بھی پسندیدہ ہے اگر اس میں اتفاق نہ ہوسکے تو جو ظواہر حدیث کے موافق ہو ہم اس پر عمل کرتے ہیں۔

آج کل کی تلخیوں اور ان کے پس منظر کو نظر انداز کردیا جائے تو ہندوستان میں مسلک اہل حدیث کا مقصد اسی نوعیت کا اتفاق تھا جسے فرقہ وارانہ عصبیت نے ہیبت ناک صورت دے دی۔ آج ایک آزاد ملک میں تقلید شخصی اور فقہی جزئیات پر زور دیا گیا یا حکومت پر زور دیا گیا کہ وہ صرف حنفیت کو اسلام کا مرادف سمجھے تو اس کے نتائج اسلام کے لئے اور مسلمانوں کے لئے اچھے نہیں ہوں گے۔ فتاویٰ عالم گیری اپنے وقت کا بہت بڑا دینی اور علمی کارنامہ ہے جس کی تشکیل اور تاسیس میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے والد حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب بھی شامل تھے لیکن حضرت شاہ ولی اللہ کی دور اندیش نگاہ آنے والے فتنوں کے لئے اسے کافی نہیں سمجھتی۔ وہ ان فقہی استحسانات کو دین اور شریعت کا نام دینا اور اصول فقہ کو شرعی دستاویز قرار دینا پسند نہیں کرتے۔ اُن کا منشا یہ ہے کہ مذاہب اربعہ کے علاوہ فقہاء محدثین کی راہ کو بھی ان کے ساتھ ملا کر ملک میں ایک ایسے فقہی مکتب فکر کی بنیاد رکھی جائے جس میں نہ حافظ ابن حزم کی ظاہریت ہو جس سے نصوص میں بھدا پن پیدا ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی فصاحت وبلاغت اور حسنِ ادا نظر انداز ہو جائے اور نہ ہی قیاس اور رائے کو اس قدر اہمیت حاصل ہو کہ قوتِ فیصلہ علماء کی موشگافیوں اور حیل آفرینیوں کے ہاتھ میں چلی جائے اور نصوص شرعیہ اس حیران کن منظر میں صرف تماشائی ہو کر رہ جائیں جیسے متاخرین فقہا نے فرضی صورتوں سے دین کا نیا محل تعمیر فرما دیا۔ قاضی خان، شامی، الاشباہ والنظائر ان کے سامنے ان علوم کی اور ہمہ گیر تعلیمات سے انگشت بدنداں ہو کر رہ گئیں۔

ایک بہت بڑا مغالطہ اور اہل حدیث

کچھ مدت سے عوام میں ایک مغالطہ کی اشاعت ہو رہی ہے اور اچھے سنجیدہ اور پڑھے لکھے حضرات کو اس میں مبتلا پایا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ:

"اہل حدیث کوئی مکتب فکر نہیں بلکہ حفاظ حدیث اور اس فن کے ماہرین
کو اہل حدیث کا نام دیا گیا ہے۔"

اس مغالطے کی حمایت ہمارے ملک کی بعض تحریکات نے بھی کی ہے اور بعض کم سواد حضرات نے بھی اپنی تحریروں میں اس خیال کا اظہار فرمایا۔ اس کے دو ہی سبب ہیں۔ قلتِ مطالعہ یا پھر تعصب کے ساتھ سیاہ دلی۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ فنِ حدیث اور اس کے حفظ و ضبط کا دل پسند مشغلہ مذاہب اربعہ میں رہا ہے اور ان مکاتب فکر کے علماء فن حدیث' اور اس کے خوادم فن رجال اصولِ حدیث وغیرہ کی خدمت کی۔ لیکن یہ حضرات اس خدمت کے باوجود فہم حدیث کے معاملہ میں اپنے پیش رو اماموں ہی کے انداز سے سوچتے ہیں جیسے حافظ طحاوی' علامہ ترکمانی' حافظ بیہقی' حافظ بدرالدین عینی' حافظ ابن حجر عسقلانی ۔ یہ حضرات حدیث کی بہترین خدمت کے باوجود طریق فکر کے لحاظ سے یا حنفی ہیں یا شافعی۔ اسی طرح موالک اور حنابلہ میں بھی ایسے خدام حدیث موجود ہیں جو فکر کے لحاظ سے مالکیت یا حنبلیت کے پابند ہیں۔ وہ احادیث کے مفہوم کو سوچتے وقت اپنے ائمہ کی حدود سے آگے نہ بڑھ سکے۔

بلکہ ان کے تحقیقی ارشادات پر غور فرمائیے تو اپنے مخالفین کے خلاف بعض اوقات خاصا تشدد نظر آئے گا اس کے باوجود وہ حدیث کے خادم ہیں۔

اہلِ حدیث مکتبِ فکر

لیکن اہلِ حدیث مکتبِ فکر اس سے بالکل مختلف ہے۔ یہ وہ جماعت ہے جو اپنے افکار میں ان شخصی پابندیوں سے آزاد ہے وہ مجتہد ہوں یا نہ ہوں لیکن وہ شخصی اجتہادات کے پابند نہیں بلکہ ان بزرگوں کے لئے مواد اور دلائل فراہم فرماتے ہیں۔ خود بھی پیش آمدہ مسائل پر کتاب اللہ اور سنت اور ائمہ سلف کے ارشادات کی روشنی میں غور فرماتے ہیں۔ ائمہ اربعہ کے اجتہادات سے موافقت ہو یا مخالفت' اس کیلئے وہ چنداں فکرمند نہیں ہوتے۔ بلکہ انکی نظر مصالح پر ہوتی ہے۔

شاہ صاحب نے حجۃ اللہ میں ایک باب کا عنوان ہی یہ رکھا ہے:

بَابُ الْفَرْقِ بَیْنَ اَھْلِ الْحَدِیْثِ وَاَھْلِ الرَّائِ

عنوان سے ظاہر ہے کہ دو مکتبِ فکر کا تذکرہ ہوگا۔

پھر اہل حدیث کے چند اصولِ[1] ذکر فرمانے کے بعد لکھتے ہیں:

فإن عجزوا عن ذٰلك أيضًا تأملوا في عمومات الكتاب وإيماء اتها واقتضاءاتها وحملوا نظير المسئلة عليها في الجواب اذا كانتا متقاربتين بادي الرای لايعتمدون في ذٰلك على قواعد من الاصول ولكن على ما يخلص الى الفهم ويثلج به الصدر كما انه ليس ميزان التواتر عدد الرواة ولا حالهم ولكن اليقين الذي يعقبه في قلوب الناس نبهنا على ذٰلك في بيان حال الصحابة۔

(حجۃ اللہ البالغۃ ۱ر۱۹۹)

اگر سابقہ اصولوں کے مطابق مسئلہ طے نہ ہوسکے تو کتاب وسنت کے ارشادات واقتضاءات کو دیکھتے اور پیش آمدہ مسئلہ کے نظائر اور ان کے حکم پر غور کرتے ہیں اور جواب تلاش کرتے ہیں جب وہ نظائر صراحتہ متقارب ہوں تو اصولِ فقہ کے قواعد کو چنداں ملحوظ نہیں رکھتے بلکہ قلبی سکون اور طمانیت کو ملحوظ رکھتے ہیں جیسے تواتر میں اصل چیز عدد روات نہیں۔ بلکہ اصل چیز یقین اور اطمینان ہے۔

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ اہلِ حدیث محض فن کے حفاظ کا نام نہیں بلکہ انکے نزدیک فہم واستدلال کیلئے کچھ اصول ہیں جو کتاب وسنت ہی سے ماخوذ ہیں وہ تقلیدی نہیں بلکہ ان میں یقین اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

پھر ج ۱ر۱۲۹ میں فرماتے ہیں:

میں نے سنا ہے کہ گروہ صرف دو ہیں۔ اہل ظاہر اور اہل الرائے تیسرا کوئی گروہ نہیں جو بھی قیاس کرے اور استنباط کرے وہ اہل الرائے ہے۔ یہ قطعاً غلط ہے اور رائے سے مراد عقل اور فہم نہیں کیونکہ اسکے سوا تو اہل علم کے لئے کوئی چارہ ہی نہیں اور نہ ہی اس سے وہ رائے مراد ہے جس کا کتاب وسنّت

---

[1] ان اصول کا ذکر شروع میں آچکا ہے جماعت اسلامی اور اسکے ہمدرد حضرات نے گذشتہ ایام میں اس مغالطہ کی کافی اشاعت فرمائی تھی۔ ممکن ہے جماعت کیلئے یہ مغالطہ مفید ہو۔ علمی اور تحقیقی طور پر یہ قطعاً غلط ہے تاریخی شواہد اس کے خلاف ہیں۔ ۱۲

سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ یہ تو کوئی مسلمان پسند ہی نہیں کر سکتا اور نہ ہی رائے استنباط اور قیاس پر قدرت کا نام ہے کیوں کہ امام احمد، اسحاق بلکہ امام شافعی قیاس اور استنباط فرماتے ہیں لیکن وہ بالاتفاق اہل الرائے نہیں ہیں بلکہ اہل الرائے سے مراد وہ حضرات ہیں جو اجماعی اور جمہور ائمہ میں متفقہ مسائل کے علاوہ متقدمین سے کسی متعین بزرگ کے اصولوں پر استنباط اور تخریج فرماتے ہیں اور نظائر کو نظائر پر محمول فرماتے ہیں اور معینہ اصولوں کی طرف رجوع فرماتے ہیں اور اس کیلئے احادیث اور آثار کے تتبع کا تکلف نہیں فرماتے اور ظاہری علماء، حافظ ابن حزم اور داؤد ظاہری حضرات قیاس اور آثار دونوں کو حجت نہیں سمجھتے اور محققین اہل سنت، اہل الرائے اور اہل ظاہر کے بین بین ہیں۔

شاہ صاحب کے اس ارشاد سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں:

۱۔ اہل حدیث صرف اہل فن نہیں بلکہ یہ ایک مکتب فکر ہے۔

۲۔ فقہائے کوفہ کے علاوہ باقی ائمہ اجتہاد اہلِ حدیث سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے اتباع اور مقلدین گو اہلِ حدیث نہ کہلا سکیں۔

۳۔ اہلِ حدیث قیاس جلی اور نظائر کے حکم کو مانتے ہیں اور اجتہاد و استنباط کے قائل ہیں۔

۴۔ اہلِ حدیث کتاب و سنت کے علاوہ صحابہ اور سلف کے ارشادات کو اصل سمجھتے ہیں۔ اور اس پر اپنے فہم اور استنباط کی بنیاد رکھتے ہیں۔

۵۔ اہلِ حدیث اور اہلِ ظاہر دو مختلف فکر ہیں اور اہل الرائے ان دونوں سے الگ ہیں۔

۶۔ اہل الرائے مسائل کے استنباط میں مخصوص اہلِ علم کے اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ کتاب و سنت ان کے پیشِ نظر نہیں ہوتے۔

۷۔ اہلِ حدیث مکتب فکر اہل الرائے اور اہلِ ظاہر کے علاوہ ہے۔

شاہ صاحب نے اس قسم کی تصریحات حجۃ اللہ کے علاوہ تفہیمات و انصاف عقد الجید وغیرہ میں بھی فرمائی ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب نے فتاویٰ عزیزیہ، تفسیر فتح العزیز میں اسی موضوع پر بہت کچھ لکھا ہے۔ صراط مستقیم میں حضرت سید احمد شہید نے بھی جمود اور مروجہ تقلید کے متعلق کافی وضاحت فرمائی ہے۔ ان تصریحات کی تائید شاہ اسمٰعیل شہید نے بھی فرمائی ہے۔ علامہ شوکانی نے القول المفید میں بقدر ضرورت تفصیل کے ساتھ ائمہ حدیث کے مسلک کی وضاحت فرمائی ہے۔

ایقاظ ھمم اولی الابصار میں امام یحییٰ فلانی نے بھی محدثین کے مسلک کی تائید فرمائی ہے۔

ابن عبدالبر نے "جامع بیان العلم وفضلہ" میں اہل الرائے اور اہلِ حدیث کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اور مسلک اہلِ حدیث کو راجح اور صحیح تصور کیا ہے۔ ان تصریحات کے لئے وقت اور کسی دوسری صحبت کی ضرورت ہے۔ حقیقت پسند آدمی ان تصریحات کا مطالعہ کرے تو اسے یقین ہو گا کہ اہلِ حدیث محض حفاظ حدیث کا نام نہیں۔ بلکہ ان حضرات کا طریق فکر ہے جس پر تفقہ اور اجتہاد کی بنیاد کتاب وسنت اور سلف امت کے ارشادات پر رکھی گئی ہے۔ تقلید شخصی اور جمود کے لئے اس مسلک میں کوئی کام نہیں۔

شہرستانی (۵۴۸ھ) دورِ جمود کے آغاز سے بہت قریب ہیں۔ فرق اور مذاہب کے اجتماع اور افتراق پر ان کی نظر غائرانہ اور وسیع ہے۔ ان کی کتاب الملل والنحل اس موضوع کی مستند دستاویز شمار کی جاتی ہے، ان کی تصریحات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اہلِ حدیث ایک مکتبِ فکر ہے جسے فقہی مکاتب میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ یہ محض حدیث کی خدمت کا نام نہیں۔

ثم المجتهدون من ائمة الامة	ائمہ مجتہدین کی دو ہی قسمیں ہیں۔ اصحاب
محصورون فی صنفین لایعدان	الحدیث اور اصحاب الرائے۔ اصحاب الحدیث
الی ثالث اصحاب الحدیث واصحاب	کا مسکن حجاز ہے۔ امام مالک اور انکے
الحدیث هم اهل الحجاز واصحاب	تلامذہ، امام شافعی اور انکے شاگرد،
مالك بن انس واصحاب محمد	سفیان ثوری اور انکے رفقاء امام احمد
بن ادریس الشافعی واصحاب سفیان	کے ساتھی اور امام داؤد ظاہری کے خدام
الثوری واصحاب احمد بن حنبل	انہیں اہل حدیث اسلئے کہا جاتا ہے کہ

واصحاب داؤد بن علی بن محمد الاصفہانی وانما سموا اصحاب الحدیث لان عنایتھم بتحصیل الاحادیث و نقل الاخبار وبناء الاحکام علی النصوص ولا یرجعون الی القیاس الجلی والخفی ما وجد واخبرًا۔ (۲/۴۵ برحاشیہ کتاب الفصل لابن حزم)

ان کی توجہ حدیث اور اخبار کی طرف ہے اور احکام کی بنیاد نصوص پر رکھتے ہیں جبتک حدیث موجود ہو وہ قیاس جلی اور خفی کی پرواہ نہیں کرتے۔

ش ش ش

اس کے بعد فرماتے ہیں:

اصحاب الرای وھم اھل العراق ھم اصحاب ابی حنیفۃ النعمان بن ثابت ومن اصحابہ محمد بن الحسن و ابی یوسف یعقوب بن محمد القاضی وزفر بن ھذیل والحسن بن زیاد اللؤلوی وابن سماعۃ وعافیۃ القاضی وابو مطیع البلخی والبشر المریسی وانما سموا اصحاب الرای لان عنایتھم بتحصیل وجہ من القیاس والمعنی المستنبط من الاحکام وبناء الحوادث علیھا وربما یقدمون القیاس الجلی علی اخبار الاحاد۔ (شہرستانی ۲/۴۲)

اہل عراق کو اصحاب الرائے کہا جاتا ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ، اور ان کے تلامذہ ہیں۔ انہی میں امام محمد، امام ابویوسف قاضی زفر، حسن بن زیاد، ابن سماعہ قاضی عافیہ ابومطیع بلخی اور بشر مریسی وغیرہ شمار ہوتے ہیں۔ انہیں اصحاب الرائے اسلئے کہا جاتا ہے، کہ ان کی زیادہ تر توجہ قیاس اور معانی کے استنباط کی طرف ہے اور احکام کی بناء ان قیاس پر رکھتے ہیں اور بسا اوقات قیاس جلی کے سامنے خبر واحد کی بھی پرواہ نہیں کرتے؛

حجۃ اللہ کا مقام "باب الفرق بین اھل الحدیث واھل الرای"، شہرستانی کے اسی مقام کی شرح معلوم ہوتی ہے۔ ہمارا مقصد اسوقت اس جہالت آمیز غلط فہمی کی اصلاح ہے جو بعض علمی حلقوں کی طرف سے پھیلائی گئی ہے کہ:

"یہ اہل حدیث محض فنی خدمت کا نام ہے۔"

شہرستانی کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں قدیم مکتب فکر ہیں، جو اختلاف

کے باوجود ایک دوسرے سے استفادہ کرنے، اور ان کا باہم رد و تردید کا مشغلہ تو رہا ہے۔ مگر کسی نے ایک دوسرے کی تکفیر نہیں کی۔

شہرستانی کے دونوں اقتباسات سے ظاہر ہے کہ اصحاب الحدیث ایک مکتب فکر ہے جس نے احادیث کے متون اور اسانید کی حفاظت فرمائی۔ پھر اس پر فقہی تبویب فرمائی۔ فروع اور عقاید کی صحت پر استدلال فرمایا۔ شخصی آرار تو ان کے ہاں کوئی قیمتی چیز نہیں اسلئے فقہائے عراق یا دوسرے فقہا کی طرح ان لوگوں نے اپنی فقہ ایجاد نہیں فرمائی تاکہ لوگ اس پر تقلیدی انداز میں اعتماد نہ کرنے لگیں۔ لیکن کتاب و سنت سے استنباط کی راہیں اور قیاس صحیح کے استعمال کی راہ کھولی۔ شخصی آرار پر نصوص شرعیہ کی برتری کو واضح کیا اور فقہ الحدیث کا بہت بڑا ذخیرہ اہلِ علم کے سامنے رکھ دیا۔

تاریخ کے امام اور تنقید کے موسس علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون (۸۰۸ھ) کا ایک اقتباس قابل غور ہے، فرماتے ہیں:

وانقسم الفقه فيهم الى طريقين طريق اهل الراى والقياس وهم اهل العراق وطريقة اهل الحديث وهم اهل الحجاز وكان الحديث قليلا فى اهل العراق لما قدمناه فاستكثروا من القياس ومهروا فيه فلذلك قيل اهل الراى ومقدم جماعتهم الذى استقر المذهب فيه وفى اصحابه ابوحنيفه (مقدمہ ابن خلدون /۳۸۹)

فقہ کی دو قسمیں ہوگیں۔ فقہ اہل الرائے جن کا مرکز عراق ہے اور فقہ اہلِ حدیث جن کا مرکز حجاز ہے اہل عراق میں حدیث کا چرچا کم تھا اور وہ قیاس میں ماہر تھے ان کے امام حضرت امام ابوحنیفہؒ ہیں۔

ابن خلدون کا تاریخی مقام پڑھے لکھے لوگوں سے مخفی نہیں۔ ان کے ارشاد سے ظاہر ہے کہ اہل حدیث کو محض حفظ حدیث تک محدود رکھنا تاریخ سے بہت بڑی بےخبری ہے یا عصبیت کی وجہ سے دیانت میں نقص۔

اسی طرح ایک اقتباس علامہ المنصور عبدالقاہر البغدادی (۴۲۹ھ) کا گذر چکا ہے۔

علامہ کاتب چلپی کی نظر اصحاب مذاہب اور ان کی تصنیف پر جس قدر ہے وہ ان کی کتاب "کشف الظنون" سے ظاہر ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

واکثر التصانیف فی اصول الفقہ لاھل الاعتزال المخالفین لنا فی الاصول ولاھل الحدیث المخالفین لنا فی الفروع (کشف الظنون ۸۹/۱- ابجد العلوم ۳۲۵/۱)

معلوم ہے جو لوگ اصول فقہ میں "اصحاب التصانیف ہیں وہ محض الفاظ کے حافظ نہیں۔ وہ فہم الفاظ میں بھی تحقیقی نظر رکھتے ہیں۔ ان کی اصول فقہ پر دقیق نظر ہے اس لئے انہیں فن کار کہنا کسی فنکار ہی کا کام ہے کوئی عالم یہ جرأت نہیں کر سکتا

اہلِ حدیث اور متکلمین

دوسری صدی میں صفات باری کے متعلق فلاسفہ اور متکلمین نے جو دھاندلی مچائی تاریخ مذاہب کے غواص اس سے بے خبر نہیں ہیں۔ اس دَور میں اہل حدیث نے جس پامردی سے ان فتنوں کا مقابلہ کیا۔ وہ تاریخ کی ایک حقیقت ہے۔ قید و بند کے مصائب اہلِ حدیث نے جس طرح برداشت کئے وہ ایسی داستان نہیں، جسے بھلایا جا سکے۔ یہ ہنگامہ دوسری صدی سے شروع ہو کر تقریباً آٹھویں صدی تک رہا۔ اس دَور کے متکلمین اور فقہاء محدثین کی تصانیف میں اہل حدیث کا تذکرہ بڑی کثرت سے پایا جاتا ہے۔ اربابِ تاویل کے سامنے ظواہر نصوص پر اڑنا اور مخالفین سے نمٹنا آسان نہ تھا۔ لیکن اسوقت اہلِ حدیث نے یہ جنگ بڑی جواں مردی سے لڑی۔ مامون الرشید سے شروع ہو کر متوکل علی اللہ کی حکومت تک ان پر کیا گزری اسے تاریخ کے طالب علم خوب جانتے ہیں۔ اس دور کی ان کتابوں میں یہ مباحث موجود ہیں۔ اہلِ حدیث کا تذکرہ جس انداز سے آیا ہے، اس سے ظاہر ہے کہ یہ لوگ محض الفاظ کے حافظ اور فنکار نہیں بلکہ ان کی نظر معانی کی روح اور ان کے دُور رَس عواقب پر بھی ہے۔

حافظ ابن القیم اور ان کے استاد شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اس معرکۂ رست خیز اور اس میدان کارزار کے بہادر سپاہی ہیں۔ اپنی تصانیف میں ان مباحث کا ذکر فرماتے

ہوئے اہل حدیث کا ذکر جس عقیدت سے کرتے ہیں، وہ صرف حفظ الفاظ کی وجہ سے نہیں۔ اعتزال وجہمیت وتشبیہ وتعطل کے خارزار میں ظواہر نصوص کا ساتھ دینا معمولی بات نہیں۔

حافظ ابن قیم کی کتاب "الکافیۃ الشافیۃ فی الانتصار للفرقۃ الناجیۃ" اس معرکۂ کارزار کا جزء ہے، جس میں وہ بار بار اہل حدیث کا تذکرہ ان لوگوں میں کرتے ہیں جنہوں نے فلاسفہ اور متکلمین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سنت کی حمایت فرمائی۔ تاویل کی دھاندلیوں سے عامۃ المسلمین کو بچایا۔ چند حوالے ملاحظہ فرمایئے:

لا تبھتوا اھل الحدیث بہ فما ذا قولھم تبا لذی البھتان

اہل حدیث پر بہتان مت لگا، بہتان لگانے والوں کی حالت قابل افسوس ہے

ھذا ھو الحشوی لأھل الحدیث ائمۃ الاسلام و الایمان

حشوی دراصل یہ لوگ ہیں۔ اہل حدیث تو اسلام اور ایمان کے امام ہیں

اسماء سمیتم بھا اھل الحدیث وناصری القرآن والایمان

تم نے اہل حدیث کے کئی نام رکھے ہیں اور وہ صرف قرآن اور ایمان کے معاون ہیں

من سبھم اھل الحدیث ودینھم اخذ الحدیث وترک قول فلان

یہ اہل حدیث کو گالیاں دیتے ہیں حالانکہ ان کا مذہب حدیث ہے اور اقوال رجال کو ترک کرنا

وکذلک اصحاب الحدیث فانھم ضربت لھم ولکم ھذا امثلان

اسی طرح اہل حدیث کی اور تمہاری دو الگ الگ مثالیں ہیں۔

والی اولی العرفان من اھل الحدیث خلاصۃ الانسان والاکوان

اور اہل حدیث اصحاب معرفت ہیں اور انسانیت کا خلاصہ ہیں۔ (قصیدہ نونیہ (۱۲۲))

قصیدہ نونیہ کا شاید ہی کوئی ورق ہو جس میں کسی نہ کسی طریق سے اہل حدیث مکتب فکر کا تذکرہ نہ آیا ہو۔

علامہ بزدوی خبر واحد کے تذکرہ میں فرماتے ہیں:

قال بعض اھل الحدیث یوجب علم الیقین خبر واحد سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔

۱۔ اصول بزدوی ۲/ ۶۵۱

اُصول بزدوی کے شارح علامہ عبدالعزیز بخاری فرماتے ہیں:

ذھب اکثر اصحاب الحدیث الی ان الاخبار التی حکم اھل الصنعة بصحتھا توجب علم الیقین (۱۹۱/۲)

اکثر اصحاب الحدیث کا خیال ہے کہ جن خبروں کو اصحاب فن نے صحیح فرمایا ہے ان سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔

علامہ عبدالعزیز بخاری مرسل کی حجیت کا ذکر کرتے ہوئے اہلِ حدیث پر طعن فرماتے ہیں:

انھم سموا انفسھم اصحاب الحدیث وانتصبوا انفسھم لعیارة الحدیث والعمل بھا ثم ردوا منھا ما ھو اقوی اقسامھا (۲۲۵/۳)

یہ لوگ اپنے آپ کو اہلِ حدیث کہتے ہیں اور حدیث پر عمل اور اسکی حفاظت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اسکی قوی ترین اقسام کا انکار کرتے ہیں۔

یہ تلخ نوائی محض حفظ الفاظ پر نہیں۔ یہ تحقیقی مسئلہ ہے جس میں اہلِ حدیث کی رائے قدمائے احناف کے خلاف ہے۔

دوسرے مقام پر اسی کشف الاسرار میں انبیاء کے لئے رائے اور اجتہاد کے جواز کا تذکرہ فرماتے ہیں:

ھو منقول عن ابی یوسف من اصحابنا و ھو مذھب مالک و الشافعی وعامة اھل الحدیث (۹۲۵/۳)

انبیاء کیلئے اجتہاد کی اجازت ہے۔ ابو یوسف مالک، شافعی اور اکثر اہلحدیث کا یہی مذہب ہے۔

اس میں مذہب اہل حدیث کا تذکرہ بیسیوں مقامات پر آیا ہے۔ حسامی کی شرح غایۃ التحقیق میں اکثر مقامات پر اہلِ حدیث کا ذکر موجود ہے۔

اسلئے اہلِ حدیث سے مراد صرف حفاظ حدیث مراد لینا انتہائی لاعلمی اور بے خبری ہے۔ قدماء کی کتابوں میں دوسرے مکاتب فکر کی طرح اہل حدیث کا بھی ذکر آتا ہے اصول فقہ میں یہ تذکرہ خاص طور پر ملتا ہے کیونکہ حسب ارشاد علامہ کاتب چلپی اس فن کے تو بانی ہی معتزلہ ہیں اور اصحاب الحدیث نہیں۔ البتہ متاخرین میں عصبیت بڑھ گئی۔

اور اقتدار بھی اہل سنت کے ہاتھوں میں آگیا تو حکومت اور اقتدار کے نشہ میں اہلحدیث کا ذکر کم ہوتا گیا اور نفرت بڑھتی گئی۔

تیسری صدی تک تو پورے فارس پر مسلک اہلِ حدیث کا اقتدار تھا مصنفین صحاح اور دوسرے علم حدیث کے مدوّن زیادہ تر اسی علاقے کے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان ہی حضرات کو توفیق بخشی کہ علوم کو آئندہ آنے والے لوگوں تک پہنچائیں اور انہوں نے یہ فرض ادا فرمایا جزاھم عن المسلمین احسن الجزاء۔

ان حضرات کی علوم پر نظر کا یہ حال تھا کہ تجوید میں بھی ان کی رائے کا تذکرہ ایک مکتب فکر کے لحاظ سے ہوا ہے۔ ائمہ قرأت میں اختلاف ہے کہ آیۃ: وَمَا يَعْلَمُ تَاوِيْلَهُ اِلَّا اللّٰهُ پر وقف ہے یا نہیں۔ تجوید اور قرأت کے متعلق مستند کتاب النشر فی القراءات العشر للعلامہ محمد بن محمد الدمشقی (۸۳۳ھ) میں فرماتے ہیں کہ الا اللہ پر وقف تام ہے۔ وھو مذھب ابی حنیفۃ واکثر اھل الحدیث (۲۲۷/۱)

قدماء اہل حدیث ان تمام راہوں سے آگاہ تھے جن پر فقہائے متاخرین کو ناز ہے۔

فقہ اور اہل حدیث

بچپن میں سنتے تھے کہ:

"اہلِ حدیث کی مثال عطار کی ہے اور فقہاء کی مثال طبیب کی۔"

اس کا اثر ذہن پر یہ ہوتا تھا کہ شاید یہ دو گروہ ہیں۔ فقہاء عطاری نہیں کرتے اور اہلِ حدیث، حدیث کے طبیب نہیں ہوتے لیکن جب علوم حدیث اور دفاتر سنت دیکھنے کا موقع ملا تو معلوم ہوا کہ یہ دو فرقے نہیں بلکہ عملی زندگی میں طبعی رجحانات کے مطابق ایک خاص طریق ہے جسے پسند کر لیا گیا۔ نہ اس کا یہ مطلب ہے کہ محدثین فقہ نہیں جانتے۔ نہ یہ درست ہے کہ فقہاء حدیث نہیں جانتے۔ قدرت نے سب کو استعداد عطا فرمائی ہے جس کام کیلئے کسی نے اس استعداد کو استعمال کیا وہ چیز اسے عطا کر دی گئی۔

ائمہ حدیث کے حالات جب ہم پڑھتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقۂ درس میں موجود تھے۔ حدیث کا دَور اور حفظ اسی طرح فرماتے

تھے جس طرح حفظ قرآن کرتے تھے۔ فہم کے لئے بھی اسی طرح محنت کرتے تھے۔ لیکن اس وقت اسکی شکل تذکرے اور نوٹ کی تھی۔ کتاب کی طرح مدون نہ تھی صحابہ اس کے غوامض کو سمجھتے تھے لیکن مروجہ کتب فقہ یا شروح حدیث کی طرح لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔ اس کے باوجود وہ فقیہ بھی تھے اور محدّث بھی، اہل حدیث بھی تھے اور اصحاب فقہ بھی۔ کسی چیز کی فنی تدوین دوسری چیز ہے اور اس کا صحیح فہم دوسری چیز۔ صحابہؓ کے ان تذکروں میں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدّہٖ کا پورا تذکرہ امام احمد بن حنبل نے مسند میں نقل فرمایا ہے۔ حضرت ابوہریرہ کی مسند بواسطہ وہب بن منبہ مطبوعہ موجود ہے۔ تابعین کا یہ سلسلہ اور بڑھ گیا۔ اور یہ نوٹ اور ضخیم ہو گئے۔ زہری، ابن عیینہ، عمر بن عبدالعزیز کے تذکرے اب بھی دستیاب ہو سکتے ہیں۔ مسند احمد میں یہی نوٹ بصورت مسانید موجود ہیں اور ضخیم چھ جلدوں میں مطبوعہ اور غیر مطبوعہ صدیوں سے ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ یہ دَور فقہاء اور محدثین کا ہے۔ وہ احادیث کو حفظ بھی کرتے ہیں، اسکے مضمون کو سمجھ کر اسکی روشنی میں فتویٰ بھی دیتے ہیں۔ اس کے مواد کے لئے محلّی ابن حزم، مغنی ابن قدامہ، مصنّف ابن ابی شیبہ ہمارے ہاتھوں میں ہے، جس میں آثار کی بڑی مقدار موجود ہے اسے فقہ کہیئے یا آثار۔ ان لوگوں نے قرآن اور سنت سے سمجھ کر یہ فتویٰ دیئے، بلکہ محدثین کی فقہ کے لئے تو قرآن و سنت کے بعد یہی آثار اجتہاد اور استنباط کی اساس اور بنیاد ہیں۔

(حجۃ اللہ البالغہ ۱/۱۱۹)

تدوین حدیث کا دور

اس کے بعد تدوین حدیث کا دور شروع ہوتا ہے۔ اس وقت کی مصنفات میں احادیث پر تبویب کی گئی ہے۔ صحیح بخاری، نسائی، ترمذی، موطا، ابن ماجہ وغیرہ کے مصنفین نے تبویب کی ہے، احادیث سے مسائل استنباط فرمائے ہیں، جس سے انسان میں قوت استنباط پیدا ہوتی ہے۔ مذاہب اربعہ کی کتبِ فقہ تو مسائل کی نقل ہے۔ ان کتابوں سے استنباط کا ملکہ مشکل ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ ان ضخیم کتابوں کے ہوتے ہوئے کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ فقیہ نہیں۔ ان کا کام الفاظ حدیث کا حفظ تھا، یہ صرف فن کار تھے۔ ایک پڑھا لکھا شخص جسے حدیث کی کتابوں پر سرسری عبور بھی ہو اسے یہ جرأت

نہیں ہو سکتی کہ وہ ائمہ حدیث کو غیر فقیہ کہے۔

امام بخاری کی تبویب نے بڑے بڑے ارباب فقہ و بصیرت کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ باقی محدثین ابو داؤد، نسائی، ترمذی، مؤطا، ابن ماجہ کی تبویب نے ان کے تفقہ اور فقہی بصیرت کو واضح کر دیا ہے۔ جہاں تک احادیث سے مسائل کے استخراج اور فہم کا تعلق ہے۔ ائمہ حدیث کی تبویب میں صحیح اور معیاری فقہ پائی جاتی ہے۔

اگر فقہ فرضی صورتوں کا نام ہے اور اس سے غیر موجود بلکہ ناممکن الوقوع معاملات اور احکام کا تعلق ہے تو واقعی اہلِ حدیث کی فقہ یا فقہ الحدیث میں اس کا ثبوت نہیں ملے گا۔ یہ خوبی فقہ العراق میں ہوگی۔ لیکن یہ دراصل فقہ نہیں ایمہ حدیث کا مقام تو مصطلح فقہائے سے کہیں زیادہ ہے۔

فرضی صورتوں پر احکام مرتب کرنا بھی کوئی مشکل چیز نہیں لیکن علم مالم یقع و الجعل عما وقع اہل حدیث کے نزدیک اسے فقہ کہنا ہی درست نہیں۔

شاہ ولی اللہ چاہتے ہیں کہ مروجہ فقہ کو حدیث اور آثار سلف کی تائید حاصل ہو اور ظاہریت خالصہ کو تفقہ اور قیاس جلی سے ہم آہنگ کیا جائے۔ ہندوستان میں تحریک اہلِ حدیث کا مقصد صرف اسی قدر ہے۔ جسے مستقل طور پر گھبراہٹ کا پیغام سمجھ لیا گیا ہے اور حضرات دیوبند اور ارباب بریلی دونوں اس مکتبِ فکر سے گھبرانے لگے۔ حضرات بریلی سے تو کوئی شکوہ نہیں کیوں کہ وہاں پورا انحصار ہی جذبات اور چند نعروں پر ہے۔ عوام کی پیدا کی ہوئی رسوم اور چند بدعات کا نام شریعت رکھ لیا گیا اور غلط قسم کے رکھ رکھاؤ کو ادب سے تعبیر کر لیا گیا ہے اور ان حضرات کے نزدیک یہی چیزیں کتاب و سنت کا نعم البدل ہیں۔ یہ حضرات توحید و سنت کی ٹھوس آواز سے ڈریں تو بجا ہے لیکن تعجب حضرات دیوبند سے ہے۔ وہ بھی وہابی کے لفظ سے اس قدر گھبرائے کہ میدان چھوڑ گئے۔

سانحہ بالاکوٹ کے بعد ان حضرات کی رسمی تصوف کے ساتھ کچھ ایسی وابستگی ہوئی اور بیعت و ارادت ان میں کچھ اس انداز سے آئی کہ یہ حضرات بریلی سے بہت قریب پہنچ گئے۔ اذکار اوراد میں بھی سنت کا معیاری مقام قائم نہ رہ سکا۔ نماز کے وقت اور ہیئت میں بھی تسکین اور اطمینان قریباً ختم ہوگیا اور خشوع انابت ذوق اور اطمینان برائے

نام رہ گیا۔ یہ گراوٹ شاہ اسحٰقؒ کے بعد ہی شروع ہوگئی تھی لیکن تبدریج بڑھتی گئی توحید کا صحیح موقف بعض حضرات میں تو بے شک نمایاں رہا۔ لیکن اکثر ابناء دیوبند نے قریباً بریلویت کی چوکھٹ پر گھٹنے ٹیک دیئے اور جو قافلہ اقامت دین اور توحید وسنت کی سرپرستی کے لئے بالاکوٹ کے میدان میں فرکش ہوا تھا جس نے عہد کیا تھا کہ شاہ ولی اللہ کے تجدیدی عوامل اور مقاصد کی روشنی میں دنیا تک اسلام کا پیغام پہنچائیں گے۔ وہ بریلویت سے ڈر کر اور وہابیت کی تہمت سے گھبرا کر دم توڑ گیا اور اپنے موحد ساتھیوں کو چھوڑ کر بریلوی حضرات سے صلح کی راہیں تلاش کرنے لگا۔

۶ مئی ۱۸۳۱ء کے بعد یہ گروہ بدستور پسپا ہوتا گیا اور نہ صرف یہ کہ میدان وغا سے پیچھے ہٹ گیا بلکہ تحریک کی روح جمود اور آزادیٔ فکر سے بھی دست کش ہو گیا۔ میں نے سابقہ گذارشات میں شاہ صاحب کی تحریک کے مقاصد کا تذکرہ حضرت شاہ صاحب کی زبان اور حضرت ہی کے ملفوظات سے عرض کیا ہے۔ آپ خود فیصلہ فرمائیں گے کہ شاہ صاحب کے ساتھ انتہائی عقیدت کے باوجود یہ امانت محفوظ نہیں رکھی جا سکی۔ بلکہ شاہ اسحٰق کے تلامذہ نے اس کی سرپرستی صرف شیخ الکل حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب اور ان کے تلامذہ نے فرمائی۔ جب تحریک کے سیاسی مقاصد کی تکمیل بظاہر مشکل ہوگئی تو اسے زیر زمین لے جا کر اپنی بساط کے مطابق اسے زندہ رکھا گیا۔ مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی صاحب سے شروع ہو کر مولانا عبداللہ صاحب غازی پوری اور مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی اور اس کے بعد مولوی ولی محمد اور مولوی فضل الٰہی مرحوم اور محمد حسین مجاہد کوٹ بھوانیداس وغیرہم نے اس کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائی۔ رہے حضرات دیوبند سو وہ ملک کی ملی جلی تحریکات میں کام کرتے رہے لیکن یہ خالص دینی تحریک ان کے فیوض سے محروم رہی تاآنکہ ملک کی تقسیم نے صورت حال کو بالکل بدل کر رکھ دیا یہ تو سیاسی صورت حال تھی لیکن دینی پہلو سے یہ حضرات شاہ صاحب کے پروگرام سے کافی الگ ہو گئے جس جمود کو شاہ صاحب ختم کرنا چاہتے تھے۔ دیوبند نے پورے زور سے اس کے احیاء کی دعوت دی۔ پوری قوت سے اس کی سرپرستی کی، اسلئے میری ناقص رائے یہ ہے کہ شاہ صاحب کی تحریک کے مقاصد کو سیاسی، علمی، معاشی اور فقہی طور پر

اپنی بساط کے مطابق جماعت اہلِ حدیث نے پورا کیا اور ان شاء اللہ کرتے رہیں گے ؎

در عہد بیست با جانان کہ تا جاں در بدن دارم
ہوا خواہاں کہ خویش را چوں خویشتن دارم

اربابِ دیوبند کی اس مصلحت اندیشی کا یہ اثر ہو رہا ہے کہ ان میں توحید کے داعی حضرات کو خارجی کا خطاب دیا جا رہا ہے اور عوام کو مطمئن کیا جا رہا ہے، کہ یہ لوگ دیوبندی نہیں ہیں۔ اس انتقامی جذبہ کی تسکین کے لئے نئے نئے مسائل پیدا کئے جا رہے ہیں جو اس اہمیت کے ساتھ پہلے کبھی سامنے نہیں آئے۔

شاہ صاحب سے علیحدگی

اب ایک اور نوجوان گروہ پیدا ہو رہا ہے جسے شاہ صاحب کے مقاصد سے کوئی دلچسپی نہیں بلکہ وہ شاہ صاحب کے متعلق عجیب انداز سے بدگمانیاں پیدا کر رہا ہے۔ یہ حضرات علامہ سید محمد زاہد کوثری سے زیادہ متاثر معلوم ہوتے ہیں۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ ائمہ حدیث کے خلاف بدگمانی پیدا کرتے ہیں۔ رجال کے تذکروں میں قطع و برید کر کے ائمہ حدیث کو بدنام کرتے ہیں۔ انکے موجودہ گروہ سے ایک قابلِ احترام بزرگ ابن ماجہ کے مقدمہ میں شاہ صاحب کے متعلق فرماتے ہیں:

واما ما قال رحمہ اللہ وان شئت حقیقۃ ما قلناہ فلخص اقوال ابراھیم من کتاب الآثار لمحمد وجامع عبد الرزاق الخ فھذا دابۃ فی تصانیفہ اذا اتی بدعوی یاتی بکلام بدھش للناظر الخ مانمس الیہ الحاجۃ۔ ۱۴/

شاہ ولی اللہ صاحب کا خیال ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ عموماً حضرت ابراہیم نخعی کے خیالات کا تتبع فرماتے ہیں۔ ان کے اجتہاد اور فقہ پر حضرت امام نخعی کا بہت زیادہ اثر ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ شاہ صاحب کی عادت ہے کہ جب وہ کسی معاملہ کے متعلق لکھتے ہیں تو دہشت پھیلا دیتے ہیں (حالانکہ بات فی الحقیقت اس طرح نہیں ہوتی)

اس کے بعد فرماتے ہیں:

فنحن بحمد اللہ قد طالعنا کتاب الآثار ولخصنا اقوال ابراھیم النخعی رضی اللہ عنہ ثم قایسناہ بمذھب الامام فوجدنا الامام یجتھد کما اجتھد النخعی واقرانہ ونراہ

فی کثیر من المواضع یترك رأی ابراھیم ووراءہ ظھریا ۔ ۱۴/۱

ہم نے کتاب الآثار محمد کا مطالعہ کر کے امام نخعی اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اقوال کی تلخیص کی ہے۔ امام کئی مقام پر حضرت ابراہیم کی رائے کو ترک فرما دیتے اھ

یہ محض حب علی کے انداز سے فرمایا گیا ہے۔ حقیقت وہی ہے جو حضرت شاہ صاحب نے بیان فرمائی۔ چنانچہ اس حقیقت کا اعتراف خود بخود زبان قلم پر آگیا اور فرمایا:

وان کان لا ینکر ان لآراء ابراھیم النخعی اثرا خاصًا فی تفقیہ الامام ابی حنیفۃ و اجتھادہ (حوالہ مذکور)

لیکن اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت ابراہیم نخعیؒ کا حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اجتہاد اور تفقہ پر خاصا اثر ہے۔ اھ

شاہ صاحب نے حجۃ اللہ میں جہاں یہ تقابل فرمایا ہے۔ ان کا مقصد قلّت و کثرت عددی اور حساب کے قواعد کے لحاظ سے نہیں، ان کا مقصد یہی تاثر ہے۔ آخر آپ حضرات صاحبین کو دو تہائی مذہب میں اختلاف کے باوجود حضرت امام والامقام کے مقلد مانتے ہیں۔ حضرت امام بھی امام نخعی سے متاثر ہوں تو اس میں جرم کیا ہے اگر تقلید کا مطلب یہی تاثر ہے تو یہ فطرت انسانی کا تقاضا ہے۔

میرا خیال ہے کہ دیوبندی ذہن یا حضرات احناف سے توحید پسند گروہ پر یہ تیسرا انقلاب رونما ہو رہا ہے۔ ۶ مئی ۱۸۳۱ء سے پہلے یہ حضرات اہلِ حدیث سے قریب تھے اور حنفیت کے باوجود فقہی جمود کو نہ صرف یہ کہ پسند نہیں فرماتے تھے بلکہ اسے کلی طور پر ختم کرنا چاہتے تھے۔ یہی شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کا اصلی تجدیدی کارنامہ تھا۔

۱۸۳۱ء کے بعد ان میں اکثر حضرات تحریک توحید اور اقامت دین سے بالکل الگ ہوگئے اور اسلام کی خدمت کے لئے صرف اسی حد تک مطمئن ہوگئے جو اشاعت حنفیت اور فقہی جمود کے مرادف ہو۔ یہ لوگ شاہ صاحب کے خلفاء کے ساتھ نہ چل سکے اسلئے کہ وہ جامد تقلید کے حامی نہ تھے۔ دیوبند کی تاسیس حنفیت خالصہ کی اشاعت کے لئے عمل میں آئی۔ لیکن محدثین کا احترام شاہ صاحب کی تحریک ان کو وراثت میں ملا تھا۔ اور جو حضرات علامہ کوثری سے متاثر ہیں، یہ حضرات جمود کے داعی ہیں اور ائمہ حدیث سے بغض ان حضرات کو علامہ کوثری سے وراثت میں ملا ہے اور اسکے ساتھ ہی حدیث کو حجت شرعی

سمجھتے ہیں۔ یہ ہلکا سا تضاد ہی جسے علم اور مطالعہ کے زور سے اطمینانِ قلب کی حد تک یہ حضرات حل فرما لیتے ہیں۔ لیکن ان حضرات کے اذہان میں شاہ صاحب کے تجدیدی کارناموں کا وہ احترام نہیں جو قدماء دیوبند میں تھا۔ خدا کرے کہ یہ حضرات وسعتِ مطالعہ سے فکری جمود کو توڑیں اور اپنے نظریات کی بنیاد تقلید کی بجائے علم اور تحقیق پر رکھیں۔ ظاہری تنقیص کے باوجود اس میں محدثین کے مسلک کی تائید اور توثیق ہو گی۔ ہماری دلچسپیاں اس نئی تحریک کے ساتھ ہیں۔ خدا تعالیٰ ہم سب کو اخلاص کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

انسان کی بستی میں انسان لٹ رہا ہے

فضل اللہ سلفی۔ مدھوبنی

اللہ نے حضرت انسان کو اپنی تمام مخلوقات میں سب سے ممتاز وجدا اور افضل وبہتر بنایا، اسے اشرف المخلوقات قرار دیا، اسے بہت ساری خوبیوں سے نوازا، اس پر بے شمار کرم کئے۔ نوازشیں کیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ اسے روئے زمین پر اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ قرآن نے کہا کہ "اور یاد کیجئے کہ جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا میں روئے زمین کیلئے (اپنا) خلیفہ بنانے والا ہوں۔ فرشتوں نے کہا کہ کیا تو روئے زمین کا جانشیں اسے بنائیگا جو وہاں فساد برپا کرے گا اور خون بہائیگا؟ (اللہ) نے کہا میں جو جانتا ہوں، وہ تم نہیں جانتے" اللہ تعالیٰ کا روئے زمین کے لئے انسان کو اپنا خلیفہ و جانشیں بنانا، اس کی سب سے بڑی عزت وتکریم ہے۔ انسان خلیفۃ اللہ ہے یہ اس کی عظمت شان اور رفعتِ مقام کی دلیل ہے۔ اب حضرت انسان کو کاروبار دنیا سنبھالنا تھا، اللہ کی نیابت کرنا تھی، اس پر کچھ ذمہ داریاں تھیں، جن کو ادا کرنا تھا خدا کا حکم بجا لانا تھا، اس کے کہے پر چلنا تھا اور اس دنیا کو امن وشانتی کا گہوارہ بنانا تھا، آپس میں میل ومحبت اور پیار والفت سے زندگی گزارنا تھی۔ لیکن افسوس کہ انسان نے اپنا مقام سمجھا، اپنی عظمت شان و رفعتِ مقام دیکھی اور نہ ہی اپنے پر عائد فرض ادا کئے۔ وہ یہ بھول گیا کہ اس کا کام کیا ہے اور دنیا میں وہ کس مقصد سے بھیجا گیا ہے۔ انسان نے انسانیت کا گلا دبا کر اس کی تذلیل کی، اپنی حرکتوں سے اسے داغدار کر دیا اور اس کے روئے زیبا پر کالک پوت دی۔ انسان نے خود اپنے ہاتھوں انسان کا خون بہایا، اس کے خون سے ہولیاں کھیلیں اور اپنے ہی [illegible] کے ساتھ انسان نے وہ سلوک کئے کہ درندے بھی دیکھ شرما گئے۔ پوری تاریخ انسانی انسان کی لرزہ خیز داستانوں سے بھری پڑی ہے۔ نہ جانے آج تک کتنی جنگیں ہوئیں،

لڑائیاں کی گئیں، کتنوں کی جان گئی، کتنے خون بہے اور کتنی جگہیں۔ انسانی خون سے سرخ سرخ ہوئیں۔ چند برس پہلے سے نہیں، بلکہ ہمیشہ سے انسان نے انسان کے ساتھ ظلم کئے اور ہر طرح کا جور و تشدد اس کیلئے روا سمجھا ـــــ حالانکہ۔

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو ۔ ورنہ طاعت کیلئے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں

انسان نے جب اپنا مقام فراموش کر دیا اور ذمہ داری سے وہ جب بے خبر ہوا تو وہ سب ہوئے، جو حضرت انسان کے شایان شان نہیں۔ اشرف المخلوقات حضرت انسان نے ایک سے بڑھ کر ایک جنگ لڑی۔ ایام عرب کی طویل المدت جنگوں سے تاریخ کا کون طالب علم ناآشنا ہے۔ حرب بسوس عرب داحس اور حرب فجار جنگوں کی ایک مختصر فہرست ہے۔ ایک ایک جنگ نہ جانے کب تک جاری و ساری رہی، نہ جانے کتنے لوگ مارے گئے، کتنے خون بہے اور کتنا نقصان ہوا۔ واہ رے! کمال کیا حضرت انسان نے۔ تب کی بات چھوڑیئے۔ جب کہ دنیا ناآشنائے تہذیب تھی۔ لیکن جب دنیا مہذب، متمدن اور ترقی یافتہ کہلانے لگی تو بھی ایک سے بڑھ کر ایک جنگ ہوئی اور کروڑوں انسان جنگوں کی نذر ہوئے۔ پہلی جنگ عظیم اور دوسری جنگ عظیم انسانی بہیمیت اور حیوانیت کی تصویر تھی موت کے سوداگروں نے انسانی جانوں جانوں کی ان جنگوں میں خوب تجارت کی۔ انسان جو عظیم تھا حیوانیت کا لبادہ اوڑھے "جنگ عظیم" لڑی۔ یہ تو کمال ہو گیا! آپس میں ایک دوسرے سے پیار و محبت کرنے والی مخلوق اور اشرف المخلوقات حضرت انسان نے اپنے ہی ہاتھوں اپنے ہی ہمنوع کا گلا گھونٹ دیا۔ توبہ ہے توبہ۔

انسان نے جب اپنا مقام فراموش کر دیا اور انسانیت سے دامن چھڑا لیا تو بڑے بڑے ظالم و جابر، بڑے بڑے سفاک و قاتل اور بڑے بڑے انسانی جانوں کے تاجر پیدا ہوئے۔ ریڈلف ہٹلر، چنگیز خاں، حجاج اور ایرانی ضحاک انسانیت کے نام پر کلنک تھے۔ نہ جانے کتنوں کو تہ تیغ کیا ان ظالموں نے دنیا ان کے نام کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ مولانا آزادؒ نے انسان پر انسان کے اسی ظلم و ستم سے متعلق تعجب کرتے ہوئے کہا تھا کہ "شیر خونخوار ہے، مگر دوسروں کے لئے، سانپ زہریلا ہے" مگر غیروں کیلئے، چیتا درندہ ہے، مگر اپنے سے کمتر جانوروں کے لئے۔ لیکن انسان

دنیا کی اعلیٰ ترین مخلوق خود اپنے ہی ہم نوع کا خون بہا رہا ہے۔

آج بھی دنیا ہلاکت و بربادی کے دہانے پر کھڑی ہے۔ ہر جگہ گشت و خون کا ماحول ہے۔ ہر گاؤں ہر جا خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے، ہر چہار سو خطرے کا مہیب اور عجیب و غریب سایہ منڈلا رہا ہے، ہر طرف شور بپا ہے، ہر جانب انسانی جان کے سوداگر پھیلے ہیں، ہر ایک حصے میں ظلم و ستم اور جور و تشدد کا بازار گرم ہے غرضیکہ پوری دنیا گرچہ امن و شانتی کے لئے چیخ رہی ہے، مگر روئے زمین پر مقرر خدا کا جانشیں اس کیلئے ہرگز تیار نہیں کہ دنیا میں امن و شانتی رہے اور انسان کے ہاتھوں انسان بچ نکلے۔ سچ ہے کہ:

تاریخ کیا لکھیگا، اس دور کا مورخ۔ انسان کی بستی میں انسان لٹیرا ہے

کہنے دیا جائے کہ انسانی ہاتھوں انسان مارا جا رہا ہے اور انسان ہی یہ تماشہ دیکھ رہا ہے ـــــ دنیا بھی اپنی زبان خموش سے کہہ رہی ہے کہ "دیکھ تماشہ انسان کا"، "کتنا بدل گیا انسان"، اور پوچھ رہی ہے کہ بتا تجھے کیا ہو گیا ہے ؟ ○

بقیہ صفحہ کا

کو اکٹھا کر سکے گی۔

خلیجی ممالک کے حکمراں اگر اتنے ہی خود غرض اور بخیل ہوتے تو آج خلیجی ممالک میں ترقی و خوشحالی کا دور دورہ نہ ہوتا۔ نہ وہاں کے عوام اتنے خوش حال اور فارغ البال ہوتے۔ آخر صرف خوشحالی کب سے جرم بن گئی۔ اگر وہ صحیح اور جائز ذرائع سے حاصل ہو؟

کچھ جذباتی لیڈر صدام کا ساتھ نہ دینے والے تمام عرب و مسلمان حکمرانوں کا تختہ الٹ دینے کے نعرے لگا رہے ہیں۔

کیا انہوں نے کبھی اس فرمان رسول ؐ پر بھی دھیان دیا ہے کہ جس نے کسی مسلمان کے قتل میں مدد کی چاہے ایک لفظ بول کر ہی تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کی پیشانی پر لکھا ہو گا اللہ کی رحمت سے مایوس"، کیا انہوں نے کبھی اس فرمان رسول ؐ پر غور کرنے کی زحمت کی ہے کہ "جب تمہارا معاملہ جما جمایا ہو اور کوئی تمہارے پاس تفریق اور پھوٹ ڈالنے کیلئے آئے تو تلوار سے اس کی گردن مار دو چاہے جو بھی ہو" ○

سعودی عرب کتاب وسنت کی راہ پر گامزن رہے گا

ـــــ شاہ فہد کی تقریر

خادم حرمین شریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز نے اس عہد کا اعادہ کیا ہے کہ اسلامی عقیدہ ہی سعودی مملکت کی بنیاد رہے گا اور اس سلسلہ میں کسی مخالفت کی کوئی پرواہ نہیں کی جائے گی۔

شاہ فہد قصر یمامہ میں کویت کی آزادی کی مناسبت سے مبارک باد دینے والے علماء ومشائخ اور دیگر شہریوں کے ایک بڑے وفد کے سامنے اظہار خیال کر رہے تھے۔

انہوں نے کویت کی آزادی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اظہار اطمینان کیا اور کہا کہ ہمیں پہلے بھی کئی بار اس طرف توجہ دلائی گئی تھی کہ عراقی قیادت کے مقاصد کچھ اور ہی ہیں اور خود میں نے ریڈیو پر ایکبار صدام کی ایک تقریر سنی تھی جس میں انہوں نے کہا تھا کہ وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جبتک بعث پارٹی تمام عرب ممالک میں برسر اقتدار نہ آجائے۔ حالانکہ عرب ممالک سوائے آسمانی عقیدہ کے کسی دوسرے نظریہ واصول پر متفق نہیں ہو سکتے اے کاش انہوں نے یہ کہا ہوتا کہ عرب قوم صرف کتاب وسنت کی پیروی کر کے ہی کامیابی سے ہمکنار ہو سکتی ہے اے کاش وہ اس ٹھوس اصول کو اپناتے کیونکہ کتاب وسنت کے علاوہ عرب قوم کو کسی بھی طرح کوئی کامیابی حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جو نیک نیتی کے ساتھ اسلامی عقیدہ کو اپناتا ہے کامرانی اس کے قدم چومتی ہے اسلامی عقیدہ ہمیں رقت قلبی، رحمدلی اور دور اندیشی سکھاتا ہے یہ عقیدہ صرف عربوں کی جاگیر نہیں ہے نہ تقویٰ کے بغیر کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی برتری حاصل ہے خدا کے نزدیک

سب سے معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔ اسلامی عقیدہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کیلئے رہنمائی فراہم کرتا ہے اس کے ذاتی و عام حقوق کی حفاظت کرتا ہے اور حسب ضرورت طاقت کے استعمال کی بھی اجازت دیتا ہے۔

شاہ فہد نے کہا کہ ہم کسی کے معاملات میں مداخلت نہیں کرتے اور ہر ایک سے مفاہمت و تفہیم کیلئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں پچھلے زمانہ میں افریقہ و ایشیاء وغیرہ میں مسلم علاقوں پر استعمار کا غلبہ صرف اس لئے ہو سکا تھا کہ ہم نے اسلامی عقیدہ کے مقابلہ میں دنیاوی زندگی میں زیادہ دلچسپی لینی شروع کر دی تھی جبکہ اسلامی عقیدہ قیامت تک باقی رہنے والی چیز ہے انہوں نے زور دیکر کہا کہ سعودی عرب انشاءاللہ اپنے تمام معاملات میں کتاب و سنت کے مطابق عمل پیرا رہے گا۔ یہ خداوند کریم کا فضل و کرم ہے کہ اس نے اس ملک و قوم کو اسلام اور مسلمانوں اور سب سے بڑھ کر حرمین شریفین کی خدمت کا شرف بخشا ہے اس لئے دیگر ممالک کے مقابلہ میں یہاں کے لوگوں کی ذمہ داریاں ذرا مختلف ہیں ہم اپنے معاملات میں کسی بھی اسلام مخالف اصول سے رہنمائی حاصل نہیں کر سکتے بلکہ اسی راستہ پر چلیں گے جو ہمیں اللہ و رسول ؐ نے بتایا ہے اور جس کی رہنمائی خلفائے راشدین اور ائمہ کے طرز عمل سے ملتی ہے۔ ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ کوئی ہمارے بارے میں کیا کہتا ہے ہمیں افسوس ہے کہ بعض عرب ممالک بھی ہمیں پسماندہ قرار دیتے ہیں جبکہ کتاب و سنت پر عمل کرنے والے اور اس پر فخر کرنے والے کیسے پسماندہ رہ سکتے ہیں۔ آج ساری دنیا میں مساجد قائم ہو رہی ہے۔ اسلامی لائبریریاں کھل رہی ہیں اسلامی دعوت پھیل رہی ہے کیا اس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ آج ایک بڑی تعداد یہ محسوس کرنے لگی ہے کہ اسلامی عقیدہ ہی دنیا و آخرت کی بھلائی کا ضامن ہے۔ عربوں کو اس ضمن میں قابل تقلید نمونہ کی حیثیت حاصل ہے اور دنیا بھر کے مسلم عوام اور ممالک کے درمیان اخوت کا رشتہ ہے اور ہم سب کا احترام کرتے ہیں اور ان سے ربط بھی قائم رکھتے ہیں۔

عراق ایران جنگ میں سعودی عرب و کویت کی طرف سے عراق کی مدد کا ذکر کرتے ہوئے شاہ فہد نے کہا کہ دونوں پڑوسی ملک تھے۔ اس جنگ میں سارے حالات کو

دیکھتے ہوئے ہم بجا طور پر سمجھتے تھے کہ عراق ایران پر فتح حاصل نہیں کر سکتا بلکہ عراق بالکل ختم ہو جائے گا چنانچہ عراق کو بالکل ختم ہونے سے بچانے کیلئے ہی یہ مدد دی گئی تھی اور صدام کے بارے میں پوری واقفیت کے باوجود مجبوراً دی گئی تھی۔ لیکن صدام نے اس سے بھی کوئی سبق نہیں سیکھا بلکہ اپنی جنگی تیاریوں کے ذریعہ ایک مخصوص نظریہ دوسروں پر لادنے کیلئے کوشاں ہو گئے اور انہیں جو امداد فراہم کی جاتی رہی اسے وہ عراق کی تعمیر کی بجائے دوسروں پر حملہ کیلئے تیاری میں استعمال کرتے رہے پھر کویت پر راتوں رات قبضہ کے بعد سے جو کچھ ہوا وہ سب کے سامنے ہے۔

شاہ فہد نے بتایا کہ بغداد کانفرنس کے موقع پر جب ہم لوگ بغداد میں موجود تھے تو امیر کویت نے صدام سے کہا تھا کہ انہوں نے وعدے کے باوجود اب تک کویت کا دورہ نہیں کیا تو صدام نے جواب دیا کہ اگلے چند ماہ بعد وہ کویت آئیں گے۔ امیر کویت نے کہا کہ پہلے سے دورہ کی تاریخ معلوم ہو جائے تو انتظامات میں آسانی ہوگی صدام نے جواب دیا کہ اس کی ضرورت نہیں میں اچانک ہی آجاؤں گا۔ پھر یہ اچانک دورہ جس طرح ہوا وہ سب کو معلوم ہے۔ بعد میں جب صورتحال کافی سنگین ہو گئی تو صدام حسین نے ایک روز ٹیلی ویژن پر اعلان کیا کہ وہ مجھ سے مل کر مسئلہ کو حل کرنے کیلئے تیار ہیں۔ میرا جواب یہ تھا کہ میں صدام کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں وہ صرف پروپگنڈے کا مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں اور کچھ نہیں۔ پھر بھی اگر وہ ایسا چاہتے ہیں تو تحریری طور پر یہ لکھ کر دیدیں کہ وہ معاہدہ ۱۹۶۳ء کو تسلیم کرتے ہیں اور بغیر شرط کویت سے واپس چلے جائیں گے تب مسئلہ کو حل کرنے کے لئے ملاقات ہو سکتی ہے۔ ملی مفاد کے لئے میں کسی بھی شخص سے ملاقات سے کبھی گریز نہیں کرتا لیکن جب مقصد صرف پروپگنڈہ ہو تو ایسی ملاقات سے کیا فائدہ۔ جتنے لوگ بھی صدام کے پاس مسئلہ کے حل کے سلسلہ میں گئے انہیں کوئی کامیابی نہیں ملی صرف عراقی ٹیلیویژن یہ دکھاتا رہا کہ فلاں فلاں صدام سے درخواست کرنے آرہے ہیں آخر ہر خیر خواہ کو یقین ہو گیا کہ مقصد صرف پروپگنڈہ ہے اور کچھ نہیں۔

ہم نے ۲ اگست کو عراقی حملہ کے بعد کوئی ردعمل جاری نہیں کیا تھا خاموشی سے ہم ان کو ختم کرنے میں لگے رہے لیکن جب کوئی نتیجہ نہیں نکلا تو پورے غور و فکر

کے بعد ۲؍ اگست کو ہم نے فیصلہ کیا اور عرب و اسلامی ممالک سے دوست ملکوں سے مدد کی باقاعدہ اپیل کی۔ ہم ان سب ممالک کے شکر گزار ہیں جنہوں نے یہ اپیل منظور کی۔ خدا کی مہربانی سے یہ مسئلہ حل ہو گیا ہے اور اب ساری بیرونی فوجیں واپس چلی جائیں گی جیسا کہ پہلے ہی اتفاق ہو چکا ہے اور باقاعدہ اعلان کیا جا چکا تھا۔

شاہ فہد نے کہا کہ ہم کتاب و سنت کے راستہ سے کسی صورت میں ہٹ نہیں سکتے نہ سوائے خدائے کریم کے کسی کے سامنے جھک سکتے ہیں اور جس میں بھی عقل سلیم ہو گی وہ سعودی عرب کی طرف غلط مقاصد سے نگاہ نہیں اٹھائے گی۔ خدا کے فضل و کرم سے سعودی عرب کسی کا محتاج نہیں ہے۔ ہم نے خدا کے فضل و کرم سے تمام ممالک بالخصوص اسلامی عرب ممالک کی مدد کی ہے اور انہیں بھاری رقوم فراہم کی ہیں۔ خود سعودی شہریوں کو جو آسانیاں فراہم ہیں ان سے وہ بخوبی آگاہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کے دروازے اس ملک پر کھول رکھے ہیں اور اسے کسی کا احسان لینے کی ضرورت نہیں۔ یہاں شرعی محکموں کے فیصلوں کے بغیر کوئی چھوٹا بڑا قدم نہیں اٹھایا جاتا اور سربراہ مملکت سے لیکر ایک عام شہری تک کسی کو کتاب و سنت کے دائرے سے نکلنے کی اجازت نہیں۔ ہم سیدھے راستے پر چل رہے ہیں بھلائی اور نیک بختی کے راستے پر چل رہے ہیں جس میں دنیا و آخرت کی بھلائی ہے۔ بعض لوگ کہتے کہ سعودی عرب ایک پسماندہ ملک ہے آخر ہم پسماندہ کیسے ہیں کیا اس لئے کہ کسی پر حملہ نہیں کرتے؟ کوئی ایسا کام نہیں کرتے جو انسانیت کے مفاد میں نہ ہو؟ بھلا اس طرح کی باتوں کی ہمیں کیا پرواہ ہو سکتی ہے

شاہ فہد نے کہا کہ دنیا کے مختلف حصوں میں اسلامی منصوبوں کی تکمیل کیلئے ہم اپنے مسلمان بھائیوں کو جو مدد پیش کرتے ہیں وہ اپنا فرض سمجھ کر کرتے ہیں۔ ہم نے نہ کبھی کسی کو تکلیف پہونچائی نہ کسی کے معاملات میں دخل اندازی کی نہ کسی کے خلاف کبھی کوئی سازش کی نہ کسی کے خلاف سازش کرانے کیلئے کبھی ایک پیسہ دیا۔ اس طرح کی باتیں نہ یہاں کبھی ہوئیں نہ سنی گئیں۔ ہمارے یہاں عرب ممالک کے بھائی بڑی تعداد میں رہتے ہیں۔ ہم انہیں خوش آمدید کہتے ہیں لیکن اتنا ضرور چاہتے ہیں کہ وہ غیر متعلق باتوں میں نہ پڑیں۔

بقیہ صفحہ پر

مسلمانان ہند سے

سعودی سفیر کی اپیل

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ وَھُوَ کُرْہٌ لَّکُمْ وَعَسٰی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ"
ترجمہ :۔ "جہاد کرنا تم پر فرض کیا گیا ہے اور وہ تم کو طبعاً گراں معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ بات ممکن ہے کہ تم کسی امر کو گراں سمجھو اور وہ تمہارے حق میں خیر ہو،، (البقرۃ ــ ۲۱۶)

بھائیو! جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قتال و جنگ ناگوار شے ہے لیکن اس میں خیر و بھلائی بھی ہے اور موجودہ حالات کے پیش نظر یہ بھلائی ایک مظلوم کی مدد کرنا اور ایک ایسے عرب اسلامی ملک کی دادرسی کرنا ہے جس کے خلاف جارحیت کا ارتکاب کیا گیا اس کا علاقہ چھین لیا گیا اس کی بے حرمتی کی گئی اس کے مال و دولت کو لوٹا اور برباد کیا گیا اور اس کے باشندے کو ان کے گھروں سے اجاڑ دیا گیا اس لئے جارح کے خلاف قتال اور مظلوم کی مدد کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما فان بغت احداھما علی الاخری فقاتلوا التی تبغی حتی تفئ الی امر اللہ فان فاءت فاصلحوا بینھما بالعدل واقسطوا ان اللہ یحب المقسطین ہ

ترجمہ :۔ اور اگر مسلمانوں میں دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان اصلاح کر دو پھر اگر ان میں کا ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کیطرف رجوع ہو جاوے پھر اگر رجوع ہو جائے تو ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ اصلاح کر دو اور انصاف کا خیال رکھو بے شک اللہ تعالیٰ انصاف والوں کو پسند کرتا ہے۔ (الحجرات ۔ ۹)

بھائیو! صدام حسین کی سربراہی میں عراقی نظام نے اپنے عرب مسلم اور صلح پسند

پڑوسی کویت کے خلاف بغیر کسی سبب اور حق کے بغاوت کی، اس شدید ترین ظلم و سرکشی کے پیش نظر عالم عرب، اسلامی دنیا اور پورے بین الاقوامی معاشرہ نے عراقی نظام پر زور دیا کہ وہ کویت سے واپس چلا جائے اور اپنے دیگر پڑوسیوں کے خلاف سرکشی و جارحیت سے باز آجائے۔ ان پڑوسیوں میں سعودی عرب اور خلیج کی دیگر ریاستیں شامل ہیں۔ عرب و اسلامی رہنماؤں اور تمام امن پسندوں نے ہر ممکن کوشش کی کہ عراقی نظام امن کی اپیل منظور کرے اور دانشمندی کی بات سن لے اور اس طرح اپنے ملک و قوم و فوج کو ایسی تباہ کن جنگ سے بچالے جس سے جنگ کے تاجروں اور ملت کی گھات میں بیٹھے ہوئے لوگوں کے علاوہ کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہونچ سکے گا لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا دن اور مہینے گزرتے رہے اور سب یہ آس لگائے رہے کہ عراقی نظام حق و دانشمندی کی بات مان لے گا سلامتی کونسل نے جو دنیا کے تمام ممالک کی نمائندگی کرتی ہے کویت سے واپسی کیلئے ایک میعاد مقرر کردی تھی یعنی ۱۵ جنوری یہ میعاد گزر گئی اور عراقی نظام اپنے ہٹ دھرمی اور ضد کے موقف پر قائم رہا چنانچہ اب تباہی و بربادی شروع ہو گئی ہے خدا ہی جانتا ہے کہ ہم نہ یہ جنگ چاہتے تھے نہ ایسا ہمارے حاشیہ خیال ہی میں تھا۔ ہم سب یہ سمجھتے تھے کہ عراقی نظام اپنی قوم، فوج اور ملک کو اس ناپسندیدہ جنگ کی بھٹی میں نہیں جھونکے گا لیکن افسوس صد افسوس کہ ایسا ہو کر رہا اس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔

اللہ نے ایسی ہی صورت حال کیلئے فرمایا کہ قتال اور جنگ ناگوار ہونے کے باوجود فرض کی گئی ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ تم میں سے جو کوئی بری بات دیکھے وہ اسے اپنے دست و بازو سے روک دے اور اگر ایسا نہ کر سکے تو زبان سے اس کی مخالفت کرے اور ایسا بھی نہ کر سکے تو دل سے اسے برا سمجھے اور یہ سب سے کمزور ایمان کی صورت ہے۔

بھائیو! اس سے بڑھکر اور برائی سرکشی اور جارحیت اور کیا ہو سکتی ہے جو عراقی نظام اور صدام حسین کے ہاتھوں رونما ہوئی ہر مومن سے اللہ تعالیٰ کا یہی مطالبہ ہے کہ وہ اس برائی اور جارحیت کا ازالہ کرنے کی کوشش کرے دست و بازو سے جیسا کہ ہم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں یا زبان و قلب سے جو ہر مومن سے مطلوب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو (بقدر استطاعت) حکم دیتا ہے کہ اس برائی کو دور کرنے میں حصہ لیں اور وہ اس طرح کہ ہم حق بات کہیں۔ مظلوم کی مدد کریں اور ان گمراہ کن پروپگنڈوں اور جھوٹے دعووں کے چکر میں نہ آئیں جو عراقی نظام اور اس کے

ہنگامہ پھیلا رہے ہیں چاہے دھوکہ کھا کر یا کسی لالچ میں آکر یا پھر قدیم استعمار کے دور کو یاد کرتے ہوئے ان بعض مغربی طاقتوں سے نفرت کی بنیاد پر جو کویت کی آزادی میں حصہ لے رہی ہیں۔

بھائیو! استعمار کا دور گزر چکا اور آج دنیا پہلی بار شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک اس ننگی جارحیت کے خلاف متحد ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی ہے کل کسی اور صلح پسند ملک کے خلاف کسی جارحیت کا ارتکاب کیا گیا تب بھی ایسا ہی اتحاد سامنے آئے گا۔ حلیف فوجیں جو آزادی کی راہ میں اپنا خون بہا رہی ہیں وہ ہر اس قوم کا دفاع کر رہی ہیں جو کویت جیسی مصیبت سے دوچار ہو۔

بھائیو! یہ نہ تو مذہبی جنگ ہے نہ کفر و اسلام کی جنگ جیسا کہ صدام حسین اور انکے ہمنوا رنگ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بین الاقوامی فوجوں میں ۲۸ ممالک کے فوجی شامل ہیں جن میں ۹ عرب ممالک اور ۵ دیگر اسلامی ممالک ہیں پھر ان میں بہت سے ایسے ممالک بھی ہیں جنہوں نے کبھی ماضی میں بھی استعماری سرگرمیوں میں حصہ نہیں لیا۔

جہاں تک قضیۂ فلسطین کا سوال ہے ہر عرب شہری اور قوم دل سے اس مسئلہ کو حل کرنے کی خواہاں ہے لیکن یہ مسئلہ کسی دوسری عرب قوم کی قیمت پر حل نہیں کیا جا سکتا یہ اس سے کہیں زیادہ معزز طریقہ چاہتا ہے دانشمند فلسطینی رہنما اور حقائق سے باخبر فلسطینی عوام کھل کر یہ بات کہہ چکے ہیں اور اس بات کو مسترد کر چکے ہیں کہ فلسطین کے مسئلہ کا استحصال اس غیر اخلاقی صورت سے کیا جائے جو حق و انصاف کے اصولوں عرب شجاعت اسلامی روایات اور بین الاقوامی اصولوں کے خلاف ہو۔

بھائیو! آپ حضرات ان باتوں اور سارے حقائق سے بخوبی آگاہ ہیں اور جو بھی عقل و ضمیر کو راہنما بنا کر انہیں سمجھنا چاہے سمجھ سکتا ہے۔ بہت سے لوگ اس وقت ان کو سمجھیں گے جب یہ جنگ ختم ہو جائے گی اور امن قائم ہو جائے گا۔

بے شک جو اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا اور اس کے قدم جما دے گا۔ اور اسے جلد کامیابی سے ہمکنار کرے گا۔

"نئی دنیا" کی رپورٹ شر انگیز اور بے بنیاد ہے

سعودی سفیر کی وضاحت

ہفت روزہ "نئی دنیا" دہلی نے اپنے شمارہ ۱۰۔۱۲ فروری میں سعودی سفیر کی پریس کانفرنس کی رپورٹ دیتے ہوئے سراسر بہتان طرازی اور گھٹیا مخالفانہ پروپگنڈہ کا طریقہ اختیار کر کے اپنی عجیب وغریب ذہنیت کا ثبوت دیا ہے اس پریس کانفرنس میں قومی وبین الاقوامی خبر رساں ایجنسیوں اور اخبارات سے تعلق رکھنے والے تقریباً پچاس نمائندے موجود تھے اور اس کی رپورٹ تمام اخبارات میں شائع ہو چکی ہے دلچسپ بات یہ ہے کہ نئی دنیا کا کوئی نمائندہ اس پریس کانفرنس میں شریک بھی نہیں ہوا تھا۔ اب نئی دنیا نے اپنی طرف سے گھڑ کر بالکل بے بنیاد باتیں سعودی سفیر سے منسوب کی ہیں جن کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اور افسوس کی بات یہ ہے کہ اسلام کی محبت کے نام پر اسطرح کی خلاف اسلام حرکتیں کی جارہی ہیں۔

(۱) سعودی سفیر سے سوال کیا گیا تھا کہ سعودی عرب ہندوستان سے کیا چاہتا ہے تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ ہم کچھ نہیں چاہتے صرف یہ چاہتے ہیں کہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی قرار داد ۶۶۰ جسے سارے ہی ممالک تسلیم کرتے ہیں اس کے نفاذ میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالی جائے۔ نئی دنیا نے یہ اپنی طرف سے گھڑ لیا کہ سعودی سفیر نے ہندوستان سے مطالبہ کیا کہ وہ اتحادی طاقتوں کو مزید امداد بہم پہونچائے۔

۲۔ لیکن سب سے زیادہ تکلیف دہ غلط بیانی اور افترا پردازی نئی دنیا نے یہ کی کہ سعودی سفیر پر امریکی صدر جارج بش کے اقدام کو حضور اکرمؐ کے اقدام کے مشابہ قرار دینے کا الزام لگا دیا۔ جو کسی بھی ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان کے حاشیہ خیال میں نہیں آسکتا۔ سعودی عرب سے زیادہ صحیح اسلامی عقائد اور نبی کریمؐ کے احترام کا علمبردار کون ہو سکتا ہے۔ مسلمانوں کو گمراہ

کرنے اور ان کے جذبات کو بھڑکانے کیلئے اس سے زیادہ گھناونی حرکت اور کیا ہو سکتی ہے۔ آخر صحافت کا کچھ تو معیار اور اصول ہوتا ہے آپ حق سے منہ پھیرلیں اور اپنی ذاتی مصلحتوں کا شکار ہو جائیں تب بھی یہ کہاں سے جائز ہو سکتا ہے کہ آپ دوسروں پر بہتان تراشی کرنے لگیں اور بے سروپا باتیں گھڑ کر فتنہ پھیلائیں کیا نئی دنیا مسلمانوں کو اتنا بیوقوف سمجھتا ہے کہ وہ اس کی مفاد پرستانہ چالبازیوں پر یقین کر لیں ایسا لگتا ہے کہ نئی دنیا نے اپنے آپ کو ان اخبارات کی صف میں شامل کر لیا ہے جنھوں نے صدام حسین کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملانے اور حقائق کو ٹھکرا کر انہیں ہیرو بنانے کیلئے اپنے صفحات کو وقف کر رکھا ہے۔ سعودی سفیر نے اپنی پریس کانفرنس میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا تھا جسے نئی دنیا نے اپنے لئے سمجھ لیا۔

۴۔ نئی دنیا عالم اسلام کے ان سرکردہ علماء کے نام شائع کرنے کی ہمت کیوں نہیں کرتا جو کویت کے خلاف عراقی جارحیت کی متفقہ طور پر مذمت کر چکے ہیں اور عراقی فوجوں کی فوری واپسی کا مطالبہ کر چکے ہیں اور مکہ مکرمہ کی کانفرنس میں شرکت کر کے اعلان مکہ جاری کر چکے ہیں یا تحریری طور پر اس کی تائید کر چکے ہیں ●●

بقیہ صفحہ کا

شاہ فہد نے کہا کہ آج دنیا میں مسلمانوں کی تعداد ایک ارب سے زیادہ ہے اور انکو صحیح دینی تعلیمات سے آگاہ کرانے کی بڑی ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے سعودی عرب میں اس مقصد کی تکمیل کیلئے مدینہ منورہ میں اسلامی یونیورسٹی، ریاض کی امام محمد بن سعود اسلامی یونیورسٹی، مکہ مکرمہ کی ام القری یونیورسٹی خصوصی یونیورسٹیاں کھولی گئی ہیں جن میں تقریباً اسّی ممالک کے طلبہ بڑی تعداد میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

شاہ فہد نے کہا ہم کسی بھی طرح عراقی قوم کے بدخواہ نہیں ہیں بلکہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ وہ صحیح راستہ پر چلے۔ عراقی قوم عرب مسلمان بھائیوں ہی پر مشتمل ہے۔ عرب دنیا میں اب تک جتنے سرکش ابھرے ہیں سب کا انجام روز روشن کی طرح عیاں ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ تمام اسلامی ممالک کو صحیح راستے پر چلوائے اور مسلمانوں کو متحد اور دین کو سربلند فرمادے۔

خلط مبحث

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز کعبہ شریف کے سامنے فرمایا تھا۔
"خدا کی قسم تیری حرمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی ہے لیکن ایک مومن کی حرمت اس کے نزدیک تجھ سے بھی زیادہ بڑی ہے۔"

کویت پر عراق کے قبضہ کے بعد سے جو طرح طرح کی آوازیں سنائی دینے لگیں انہیں۔ دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ ملت خلط مبحث کا شکار ہو گئی ہے۔

ایک طرف صدام نے حرمین شریفین کے تقدس کے تحفظ کا نعرہ بلند کیا اور انہیں آزاد کرانے کی بات کرنے لگے گویا اب تک حرمین شریفین پر اغیار کا قبضہ رہا ہے دوسری طرف کچھ عراقی اور فلسطینی حضرات کی طرف سے اس طرح کے فتوے آنے لگے کہ عراقی مسلمانوں کے خلاف جنگ میں جو بھی شرکت کرے گا وہ اسلام سے مرتد ہو جائے گا۔ اور اگر مغرب نے عراق پر حملہ کر دیا تو تمام مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جائے گا۔ پھر کچھ حلقوں کی طرف سے اس موقف کو نہ ماننے والوں کو دائرہ اسلام سے خارج اور ملت کا غدار قرار دیا جانے لگا اور بعض حکمراں کے مجاہد اسلام ہونے کی شہادتوں کی بھرمار ہونے لگی۔

اس شور و غوغا میں عوامی جذبات اس طرح بہہ گئے کہ اصل مسائل پس پشت جا پڑے کوئی یہ سوال نہیں کرتا کہ کیا حرمین شریفین کے تحفظ کیلئے ایک ملک کو ہڑپ کر لینا، عرب و ملی اتحاد کا شیرازہ منتشر کر دینا اور دین کو رسوا کر دینا ناگزیر تھا؟

کیا اب صدام حسین کو بھی یہ یاد آنے لگا کہ مسلمانوں کے کچھ مقدس مقامات بھی ہیں اور ان کا تحفظ ضروری ہے؟

کیا خون آلود ہاتھ ہی یہ مقدس کام انجام دینے کیلئے موزوں رہ گئے ہیں؟ آج جن لوگوں کو حجاز کے مقامات مقدسہ کے تحفظ کی فکر اچانک دامن گیر ہو گئی ہے۔

وہ خود مسلمانوں کے خون کی حرمت، ان کی جان و مال کی حرمت ان کی عزت وناموس کی حرمت اور ان کے اسلامی عقائد کی حرمت کے ساتھ کیا کیا نہیں کرتے رہے ہیں؟

خود عراق میں اور خاص طور پر کردستان میں مسلمانوں کا خون کس نے ارزاں کر رکھا تھا ایران کے ساتھ اس خطہ کی تاریخ کی طویل ترین جنگ میں لکھوکھا مسلمانوں کے خون کی حرمت کہاں چلی گئی تھی۔

کویت کے مسلمانوں کی جان و مال اور عزت وآبرو کو کس نے پامال کیا؟ آج جو لوگ حضرت عثمان رضی کی خون آلود قمیص اٹھا کر چاروں طرف انصاف انصاف کی صدا لگاتے پھر رہے ہیں۔ انکی اصلیت پر کیسے پردہ ڈالا جاسکتا ہے۔

وھل یرجی الجراد صلاح امرٍ ۔۔۔۔ وقد جبل الجراد علی الفساد

ٹڈی کی فطرت ہی کھیتیوں کو اجاڑنا ہے اس سے کھیتی کی نگرانی کی امید کیسے کی جاسکتی ہے۔

آج جو لوگ صدام حسین کے ظلم وستم کی پردہ پوشی کر رہے ہیں کیا وہ تب بھی یہی کرتے اگر انہیں راتوں رات ان کے گھروں سے اجاڑ کر، ان کا سب کچھ لوٹ کر اور مار پیٹ کر بھگا دیا گیا ہوتا؟

کیا صدام حسین کے وحشی کویت کے بجائے اردن پر اسی طرح لوٹ پڑے ہوتے تب بھی شاہ حسین کا یہی موقف ہوتا؟

آج صدام اسلامی مقدسات کو ایک موہوم خطرے سے بچانے کا نعرہ لگا کر مسلم و عرب ممالک سے ساتھ دینے کی اپیل کر رہے ہیں لیکن خود انکی جارحیت جو حقیقی روپ میں سامنے آچکی ہے اس سے بچنے کی بھی کوئی ضرورت ہے یا نہیں اسلام کی طویل تاریخ میں اسلام کو سب سے زیادہ نقصان خود انہیں لوگوں نے پہونچایا ہے۔ جو اسلام سے نسبت رکھنے کے مدعی تھے کعبہ شریف کو منجنیق سے مسمار کرنے والا ایک مسلمان ہی تھا اور اسی عراق کا حاکم تھا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر کو نہایت بے رحمی سے قتل کرکے انکی لاش کو درخت سے لٹکانے والا بھی مسلمان ہی تھا۔

جن لوگوں نے حجر اسود کو کعبہ شریف سے نکال کر خود اپنے علاقے میں لیجانے کا انتہائی سنگین جرم کیا تھا وہ بھی اسلام ہی سے نسبت کے مدعی تھے۔

حضرت عثمان ذوالنورین کو نہایت وحشیانہ انداز میں قتل کر کے مسلمانوں کا شیرازہ ہمیشہ کیلئے منتشر کرنے والے بھی مسلمان ہی تھے۔ پھر حضرت علی مرتضیٰ کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے خانہ جنگی پیدا کرانے والے بھی مسلمان ہی تھے اور اس خانہ جنگی کے اثرات سے آج تک ملت کو نجات نہیں مل سکی۔

کربلہ کے مجرمین بھی اسلام ہی کے دعویدار بلکہ ٹھیکدار بنے ہوئے تھے۔ اوراب موجودہ دور میں صلاح الدین ایوبی کی جانباز قوم کردوں کو کیمیائی ہتھیاروں سے نیست ونابود کرنے والے، ایران کے ساتھ آٹھ سالہ جنگ چھیڑکر لاکھوں مسلمانوں کو موت اور بے انداز دولت واملاک کو تباہ کرنے والے بھی مسلمان ہی کہلاتے ہیں اور جب چاہتے ہیں نئے نئے نعرے ایجاد کر لیتے ہیں آج جو ایرانی اسلامی بھائی قرار دیئے جارہے ہیں۔ کل وہی ایرانی مجوسی قرار دیئے جارہے تھے اور ان کے خلاف جنگ کو قادسیہ کی جنگ بتایا جارہا تھا۔

پھر اب کویت کو وحشیانہ انداز میں روندنے والے بھی مسلمان ہی ہیں اور پھر جب کویت کے مظلوموں کے جائز حقوق کی بحالی کی جنگ چھڑی تو اسرائیل کے خلاف جہاد کا نعرہ بلند کر کے توجہ دوسری طرف مبذول کرانے کا حربہ اختیار کر لیا گیا۔ اور فلسطینیوں کیلئے آنسو بہائے جانے لگے آخر فلسطینیوں کی آزادی کیلئے کویتیوں کو غلام بنانا ضروری تھا کیا ایک فلسطینی مسلمان کا خون ایک کویتی مسلمان کے خون سے زیادہ مقدس ہو گیا تھا کرایہ کے نوحہ گروں نے کبھی اس تضاد پر بھی غور کیا؟

کیا کویت وسعودی عرب وغیرہ نے صدام کو اربوں ڈالر کی مدد بہم نہیں پہونچائی تھی اور انکے برے وقتوں میں کام نہیں آئے تھے۔ پھر انہیں کس جرم کی سزا دی گئی۔

بے سروپا باتیں

پانچویں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز کا قول ہے۔ اگر ساری قومیں اپنے گناہوں اور غلط کاریوں کو سامنے لائیں اور ہم "بنی امیہ" صرف حجاج کو پیش کر دیں تو ہمارا پلہ بھاری ہو جائے گا۔

پوری اسلامی تاریخ کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی کہ تنہا کسی مسلم رہنما، فوجی کمانڈر یا سفاک حاکم کی گردن پر اتنا خون نہیں ہے جتنا خون اکیلے صدام نے بہایا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے کسی جان کے بدلے یا زمین میں فساد برپا کئے بغیر کسی شخص کو قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر ڈالا اور جس نے کسی انسانی جان کو بچایا گویا اس نے تمام انسانوں کو بچایا۔

لیکن آپ صدام کے مقتولین کا شمار کرنا چاہیں تو نہیں کر پائینگے۔ خود عراق میں داخلی محاذ پر قدم جمانے اور کسی طرح کے امکانی چیلنج و مخالفت کو قبل از وقت کچل دینے کیلئے نہ جانے کتنے ہزار لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

ہزارہا کردوں کو کیمیائی ہتھیاروں سے موت کی نیند سلادیا گیا ان کی بستیاں کی بستیاں تاخت و تاراج کر دی گئیں اور عورتوں اور بچوں تک کو نہیں بخشا گیا۔

ایران کے ساتھ بے مقصد جنگ میں دونوں ملکوں کے بیس لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کو لقمۂ اجل بننا پڑا۔

اور پھر وحشت و بربریت کا خون آشام قافلہ کویت کو پامال کرتا ہوا پورے خلیج کو اپنے دائرے میں سمیٹنے کیلئے روانہ ہو گیا۔ حق و باطل کی کوئی اہمیت ہی نہیں رہ گئی۔ نہ قانون شریعت کا کوئی وزن رہ گیا نہ بین الاقوامی قوانین و روایات کی کوئی حیثیت

اور نہ پڑوسی کے حقوق اور اسلامی اخوت کا کوئی مفہوم باقی رہا۔ جو لوگ اس قافلۂ ہلاکت کی راہ میں حائل ہوئے وہ راتوں رات عربوں اور مسلمانوں کے غدار و بدترین دشمن ہوگئے۔

کچھ لوگ کہنے لگے کہ جب اسرائیل بین الاقوامی قوانین کا احترام نہیں کرتا تو ہم کیوں کریں؟ وہ یہ نہیں بتاتے کہ اسرائیل نے اب تک کتنے یہودیوں کو قتل کیا اور کتنے یہودیوں کو لوٹا اور برباد کیا ہے؟ پھر اگر آپ کا بھائی آپ کے والد کو قتل کر دے تو کیا آپ کو یہ حق مل جائے گا۔ کہ آپ اپنی ماں کو قتل کر ڈالیں۔

حقیقت کی نگاہ سے دیکھئے کہ سارے عرب ممالک کویت کو عراقی قبضہ سے نکالنا چاہتے بھی تھے یا نہیں۔

اور اگر سب چاہتے بھی تو کیا وہ عراق کے لشکر جرار کا کچھ بگاڑ سکتے تھے؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خلیجی ملکوں کے پاس اتنی دولت کیوں رہے جبکہ دیگر ممالک غربت کا شکار ہیں۔

کیا یہ لوگ بتا سکتے ہیں کہ خلیجی ممالک تیل نکلنے سے پہلے جب ہزاروں برسوں سے زندگی کی سختیاں جھیل رہے تھے انکے پاس نہ آمدنی کا کوئی ذریعہ تھا نہ انکی زمینیں اتنی سرسبز و شاداب تھیں کہ وہیں کی پیداوار سے کچھ خوش حالی ہوتی اور خلیج کے علاوہ آس پاس کے ممالک اپنی سرسبزی و شادابی کی وجہ سے خوش حالی کی زندگی گزار رہے تھے تب بھی انہوں نے کبھی ان مفلوک الحال لوگوں کی خبر لی تھی اور اپنی آمدنی میں سے کچھ حصہ ان کے لئے بھی وقف کیا تھا؟

پھر کون سا عرب ملک ایسا ہے جسے خلیج کے ممالک نے کافی امداد فراہم نہیں کی؟ اسرائیل کے ساتھ تینوں جنگوں کا خرچ بڑی حد تک کس نے اٹھایا؟ محاذی ممالک کی معیشت کو سنبھالنے کیلئے اپنے خزانوں کے منہ کس نے کھولے یمن و اردن کے بجٹ کا تقریباً نصف حصہ کون پورا کرتا رہا۔

فلسطینی تنظیم آزادی کے شاہانہ اخراجات کون برداشت کرتا رہا۔ اور کیا خود صدام سر اٹھا کر کہہ سکتے ہیں کہ بغیر خلیجی ممالک کے تعاون کے وہ اتنی لمبی جنگ لڑ سکتے تھے اور اتنی بڑی فوج بنا سکتے تھے؟ کیا احسان فراموشی ہی ملت کے بکھرے ہوئے شیرازہ

بقیہ صفحہ پر

وہ شیفتہ کہ دھوم ہے حضرت کے زہد کی

۱۹۶۷ء میں جب عرب اسرائیل جنگ بڑے پیمانے پر بھڑک اٹھی تو عراقیوں کے ذمہ یہ کام سونپا گیا تھا کہ وہ مشرقی محاذ (شام اسرائیل اور اردن اسرائیل محاذ) کو مضبوط بنائیں۔ عراقی فوجیں اس محاذ پر پہونچیں بھی لیکن صدر ناصر اور دیگر عرب رہنما بہت زمانہ تک اس پر اظہار حیرت کرتے رہے کہ عراقیوں نے اسرائیلی فوجوں پر نہ تو ایک گولی چلائی نہ کسی حملہ میں حصہ لیا۔ اسی طرح نہ تو اسرائیلی فوجوں نے عراقیوں کے خلاف ایک گولی چلائی نہ انکے طیاروں نے ان پر ایکبار بھی حملہ کیا۔ عراق کی طرف سے آج تک اس کی کوئی معقول وجہ پیش نہیں کی جا سکی

پھر ۱۹۷۳ء میں عرب اسرائیل جنگ چھڑی تو عراقی لیڈر بھی بہت زور شور کے ساتھ جنگ کے نعرے لگا رہے تھے مصری فوجوں نے بے مثال کارنامہ انجام دیتے ہوئے اسرائیل کی "ناقابل تسخیر" بارلیف لائن توڑ ڈالی اور اسرائیلی فوجوں کو پیچھے دھکیلنا شروع کر دیا۔ دوسری طرف شام اسرائیلی محاذ پر بھی شدید جنگ چھڑ گئی۔ بارلیف لائن کی تسخیر کے بعد اسرائیل نے اپنی ساری طاقت اس محاذ پر جھونک دی کہ یہاں کچھ نہ کچھ کامیابی حاصل کرے شامی محاذ پر اسرائیلی دباؤ شدید تر ہوتا گیا۔ جنگ ۶ اکتوبر کو شروع ہوئی تھی ۸ اکتوبر کو شامی وزیر خارجہ نے عراقی سفیر کو بلا کر کہا کہ گولان پہاڑیوں کے محاذ پر عراقی فوجیں فوراً بھیجی جائیں۔ اس سے پہلے عراقی صدر احمد حسن بکر اور صدر ناصر و صدر حافظ الاسد کے درمیان اس سلسلے میں فون پر گفتگو ہو چکی تھی اور عراقی صدر نے وعدہ کیا تھا کہ وہ بری و فضائی جنگ میں بھرپور حصہ لیں گے۔

عراق نے کچھ طیارے بھیجے اور دو بکتر بند ڈویژن اور ایک پیدل ڈویژن کو بھیجنے کا حکم بھی جاری کیا لیکن ۱۱ اکتوبر کو عراقی فوجیں ۲۴ اکتوبر کو پہونچیں اور ظاہر ہے کہ تب تک جنگ میں کوئی موثر کردار ادا کرنے کا وقت گذر چکا تھا۔

عراقی حکام پروپیگنڈے کی سطح پر جنگ میں شروع ہی سے شریک رہے لیکن عملاً انہوں

نے کوئی حصہ نہیں لیا۔

۱۷؍اکتوبر کو تیل برآمد کرنے والے ممالک کی تنظیم اوپیک نے تیل کی پیداوار میں ۵؍فیصد کمی کرنے اور جب تک اسرائیل ۱۹۶۷ء کے مقبوضہ عرب خالی نہ کردے ہر ماہ مزید ۵ فیصد کمی کرنے کا فیصلہ کیا ۲۸؍اکتوبر کو سعودی عرب نے اپنی پیداوار دس فیصد گھٹادی۔ امریکہ کو اسرائیل کی فوجی مدد وحمایت کرنے کی وجہ سے تیل بالکل بند کرنے کا فیصلہ بھی کیا گیا اور پوری دنیا میں "پٹرول بم" کے اس استعمال سے ایک بحران پیدا ہوگیا۔

لیکن عراق نے اس موقع پر عرب کاز کے ساتھ جو غداری کی وہ تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گی۔ اس نے نہ صرف تیل کی پیداوار میں کمی نہیں کی بلکہ اسے مزید بڑھادیا اور امریکی تیل کمپنیوں کو عراق تیل کی بدولت اتنا فائدہ حاصل ہوا جو کبھی نہیں ہوا تھا۔ عراق نے جہاں ۱۹۷۲ء میں ۵ر۲۱۴ ملین دینار کا تیل برآمد کیا تھا وہاں ۱۹۷۳ء میں اس کی برآمد ۶ر۸۱۲ ملین دینار تک پہونچ گئی۔ واضح رہے کہ اس پورے دور میں عراق کے اصل حکمراں صدام حسین ہی تھے۔

۲۶؍اکتوبر ۱۹۷۴ء کو رباط میں جب عرب چوٹی کانفرنس منعقد ہوئی تو صدام حسین نے بلند بانگ دعوی کرتے ہوئے کہا کہ "یہ بات غیر معقول ہوگی کہ مصر سے ہم یہ مطالبہ کریں کہ وہ اسرائیل سے جنگ کرکے فلسطینی علاقوں کو آزاد کرائے اور خود ہم مصر کو اقتصادی تباہی کی حالت میں چھوڑ دیں ہمارے پاس اتنی دولت ہے کہ ہم محاذ کو مضبوط کرسکتے ہیں اور مصر کو بھرپور امداد دے سکتے ہیں"، لیکن عملاً یہ ہوا کہ مصر کی مدد کیلئے جو رقوم عرب ملکوں کیلئے مقرر کی گئیں تھیں عراق نے ان کی پوری ادائگی بھی نہیں کی۔

محمد حسنین ہیکل نے اپنی کتاب "آیۃ اللہ کی توہین" میں لکھا ہے کہ صدام حسین نے مجھے بتایا کہ جب ۱۹۷۵ء میں الجزائر معاہدے کیلئے وہ گئے تھے تو عراق کے پاس صرف پانچ بم اور توپوں کے پانچ ہزار گولے رہ گئے تھے۔ حالانکہ ۱۹۷۳ء کی جنگ میں وہ بری وفضائی جنگ میں بھرپور حصہ لینے کا نعرہ لگارہے تھے کیا عراق کے تمام بارودی ذخائر کردستان کی جنگ میں ختم ہوگئے تھے؟ پھر جب کسی اور جنگ میں عراق نے حصہ نہیں لیا تھا تو ۱۹۷۵ء تک عراق کی انقلابی قیادت ملک کا سارا دفاعی بجٹ اور تیل کی ساری آمدنی کہاں خرچ کررہی تھی۔ (روزنامہ الجزائر)

اعلان دمشق کیا ہے؟

خلیجی تعاون کونسل، جمہوریہ مصر اور جمہوریہ شام کے وزرائے خارجہ نے ۵،۶ مارچ کو دمشق میں اپنے مذاکرات کے بعد ایک اعلان جاری کیا ہے جس میں آئندہ کے لئے مشترکہ لائحہ عمل کے رہنما خطوط کی نشاندہی کی گئی ہے۔

۱۔ یکجہتی اور تعاون کے اصول

الف۔ عرب لیگ کے منشور، اقوام متحدہ کے چارٹر اور دیگر عرب و بین الاقوامی منشوروں پر عمل کیا جائے گا، تاریخی برادرانہ روابط، پڑوس کے تعلقات، ملکی و علاقائی سلامتی اور مساویانہ حقوق کا احترام کیا جائے گا کسی علاقہ پر بزور طاقت قبضہ نہیں کیا جائے گا داخلی معاملات میں مداخلت نہیں کی جائے گی اور تنازعات پرامن طریقوں سے حل کئے جائیں گے۔

ب:۔ مشترکہ عرب کاروائی کے مقصد کے حصول کیلئے نیا عرب نظام قائم کرنے کی کوشش کی جائے گی اور اتفاق رائے سے انتظامات کئے جائیں گے دیگر عرب ممالک کے لئے دروازے کھلے رکھے جائیں گے کہ وہ مشترکہ مقاصد و مفادات کی روشنی میں اس اعلان میں شریک بن جائیں۔

ج:۔ علاقہ کے امن و استحکام کیلئے درپیش چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لیے عرب قوم کو اپنے تمام وسائل و امکانات کو بروئے کار لانے کے قابل بنایا جائے گا۔ اسی طرح اقوام متحدہ کے منشور اور اسکی قراردادوں کی بنیاد پر فلسطینی مسئلہ اور عرب اسرائیلی تنازعہ کے منصفانہ و جامع حل کے حصول کی کوشش کی جائے گی۔

د۔ اعلان میں شریک ممالک کی اقتصادی و سماجی ترقی کیلئے باہمی اقتصادی تعاون کو فروغ دیا جائے گا۔

۵۔ ہر عرب ملک کے قدرتی و اقتصادی وسائل پر اس کے اقتدار اعلیٰ کے اصول کا احترام کیا جائے گا۔

۲۔ سلامتی و امن ۔ الف :۔ شریک ممالک کی رائے میں عراقی قبضہ سے کویت کی آزادی کے بعد کا مرحلہ علاقہ کو درپیش دیگر چیلنجوں اور خطرات سے نمٹنے کے لئے بہترین موقع فراہم کرتا ہے۔ ان میں سب سے اہم مسئلہ مقبوضہ عرب علاقوں پر اسرائیلی قبضہ کی برقراری اور وہاں یہودیوں کی آبادکاری کا ہے شرکاء کے خیال میں اقوام متحدہ کی نگرانی میں ایک بین الاقوامی کانفرنس کا انعقاد عرب علاقوں سے اسرائیلی قبضہ ختم کرانے اور اقوام متحدہ کی متعلقہ قراردادوں کی بنیاد پر فلسطینی قوم کے قومی حقوق کی بحالی کا مناسب ذریعہ ہے۔

ب :۔ شرکاء عرب لیگ کے چارٹر کے اصولوں اور عرب لیگ کے ممبر ممالک کے درمیان مشترکہ دفاع اور اقتصادی تعاون کے معاہدے کی پابندی نیز عرب ممالک کے امن و سلامتی کی ضمانت کے لئے مشترکہ عمل کے عزم پر زور دیتے ہیں۔

عرب لیگ کے چارٹر کی دفعہ ۹ کے حوالے سے شریک ممالک یہ رائے رکھتے ہیں کہ سعودی عرب اور دیگر خلیجی ممالک کی سرزمین پر، ان ممالک کی درخواست کے بموجب ان کے دفاع کے لئے مصری و شامی فوجوں کی موجودگی عرب سلامتی فورس کی نمائندگی کرتی ہے۔ اور یہ خلیج میں عرب ملکوں کی سلامتی کی ضامن ہے ساتھ ہی اسے جامع عرب دفاعی و سلامتی نظام کے موثر ہونے کی ضمانت قرار دیا جاسکتا ہے۔

شریک ممالک اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ان کے باہمی تعاون و یکجہتی کا مقصد کسی کی مخالفت نہیں ہے بلکہ اسے اسلامی و بین الاقوامی سطح پر ایسی گفت و شنید کا پیش خیمہ سمجھنا چاہیئے جس سے عرب قوم کے اعلیٰ مفادات کا تحفظ ہوگا اور بین الاقوامی قانونیت کو فروغ حاصل ہوگا خاص طور پر ملکوں کے اقتدار اعلیٰ کے احترام، داخلی معاملات میں عدم مداخلت اور تنازعات کو پرامن طریقوں سے حل کرنے کے سلسلہ میں

ج ۔ شرکاء اس بات کے لئے جدوجہد کریں گے کہ مشرق وسطی کو عام تباہی پھیلانے والے تمام ہتھیاروں سے پاک کیا جائے بالخصوص نیوکلیر ہتھیاروں سے۔ اور اس سلسلہ میں متعلقہ بین الاقوامی اداروں کے ذریعہ مقصد کے حصول کی کوشش کی جائے گی۔

۴۔ **معیشت وثقافت**۔ الف:۔ عرب لیگ کے چارٹر اور عرب لیگ کے ممبر ممالک کے درمیان مشترکہ دفاع اور اقتصادی تعاون کے معاہدوں کی روشنی میں شریک ممالک کے مابین پہلے قدم کے طور پر اقتصادی تعاون کو فروغ دیا جائے گا اور انہیں بنیادوں پر دیگر عرب ممالک کے ساتھ بھی تعاون کو بڑھایا جائے گا۔

ب ۔ ایسی اقتصادی پالیسی اختیار کی جائے گی جس سے متوازن اقتصادی وسماجی ترقی ہو اور دنیا کے بڑے اقتصادی گروپوں کی تشکیل کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لئے عرب اقتصادی گروپ کے قیام کی راہ ہموار ہو سکے ۔

ج :۔ اقتصادی وسماجی ترقی کے عمل میں شرکت کے لئے عرب ممالک میں پرائیویٹ سیکٹر کی حوصلہ افزائی کی جائے گی ۔ ایوانہائے صنعت وتجارت کے درمیان ربط بڑھایا جائے گا۔ زراعت کے میدان میں باہمی تعاون کو فروغ دیا جائے گا اور مشترکہ تعاون سے بآسانی فائدہ اٹھانے کے لئے چھوٹے اور درمیانہ درجے کے اداروں کے لئے دروازے کھولے جائیں گے۔

د:۔ سائنسی تحقیقاتی اداروں کو تقویت دی جائے گی انکے مابین روابط کو آسان بنایا جائے گا تاکہ مختلف میدانوں میں ہمہ جہتی مشترکہ تحقیقات میں آسانی ہو۔

۵:۔ ثقافت وابلاغ کے میدان میں باہمی تبادلہ کے لئے انسانی وسائل اور فنی مہارت سے استفادہ کیا جائے گا اور اس سلسلہ میں شریک ممالک کی روایات واقدار کا احترام کیا جائے گا اور ان کے داخلی معاملات میں مداخلت سے پرہیز کیا جائے گا۔

و:۔ عرب لیگ کو مستحکم کیا جائے گا اور اسے کمزور کرنے اور پھوٹ ڈالنے کی کوششوں کی مخالفت کی جائے گی عرب لیگ کے منشور کے اصول ومقاصد کی پابندی پر زور دیا جائے گا۔ مذکورہ بالا مقاصد کی تکمیل کیلئے شریک ممالک میں باری باری وزرائے خارجہ کی سطح پر جلسے ہوتے رہیں گے اور تعاون کو وسیع وہمہ گیر بنانے کیلئے

بقیہ صفحہ ۱۱۹ پر

صدام پوری دنیا کیلئے فتنہ ہے

مولانا عزیز الحق عمری

اسلام نے چودہ صدیوں میں صلیب کے معرکے بھی دیکھے ہیں اور ہلاکو کے ہاتھوں بغداد کی تباہیاں بھی، پھر بھی یہ سارے حوادث ایک طوفان بن کر گذر گئے ، لیکن اسلام کے نام پر عبداللہ بن سبا ءنے جو فتنہ پیدا کیا اس نے اسلام اور مسلمانوں کو زبردست مشکلات میں ڈال دیا کیونکہ اس کی وجہ سے مسلمان آپس میں برسر پیکار ہو گئے اور اسلام میں باطل عقائد کے نئے دروازے کھل گئے شیعوں اور خارجیوں کے فرقے وجود میں آئے اور مسلمانوں کے خون نے سرزمین صفین وکربلہ کو لالہ زار بنادیا۔ اور اس کے چودہ سو سال بعد صدام حسین نے مسلم ملک کویت کے خلاف جارحیت کا ارتکاب کر کے اسلام اور جہاد کے نام پر اسی انداز کا بلکہ اس سے بدتر فتنہ پیدا کر دیا ہے جس سے پوری دنیا کے مسلمان دو صفوں میں تقسیم ہو گئے ہیں اور صدامیت ایک نیا مذہب اور عقیدہ بن کر ابھر آئی ہے جس کے پرستاروں کے نزدیک مسلمانوں اور مسلم ممالک کے خلاف جارحیت نہ صرف جائز بلکہ جہاد ہے اور کویت کے خلاف صدام کی جس جارحیت کو دنیا کے سبھی ممالک خواہ وہ عراق کے دوست ہوں یا دشمن ناجائز قرار دے رہے ہیں وہ صدامیوں کے نزدیک جائز ہی نہیں بلکہ اس کی وجہ سے ان کے نزدیک صدام حسین سلطان صلاح الدین ایوبی کے منصب پر فائز ہو گیا ہے۔

صدام کا کویت پر قبضہ عراق کی ہمسایہ ریاست کویت دنیا کے ممالک اور تمام مسلم ممالک بلکہ خود عراق کے نزدیک بھی ایک آزاد اور خود مختار تسلیم شدہ ریاست ہے اور حکومت عراق نے ۱۴ اکتوبر ۱۹۶۳ء کو حکومت کویت کی خود مختاری اور اس کی سرحدوں کو تسلیم کیا ہے جس کی دستاویز پر دونوں ملکوں کے سربراہوں کے دستخط موجود ہیں۔

اس سے پہلے ۱۹۱۳ء میں حکومت عثمانیہ نے بھی کویت کی خودمختاری کو تسلیم کرتے ہوئے برطانیہ کے ساتھ اس کی سرحدوں کی حد بندی پر اتفاق کیا تھا اور ۱۹۳۲ء میں برطانیہ نے عراق کی بات کو تسلیم کرنے اور اسے اقوام متحدہ کا ممبر بنانے کیلئے یہ شرط کی تھی کہ وہ برطانیہ اور ترکی کے ۱۹۱۳ء کے معاہدے کے تحت کویت کی سرحدوں کو تسلیم کرے اور حکومت عراق نے ۱۹۶۳ء کو سرکاری طور پر اسے تسلیم کیا لیکن ایران کے ساتھ جہاد سے فرصت ملنے کے بعد صدام حسین نے کویت کی دولت وثروت کو ہضم کرنے کیلئے سب سے پہلے ۳ مئی ۱۹۹۰ء کو کویت کا نام لئے بغیر اس پر زیادہ تیل پیدا کرنے کا الزام لگایا پھر ۱۷ جولائی کو تیل کی قیمت کم کرنے کا اور ۱۸ جولائی کو کویت پر ۱۹۸۰ء سے عراق کا تیل چوری کرنے کا الزام لگایا اور ۱۹ جولائی کو کویت نے اس الزام کی تردید کی اور ۲۰ جولائی کو عرب لیگ نے اس مسئلے کو سلجھانے کی کوشش کی اور ۲۲ جولائی کو شاہ حسن اور حسنی مبارک نے اسکندریہ میں کانفرنس کی جس میں بعد میں عراقی وزیر خارجہ طارق عزیز نے بھی حصہ لیا پھر ۳۱ جولائی کو جدہ میں کویت و عراق میں بات چیت کا آغاز ہوا اور یکم اگست کو بغیر کسی اتفاق کے بات چیت ملتوی ہو گئی اور عراق نے آئندہ بغداد میں بات چیت کرنے کی پیش کش کی ۲۴ جولائی کو صدام حسین نے مصر کے صدر مبارک سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ کویت کے خلاف طاقت کا استعمال نہیں کرینگے صدر مبارک کو یہ تردد اس لئے پیدا ہوا تھا کہ ۲۴ جولائی کو واشنگٹن پوسٹ نے یہ خبر دی تھی کہ عراق کویت کی سرحدوں پر بڑی تعداد میں فوجیں لگا رہا ہے۔ لیکن صدام حسین نے اپنے اس عہد وپیماں کے باوجود ۲ اگست کی رات کے اندھیروں میں کویت پر شب خون مار دیا۔

کیا صدام کا یہ غدارانہ حملہ سیاسی حملہ ہے صدامیت کے پرستار صدام کی جارحیت کا جواز پیدا کرنے کیلئے بڑی بے شرمی سے اسے سیاسی قبضہ قرار دیتے ہیں۔ اور یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ ملک کسی شخص کا نہیں ہوتا بلکہ جو بھی بزور طاقت کسی ملک پر قبضہ کرے اس کی مملکت بن جاتا ہے۔ یہ بات کچھ معقول بھی ہے۔ لیکن کیا کسی ملک پر غداری اور فریب سے قبضہ کر لینا اور تمام معاہدات کو روند دینا بھی جائز ہے؟ یہ تو ثابت ہے کہ کویت عراق کا تسلیم کردہ خودمختار ملک ہے اور اقوام متحدہ اور عرب لیگ نیز مسلم چوٹی کانفرنس کے دستور اور معاہدات

دستاویزات کے تحت عراق نے یہ عہد و قرار کیا ہے کہ وہ کسی خود مختار ملک پر جارحانہ حملہ نہیں کریں گے اور کویت ان سبھی اداروں کا تسلیم شدہ آزاد و خود مختار ملک ہے جس پر صدام حسین نے غداری سے حملہ کیا ہے جس کی اجازت نہ عالمی دستور دیتا ہے اور نہ آئین اسلام اور اقوام متحدہ اپنے اسی دستور کیوجہ سے عراق کویت سے ہٹنے ہٹانے کی تدابیر پر عمل کر رہی ہے۔

اسلام کے آئین کے تحت بھی یہ قبضہ ناجائز ہے۔ کیونکہ ایک مسلم ملک کی آزادی اور خود مختاری پر حملہ کرنے اور اسے لوٹنے کی اجازت اسلام نہیں دیتا اور اس پر بھی غدارانہ حملہ انتہائی شرمناک ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ ہوازن کے مال غنیمت اور قیدیوں کو محض اس لئے واپس کر دیا کہ وہ مسلمان ہو کر آپ کے پاس حاضر ہو گئے تو پھر کیا ایک پر امن مسلم ملک پر حملے اور ان کے مال و جائداد کو اسلام لوٹنے کی اجازت دے سکتا ہے؟ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خطبے میں فرمایا کہ جاہلیت کے زمانے کے معاہدے پورے کرو کیونکہ اسلام اسے اور زیادہ مضبوط کر دیتا ہے اور اسلام میں نیا معاہدہ نہ کرو۔

محدثین نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ اسلام خود تعاون باہم کا معاہدہ ہے اس لئے نئے معاہدے کی ضرورت نہیں سلیم بن عامر کی روایت ہے کہ حضرت معاویہ اور رومیوں کے درمیان معاہدہ تھا اور حضرت معاویہ ان کے ملک کی طرف اس ارادہ سے جایا کرتے تھے کہ معاہدے کا وقت پورا ہو جائے گا تو ان پر حملہ کروں گا۔ اسی دوران ایک شخص گھوڑے پر سوار ہو کر آیا اور پکار رہا تھا اللہ اکبر اللہ اکبر وفاء لا غدر۔ یعنی وفاداری کرو غداری نہ کرو۔ لوگوں نے اس سوار کو دیکھا تو وہ عمرو بن عبسہؓ تھے حضرت معاویہ نے ان سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جس کے اور کسی قوم کے درمیان معاہدہ ہو اسے توڑنا نہیں چاہئے جب تک اس کی مدت پوری نہ ہو جائے یا پھر انہیں صاف طور پر بتا دے کہ میرا اور ان کا معاہدہ اب نہیں رہے گا۔ یہ سن کر حضرت معاویہ واپس ہو گئے

(بروایت ترمذی)

اور ایک روایت میں ہے کہ ابو رافع فرماتے ہیں کہ مجھے قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے پاس قاصد بناکر بھیجا اور جب میں نے آپ کو دیکھا تو میرے دل میں اسلام داخل ہوگیا اور میں نے آپ سے کہا کہ اللہ کے رسول! اب میں قریش کے پاس کبھی واپس نہیں جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا کہ میں معاہدہ شکنی نہیں کروں گا اور قاصد کو نہیں روکوں گا اور لیکن تم واپس جاؤ اور تمہارے دل میں جو بات اب ہے وہ رہ جائے تو پھر واپس آجانا۔ ابو رافع بیان کرتے ہیں کہ میں چلا گیا اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اسلام لایا (بروایت ابوداؤد)

ان احادیث کی ہدایات کو سامنے رکھکر صدام حسین کے غدارانہ کردار کا موازنہ کیجیے جس نے اسلامی اخوت وتعاون اور تمام معاہدات ودستاویزات کو پس پشت ڈال دیا اور یہ یقین دہانی کرانے کے باوجود کہ وہ کویت کے خلاف طاقت کا استعمال نہیں کریگا رات کے اندھیرے میں کویت پر شب خون مار دیا اور پھر بھی یہ اسلام دشمن اور رہزن کیا اسلام کا مجاہد بن سکتا ہے؟ اور کیا صرف چند گھنٹوں میں اتنے بڑے پیمانے پر پہلے سے غدارانہ خفیہ منصوبے کے بغیر حملہ اور قبضہ کیا جاسکتا ہے؟

یہی وہ سوالات ہیں جو دنیا کی غیر مسلم اقوام کو بے ضمیر مسلمانوں کی جارحیت کی تائید پر حیرت زدہ کررہی ہے کیا یہی اسلام کا میزان عدل اور اسلام کا جذبہ اخوت ہے کہ ایک غاصب و رہزن اور غدار و بیوفا فریب کار و عیار کو محض اس کی طاقت کیوجہ سے مجاہد اسلام مان لیا جائے ——— اور دنیا کے مسلمان اس کی حمایت میں نعرے بازی کرنے لگیں۔ تف ہے ایسے مسلمانوں پر جو اسلام کو بدنام کر رہے ہیں اور اسلام کی تمام ہدایات کو روند کرکے گئے جارحانہ قبضے کو جواز کی سند دے رہے ہیں

جارحیت کی حمایت کرکے اسلام کے بارے میں اقوام عالم کو جو غلط تاثر دیا جارہا ہے یہ فلسطین پر اسرائیل کے ناپاک قبضے سے بھی بدترین ہے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں بہت سے معاہدات کئے مدینہ میں تشریف لانے کے بعد قریش کے مدینہ پر امکانی حملے کے اندیشے کے تحت آپ نے مدینہ اور اس پاس کے تمام مسلم وغیر مسلم قبائل سے جن میں بنو نضیر، بنو مصطلق اور خیبر کے یہود بھی شامل تھے مدینے پر کسی امکانی حملے کی صورت میں مدد کرنے کا معاہدہ کیا اور حدیبیہ میں قریش سے امن معاہدہ کیا لیکن آپ نے کبھی بھی کسی کے ساتھ غداری نہیں کی اور اس وقت تک معاہدات

بقیہ صفحہ ۱۱۹ پر

رن کچھ کا ایک مجاہد مولانا عبدالرحیم

مولانا عطاء اللہ خاں بھیونڈی

ابھی حال ہی میں ایک تبلیغی پروگرام کے تحت رن کچھ کے علاقے میں جانے کا اتفاق ہوا تھا یہی کچھ کا پورا علاقہ تقسیم ہند سے پہلے صوبہ سندھ میں تھا اب یہ سرزمین ہندوستان کے صوبہ گجرات میں کا ایک حصہ ہے یہاں دین اسلام کے نام پر پیری اور مریدی کا بازار گرم تھا رسوم و خرافات کو دین تصور کیا جاتا تھا مگر آج یہاں توحید و سنت کے پیروکار بڑی تعداد میں موجود ہیں

ضلعی جمعیت اہل حدیث کچھ کے امیر مولانا محمد یوسف سوتا صاحب سے معلوم ہوا کہ یہاں ایک مرد مومن، رجل رشید مولوی عبدالرحیم نامی گزرے ہیں۔ جن کی تبلیغی مساعی کا یہ کارنامہ ہے۔

مولانا موصوف نے بتایا کہ تقسیم کے بعد بھوج کے کلکٹر نے اپنی ڈائری میں یہ لکھا تھا کہ بنی کچھ کے قبائلی لوگوں کو ارتداد سے بچانے میں سب سے بڑا ہاتھ مولوی عبدالرحیم کا ہے، اگر ان کی مساعی نہ ہوتیں تو بہت سے قبائل مرتد ہو گئے ہوتے۔

خود مولوی عبدالرحیم رحمہ اللہ علیہ کی شخصیت ابتداءً بعد فراغت اپنے والد مولوی عبدالعزیز صاحب کی پیری کے بوجھ تلے دبی تھی اور شرک اور بدعات اور رسوم و خرافات کے دلدل میں پھنسی ہوئی تھی مگر ایک دن اللہ تعالیٰ نے ان کی بصیرت پر پڑے ہوئے پردے کو اٹھالیا۔

ہوا یوں کہ مولوی عبدالرحیم صاحب کے صاحبزادے کا انتقال ہوگیا اور انہوں نے اس غم کو سہارنے کیلئے وہیں ایک پہاڑی پر واقع کسی بزرگ کی مزار کے قریب لب دریا چلہ کشی کرلی تھی۔ چلہ کشی کے دوران وظائف کی اثر انگیزی کے شرائط مندرجہ ذیل تھے۔

۱۔ چلہ کشی روزہ کی حالت میں ہو

۲۔ سحری کیلئے پانچ انگلیوں سے چاول اٹھا کر نمک کے پانی میں ابال کر کھایا جائے۔

۳۔ افطار ایک کھجور سے ہو۔

۴۔ روزانہ قرآن کی ایک منزل پڑھی جائے۔

مولانا نے چلہ کشی پورے لوازمات کو مدنظر رکھتے ہوئے شروع کیا۔ چلہ کشی کے وقت مولانا حصار سے باہر اپنے شاگرد کو کھڑا رکھتے تھے۔ چلہ کشی شروع ہوئی، چھٹا دن تھا، قرآن کی چھٹی منزل شروع ہو چکی تھی مولانا عبدالرحیم صاحب نے جوں ہی سورہ زمر شروع کی اور اس آیت پر پہونچے۔ انا انزلنا الیک الکتاب بالحق فاعبداللہ مخلصاً لہ الدین (۲) الا للہ الدین الخالص والذین اتخذوا من دونہ اولیاء ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ ط ان اللہ یحکم بینھم فی ما ھم فیہ یختلفون ط ان اللہ لا یھدی من ھو کذب کفار (۳)

(سورہ زمر)

ترجمہ: بیشک ہم نے آپ کی طرف اس کتاب کو ٹھیک ٹھیک نازل کیا ہے" سو آپ خالص اعتقاد کرکے اللہ ہی کی عبادت کرتے رہئے یاد رکھو عبادت خالص اللہ ہی کیلئے ہے اور جن لوگوں نے اس کے سوا اور شرکاء تجویز کر رکھے ہیں کہ ہم تو ان کی پرستش اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو خدا کا مقرب بنادیں۔ بیشک اللہ ان کے درمیان فیصلہ کردیگا جس بات میں یہ باہم اختلاف کر رہے ہیں، بیشک اللہ اسے راہ پر نہیں لاتا، جو جھوٹا، ناشکرا ہو۔

ان آیات کی تلاوت کے معاً بعد ذہن و قلب کا دریچہ کھول دیا گیا، اور رب حقیقی نے ان کی یاوری کی۔ وہ چلہ کشی چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے، اور کہنے لگے پروردگار تیرا یہ حکم! میرا یہ عمل، بار الٰہ میں اپنے فعل پر نادم اور شرمسار ہوں، میرے یہ اعمال تو موحدانہ نہیں بلکہ مشرکانہ ہیں۔

مولانا جب چلہ کشی کے دائرے سے باہر نکلنے لگے تو ان کے شاگرد نے منت و سماجت کرتے ہوئے کہا، حضرت آپ بہت بڑی غلطی کر رہے ہیں چلہ کو آپ نے ادھورا چھوڑ دیا ہے موکل آپ کو پریشان کرینگے، آپ کا دماغی توازن بگڑ جائے گا۔ آپ مجنون ہو جائیں گے۔

مولانا کا جواب تھا کچھ نہیں ہوگا۔ اب میں رحمت الٰہی کے سایہ میں آچکا ہوں، نافع و ضار اسی کی ذات ہے، کچھ نہیں ہوگا، کچھ نہیں ہوگا کہتے ہوئے مولانا حصار سے باہر نکلے آئے، راستہ میں جس جس سے ملاقات ہوئی وہ سب وہی دہائی دیتے رہے جو شاگرد نے دی تھی مگر مولانا مطمئن تھے۔

دہاں سے قریب کے مقام "کھاوڑا" میں اپنے کسی رفیق کے گھر گئے، انہوں نے ازراہ ہمدردی اپنے زعم باطل کی بنیاد پر وہی ساری باتیں کہیں جو شاگرد نے کہی تھی۔ مگر مولانا کا جواب تھا۔ نہیں کچھ نہیں ہوگا۔

موصوف جنکے پاس مولانا بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے سامنے بوسیدہ کتابیں رکھی تھیں جنہیں وہ نذر آتش یا زیر زمین کرنے جا رہے تھے۔ انہیں کتابوں میں ایک نئی کتاب مولانا عبدالرحیم صاحب کو نظر آئی، مولانا نے پڑھکر وہ کتاب اٹھالی اور کہا کہ کتاب تو .. صحیح سالم ہے اسے مجھے عنایت کر دیں۔

موصوف میزبان نے جواب دیا کہ یہ کتاب انتہائی گمراہ کن ہے، اس کو پڑھکر آپ گمراہ اور بدعقیدہ ہو جائیں گے۔ یہ ظالم "اسمٰعیل شہید" کی کتاب تقویۃ الایمان ہے، جس نے بہت سے مسلمانوں کو بدعقیدہ بنادیا ہے، لیکن مولانا عبدالرحیم صاحب نے ان کی ہفوات کے باوجود کتاب کھول لیا، اب اتفاق کہئے کہ وہی سورہ زمر کی آیات جن سے مولانا کی کایا پلٹ ہوئی تھی اور جس کی وجہ سے مولانا پر حقوق اللہ واضح ہوا تھا۔ شاہ اسمٰعیل شہید کی کتاب میں بھی ان آیات کا وہی مفہوم بتلایا گیا تھا جو مولانا اپنے طور پر سمجھا تھا۔ اب کیا تھا اب تو مولانا کے اندر مزید پختگی آگئی، ان کو یقین ہوگیا کہ میں نے جو سمجھا ہے وہ سچ ہے، اور پھر اس کے بعد مولانا نے توحید کی تبلیغ شد و مد سے شروع کی اور شرک و بدعات پر کاری ضربیں لگانی شروع کی۔

مولانا عبدالرحیم کے والد مولانا عبداللطیف میمن مریدان کو ماہانہ اس دور میں ایک ہزار روپیہ نذرانہ دیتے تھے۔ انہوں نے مولانا عبداللطیف سے کہا کہ آپ اپنے فرزند کو ان تبلیغی مساعی سے روک دیں، اگر وہ اپنی زبان بند کر لیتے ہیں تو ہم آپ کو ماہانہ تین ہزار کا نذرانہ دیا کریں گے۔

باپ نے بیٹے سے کہا کہ بیٹا اپنی زبان روک لو۔ دیکھو اس صورت میں مالی منفعت ہے۔ آمدنی تین گنا بڑھ جائے گی۔ زندگی بڑی خوشحال گزرے گی۔ مگر مولانا عبدالرحیم پر توحید کا جو نشہ چڑھ چکا تھا وہ کہاں ہے۔

مولانا نے والد محترم کو دو ٹوک جواب دیا۔ کہ میں حق کی تبلیغ سے نہیں رک سکتا

اس راہ کی ساری مشکلات گوارہ ہیں۔

مولانا کے والد نے ایک دن ان کو گھر سے نکال دیا، لیکن مولانا بجائے اس کے کہ ملول خاطر ہوتے راضی بر رضائے الہی ہو کر یہ کہتے ہوئے نکل پڑے کہ ابا جان! رازق حقیقی تو اللہ ہے، وہ مجھے بھوکا پیاسا نہیں رکھے گا۔

مولانا نے توحید و سنت کی تبلیغ و اشاعت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا۔ آج بنی کچھ کا علاقہ جو خالص توحید پرستوں کا علاقہ ہے، وہ مولانا کی تبلیغی مساعی کا ثمرہ ہے۔ مولانا نے وہاں کے لوگوں کو صرف رواجی طور پر توحید و سنت کا عامل نہیں بنایا بلکہ ان کے دلوں میں مکمل دین اسلام کی اتباع کا جذبہ پیدا کر دیا، راوی نے بتایا کہ وہ افراد دین اسلام کے مکمل پاسدار تھے، اور ملکی قوانین کے جبر و قیود کے ساتھ جن جن شرعی حدود کی پاسداری کر سکتے تھے، کرتے تھے، لوگوں کے دلوں میں خوف آخرت اور آخرت کی جواب دہی کا احساس راسخ تھا۔

مولانا کی انہیں تبلیغی مساعی کا نتیجہ ہے کہ آج بھی "بنی کچھ" کے علاقے میں اسی فیصد سے زیادہ عاملان توحید و سنت پائے جاتے ہیں، آج بھی بیشتر اپنے دیہی ماحول میں زندگی گزارتے ہیں۔ لیکن عقائد میں پختہ ہیں۔

آج کے اس گئے گزرے دور میں ان گنواروں میں دین عمل کا جذبہ موجزن ہے ان سے شہر کی مہذب اور متمدن زندگی کو خالی پاتا ہوں ۔

راوی نے بتایا کہ آج ملکی عدالت نے قتل کے ایک کیس سے ملزمین کو رہائی دے دی ہے، لیکن وہ آخرت کی جوابدہی کے احساس سے خون بہا دینے کیلئے تیار ہیں، اور سبھی شرکاء نے اپنے حصہ کی رقم دینے کیلئے کہا ہے۔ بعض دے چکے ہیں اور بعض دینے والے ہیں للہ۔ سوچئے تو سہی کہ ان بدوؤں میں وہ کونسا جذبہ ہے جو انہیں اس عمل پر آمادہ کئے ہوئے ہے۔

مولانا عبدالرحیم کو اس راہ میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن وہ مرد خدا ہنستا، کھیلتا ہوا ان دشوار گزار راہوں سے، رضائے رب کی خاطر گزر گیا اور بالآخر ۱۹۵۶ء میں اس نے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ اللہ تعالی کی ہزاروں رحمتیں

نازل ہوں اس رجل رشید پر۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے۔

اللہ سے دعا ہے کہ بار الٰہا اس خطہ میں صحیح معنی میں ان کا کوئی جانشین پیدا فرما جو وہاں کے سادہ لوح لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے فریضہ کو انجام دیتا رہے۔

کاش کہ کوئی قریبی واقف کار مولانا کے حالات کو تفصیل سے قلمبند کرتا تو اس سے بہتوں کو حوصلہ ملتا۔ ●

ماہرین سے مدد لی جائے گی تاکہ مکمل ہم آہنگی حاصل ہو سکے اور تعاون کا دروازہ سارے عرب ممالک کیلئے کھلا رکھا جائے گا۔

اس اعلان پر سعودی عرب کے وزیر خارجہ شہزادہ سعود الفیصل، مصر کے وزیر خارجہ ڈاکٹر عصمت عبدالمجید، شام کے وزیر خارجہ فاروق الشرع بحرین کے وزیر خارجہ شیخ محمد بن مبارک آل خلیفہ، متحدہ عرب امارات کے وزیر خارجہ راشد بن عبداللہ نعیمی، عمان کے وزیر خارجہ یوسف بن علوی بن عبداللہ، قطر کے وزیر خارجہ مبارک بن علی الخاطر اور کویت کے وزیر خارجہ شیخ صباح احمد صباح نے دستخط کیے۔ ●

کا احترام کیا جب تک انہوں نے خود معاہدہ شکنی نہیں کی۔ لیکن صدامی شریعت اسلام کے نام پر معاہدہ شکنی اور غداری کا جواز پیدا کرنا چاہتی ہے۔

اگر صدامی شریعت کے اس دستور کو تسلیم کر لیا جائے تو دنیا کا کوئی کمزور ملک برقرار نہیں رہ جائیگا اور اسرائیل کیلئے بھی فلسطین پر قبضے کا جواز حاصل ہو جائے گا جس سے دنیا میں ایسا فساد پیدا ہو جائے گا جو عراق پر کویت کی آزادی کیلئے اتحادیوں کی کاروائی سے زیادہ تباہ کن ثابت ہوگا۔ لہٰذا صدام محض اسلام کیلئے نہیں بلکہ پوری دنیا کے امن کیلئے فتنہ ہے جس کا سدباب دنیا کے امن کیلئے نہایت ضروری ہے۔ ●

کریں مسلمانوں کے لئے خالص اسلامی قیادت ناگزیر ہے اسی سے وہ زمین کے تمام فتنوں سے نجات پا سکتے ہیں چاہے وہ عالم اسلام میں پھیلا یا ہوا صدام حسین کا فتنہ ہو، یا ہندوستان میں بابری مسجد کے تعلق سے کانگریس کا ہو چاہے ملک کی دیگر سیاسی جماعتوں کا ہو سب اپنے ہوس اقتدار کے لئے مسلمانوں کو استعمال کر رہی ہیں اور مسلمانوں کو نقصان پہونچا رہی ہیں۔ "الکفرۃ ملۃ واحدۃ" لہٰذا مسلمان مومنانہ فراست سے جذباتیت سے ہٹ کر ان تمام سازشوں کی باریکیوں کو سمجھیں اور باہم مشاورت سے اپنے پروگرام کو انجام دیں انشاءاللہ ذلت و بربادی اور تباہی سے نجات پا جائیگے۔ ●

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Ph. : 265636

NAWA-E-ISLAM

1364-A, CHAH RAHAT,
JAMA MASJID, DELHI-110006

فون ۲۶۵۶۳۶

ماہنامہ **نوائے اسلام** دہلی

۱۳۶۴-اے چاہ رہٹ، جامع مسجد، دہلی ۶

معزز قارئین کرام!　　　　　　　　حفظکم اللہ وتولاکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ،　　　　　مزاج گرامی

ہم بڑے افسوس کے ساتھ آپ کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مارچ و اپریل ۱۹۹۱ء کے شمارے ادارہ بہت ساری کوششوں کے باوجود بھی نہ نکال سکا جس کی خالص وجہ مالی بحران تھی۔ کیونکہ گزشتہ سال پورے ہندوستان میں اڈوانی کی رتھ یاترا کی وجہ سے جو فسادات پھوٹے تھے اس کی وجہ سے　　　　دوران سال نوائے اسلام اور مجلس الدعوۃ الاسلامیہ کے لئے کوئی دورہ نہیں ہو سکا، جس کا لازمی نتیجہ مالی بحران ہونا تھا۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے اب ان حالات سے بڑے صبر و شکر کے ساتھ باہر نکال دیا ہے اور نوائے اسلام کی مشترکہ اشاعت کی توفیق بھی دیدی ہے۔

یہ شمارہ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے اسکو آپ مارچ و اپریل و مئی ۱۹۹۱ء کا مشترکہ شمارہ سمجھیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ یہ دن پھر کبھی نہ لائے کہ رسالے کو تین ماہ کا ایک ساتھ نکالنا پڑے۔ آمین

قارئین کرام اس وقت ہم اس رسالہ کے ذریعہ آپ تمام حضرات کا شکریہ ادا کرنا چاہتے ہیں کہ آپ نے ادارہ کے ساتھ بھرپور تعاون فرماکر اس کے مالی بحران کو فوری طور پر ختم کرنے میں ہمارا ساتھ دیا ہے، ادارہ اور اس کے ذمہ داران ان تمام احباب کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے ادارہ کے ساتھ کسی بھی قسم کا تعاون فرمایا ہے اور ہم سب دعاگو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کی مدد فرمائے اور دنیا و آخرت کی تمام تر خوشیاں نصیب کرے آمین۔

والسلام

آپ کا بھائی۔ عبدالواحد فیضی

ماہنامہ

نوائے اسلام دہلی

ترجمان جمعیۃ التوعیۃ الاسلامیہ

سرپرست:- مولانا عطاء اللہ خان ایم اے بی ایڈ - امیر جمعیت اہل حدیث بھیونڈی

جون سنہ ۱۹۹۱ء مطابق ذی قعدہ سنہ ۱۴۱۱ھ

مدیر:- عزیز عمر سلفی   نائب مدیر:- عبدالواحد انجم

زر تعاون	پاکستان سے
سالانہ:- چالیس روپے	سالانہ:- ایک سو روپے
خصوصی:- ایک سو روپے سے زائد	لائف ممبری:- دو ہزار روپے
لائف ممبری:- ایک ہزار روپے	بیرونی ممالک سے ۳۰ ڈالر امریکی

بنگلہ دیش اور نیپال سے ہندوستانی روپے کے مساوی

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ

دفتر نوائے اسلام ۱۱۶۴-۱، چاہ رہٹ جامع مسجد دہلی ۶

Phone 3265935

آئینہ ترتیب

پرنٹر پبلیشر عبد الواحد فیضی نے الیس الیس پریس برائے جے کے آفسیٹ سے چھپوا کر دفتر نوائے اسلام ۱۱۶۴۔ اے چاہ رہٹ جامع مسجد دھلی سے شائع کیا۔

معزولی قبول کرلی

افضل ندوی

۱۳ھ میں جانشین رسولؐ خلیفۃ المسلمین۔ ابوبکر صدیقؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو ہرقل کے مقابلہ میں اسلامی فوج کا کمانڈر بنا کر روانہ کیا۔ چونکہ ملک شام میں حضرت خالدؓ کی شجاعت وجواں مردی مسلّم تھی جن کے نام سے ایوان باطل میں زلزلہ برپا ہو جاتا تھا۔ رسولؐ کے دار فانی سے کوچ کرنے کے بعد ابوبکر صدیقؓ نے جس دور اندیشی اور حوصلہ مندی سے کام انجام دیا اس سے تاریخ کا ادنیٰ طالب بھی اچھی طرح سے واقف ہے کہ جب مدینۃ الرسولؐ پر ہر چہار جانب سے خطرہ لاحق تھا ان خطروں کا مقابلہ کس جواں مردی سے کیا اور مرتدین اور مانعین زکوٰۃ کے زور کو کیسے سرد کیا ایسے وقت میں جبکہ مسلمانوں کو تمام سپر طاقتیں نظر بد سے دیکھ رہی تھیں اور مسلمانوں کے اختلاف وانتشار سے فائدہ اٹھانا چاہتی تھیں، تو ضرورت محسوس ہوئی کہ ان کی سرکوبی کے لئے ایسے صالح جواں مرد کا انتخاب کیا جائے جو کہ شمشیر برہنہ ہو اور ان کے ناپاک عزائم کو پامال کر سکے۔ حضرت ابوبکرؓ کی نظر اس دلیر اور بہادر شخص پر پڑی جس کو دربار رسول سے سیف من سیوف اللہ کا خطاب ملا تھا اور جس نے بڑے بڑے معرکوں کو سر کیا تھا۔ مختصر یہ کہ کاروان نبوت کا یہ قافلہ جس نے میدان یرموک میں آسمانی تلوار کا ایسا مظاہرہ کیا کہ رومی سربراہ کی کمر ٹوٹ گئی اور قیصر کی عمارتیں متزلزل ہو گئیں اور حضرت خالد نے رومیوں کے دلوں پر اسلامی عظمت وشوکت کا سکہ بٹھا دیا۔ وفات صدیقؓ کے بعد مسند خلافت پر فاروق اعظم جلوہ افروز ہوئے تو اس خالد بن ولید کے لئے بہت بڑی آزمائش کا وقت آگیا ...

جو بیک وقت عراق کے بھی سپہ سالار اعظم ہیں اور رومیوں کے مقابلہ میں اسلامی
فوج کی قیادت بھی فرما رہے ہیں اور اپنی حربی تدبیر سے مخالفین کو حیران و ششدر
کر رہے ہیں کہ اسی وقت مدینۃ الرسولؐ سے فاروق اعظم کا قاصد معزولی کا پروانہ
لے کر حضرت خالد کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے کہ امیر المومنین کا حکم ہے کہ خط
پاتے ہی اسلامی فوج کی قیادت تبدیل کر دی جائے۔ فوراً حضرت خالدؓ امین الامۃ
ابی عبیدہ بن جراحؓ کو قیادت سونپ دیتے ہیں اور اطاعت اولی الامر کا حقیقی نمونہ
پیش کرتے ہیں۔ وہ خالد بن ولید جن کی قیادت میں متعدد معرکے سر ہوئے تھے
اور جن کی ذات کفرستان کے ایوانوں میں آسمانی تلوار بن کر ان کو تہ تیغ کر دیتی
تھی، اور جو آج تک صرف قیادت ہی کے منصب پر رہا ہو آج اس شخص کے
خلوص وللہیت کا امتحان عظیم تھا، لیکن وہ اس میں سچے ____ مخلص ثابت ہوئے

ناظرین کرام:- مذکورہ واقعہ سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ
اگر خالد بن ولید چاہتے تو مسلمانوں کی معتد بہ جماعت کو لیکر اپنی امیری کا
اعلان صادر فرما کر علم بغاوت بلند کر دیتے لیکن انہوں نے ایسا سوچا تک نہیں بلکہ
ابی عبیدہ بن جراحؓ کی ماتحتی میں ایک عام سپاہی کی طرح میدان یرموک میں اسی جذبہ
و جوش و خروش کا مظاہرہ کرتے ہیں، اس معزولی کے واقعہ نے خالد بن ولید
کی عزت و عظمت میں ایک ایسے عظیم الشان مرتبہ کا اضافہ کر دیا جس کے
آگے ان کی سپہ گری و بہادری کے مرتبہ کی کوئی حقیقت نہیں، آج اگر ایک
طرف ہم خالد بن ولید کے جنگی کارناموں پر فخر کرتے ہیں تو دوسری طرف ان کی
للہیت اور اطاعت اولی الامر پر رشک کرتے ہیں۔

موجودہ دور میں ہمارے دینی و سیاسی رہنما اس واقعہ کو اکثر و بیشتر
پُر لطف انداز میں سنتے و سناتے ہیں۔ لیکن جب ان قائدوں کے سامنے قیادت
و سیادت کا معاملہ آتا ہے تو ہر ایک اپنے آپ کو اس کا اہل سمجھتا ہے اگر لوگ
اس کی قیادت پر متفق ہوتے ہیں تو ٹھیک ورنہ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ

بقیہ [illegible]

بیت اللہ اور اس کی حدود — عزت و احترام

حضرت علامہ محمد اسماعیل سلفیؒ گوجرانوالہ۔ پاکستان۔

ان الذین کفروا ویصدون عن سبیل اللہ والمسجد الحرام الذی جعلنٰہ للناس سواءِ العاکف فیہ والباد ومن یرد فیہ بالحادٍ بظلم نذقہ من عذابٍ الیم۔ (الحج ۲۵)

جو لوگ کافر ہوتے اور اللہ کے راستہ اور مسجد حرام سے روکتے ہیں جسے ہم نے تمام لوگوں کے لئے بنایا ہے کہ اس میں سب برابر ہیں۔ اس میں رہنے والا بھی۔ جو بھی اس (مسجد) میں راستی سے ہٹ کر ظلم کا طریقہ اختیار کرے گا۔ ہم اسے دردناک عذاب دیں گے۔

سورۂ حج کے شروع سے اس مقام تک حق اور باطل کی جنگ اور آویزش کا ذکر چلا آرہا تھا اور ہر فریق کا جو انجام ہونے والا ہے اس کا بیان بھی ہو چکا ہے اب ان آیات میں کفار مکہ کا ذکر ہے۔ ایسے لوگ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو ماننے سے انکار کر چکے ہیں اور اب بھی اسی روش پر قائم ہیں۔ یعنی خود بھی ماضی و حال میں کفر ہی کا راستہ اختیار کئے ہوتے ہیں اور اللہ کے راستہ سے دوسروں کو روک رہے ہیں اور ماضی قریب و بعید میں بھی ان کا عمل یہی رہا ہے۔

ضد اور عناد قبولِ حق کی راہ میں سخت رکاوٹ ثابت ہوتا ہے اور اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ لوگ اطمینان سے زندگی بسر کر رہے ہوتے ہیں کہ ایک غلط آدمی اس طرح ضد اور عناد اختیار کرتا ہے کہ لوگوں میں تفریق کرا دینا اور زمین میں فساد برپا ہو جاتا ہے پارٹی بازی ہو جاتی ہے۔ امن پسند آدمیوں کی اکثریت ہوتی ہے لیکن وہ شرارت پسندوں کے خوف سے خاموش ہو جاتے ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ سے ایک شخص نے سوال کیا تھا کہ آپ جن لوگوں کو بدعتی کہتے ہیں ان کے ساتھ بھی لوگ ہیں اور آپ کے ساتھ بھی ہیں۔ اب کس طرح پتہ چلے کہ کون حق پر ہے۔ امام صاحب نے جواب دیا تھا کہ جنازہ کے دن ان کا اور ہمارا فرق ظاہر ہو جائے گا۔ امام احمدؒ کی وفات کے بعد ان کے جنازہ میں لاکھوں مسلمان شریک ہوئے اور جنازہ سے متاثر ہو کر کئی ہزار یہودی مسلمان ہو گئے تھے امام احمدؒ کے مخالف بھی فوت ہوئے لیکن کسی کو خبر بھی نہ ہوئی۔

کفارِ مکہ ایک تو خود کافر تھے۔ دوسرے اللہ کے راستہ (اسلام) سے لوگوں کو روکتے اور برگشتہ کرنے کے لئے ہر طریقہ اور حربہ ان لوگوں نے استعمال کیا۔ ابوجہل اور ابولہب نے جس طرح مخالفت کی۔ اسی طرح علماء یہود نے بھی علانیہ مخالفت کی اور اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکتے رہے اور مسلمانوں کو ایمان سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ بیت الحرام کو مسلمانوں کے لئے بند کر دیا۔ کوئی مسلمان وہاں جاکر نماز نہیں پڑھ سکتا تھا۔ لوگوں کو کس طرح سے روکتے اور اسلام کے قریب نہ جانے دیتے تھے؟ اس کا اندازہ کرنے کے لئے آپ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ پر غور کریں۔

یہ مکہ سے دور۔ ایک گاؤں میں رہتے تھے اور بکریاں چراتے تھے۔ اسلام کی دعوت ان کے کان میں پڑی۔ تحقیق حال کے لئے انہوں نے اپنے بھائی کو مکہ روانہ کیا اس نے سرِ راہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی لیکن یہ ملاقات مختصر تھی۔ ماحول اس قدر خراب تھا کہ وہ کھل کر بات نہ کر سکے۔ اور چند باتیں سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک طرف ہو گئے کہ مبادا مکے والے دیکھ لیں۔ انہوں نے واپسی پر ابوذر غفاریؓ کو ملاقات کے وقت بتایا لیکن کوئی واضح بات نہ بتا سکے۔ کہا وہ آدمی دیکھنے میں نہ تو شاعر ہے نہ ساحر۔ اس کے کلام میں اثر ہے۔ جادوگروں سے اوپر کے درجہ کا آدمی ہے۔ لیکن اس سے حضرت ابوذرؓ کی تسلی نہ ہوئی۔ بکریاں بھائی کے حوالے کر کے خود مکہ کا رخ کیا مکہ میں پھرتے رہے اور حرم میں کافی دنوں قیام کیا لیکن

کوئی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ تک نہ بتاتا تھا۔ ایک روز انہوں نے دیکھا کہ چند لوگ نئی طرح سے نماز پڑھ رہے ہیں مگر خوف وہراس اس قدر طاری تھا کہ ان سے پوچھ نہ سکے۔ اس دوران میں حضرت علیؓ کو بھی نماز پڑھتے دیکھا تو ان سے دعوئ نبوت کرنے والے کے متعلق دریافت کیا۔ اس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں پہنچے اور ملاقات کے بعد مسلمان ہوتے اور مکہ والوں سے اس قدر مار کھائی کہ ساری عمر یاد رہی۔ اس طرح سے یہ لوگ اللہ کے راستہ کی طرف لوگوں کو آنے سے روکتے رہے۔

والمسجد الحرام۔ ائمہ تفسیر نے اس کے مطلب میں اختلاف کیا ہے کہ "والمسجد الحرام" سے مراد بیت اللہ کی چار دیواری مراد ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد مکہ شہر کی آبادی کی حدود ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد حرم کی حد ہے۔

مسجد حرام سے روکنا یہ ہے کہ ذہن میں اس مسجد کی عزت اور وقار نہ ہو۔ مکہ کے اندر لڑنا منع ہے کسی کی بے عزتی کرنا منع ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ مسجد کی حد کیا ہے؟ جواب میں فرمایا کہ مسجد کی حد جس قدر زیادہ ہو وہ مسجد میں ہی شمار ہوگی۔ جتنی بھی توسیع ہوتی رہے وہ مسجد ہی شمار ہوگی۔ سواء العاکف فیہ والباد۔

ساری دنیا کے مسلمانوں کے حقوق بیت اللہ میں مساوی ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ مقامی آبادی کے حقوق زیادہ ہوں اور باہر سے آنے والوں کا درجہ کم ہو۔ دن اور رات کے کسی حصہ میں ہر آدمی نماز وطواف کے لئے آزاد ہے کوئی پابندی عائد نہیں کی جاسکتی۔ کیا مکہ شہر میں بھی مقامی اور باہر سے آنے والوں کے حقوق یکساں ہیں؟ اس کے متعلق امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ مکہ کے مکان کسی کی ملکیت نہیں ہیں۔ حضرت عمرؓ نے بھی حکم دے رکھا تھا کہ حج کے زمانہ میں کوئی شخص اپنے گھر کا دروازہ بند نہ کرے۔

عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے کہ جو شخص مکہ کے مکانات کا کرایہ وصول کرتا ہے وہ اپنا پیٹ آگ سے بھرتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ مکہ میں سب کے حقوق برابر ہیں مکہ والوں کو باہر والوں سے کرایہ لینے کا حق نہیں ہے بہرحال اکثر تابعین اور ائمہ میں سے امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ نے کہا ہے کہ مکہ کی زمین کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے البتہ بعض نے عمارت کی حیثیت سے ان مکانوں کی خرید و فروخت کو جائز قرار دیا ہے زمین کی بیع نہیں یعنی زمین کے اوپر جو ملبہ وغیرہ ہے اس کو بیچا جا سکتا ہے لیکن مکانات کے متعلق اہلِ مکہ کو چاہیئے کہ حج کے موسم میں بقدرِ ضرورت جگہ کو روک لیں اور باقی خالی کر دیں تاکہ حاجی بلا معاوضہ استعمال کر سکیں۔ برا ہو انسان کے ذہنِ نفع خوری کا کہ آج کل مکہ کے لوگ حاجیوں کو کاروباری نظر سے دیکھتے ہیں اور ان سے زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ اسی طرح بجائے رعایت کرنے کے مکانات کے کرائے بھی زیادہ سے زیادہ وصول کرتے ہیں۔

مساجد پر کوئی پابندی نہیں لگانی چاہیئے۔ مسجد ہر آدمی کے لئے کھلی رہنی چاہیئے۔ قرآن کہتا ہے کہ:

"اس شخص سے زیادہ کوئی اور ظالم نہیں ہو سکتا جو مساجد کی آبادی کی راہ میں حائل ہو اور لوگوں کو مساجد میں آنے سے روکے اور ادائیگی نماز کے راستہ میں رکاوٹ بنے"۔

عقیلؓ بن ابی طالب نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد مکہ میں ان کے مکانات کو فروخت کر دیا تھا۔ فتحِ مکہ کے موقعہ پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس بیع کو توڑا نہیں تھا بلکہ رہائش کے متعلق سوال کے جواب میں کہا تھا کہ کیا عقیلؓ کوئی مکان چھوڑ گیا ہے کہ میں اس میں رہائش کروں؟۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بیع کا جواز ہے اس لئے جائز اور مناسب کرایہ پر بھی مکان دیا جا سکتا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی خیال کے مؤید ہیں۔

وَمن یرد فیہ بالحاد بظلم نذقہ من عذاب الیم۔

اس سے مراد کوئی خاص فعل نہیں ہے۔ بلکہ ہر وہ کام جو ظلم کی تعریف میں آتا ہو اور وہ گناہ ہو۔ راستی سے ہٹا ہوا ہو۔ گناہ ہر حال میں برا ہے لیکن حرم کے اندر اس کا ارتکاب

بقیہ صفحہ پر

فلسفۂ حج

مولانا عبدالرشید عراقی ۔ سوہدرہ ۔ پاکستان

حج اسلام کا پانچواں رکن ہے۔

حج :- ارشاد ربانی ہے۔ واذن فی الناس بالحج یاتوک رجالاً و علیٰ کل ضامر یاتین من کل فج عمیق۔ (سورہ حج ۲۷)

"اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو۔ لوگ تمہارے پاس پیدل بھی آئیں گے اور دبلی اونٹنیوں پر بھی جو دور دراز راستوں سے پہونچی ہوں گی"!!

حج اپنے سارے ارکان واعمال اور مناسک وعبادات کے ساتھ اطاعت محض، مجرد امتثال امر، بے چون وچرا حکم بجالانے اور ہر مطالبہ کے آگے سر جھکا دینے کا نام ہے۔ حاجی کبھی مکہ میں نظر آتا ہے، کبھی منیٰ میں، کبھی عرفات میں، کبھی مزدلفہ میں۔ کبھی ٹھہرتا ہے، کبھی سفر کرتا ہے، کبھی گاڑتا ہے، کبھی اکھاڑتا ہے۔ وہ حکم کا بندہ اور چشم وابرو کا پابند ہے۔ اس کا خود نہ کوئی ارادہ ہوتا ہے، نہ فیصلہ، نہ انتخاب کی آزادی۔ وہ منیٰ میں سانس بھی نہیں لینے پاتا کہ اس کو عرفات جانے کا حکم ملتا ہے لیکن مزدلفہ میں رکنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ عرفات پہونچ کر وہ دن بھر دعا وعبادات میں مشغول رہتا ہے۔ غروب آفتاب کے بعد اس کو تقاضہ ہوتا ہے کہ ذرا سستا لے اور رات کو یہیں رہ جائے لیکن اس کے بجائے اس کو مزدلفہ جانے کا حکم ملتا ہے وہ زندگی بھر نماز کا پابند رہا تھا۔ لیکن عرفہ میں اس کو حکم ہوتا ہے کہ مغرب کی نماز ترک کر دے، اس لئے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے نماز یا اپنی عادت کا پابند نہیں۔ وہ یہ نماز مزدلفہ پہونچنے کے بعد عشا کے ساتھ ملا کر پڑھتا ہے۔ مزدلفہ میں اس کا خوب جی لگتا ہے اور سوچتا ہے کہ یہاں جی بھر کر ٹھہرے

مگر اس بات کی اجازت بھی اس کو نہیں ملتی اور اسکو منیٰ کی طرف رخ کرنے کا حکم ہوتا ہے۔

حج کا مقصد:- حج کے مقاصد کیا ہیں۔
اس کے متعلق حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۷۶ھ) لکھتے ہیں۔

"حج کی حقیقت یہ ہے کہ صالحین کی ایک بڑی جماعت ایک خاص زمانہ میں جمع ہو، اور ان لوگوں کا حال یاد کرے جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا۔ مثلاً انبیاء وصدیقین، شہداء وصالحین اور اس جگہ جمع ہوں جہاں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں موجود ہیں اور جہاں ائمہ دین اور صالحینِ امت شعائر اللہ کی تعظیم میں سرشار ہو کر گڑگڑاتے، روتے ہوئے خیر و بخشش کے طالب اور کفارہ سئیات کے امیدوار بن کر آتے ہیں، اس لئے کہ جب ہمتیں اس کیفیت کے ساتھ جمع ہوتی ہیں تو رحمت و مغفرت کے نزول میں تخلف نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ شیطان اس قدر راندۂ درگاہ، ذلیل وخوار اور غصہ سے جلا ہوا کسی دن نہیں ہوتا جتنا عرفہ کے دن۔　(حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۵۹)

حج کا ایک بڑا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ملتِ حنیفی کے امام اور موسس حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تجدید تعلق کیا جائے۔ ان کی میراث کی حفاظت کی جائے، ان کی زندگی اپنے سامنے رکھ کر اپنی زندگی کا موازنہ کیا جائے، مسلمانوں کی حالت کا جائزہ لیا جائے۔ اور ان کی زندگی میں جو غلطیاں فساد اور تحریف نظر آئے اس کو دور کیا جائے اور اس کے اصل سرچشمہ کی طرف رجوع کیا جائے۔ اس لئے کہ حج ایک قسم کا سالانہ اجتماع ہے جس کے ذریعہ مسلمان اپنے اعمال اور اپنی زندگی کا احتساب وتجزیہ کر سکتے ہیں۔ اور ان قوموں اور سوسائٹیوں کے اثرات سے چھٹکارا پا سکتے ہیں، جن کے بیچ میں وہ رہتے ہیں۔ حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

حج کے مقاصد میں اس میراث کی حفاظت بھی ہے جو سیدنا ابراہیمؑ اور سیدنا اسماعیلؑ نے ہمارے لئے چھوڑی ہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں ملتِ حنیفی کے امام اور عرب میں

اس کے موسس اور بانی کہے جا سکتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بھی اسی لئے ہوئی تھی کہ ملت حنیفی آپ کے ذریعہ دنیا میں غالب آئے اور اس کا پرچم بلند ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ملۃ ابیکم ابراھیم۔ ملت ہے تمہارے باپ ابراہیمؑ کی۔ (حج ۔ ۷۸)

اس لئے یہ ضروری ہے کہ اس ملت کے امام سے جو چیزیں ہم کو ورثہ میں ملی ہیں۔ مثلاً خصائلِ فطرت اور مناسک اس کی ہم حفاظت کریں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

قفوا علی مشاعرکم فانکم علی ارث من ارث ابیکم۔ اپنے مشاعر (مقاماتِ حج) پر ٹھہرو۔ اس لئے کہ تم اپنے باپ کی ایک اور وراثت کے وارث ہو۔

حج ملت کا ایک سالانہ اجتماع یا دوسرے الفاظ میں پیریڈ ہے۔ جس کا ملتِ اسلامی کی سچائی و پاکیزگی اور اس کی اصلی اور حقیقی بنیادوں کی حفاظت میں بڑا اہم حصہ ہے۔

اس پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

(حج کے) مقاصد میں وہ بات بھی ہے جس کے لئے حکومتیں نمائش یا سرکاری جشن کیا کرتی ہیں جس کو دیکھنے کے لئے قرب و دور ہر جگہ کے آدمی جمع ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ اپنی حکومت اور اپنی ملت کی تعلیمات سے آشنا ہوتے ہیں اور اس کے مقدس مقامات کی تعظیم بجا لاتے ہیں اسی طرح حج مسلمانوں کی نمائش یا سرکاری جشن ہے جن میں ان کی شوکت ظاہر ہوتی ہے۔ ان کی قوتیں مجتمع ہوتی ہیں۔ ان کی ملت کا نام روشن ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

واذ جعلنا البیت مثابۃ للناس وامنا۔ (بقرہ ۱۲۵) اور (وہ وقت بھی) یاد کرو) جب ہم نے خانہ (کعبہ) کو لوگوں کے لئے ایک مقام رجوع اور مقامِ امن مقرر کیا۔

حج اسلامی قومیت کا مظہر ہے :- حج ان وطنی، نسلی، لسانی اور علاقائی قومیتوں کے خلاف اسلامی قومیت کی جیت ہے۔ جن کے بہت سے اسلامی ممالک مختلف عوامل اور دباؤ کے ماتحت شکار ہیں۔ وہ اسلامی قومیت کا مظہر اور اعلان ہے۔ یہاں پہونچ کر تمام اسلامی قومیں اپنے قومی وملکی لباسوں سے آزاد ہو کر جو ان کی پہچان بن گئے تھے۔ اور جن سے بہت سی قومیں تعصب کی حد تک وابستہ ہیں۔ اسلام کا ایک قومی لباس اختیار کر لیتی ہیں۔ جن کو دین وفقہ اور حج وعمرہ کی اصطلاح میں احرام کہا جاتا ہے۔ سب عاجزی وانکساری احتیاجی ولاچاری اور گریہ زاری کے ساتھ ایک زبان میں ایک ترانہ اور ایک ہی نعرہ لگاتے ہیں۔

لبیک اللھم لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمة لک والملک لا شریک لک "اے میرے اللہ میں حاضر ہوں، حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں۔ میں حاضر ہوں۔ ساری تعریفیں اور نعمتیں تیرے ہی لئے زیبا ہیں اور حکومت وامارات میں بھی۔ تیرا کوئی شریک نہیں"۔

ان میں حاکم ومحکوم، آقا ونوکر، امیر وفقیر اور چھوٹے بڑے کی کوئی تعریف نہیں ہوتی۔ ان کے لباس اور صدا دونوں میں اسلامی قومیت جلوہ گر نظر آتی ہے۔ یہی حال حج کے دوسرے اعمال، عبادات، مناسک اور شعائر ومقامات کا ہے۔ جہاں ہر قوم وملک کے لوگ دوش بدوش نظر آتے ہیں اور قرب وبعد اور عرب وعجم کے سارے فرق مٹ جاتے ہیں۔

حج کی حکمتیں :- حج ان لوگوں پر فرض کیا گیا ہے جو وہاں پہونچنے کی استطاعت رکھتا ہو اور حج کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

الحج اشھر معلومات فمن فرض فیھن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج۔ (بقرہ ۱۹۷)

حج کے چند متعین مہینے ہیں، جو شخص ان مقررہ مہینوں میں حج کی نیت کرے اسے خبردار رہنا چاہئے کہ حج کے دوران اس سے کوئی شہوانی فعل، کوئی بدعملی، کوئی لڑائی جھگڑے

کی بات سرزد نہ ہو۔

حج ایک بین الاسلامی کانفرنس ہے جس میں مسلمان ایک دوسرے سے متعارف ہوتے ہیں، اور ایک دوسرے کے دکھ درد سے واقف ہوتے ہیں۔ اور "کل مومن اخوۃ" کا صحیح نمونہ پیش کرتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر حج اسلامی اتحاد کا مظہر ہے۔ اور عالم اسلام کے لئے متحدہ پروگرام کی تشکیل کا بہترین موقعہ ہے۔

ارکانِ اربعہ کا خلاصہ:۔ اسلام کے ارکان اربعہ یعنی نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کا مشترک مقصد یہ ہے کہ ہمارے اخلاق درست ہوں نفوس پاک وصاف ہوں۔ اور ایک ایسا صحیح اسلامی معاشرہ وجود میں آئے جس میں ہر طرف بھلائی ہی بھلائی ہو، برائی بالکل نہ ہو۔ آپسی محبت، اخوت، ہمدردی، باہمی تعاون اور ادب و احترام کی فضا قائم ہو۔ اگر یہ عبادتیں ہمارے اندر یہ اخلاق فاضلہ اور خوبیاں نہ پیدا کرسکیں تو پھر سمجھ لیجئے کہ اس میں خامی ہے اور قیامت کے دن یہ سب عبادتیں ہمارے کام نہ آئیں گی۔ اور ہمارے لئے وبال جان ثابت ہوں گی۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

اتدرون ما المفلس؟ قالوا المفلس فینا من لا درھم لہ ولا متاع لہ فقال ان المفلس من امتی من یاتی یوم القیامۃ بصلوٰۃ و صیام وزکوٰۃ ویاتی قد شتم ھذا وقذف ھذا واکل مال ھذا وسفک دم ھذا، اوضرب ھذا، فیعطی ھذا من حسناتہ وھذا من حسناتہ فان فنیت حسناتہ قبل ان یقضی ما علیہ اخذ من خطایاھم فطرحت علیہ ثم طرح فی النار۔ (مسلم ج۲ ص۳۲۰)

یعنی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ تم لوگ جانتے ہو کہ مفلس کون ہے۔ آپ کے اصحاب نے جواب دیا کہ ہم میں مفلس وہ شخص ہے کہ جس کے مال اور متاع نہ ہو۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری امت میں مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز روزہ اور زکوٰۃ لے کر آئے گا۔ لیکن اس کی حالت یہ ہوگی کہ اس نے دنیا میں

بقیہ صفحہ پر

عید الاضحیٰ ــ فضائل و مسائل

مولانا محمد عبد الستار۔ سرگودھا۔ پاکستان

فضائل عشرۂ ذوالحجہ: ذو الحجہ اسلامی سال کا بارہواں مہینہ ہے ویسے تو سارا مہینہ خیر و برکت والا ہے۔ لیکن اس کے پہلے دس دنوں کو خصوصی شرف حاصل ہے جیسے کہ حدیث شریف میں ہے

عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من ایام العمل الصالح فیھن احب الی اللہ من ھذہ الایام العشر قالوا یارسول اللہ ولا الجھاد فی سبیل اللہ قال ولا الجھاد فی سبیل اللہ الا رجل خرج بنفسہ ومالہ فلم یرجع من ذالک بشئ۔ (بخاری، تحفۃ الاحوذی ص۵۸ جلد ۲، ابو داؤد ص۳۳ جلد ۱، مفتاح الحاجہ شرح ابن ماجہ ص۱۲۵، بیہقی ص۲۸۵ جلد ۴، مشکوٰۃ ص ۱۲۷۔۱۲۸ جلد ۱)۔

"ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ عشرۂ ذوالحجہ کے اعمالِ صالحہ اللہ تعالیٰ کو جس قدر محبوب و پسند ہیں۔ دوسرے دنوں کے اعمال اس قدر محبوب نہیں، صحابۂ کرام نے عرض کیا، اے اللہ کے رسولؐ! دوسرے دنوں کا جہاد بھی؟ آپ نے فرمایا دوسرے دنوں کا جہاد بھی اس قدر محبوب نہیں۔ ہاں مجاہد اپنی جان اور مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں قربان کردے تو ایسا جہاد افضل اور پسندیدہ ہو سکتا ہے"۔

تکبیرات: ذو الحجہ کا چاند دیکھتے ہی تکبیرات کہنی شروع کردینی چاہئیں۔ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے تکبیرات کہتے رہنا چاہئے جیسے کہ حدیث شریف میں ہے۔

کان ابن عمر و ابوھریرۃ یخرجان الی السوق فی ایام العشر

یکبران ویکبر الناس بتکبیرھما۔ (بخاری ص ۱۳۲، ج ۱)

"حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ ذوالحجہ کے پہلے دس دنوں میں جب بازار کی طرف تشریف لے جاتے تو (چلتے پھرتے) تکبیریں کہتے اور لوگ بھی ان کے ساتھ تکبیریں کہتے!"

تکبیرات: اللہ اکبر۔ اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ واکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔ (دارقطنی مطبوعہ ملتان ص۵۰ جلد ۲)

اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر کبیرًا۔

ایک اور روایت میں ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ذوالحجہ کے پہلے دس دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت ہی عظمت اور بزرگی والے ہیں اور ان دنوں کے نیک اعمال اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب ہیں بہ نسبت دوسرے دنوں کے پس تم ان دنوں میں کثرت سے تہلیل، تکبیر اور تحمید کہو۔ یعنی تکبیریں وغیرہ کثرت سے پڑھا کرو۔

حجامت: جس شخص کی جانب سے قربانی کرنی ہو تو اس شخص کو چاہیئے کہ وہ عشرۂ ذوالحجہ کے دوران اپنی حجامت نہ بنوائے۔ ذوالحجہ کا چاند نظر آنے سے پہلے اپنی حجامت وغیرہ بنوا سکتا ہے کیونکہ قربانی کرنے والے کے متعلق حدیث شریف میں ہے۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان لہ ذبح یذبحہ فاذا اھل ھلال ذی الحجۃ فلا یاخذن من شعرہ ولا من اظفارہ شیئاً حتی یضحی۔ (مسلم ص۱۶۰ جلد ۲، ابوداؤد ص۳۰ جلد ۲، بیہقی ص۲۶۶ جلد ۹۔ بالفاظ دیگر مفتاح الحاجہ ص۲۳۴، مشکوٰۃ ص۱۲۷ جلد ۱)

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جس شخص کے پاس قربانی کا جانور ہو۔ اور وہ اس کو قربانی کے دن قربانی کے لئے ذبح کرنا چاہتا ہو تو اسکو چاہیئے کہ جب سے ذوالحجہ کا چاند نظر آجائے تو وہ اپنے بال اور ناخن وغیرہ نہ کٹوائے یعنی حجامت نہ کروائے یہاں تک

کردہ قربانی کرے"!

جس شخص میں قربانی کرنے کی طاقت نہیں تو اس کو بھی چاہیئے کہ وہ بھی عشرۂ ذوالحجہ میں حجامت نہ بنوائے۔ عید کے بعد حجامت بنوائے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے قربانی کا ثواب عنایت فرما دے گا۔ جیسے کہ حدیث شریف میں ہے جب ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے پاس قربانی کے لئے تو کوئی جانور نہیں لیکن میرے پاس ایک دودھ دینے والا جانور ہے۔ (عدم استطاعت کا اظہار کیا) کیا میں اس کی قربانی کروں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لا ولکن تاخذ من شعرك واظفارك وتقص شاربك وتحلق عانتك فتلك تمام اضحيتك عند الله۔ (ابوداؤد ص۲۹ جلد ۲، نسائی ص۲۰۱ ج۲)

"نہیں، بلکہ تو عید کی نماز کے بعد اپنے بال اور ناخن اور مونچھیں کٹوا اور اپنے زیر ناف بال مونڈ لے۔ بس اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی تیری پوری قربانی ہے"!

لہٰذا قربانی کی پوری استطاعت نہ رکھنے والے بھی قربانی کرنے والوں کی طرح ذوالحجہ کا چاند دیکھ کر حجامت نہ کروائیں عید کی نماز کے بعد حجامت کروائیں۔

عرفہ کے دن روزہ: ذوالحجہ کی نویں تاریخ کو روزہ رکھنے کی بھی بڑی فضیلت ہے۔ جیسے کہ حدیث شریف میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

صيام يوم عرفة احتسب على الله ان يكفر السنة التي قبله والسنة التي بعده۔ (مسلم ص۳۶۷ جلد ۱۔ تحفۃ الاحوذی ص۵۵-۵۹ جلد ۲، ابوداؤد ص۳۲۹ جلد ۱، مفتاح الحاجہ ص۱۲۵۔ بیہقی ص۲۸۳ جلد ۴)

"مجھے امید ہے عرفہ کے روزے کے ثواب کی اللہ تعالیٰ ایک سال گزشتہ اور ایک سال آئندہ کے گناہ معاف فرما دے گا"!

عیدین کا روزہ عیدین (عید الفطر اور عید الاضحیٰ) کا روزہ رکھنا منع ہے اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے

عن ابی سعید الخدری قال ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نھی عن صیام یومین یوم الفطر ویوم النحر۔ (بخاری ص۲۶۸ جلد ا مسلم ص۳۶۰ جلد ا، ابو داؤد ص۳۲۸ جلد ا، تحفۃ الاحوذی ص۶۷ جلد ۲، مفتاح الحاجہ ص۱۲۴، دارمی ص: ۲۵۳ مالالفت بالفاظ دیگر، بیہقی ص۲۹۶)

"ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر اور عید الاضحی کے دن روزہ رکھنے سے منع کیا ہے۔"

عیدین کے دن کھانا: عید الفطر کی نماز پڑھنے کے لئے کچھ کھا پی کر جانا چاہئے اور عید الاضحی کے دن عید کی نماز پڑھ کر کچھ کھانا پینا چاہئے۔ جیسے کہ حدیث شریف میں ہے۔

عن عبد اللّٰہ بن بریدۃ عن ابیہ قال کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا یخرج یوم الفطر حتی یطعم ولا یطعم یوم الاضحی حتی یصلی۔ (تحفۃ الاحوذی ص۳۲۰ جلد ا، دارمی ص۳۱۴ جلد ا، بیہقی ص۲۸۳ جلد ۳)

"عبد اللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن (عید کی نماز پڑھنے کے لئے) نہیں نکلتے تھے یہاں تک کہ کچھ کھا پی لیتے اور عید الاضحی کے دن نہیں کھاتے تھے یہاں تک کہ عید کی نماز پڑھ لیتے۔"

عیدگاہ کی طرف پیدل جانا: عیدگاہ کی طرف پیدل جانا سنت ہے جیسے کہ حدیث شریف میں ہے۔

عن ابن عمر قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یخرج الی العید ماشیا ویرجع ماشیا۔ (مفتاح الحاجہ ص۹۳، بیہقی ص۲۸۱ جلد ۳)

"ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ کی طرف پیدل چل کر جاتے (عید کی نماز پڑھنے کے لئے، عید کی نماز پڑھ کر) واپس پیدل آتے تھے (اس کی سند میں عبد الرحمن بن عبد اللہ العمری ضعیف ہے)"

ایک اور روایت میں اس طرح ہے۔

عن علی قال من السنة ان تخرج الی العید ماشیا و ان تاکل شیئا قبل الخروج۔ (تحفۃ الاحوذی ص۳۷۳ جلد ۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ سنت ہے کہ عیدگاہ کی طرف پیدل جانا چاہئے اور (عید الفطر کی طرف) جانے سے پہلے کچھ کھا پی لینا چاہئے۔

سنت یہی ہے کہ عیدگاہ کی طرف پیدل چل کر جاتے اور واپس بھی پیدل چل کر آئے ہاں اگر کمزور اور مریض ہے۔ یا عیدگاہ دور فاصلے پر ہے۔ اتنا چلنے کی طاقت نہیں تو پھر سواری پر بھی آنا جانا جائز ہے۔ اگرچہ امام بیہقی نے ابوداؤد کے حوالہ سے لکھا ہے کہ واپسی پر سوار ہو کر آسکتا ہے۔ (بیہقی ص۲۸۱ جلد ۳)۔

تکبیرات:- عیدگاہ کی طرف جاتے وقت اور واپس آتے وقت جہر سے تکبیرات پڑھنی چاہئے۔ جیسے کہ مروی ہے۔

عن نافع عن ابن عمر انہ کان اذا غدا الیوم الاضحیٰ و یوم الفطر یجھر بالتکبیر حتی یاتی المصلیٰ ثم یکبر حتی یاتی الامام۔ (دار قطنی ص۱۸۵ جلد ۲)۔

حضرت نافع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہ ابن عمرؓ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے دن جب عیدگاہ کی طرف جاتے تو بلند آواز سے تکبیریں کہتے یہاں تک کہ عیدگاہ میں پہونچ جاتے پھر عیدگاہ میں بھی پہونچ کر تکبیریں کہتے۔ یہاں تک کہ امام صاحب آجاتے عید کی نماز پڑھانے کے لئے۔

اس بارے میں اور بھی روایات دار قطنی (کتاب العیدین) جلد ۲ اور بیہقی (باب التکبیر لیلۃ الفطر ویوم الفطر واذا غدا الی الصلوٰۃ العید بہن) ص۲۷۹ جلد ۳۔ اور منتقی الاخبار ص۱۵۹ جلد ا میں مذکور ہیں۔ لیکن ان روایات کی اسنادی حیثیت قوی نہیں۔

ہاں عورتیں راستہ میں بلند آواز سے تکبیرات نہ کہیں بلکہ وہ اپنے منہ میں آہستہ

آہستہ پوشیدہ سری آواز سے پڑھیں۔

عورتوں کو عیدگاہ میں لیجانا:- عورتوں کا مردوں کے ساتھ عیدگاہ میں جانا سنت ہے۔ ۳۱ حدیث سے ہیں بخاری ص۱۳۳ مسلم ص۲۹۱ جلد ۱،
تحفۃ الاحوذی ص۳۷۹ جلد ۱۔ ابوداؤد ص۱۶۱ جلد ۱، مفتاح الحاجہ ص۹۳۔ نسائی ص۱۳۱ جلد ۱،
دارمی ص۳۱۶ جلد ۱، بیہقی ص۳۰۶ جلد ۳ میں روایات ملتی ہیں جنکا خلاصہ یہ ہے۔

حضرت ام عطیہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس بات کا حکم دیا کہ ہم اپنی نوجوان اور حیض والی اور پردہ نشین خواتین کو (باپردہ) عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقعہ پر عیدگاہ کی طرف لے جائیں (تاکہ وہ عید کی نماز ادا کریں) اور مسلمانوں کی دعاؤں اور بھلائی میں شریک ہوں۔ ہاں حیض والی عورتیں نماز کی جگہ سے علیحدہ رہیں۔ ام عطیہؓ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسولؐ کسی کے پاس چادر نہیں ہوتی۔ آپؐ نے فرمایا، اس کی (مسلمان سہیلی، پڑوسن) بہن اس کو (عاریۃً) اپنی چادر پہنا دے۔

عیدین کی نماز میدان میں:- حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ عیدین کی نماز صحرا یا میدان میں پڑھنا سنت ہے۔
(مجمع الزوائد ص۲۲۳ جلد ۱)

عیدین کی نماز مسجد میں:- کسی عذر کی وجہ سے عید کی نماز مسجد میں بھی پڑھی جا سکتی ہے۔

عن ابی هريرة انه اصابهم مطر فی یوم عید فصلی بهم النبی صلی الله علیه وسلم صلوٰة العيد فی المسجد۔ (ابوداؤد ص۱۶۴ جلد ۱۔ مفتاح الحاجہ ص۹۴)۔

ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ عید کے دن بارش ہوگئی تو بارش کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز صحابہؓ کو مسجد میں پڑھائی۔

عیدین کی نماز کا وقت:- حدیث شریف میں ہے۔ خرج عبد الله بن بسر صاحب رسول الله صلی الله علیه وسلم مع

الناس فی یوم عید فطر او اضحیٰ فانکر ابطاء الامام فقال انا کنا قد فرغنا ساعتنا ھذہ وذالک حین التسبیح۔ (ابوداود ص۱۶۱ جلد۱، مفتاح الحاجہ ص۹۲)

عبداللہ بن بسرؓ جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔ وہ لوگوں کے ساتھ (عیدگاہ کی طرف) عیدالفطر یا عیدالاضحیٰ کے دن (عید کی نماز ادا کرنے کے لئے) نکلے تو انہوں نے ناپسند کیا۔ امام کے دیر کرنے کو یعنی عید کی نماز دیر سے پڑھانے کو اور فرمانے لگے ہم تو اس وقت فارغ ہوجاتے تھے جب چاشت کی نماز کا وقت ہوتا۔

ایک اور روایت میں اس طرح ہے۔

عن ابی الحویرث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتب الی عمرو بن حزم وھو بنجران ان عجل الاضحیٰ واخر الفطر و ذکر الناس۔

"ابی الحویرث سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم کی طرف لکھا جب کہ وہ (عمرو بن حزم) نجران میں رہتے تھے کہ عیدالاضحیٰ جلدی اور عیدالفطر ذرا دیر سے پڑھا کریں اور لوگوں کو نصیحت کریں۔

اس لئے عیدالاضحیٰ، عیدالفطر کی نسبت جلدی پڑھنی چاہئے۔

عیدین میں اذان و اقامت نہیں:- عیدین کی نماز کے لئے اذان و اقامت نہیں ہے۔ عن ابن عباس وجابر بن عبد اللہ قال لم یکن یوذن یوم الفطر ولا یوم الاضحیٰ۔ (بخاری ص۱۳۱ جلد۱، مسلم ص۲۹۰ جلد۱، بیہقی ص۲۸۴ جلد۳۔ بالفاظ دیگر تحفۃ الاحوذی ص۳۷۵ جلد

ابن عباسؓ اور جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دن (عیدین کی نماز کے لئے) اذان نہیں کہی جاتی۔

ایک اور روایت میں ہے۔

عن جابر بن سمرۃ قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العیدین غیر مرۃ ولا مرتین بغیر اذان ولا اقامۃ۔ (مسلم ص۲۹۰ جلد۱، تحفۃ الاحوذی، ابوداود ص۱۶۲۔ بیہقی ص۲۸۵ جلد۳)۔

جابر بن سمرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک مرتبہ نہیں دو مرتبہ نہیں بلکہ کئی مرتبہ عیدین کی نمازیں بغیر اذان و اقامت کے ادا کی ہیں۔

عیدین کی نماز سے قبل و بعد نفل:- عیدین کی نماز سے قبل اور بعد میں نفل پڑھنے کا وقت نہیں ملتا۔ جیسے کہ حدیث شریف میں ہے۔

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرج یوم الفطر فصلی رکعتین لم یصل قبلھما ولا بعدھما۔ (بخاری ص۲۹۰، مسلم ص۲۹۱ جلد۱، تحفۃ الاحوذی ص۳۷۵ جلد۱، ابوداود ص۱۶۴، نسائی ص۲۳۵ جلد۱، مفتاح الحاجہ ص۹۳، دارمی ص۳۱۵ جلد۱، بیہقی ص۲۹۵ جلد۳)

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن (نماز پڑھنے کے لئے) نکلے تو آپ نے (عید کی نماز) دو رکعتیں پڑھیں۔ ان سے پہلے اور بعد میں کوئی (سنن و نوافل) نہیں پڑھے۔

اس روایت میں عید الفطر کا تذکرہ ہے بعض روایتوں میں مطلق لفظ عید کا ذکر ہے لیکن مسلم شریف میں جو روایت ہے اس میں یہ الفاظ ہیں۔ خرج یوم اضحیٰ اوفطر۔ (مسلم ص۲۹۱ جلد۱۔ آپ نکلے عید الاضحیٰ یا عید الفطر کے دن۔

اور اسی طرح ایک اور روایت جس میں دونوں عیدوں کا ذکر ہے۔ (بیہقی ص۳۰۲ جلد۳ میں بھی ہے۔

عیدین کی نماز قبل از خطبہ:- عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے پڑھنی چاہئے جیسے کہ حدیث شریف میں ہے۔ عن ابن عمر قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر وعمر یصلون العیدین قبل الخطبۃ۔ (بخاری ص۱۳۱ جلد۱، مسلم ص۲۹۰ جلد۱، تحفۃ الاحوذی ص۳۷۴، نسائی ص۲۳۳ جلد۱، بیہقی ص۲۹۶ جلد۳۔ دارمی ص۳۱۴ جلد۱)۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے پڑھا کرتے تھے۔

عیدین کی نماز عیدین کی نماز دو۔ دو رکعتیں ہیں یعنی دو رکعتیں عید الفطر کی اور دو رکعتیں عید الاضحیٰ کی۔ جیسے کہ حدیث شریف میں ہے۔

عن عمر بن الخطاب قال صلوۃ الاضحیٰ رکعتان وصلوۃ الفطر رکعتان

صلوٰۃ المسافر رکعتان وصلوٰۃ الجمعۃ رکعتان تمام غیر قصر علی لسان النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (نسائی ص ۲۱۳ جلد ۱)۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ عید الاضحی کی نماز دو رکعتیں ہیں اور عید الفطر کی نماز دو رکعتیں ہیں اور مسافر کی نماز دو رکعتیں ہیں اور جمعہ کی نماز دو رکعتیں ہیں۔ یہ سب نمازیں پوری ہیں قصر نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق۔

امام بیہقیؒ نے بھی باب باندھ کر ثابت کیا ہے کہ عید کی نماز دو رکعتیں ہیں۔ بیہقی ص ۲۹۵ جلد ۳۔ اسی طرح کتب احادیث میں اکثر روایات سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز دو رکعتیں پڑھی ہیں۔ اور عید کی نماز کی ان دونوں رکعتوں سے پہلے اور بعد میں کوئی سنن و نوافل نہیں پڑھے۔

تکبیرات نماز عید:- پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں قرأت سے قبل پانچ تکبیریں کہنی چاہئیں۔ کثیر بن عبد اللہ اپنے باپ کے واسطے سے اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کبّر فی العیدین فی الاولیٰ سبعًا قبل القرأۃ وفی الآخرۃ خمسًا قبل القرأۃ۔ (تحفۃ الاحوذی، مفتاح الحاجۃ ص ۹۲، بیہقی ص ۲۸۶ جلد ۳) اور اسی طرح دیگر صحابہؓ سے بھی مروی ہے۔ ابوداؤد ص ۱۶۳ جلد ۱۔ دارمی ص ۳۱۵ جلد ۱)۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں۔

رفع الیدین:- امام بیہقیؒ نے عیدین کی تکبیروں میں رفع الیدین کے متعلق اپنی سنن الکبریٰ بیہقی ص ۲۹۲ میں باب باندھا ہے اور روایات لکھی ہیں۔ ایک روایت میں اس طرح ہے۔

ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کان یرفع یدیہ مع کل تکبیرۃ فی الجنازۃ والعیدین وھذا منقطع۔ (بیہقی ص ۲۹۳ جلد ۳)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جنازہ اور عیدین کی تمام تکبیروں کے ساتھ رفع الیدین

کہا کرتے تھے۔ اور یہ روایت منقطع ہے۔ اس کی سند میں ابن لہیعہ ضعیف ہیں۔ اور تکبیرات عیدین کے ساتھ رفع الیدین کا مفصل بیان فتاویٰ اہلحدیث ص۲۰۳ جلد۲ اور فتاویٰ علمائے حدیث ص ۱۲۸۔۱۹۴ جلد۴ میں بھی ہے۔

قرأت: ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سال ابا واقد اللیثی رضی اللہ عنہ ما کان یقرء بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الاضحیٰ والفطر فقال کان یقرء فیھما بق والقرآن المجید۔ واقتربت الساعۃ وانشق القمر۔ (مسلم ص۲۹۱ جلد۱ تحفۃ الاحوذی ص۳۷۵ جلد۱)

حضرت عمر بن خطابؓ نے ابو واقد لیثیؓ سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر کی نماز میں (سورۂ فاتحہ کے بعد) کیا پڑھتے تھے۔ تو انہوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں ق والقرآن المجید اور اقتربت الساعۃ وانشق القمر پڑھتے تھے۔ اور ایک روایت میں اس طرح ہے۔

عن نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی العیدین والجمعۃ بسبح اسم ربک الاعلیٰ وھل اتاک حدیث الغاشیۃ قال واذا اجتمع العید والجمعۃ فی یوم واحد یقرء بھما ایضاً فی الصلاتین۔ (مسلم ص۲۸۸ جلد۱، ابوداؤد ص۱۶۳ جلد۱)

"نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور ھل اتاک حدیث الغاشیۃ پڑھا کرتے تھے۔ اور جب جمعہ اور عید ایک ہی دن ہوتے تو پھر بھی ان دونوں سورتوں کو دونوں نمازوں میں پڑھتے۔"

خطبہ بعد از نماز: خطبہ عید کی نماز کے بعد پڑھنا چاہیے۔ جیسے کہ امام المحدثین امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں باب باندھ کر ثابت کیا۔ (باب الخطبۃ بعد العید) حدیث شریف میں ہے۔

عن ابن عباس قال شھدت العید مع رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم وابی بکر وعمر وعثمان وکلھم کانوا یصلون قبل الخطبۃ (بخاری ناشر)

ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں عید کی نماز کے وقت حاضر ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ تو یہ تمام عید کی نماز خطبہ سے پہلے پڑھا کرتے تھے۔

اور دوسری روایات امام مرحوم نے بیان کی ہے جو کہ عیدین کی نماز قبل از خطبہ میں مذکور ہیں ہے اور ان کے علاوہ امام نسائی نے بھی باب باندھ کر ثابت کیا ہے۔ باب الخطبۃ فی العیدین بعد الصلوٰۃ۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں حاضر تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید کی نماز میں آپؐ نے پہلے نماز پڑھی پھر خطبہ دیا۔

حضرت برار بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الاضحیٰ کے دن نماز کے بعد خطبہ پڑھا۔

منبر:- عید کے دن عید کا خطبہ منبر پر دینا خلافِ سنت ہے۔ بخاری شریف دباب الخروج الی المصلی بغیر منبر) میں بھی مخالفت کی گئی ہے۔

طارق بن شہاب روایت کرتے ہیں کہ مروان نے عید کے دن منبر نکلوایا۔ اور نماز سے پہلے خطبہ دیا۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ مروان تم نے سنت کے خلاف کیا ہے کہ عید کے دن منبر نکلوایا۔ حالانکہ اس دن منبر نہیں نکلوایا جاتا تھا۔ اور تم نے نماز سے پہلے خطبہ دیا۔ ابوسعید نے فرمایا کہ اس نے اپنا فرض ادا کر دیا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ فرماتے تھے اگر کوئی بری بات دیکھے اور اسے مٹا سکے تو ہاتھ سے مٹا دے اگر یہ نہ ہو سکے تو زبان سے روکے۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو دل میں برا سمجھے۔ یہ انتہائی کمزور ایمان ہے۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ عیدین کے دن عیدین کا خطبہ منبر پر دینا سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے۔

دو خطبے:- اس کے متعلق حدیث شریف ہے۔ عن جابر قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم فطر او اضحیٰ فخطب

قائماً ثم قعد قعدة ثم قام۔ (مفتاح الحاجہ ص ۹۲)

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے دن نکلے تو آپ نے (نماز کے بعد) کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ پھر آپ تھوڑی سی دیر بیٹھے پھر کھڑے ہوتے (یعنی) دوسرا خطبہ دیا۔ اسی طرح ایک اور روایت نسائی ص ۲۳۳ جلد اول میں ہے، اور اس کے علاوہ امام نسائیؒ نے اپنی سنن ص ۲۳۵ جلد اول میں باب منعقد کیا ہے۔ الجلوس بين الخطبتين والسكوت فيه۔ دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا اور اس میں خاموش رہنا۔

عن جابر بن سمرة قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يخطب قائماً ثم يقعد قعدة لا يتكلم فيها ثم قام فخطب خطبة اخرى فمن خبرك ان النبي صلى الله عليه وسلم خطب قاعداً فلا تصدقه۔

حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ خطبہ کھڑے ہو کر دیتے۔ پھر آپ بیٹھ جاتے تھوڑی سی دیر اور اس بیٹھنے میں کلام نہیں کرتے تھے۔ پھر آپ کھڑے ہو جاتے تھے پھر دوسرا خطبہ پڑھتے اگر کوئی تجھے کہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ بیٹھ کر دیا۔ تو تو اس کی تصدیق نہ کر، اور اس سے آگے ایک اور باب ہے۔ (القراءة في الخطبة الثانية والذكر فيها) جابر بن سمرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کھڑے ہو کر دیتے پھر بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہو جاتے اور (کلام اللہ کی) آیتیں پڑھتے۔ آپؐ کا خطبہ بھی درمیانہ ہوتا۔ اور آپؐ کی نماز بھی درمیانی ہوتی۔ (نسائی، ص ۲۳۵ جلد ۱)۔

اگرچہ مذکورہ آخری دو روایات کے متن میں عید وغیرہ کا تذکرہ نہیں لیکن امام صاحبؒ ان روایات کو کتاب صلوٰة العیدین کے تحت ابواب میں لاتے ہیں اور ان کے علاوہ عید کے دو خطبوں کے متعلق فتاویٰ علمائے حدیث صفحہ ۱۸۳-۱۸۰-۱۹۶ جلد چار میں علمائے دین کے فتوے بھی موجود ہیں۔ نیز خطیب کو خطبہ کے وقت سنت نبویؐ کے مطابق ہاتھ میں عصا لے لینا چاہیے جس طرح ابوداؤد کی روایت میں کمان کا ذکر ہے عن یزید

عن ابیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نوول یوم العید قوسا فخطب علیہ۔ (ابو داؤد ص۱۶۲ جلد ۱)

یزید بن البراء اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ عید کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کمان دی گئی آپ نے اس پر ٹیک دے کر خطبہ پڑھا ایک اور روایت میں ہے۔

براء بن عازب بیان کرتے ہیں کہ عید الاضحٰی کے دن ہم عیدگاہ میں بیٹھے تھے۔ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ نے لوگوں کو سلام کیا اور پھر فرمایا آج کے دن تمہارا پہلا کام نماز ہے۔ پھر آپ آگے بڑھے۔ آپ نے (عید کی نماز کی) دو رکعتیں پڑھائیں، پھر لوگوں کی طرف منہ کیا، پھر آپ کو کمان یا عصا (لاٹھی) دی گئی۔ آپ نے اس پر ٹیک لگائی۔ پھر اللہ کی حمد وثنا بیان کی (خطبہ فرمایا۔ بیہقی ص۳۰۰ جلد ۳)۔

مبارکباد: عید کی نماز کے بعد جب آپس میں ایک دوسرے سے ملیں تو مبارکباد ان الفاظ کے ساتھ دیں۔ تقبل اللہ منا ومنک۔ (مجمع الزوائد ص۲۰۶ جلد ۲)۔

راستہ بدلنا: عید کی نماز سے واپسی پر راستہ بدل کر آنا چاہیئے۔ یہ سنت ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ عن جابر قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان یوم عید خالف الطریق۔ (بخاری ص۱۳۴ جلد ۱) حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ جب عید کا دن ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم (واپسی پر) راستہ بدلتے تھے۔

ایک روایت میں اس طرح ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خرج یوم العیدین فی طریق رجع فی غیرہ۔ (ترمذی ص۹۷ جلد ۱)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عیدین کے دن (عید کی نماز کے لئے) نکلتے تو واپسی پر دوسرے راستہ سے آتے۔

اور اسی طرح ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک راستہ سے گئے اور دوسرے راستہ سے واپس آئے۔ (ابو داؤد ص۱۶۳ جلد ۱، بیہقی ص۳۰۹ جلد ۳)۔

قضا: اگر کسی وجہ سے عید کی نماز میں شریک نہ ہو سکا اور عید کی نماز باجماعت

ادا ہو سکی تو اکیلے دو رکعت نماز پڑھ لینی چاہیئے۔ قال عطاء اذا فاتہ العید صلی رکعتین۔ (بخاری ص ۱۳۳ جلد ۱) "عطاء بیان کرتے ہیں کہ جب کسی کی عید کی نماز جاتی رہے تو وہ عید کی نماز کی طرح) دو رکعتیں پڑھ لے"۔ اس روایت کے حاشیہ میں علامہ ابو محمد عبد الستار محدث دہلوی فرماتے ہیں اس کو فریابیؒ نے اپنی مصنف میں وصل کیا ہے۔ باب کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے۔ بیہقی میں ہے کہ حضرت انسؓ سے جب امام کے ساتھ عید کی نماز فوت ہو جاتی تو وہ اپنے گھر والوں کو جمع کر کے عید کی نماز دو رکعت جماعت سے پڑھ لیتے۔ اسی پر امام بخاریؒ نے تبویب کی ہے اور یہی فتویٰ ہے امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا۔ (نفوق الباری پ ۴)

عید اور جمعہ:- عید اور جمعہ جب ایک دن اکٹھے آجاتے ہیں تو بعض جاہل دین سے ناواقف لوگ بڑی فضول باتیں کرتے ہیں۔ وہ اس کو نحوست اور باعث زحمت سمجھتے ہیں۔ یہ ان کی اپنے دینی مسائل سے عدم واقفیت کی دلیل ہے۔ جب عید اور جمعہ اکٹھے آجائیں تو اس کے متعلق حدیث شریف میں ہے۔

عن ایاس بن ابی رملۃ الشامی قال شھدت معاویۃ بن ابی سفیان وھو یسئل زید بن ارقم اشھدت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اجتمعا فی یوم قال نعم قال فکیف صنع قال صلی ثم رخص فی الجمعۃ فقال من شاء ان یصلی فلیصل۔ (ابو داؤد ص ۱۵۳ جلد ۱، نسائی، مفتاح الحاجہ ص ۹۴، دارمی ص ۳۱۶ جلد ۱، بیہقی ص ۳۱۷ جلد ۳)

"ایاس بن ابی رملہ شامی روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت معاویہؓ کے پاس آیا تو وہ حضرت زید بن ارقمؓ سے پوچھتے تھے کہ کبھی اتفاق سے ایسا بھی ہوا کہ دو عیدیں (عید اور جمعہ) اکٹھے آئے ہوں اور تم حضورؐ کے پاس ہو تو حضرت زید بن ارقمؓ نے کہا۔ ہاں تو حضرت معاویہؓ نے پوچھا پھر آپؐ نے کیا کیا تو حضرت زید بن ارقمؓ نے جواب دیا کہ آپؐ نے عید کی نماز پڑھی اور جمعہ کے لئے رخصت دی اور فرمایا جس کا دل چاہے جمعہ پڑھنے کو تو وہ جمعہ پڑھ لے"۔

قربانی:- قربانی فارسی زبان کا لفظ اور اسم مونث ہے جس کے معنی ہیں۔
۱۔ ذبح حلال یعنی وہ جانور جو خدا کی راہ میں ذبح کیا جائے۔

۳۔ عید الاضحیٰ کو بکرے، دنبے (اور دیگر قربانی کے جانور) ذبح کرنا۔ (فیروز اللغات ص ۹۵۵ بڑا سائز نیا ایڈیشن)۔ عربی لغت میں اس طرح ہے۔

القربان، وہ جس کے ذریعے تقرب الی اللہ حاصل کیا جائے ذبیحہ ہو یا اور کچھ۔ (المنجد عربی اردو ص ۹۰۹)۔

یہاں قربانی کا معنی یہ ہے کہ عید اور ایام تشریق میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی و خوشنودی اور قرب حاصل کرنے کے لئے اونٹ گائے، بکری اور بھیڑ، دنبہ ذبح کرنا۔ قربانی کا ذکر قرآن پاک میں بھی ہے۔ اور کتب احادیث میں اس کی فضیلت کا تذکرہ موجود ہے۔ قربانی کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہؓ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسولؐ قربانی کیا ہے اور اس کا اجر و ثواب کیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق ارشاد فرمایا جس طرح کی حدیث میں ہے۔

عن زید بن ارقم قال قال اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یارسول اللہ ما ھذہ الاضاحی قال سنۃ ابیکم ابراھیم قالوا فما لنا فیھا یارسول اللہ۔ قال بکل شعرۃ حسنۃ۔ قالوا فالصوف یارسول اللہ قال بکل شعرۃ من الصوف حسنۃ۔ (مفتاح الحاجہ ص ۲۳۳)۔

حضرت زید بن ارقمؓ روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: یہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کی سنت ہے تو صحابہؓ نے عرض کیا ہمارے لئے اس میں کیا اجر و ثواب ہے اے اللہ کے رسولؐ؟ تو آپؐ نے فرمایا: ہر بال کے بدلے ایک نیکی ہے۔ پھر صحابہ کرامؓ نے اون کے متعلق پوچھا پھر آپ نے فرمایا: اون کے بھی ہر بال (ریشے) کے بدلے ایک نیکی ہے۔ اور ایک روایت میں ہے۔

عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما عمل آدمی من عمل یوم النحر احب الی اللہ من اھراق الدم انہ لیاتی یوم القیامۃ بقرونھا واشعارھا واظلافھا وان الدم لیقع من اللہ بمکان قبل ان یقع من الارض فطیبوا بھا نفسا۔ (ترمذی ص ۲۱۵ جلد ۱)

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نہیں کیا آدمی نے کوئی عمل (کام) عید قرباں کے دن کے عملوں سے جو کہ زیادہ محبوب ہو اللہ تعالیٰ کی طرف خون بہانے سے (عید قرباں کے دن اللہ تعالیٰ کو خون بہانے یعنی قربانی کرنے کا عمل بہت زیادہ محبوب ہے) قیامت کے دن قربانی کا جانور اپنے سینگوں اور بالوں اور کھروں سمیت (زندہ ہوکر) آئے گا اور خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں درجہ قبولیت حاصل کرلیتا ہے اور خوش کرو اس سے اپنے نفسوں کو یعنی قربانی خوشی سے کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دس سالہ عمل:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں دس سال رہے۔ آپ ہر سال قربانی کیا کرتے تھے۔ جیسے کہ حدیث شریف میں ہے۔

عن ابن عمر قال اقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینۃ عشر سنین یضحی ھذا حدیث حسن۔ (ترمذی ص۱۲۱ جلد۱، مفتاح الحاجہ ص۲)۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سال مدینہ میں قیام فرمایا۔ آپ (ہر سال) قربانی کرتے۔

قربانی کی تاکید:۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے تو قربانی ضرور کرنی چاہیئے اور اس کا اجر وثواب حاصل کرنا چاہیئے۔ کتنی بڑی خوش نصیبی ہے کہ ہر بال کے بدلے نیکی ملے گی۔ لیکن کتنا بدنصیب ہے وہ انسان کہ جو طاقت رکھنے کے باوجود قربانی نہیں کرتا۔

قربانی کے جانور اور انکی عمریں:۔ قربانی اونٹ، گائے، بکری اور بھیڑ (نر و مادہ کی) کی جاتی ہے۔ پہلے تین جانوروں کا مسنہ (دو دانتا) ہونا ضروری ہے۔ اگر مذکورہ تین جانور مسنۃ (دو دانتا) نہ مل سکیں تو بھیڑ، دنبہ کا جذعہ (غیر دو دانتا جس کو ہمارے ہاں عام طور پر کھیرا کہتے ہیں) بھی قربانی کیا جاسکتا ہے جیسے کہ حدیث شریف میں ہے۔

عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تذبحوا الا مسنۃ الا ان یعسر علیکم فتذبحوا جذعۃ من الضان۔

(مسلم ص۱۵۵ جلد۲، ابوداؤد ص۳۰ جلد۲، نسائی ص۲۰۳ جلد۲، مفتاح الحاجہ ص۲۳۲، بیہقی ص۲۶۹)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ نہ ذبح کرو

قربانی میں جانور گروی (رو دانستا) البتہ جیسے تم پر ایسا (مسئلہ) جانور ملنا مشکل ہو جائے تو تم قربانی کے لئے دنبہ کا جذع ذبح کرو۔

قربانی کا جانور خوب موٹا تازہ اور تندرست اور بے عیب ہونا چاہئیے اور قربانی کے جانور میں ایسا عیب نہ ہو جس کی وجہ سے اس کی قربانی درست نہ ہو حدیث میں ہے۔

عن البراء بن عازب رفعه قال لا یضحی بالعرجاء بین ظلعها ولا بالعوراء بین عورها ولا بالمریضة بین مرضها ولا بالعجفاء التی لا تنقی۔ (ترمذی ص۲۷۵ جلد۱، ابوداود ص۳۱ جلد۲، نسائی ص۲۰۲ جلد۲)۔

حضرت براء بن عازبؓ مرفوع بیان کرتے ہیں یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ (یہ جانور) قربانی نہ کئے جائیں۔

۱۔ العرجاء : لنگڑا جانور۔ جس کا لنگڑاپن ظاہر ہو۔
۲۔ العوراء : کانا (بھینگا جانور) جس جانور کا کانا پن ظاہر ہو۔
۳۔ المریضة : جس کی بیماری ظاہر ہو۔
۴۔ العجفاء : کمزور اور لاغر جانور، جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو۔

ایک اور روایت ہے۔

عن علی قال امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ ان نستشرف العین والاذن وان لا نضحی بمقابلة ولا مدابرة ولا شرقاء ولا خرقاء۔
(ترمذی ص۲۷۹ جلد۱، ابوداود ص۳۲ جلد۲، نسائی ص۲۰۲ جلد۲، مشکوٰۃ ص۱۲۸ جلد۱)

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم قربانی کے جانور کی، آنکھ اور کان اچھی طرح دیکھ لیں اور (یہ جانور) قربانی نہ کریں۔

۵۔ مقابلة : جس کے کان اوپر کی طرف کٹے ہوئے ہوں۔
۶۔ مدابرة : جس کے کان نیچے کی طرف کٹے ہوئے ہوں۔
۷۔ شرقاء : جس کے کان لمبائی کی طرف چرے ہوئے ہوں۔
۸۔ خرقاء : جس کے کان میں گول سوراخ ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔

نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نضحی باعضب القرن والاذن۔ (مفتاح الحاجہ ص۲۳۴، مشکوٰۃ ص۱۲۸ جلد۱، ابوداؤد ص۳۱ جلد۲)

"کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں منع کیا کہ ہم (یہ جانور) قربانی کریں۔"

۹۔ ٹوٹے ہوئے سینگ والا۔ ۱۰۔ کٹے ہوئے کان والا۔ ایک روایت میں ہے۔

انما نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن المصفرۃ والمستاصلۃ والبخقاء والمشیعۃ والکسراء فالمصفرۃ التی تستاصل اذنھا حتی یبدو صماخھا والمستاصلۃ التی ذھب قرنھا من اصلہ والبخقاء التی تبخق عینھا والمشیعۃ التی عجفا وضعفا والکسراء التی لا تنقی۔

اور ابوداؤد کی روایت میں یوں ہے۔ والکسراء الکسیرۃ۔ (ابوداؤد ص۳۱ جلد۲)۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان جانوروں کی قربانی کرنے سے) منع کیا ہے۔

۱۱۔ مصفرۃ : جس کا کان اکھاڑ دیا گیا ہو اور اس کا سوراخ باقی ہو۔

۱۲۔ مستاصلۃ : جس کا سینگ جڑ سے نکل گیا ہو۔

۱۳۔ بخقاء : جس کی آنکھوں کی بینائی ختم ہو گئی ہو۔

۱۴۔ مشیعۃ : اتنا کمزور کہ ریوڑ کے ساتھ چلنے کی بھی اس میں طاقت نہ ہو۔

۱۵۔ کسراء : اس قدر دبلا کہ ہڈیوں میں گودا نہ ہو۔ یا پاؤں ٹوٹ جانے کی وجہ سے چل نہ سکے۔

۱۶۔ ایک روایت میں ہے کہ ان جانوروں کی بھی قربانی جائز نہیں۔ (مجمع الزوائد ص۱۹ جلد۴)۔

۱۶۔ وہ جانور جس کو خارش (کھجلی) ہو۔

۱۷۔ وہ جانور جس کا تھن کٹا ہوا ہو۔

تعیین کے بعد نقص :- قربانی کا جانور تندرست اور بے عیب ہونا چاہئے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ قربانی کا جانور خرید کر معین کر دیا جاتا ہے لیکن بعد میں اس میں کوئی نقص پیدا ہو جاتا ہے جب کہ قربانی کے لئے تخصیص کرتے وقت وہ بے عیب تھا۔ اس کے متعلق حدیث شریف میں ہے۔

عن ابی سعید الخدری قال ابتعنا کبشا نضحی بہ فاصاب الذئب من الیتہ واذنہ فسألنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فامرنا ان نضحی۔ (مفتاح الحاجہ ص۲۳۲)۔

ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے قربانی کے لئے ایک مینڈھا خریدا بھیڑیا اس کے سرین اور کان لے گیا۔ ہم نے اس کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ اس کی قربانی کرو۔"

یہ روایت ضعیف ہے اس کے علاوہ اس روایت کو بیہقی اور احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے اور انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ تخصیص کے بعد اگر نقص پیدا ہو جاتے تو کوئی حرج نہیں لیکن بعض علماء اس سے دلیل پکڑنا درست نہیں سمجھتے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ جانور بدل کر بے عیب تندرست خرید کر قربانی کیا جائے ہاں اتنی گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ آدمی غریب ہے اور جانور بدلنے کی طاقت نہیں رکھتا تو وہ قربانی کرلے کیونکہ نہ کرنے سے بہتر ہے۔

میت کیطرف سے قربانی:- میت کی طرف سے قربانی کرنے کے بارے میں امام ابو داؤدؒ نے اپنی سنن میں باب باندھا ہے۔ (باب الاضحیۃ عن المیت) اور یہ روایت پیش کی ہے۔

عن حنش قال رأیت علیا رضی اللہ عنہ یضحی بکبشین فقلت لہ ما ھذا فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوصانی أن اضحی عنہ فانا اضحی عنہ۔ (ابو داؤد ص۲۹ جلد۲، ترمذی ص۱۸۰)۔

حنش سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کو دیکھا وہ دو دنبے ذبح کرتے تھے۔ میں نے کہا یہ کیا ہے (یعنی تم دو دنبے ذبح کرتے ہو) تو انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا تھا کہ میں ان کی طرف سے قربانی کروں تو میں ان کی طرف سے بھی قربانی کرتا ہوں۔

امام ترمذیؒ نے یہ روایت بالفاظ دیگر اپنی سنن میں پیش کی اور ساتھ یہ بھی لکھتے ہیں۔

ھذا حدیث غریب لا نعرفه الا من حدیث شریک وقد رخص بعض اھل العلم ان یضحی عن المیت ولم یر بعضھم ان یضحی عنه وقال عبد اللہ بن المبارک احب الیّ ان یتصدق عنه ولا یضحی وان ضحی فلا یاکل منھا شیئا ویتصدق بھا کلّھا۔

یہ حدیث غریب ہے اس کو ہم نہیں جانتے مگر شریک کی حدیث سے اور بعض اہل علم نے رخصت دی ہے کہ قربانی کی جائے میت کی طرف سے اور بعض نے نہیں رخصت دی اور عبد اللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ میری طرف یہ زیادہ محبوب ہے کہ میت کی طرف سے صدقہ کیا جائے اور قربانی نہ کیا جائے۔ اگر قربانی کی جائے تو اس سے کچھ نہ کھائے۔ تمام کا تمام صدقہ کر دیا جائے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے تحفۃ الاحوذی ص۳۵۴ جلد ۲)۔

سارے گھر والوں کی طرف سے ایک جانور کافی ہے:- اس کے متعلق حدیث شریف ہے۔ عن عطاء بن یسار یقول سألت ابا ایوب کیف کانت الضحایا علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقال کان الرجل یضحی بالشاۃ عنه وعن اھل بیته فیاکلون ویطعمون۔ (ترمذی ص۲۱ جلد ۱، مفتاح الحاجہ ص۲۳۲)۔

عطاء بن یسار روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کیسے قربانیاں کرتے تھے تو کہا کہ ایک آدمی قربانی کرتا تھا ایک بکری کی اپنی طرف سے اور اپنے اہل خانہ کی طرف سے اور وہ خود اس میں سے کھاتے اور اوروں کو کھلاتے تھے۔

اونٹ اور گائے میں حصّے:- گائے میں سات اور اونٹ میں دس آدمی حصے دار بن سکتے ہیں۔ جیسے کہ حدیث شریف میں ہے۔

عن ابن عباس قال کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی سفر فحضر الاضحیٰ فاشترکنا فی البقرۃ سبعة وفی البعیر عشرۃ۔ (ترمذی ص۲۱، نسائی ص۲۰۴ جلد ۲، مفتاح الحاجہ ص۲۳۳)۔

ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے عیدالاضحیٰ آگئی تو ہم گائے میں سات اور اونٹ میں دس حصہ دار بنے۔

قربانی کا وقت:- قربانی عید کی نماز پڑھ کر کرنی چاہیئے۔ اگر کسی نے عید کی نماز سے پہلے قربانی کی تو قربانی شمار نہ ہوگی بلکہ اس کو اس کی جگہ دوسرا جانور قربانی کرنا پڑے گا۔ جیسے کہ حدیث شریف میں ہے جندب بن سفیان بجلی بیان کرتے ہیں۔

شهدت النبی صلی الله علیه وسلم یوم النحر فقال من ذبح قبل الصلوٰة فلیعد مکانها اخریٰ ومن لم یذبح فلیذبح۔

"کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عیدالاضحیٰ کے دن حاضر ہوا۔ آپؐ نے فرمایا۔ جس نے (قربانی کا جانور) عید کی نماز سے پہلے ذبح کیا پس اس کو چاہیئے کہ وہ اس کی جگہ دوسرا جانور ذبح کرے اور جس نے ذبح نہیں کیا وہ (اب عید کی نماز کے بعد) ذبح کرے۔

ذبح اپنے ہاتھ سے کرنا:- قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کیا جائے تو بہتر ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کا جانور خود اپنے دست مبارک سے ذبح کیا کرتے تھے۔ جیسے کہ حدیث شریف میں ہے۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں۔

ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یضحی بکبشین املحین اقرنین ویضع رجله علی صفحتیهما ویذبحهما بیده۔ (ترمذی صفحہ ۲۳۹ جلد ۱)۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو چتکبرے، سینگوں والے مینڈھے قربانی کرتے تھے اپنا پاؤں ان کے پہلوؤں پر رکھتے اور اپنے دستِ مبارک سے ذبح کرتے تھے۔

ہاں اگر خود ذبح نہیں کر سکتا تو کسی اور سے بھی ذبح کروا سکتا ہے۔

ذبح کی دعا:- ذبح سے پہلے مسنون دعاء پڑھنی چاہیئے جیسے کہ حدیث شریف میں ہے۔ حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن دو سینگوں والے ابلق اور خصی دنبے ذبح کئے جب آپؐ نے انکو قبلہ رخ لٹایا تو یہ دعا پڑھی۔

انی وجهت وجهی للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفا وما انا من المشرکین ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین

لا شریک لہ وبذالک امرت وانا من المسلمین بسم اللہ واللہ اکبر اور پھر ذبح کیا۔

قصاب کی اجرت اور چمڑہ:۔ قصاب (قصائی) کو اجرت میں چمڑا (کھال) یا گوشت نہیں دینا چاہیئے بلکہ اس کو اجرت اپنے پاس سے دینی چاہیئے۔ جیسے حدیث شریف میں ہے۔

عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ قال امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اقوم علی بدنہ وان اتصدق بلحومھا وجلودھا واجلتھا وان لا اعطی الجزار منھا شیئا وقال نحن نعطیہ من عندنا۔ (حدیقۃ الازہار ص۱۵۵ جلد ا بیہقی ص۲۹۴ جلد۹)۔

حضرت علی بن ابی طالب سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں قربانیوں کا گوشت اور ان کی کھالیں اور جھولیں خیرات کر دوں اور قصاب کو اس میں سے کچھ نہ دوں۔ فرمایا ہم قصاب کو مزدوری اپنے پاس سے دیتے تھے۔

بعض لوگوں میں رواج ہے کہ وہ قربانی کی کھالیں امام مسجد کو دے دیتے ہیں یا بیچ کر پیسے مسجد کو دے دیتے ہیں۔ قربانی کی کھالیں نہ مسجد میں لگتی ہیں اور نہ امام مسجد کو اس کی خدمت کے صلہ میں دینی چاہئیں۔ ہاں اگر امام صاحب غریب، عیال دار اور حق دار ہیں تب ان کو دی جا سکتی ہیں۔

بعض جگہ یہ بھی رواج ہے کہ قربانی کا جانور امام مسجد سے یا مسجد کے خادم سے یا مدرسہ کے طالب علم سے یا کسی اور غریب آدمی سے ذبح کروا کر اور گوشت تیار کرا کے اس کو کھال دے دیتے ہیں، یہ بھی درست نہیں۔ ان کو ان کی مزدوری دینی چاہیئے۔ اور پھر حقدار اگر یہ لوگ ہیں تب ان کو کھال دیں ورنہ نہیں۔ مختصر قصاب جس نے جانور ذبح کیا ہے کوئی بھی ہو، اس کو اجرت میں کھال اور گوشت نہیں دینا چاہیئے۔ کھالیں غریبوں، مسکینوں اور حق داروں اور دینی مدارس کو دینی چاہئیں۔

قربانی کے دن:۔ قربانی کے دن چار ۱۰-۱۱-۱۲-۱۳ ذوالحجہ ہیں۔ قربانی عید کی نماز

کے بعد شروع ہوتی ہے۔ اور ۱۳ ذوالحجہ تک رہتی ہے لیکن بعض ائمہ تیرہ تاریخ کے دن قربانی کرنے کے قائل نہیں۔ البتہ تیرہ تاریخ تک قربانی کا ثبوت کتب تفاسیر اور احادیث میں ملتا ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی فرماتے ہیں ایام معدودات، ایام تشریق ہیں اور یہ چار دن ہیں دسویں ذوالحجہ کی اور تین دن اس کے بعد کے یعنی دس سے تیرہ تک، ابن عمر رضی، ابن زبیر رضی ابوموسیٰ، عطاءؒ، مجاہدؒ، عکرمہؒ، سعید بن جبیرؒ، ابو مالکؒ، امام نخعیؒ، یحییٰ بن ابی کثیرؒ، حسنؒ، قتادہؒ، سدیؒ، زہریؒ، ربیع بن انسؒ، ضحاکؒ، مقاتل بن حیان، عطاء خراسانیؒ، امام مالکؒ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت علی رضی فرماتے ہیں یہ تین دن ہیں۔ دسویں، گیارہویں اور بارہویں۔ ان میں جب چاہو قربانی کرو لیکن پہلا دن افضل ہے۔ مگر مشہور قول پہلا ہی ہے۔ اور یہ بھی پہلے بیان ہو چکا ہے کہ راجح مذہب ان میں امام شافعیؒ کا ہے کہ قربانی کا وقت عید کے دن سے ایام تشریق کے ختم ہونے تک ہے۔ (ابن کثیر عربی ص۲۴۵ جلد ۱، ابن کثیر اردو ص۶۸ پ ۲)۔

اسی طرح تحفۃ الاحوذی نے بھی عید کے دن کے علاوہ ایام تشریق تین شمار کئے ہیں۔

(وایام التشریق) ای الیوم الحادی عشر والثانی والثالث عشر۔ (تحفۃ الاحوذی ص۶۳ جلد ۲) اور ایام تشریق (عید کے دن کے علاوہ قربانی کے دن گیارہویں اور بارہویں اور تیرہویں ہیں۔

اور ایک روایت میں اس طرح ہے۔

عن جبیر بن مطعم ان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ایام التشریق کلھا ذبح۔ (ابن کثیر ص۲۲۳ جلد ۳، بیہقی ص۲۹۶ جلد ۹، دارقطنی ص۲۸۴ جلد ۴)۔

"جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایام تشریق سب قربانی کے دن ہیں" اس سے ثابت ہوا کہ قربانی تیرہویں ذوالحجہ تک جائز ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن و سنت کے مطابق عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین۔ وما توفیقی الا باللّٰہ۔

(بشکریہ الاعتصام لاہور)

نجدت و شجاعت

مظہر اقبال صدیقی - محبوب نگر

نجدت اس صفت کو کہتے ہیں کہ موت سامنے نظر آئے پر بھی اعتماد علی النفس قائم رہے۔ شجاعت قوت غضبیہ کے اس کمال کو کہتے ہیں جو انقیاد عقل سے حاصل ہوتا ہے۔ (رحمت للعالمین جلد دوم ص ۳۵۲)

عفو و درگزر۔ عدل و مساوات۔ جود و سخاوت ان تمام مذکورہ صفات و حسن تدابیر کے ساتھ آپ کی شخصیت میں شجاعت اور دلیری کا وصف بھی لاثانی اور بے مثال تھا آپ بہادری میں فرد واحد تھے۔ جس کے تعلق سے بے حد واقعات کتب سیر و احادیث میں بھرے پڑے ہیں۔ جن کی مدد سے نوجوانوں میں جذبہ جہاد پیدا ہونا ضروری ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاد میرا خلق ہے ،، جہاد کے بغیر اسلام نامکمل ہے اور یہ جذبہ توحید و توکل سے پیدا ہوتا ہے۔ شجاعت اور دلیری مومن کیلئے لازم ہے۔

اس موقعہ پر حضرت علی بن ابی طالب۔ حضرت زبیر بن عوام اور حضرت خالد بن ولید (رضی اللہ عنہم) جیسے یکتائے زمانے دلاوران اسلام کی شہادت ہمارے لئے کافی ہے۔ جن میں سے ہر ایک مرد نہایت جانباز تھے وہ کہتے کہ جب جنگ کی آگ بھڑک اٹھتی اور زور کا رن پڑتا تو ہم جنگ کی تیزی سے بچنے کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آڑ تلاش کیا کرتے تھے۔ (مسلم)

امام مسلم نے حضرت براءؓ سے نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں " جب جنگ کے شعلے بھڑکتے تو ہم اپنے کو حضور کی پناہ میں محفوظ پاتے تھے۔

حنین کے معرکے میں اسلامی لشکر کے قدم اکھڑ گئے اور قریب تھا کہ یہ لشکر بد ترین شکست سے دوچار ہوتا لیکن ایسے وقت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ثابت قدم

رہے اور اپنی جگہ ڈٹے رہے۔ آپ کی اس شجاعت نے بھاگنے والوں کے قدم جما دیئے ان کی ڈھارس بندھی اور پھر انہوں نے متحد ہو کر اس طرح جنگ کی کہ دشمن کو ہزیمت اٹھانی پڑی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کو فتح ہوئی دشمن کے بے شمار سپاہی پکڑے اور قید کئے گئے۔

۲۔ ایک واقعہ غزوہ احد میں بھی پیش آیا۔ قرآن کریم کی اس آیت میں آپ کی اس بے نظیر شجاعت کی طرف اشارہ ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ۔ (نساء: ۸۴)۔

ترجمہ:۔ "تم اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ تم پر اپنی ذات کے سوا کسی نہ کسی اور ذمہ داری نہیں۔"

علامہ ابو بکر جابر الجزائری لکھتے ہیں: کیا یہ بے نظیر شجاعت اور جوانمردی کی علامت نہیں کہ تنہا ایک فرد کو جنگ کا حکم دیا گیا ہے۔ اور جنگ بھی کن لوگوں سے؟ روئے زمین کے کل کفار اور مشرکین سے! یہ اس لئے کہ تاریخ شاہد ہے کہ آیت کے نزول کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مٹھی بھر وفا شعار صحابہ کے علاوہ زمین کا ہر متنفس کافر اور بچہ بچہ اسلام اور پیغمبر کا جانی دشمن تھا اس سے ثابت ہوا کہ جو ذات واحد اس عظیم جنگ کی یکہ و تنہا مکلف ہو۔ بلا شبہ آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر اس سے زیادہ بہادر اور کوئی نہیں یہ ذات گرامی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برگزیدہ ہستی ہے۔" شجاعت و جوانمردی کا استعمال بھی آپ عین اخلاق کے مطابق کیا کرتے۔

شفقت و مہربانی

علامہ ابو بکر جابر الجزائری لکھتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب اطہر شفقت و محبت کے بے پناہ جذبات سے لبریز تھا۔ اس محبت کی نظیر نوع انسانی تلاش بسیار کے باوجود کبھی نہ ملے گی اور ہمیں کامل یقین ہے کہ آپ کے رافت اور رحمت کے جستہ جستہ مظاہرے اور نمونے ثبوت کے طور پر تلاش کرنا چاہیں تو ہمیں خاطر خواہ کامیابی نصیب نہ

ہوگی۔ اور نہ ہم ان کا احاطہ کرسکیں گے۔ اس لئے ہم وہی کہیں گے جو حق تعالیٰ نے فرما دیا۔ اور اس سے بڑھکر بھلا کون کہہ سکتا ہے۔

لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رءوف الرحیم۔ (التوبۃ ۱۱۸)

ترجمہ۔ لوگو تمہارے پاس ایک ایسے رسول آئے ہیں جو تم میں سے تمہارا رنج و تکلیف میں پڑنا بہت گراں گزرتا ہے۔ وہ تمہاری بھلائی کی بہت خواہش مند رہتے ہیں۔ (خاص کر) نہایت شفقت کرنے والے مہربان ہیں۔

آپؐ کے کئی مثالیں اس تعلق سے پیش کی جا سکتی ہیں۔ جس میں سے ایک دو مثالیں پیش کی جارہی ہیں۔ جس کی روشنی میں آپ کی شفقت و محبت کا پتہ چل سکے۔

۱۔ حضرت ابراہیم بن ماریہ قبطیہ (رضی اللہ عنہا) خدمت اقدسؐ میں پیش کئے گئے وہ بیمار تھے اور نزع کا عالم تھا۔ آپؐ نے انہیں چمٹا لیا۔ آپ کی آنکھیں اشکبار تھیں پھر آپؐ نے فرمایا! "دو آنکھیں اشک آلود ہیں۔ دل غمگین ہے اور ہم وہی بات کہتے ہیں جو خدائے تعالیٰ پسند کرتا ہے۔ خدا کی قسم ابراہیم ہم کو تمہارا غم ہے۔" (متفق علیہ)

شفقت و مہربانی کی ایک زندہ مثال انس بن مالک کہتے ہیں۔ "میں نے دس سال نبی صلعم کی خدمت کی۔ اس عرصہ میں مجھے کبھی ہشت تک نہیں کی۔ میں نے کوئی کام کر لیا تو یہ نہ فرمایا۔ کہ۔ کیوں کیا؟ کوئی کام نہ کیا تو یہ نہ پوچھا کہ کیوں نہیں کیا۔

(الف) حضور نے مجھے ایک کام کیلئے فرمایا۔ میں نے کہا میں نہیں جاتا۔ میرے دل میں یہ تھا کہ میں جاؤں گا میں وہاں سے نکلا تو لڑکوں کے ساتھ کھیل میں لگ گیا۔ خدمت کے وقت حضرت انسؓ کی عمر ۸ سال تھی۔ نبیؐ بھی وہاں آگئے۔ میری گردن پر ہاتھ رکھا میں نے میں نے لوٹ کر دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہنس رہے تھے اور فرمایا۔ پیارے انس اب تو کام کو جاؤ۔ میں نے عرض کیا۔ ہاں جاتا ہوں۔ (صحیح بخاری)

۲۔ ایک مرتبہ والدہ ماجدہ کے قبر کی زیارت فرمائی جو مدینہ اور مکہ کے درمیان ایک مقام پر ہے۔ آپؐ قبر پر کھڑے رہے اور دیر تک روتے رہے لوٹنے لگے تو فرمایا میں

سے اپنی والدہ کی مغفرت کیلئے آپ نے رب سے درخواست کی لیکن اجازت نہیں ملی ۔
میں نے دوبارہ ان کے قبر کی زیارت کیلئے درخواست کی جو منظور ہوئی۔ (مسلم)
صرف انسانوں کی حد تک ہی نہیں بلکہ جانداروں میں حیوانوں پر بھی شفیق اور
مہربان تھے ۔ آپ کا ارشاد ہے کہ۔
" ہر تروتازہ جگر والے (یعنی جاندار) کے معاملہ میں ثواب ملے گا، نیز فرمایا :
ایک عورت پر بلی کے معاملے میں عذاب ہوا ۔ یہ عورت بلی کو کھانے پینے کو دیتی تھی نہ
اسے چھوڑتی تھی کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھالیتی ۔ یہ اس کو اس طرح بند رکھتی
تھی کہ یہاں تک کہ بلی مر گئی ۔ مسلم ۸/ ۶۳۵
شفقت کی جگہ شفقت اور مہربانی کی تلقین کرتے ہوئے آپ نے فرمایا ایک بار کسی
عورت نے گرمی کے دن میں ایک کتے کو دیکھا پیاس کی وجہ سے زبان نکالے کنویں
کے آس پاس گھوم رہا ہے ۔
اس عورت نے اپنے موزہ میں کتے کیلئے پانی نکالا (حق تعالیٰ) کی طرف اس
کی مغفرت ہو گئی ۔ (متفق علیہ)
انسانوں سے ہمدردی مہربانی اور شفقت کرنا تو درکنار بلکہ آپ کی تعلیمات اخلاق
میں سے یہ بھی مشہور ہے کہ ہر تروتازہ جگر والے سے مہربانی کرنا سکھاتے تھے ۔ یہی
تعلیمات اخلاق عالمگیر حیثیت رکھتے ہیں جس سے اسلام کے دائرے کو وسعت ہوئی۔
اور لوگ اسلام میں تعلیمات اخلاق کے سبب جوق در جوق داخل ہوتے چلے گئے ۔
مہربانی اللہ کی صفت ہے ۔ اللہ تعالیٰ مہربانی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ۔

ایثار آپ کے اخلاق وعادات میں ایثار کو بھی بلند مقام حاصل ہے دوسروں
کو اپنی ذات اور اعزہ پر بھی ہر معاملہ میں مقدم رکھنا ۔ کئی واقعات اس خصوص میں وارد
ہوئے ہیں ۔ ایک واقعہ کو پیش کر کے آپ کے ایثار کا ثبوت پیش کیا جا رہا ہے ۔

سادگی اور بے تکلفی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سادی زندگی

سادگی اور بے تکلفی میں گزار دی آپ کی زندگی میں کسی قسم کے لوازم دنیاوی کو بھی پسند نہ کرتے تھے۔ رہن سہن، لباس، بستر، کھانا وغیرہ ہر چیز عمر بھر سادہ رہے۔

عدی بن حاتم رضؓ بارگاہ اقدس حاضر ہوئے تو چمڑے کا ایک گدا تھا۔ جس میں کھجور کی پتی بھری ہوئی تھی۔ وہی عدی رضؓ کی طرف کھسکا دیا خود زمین پر بیٹھ گئے عدی رضؓ نے حضور کے روبرو گدے پر بیٹھنا خلاف ادب سمجھا۔ چنانچہ دوران گفتگو میں گدا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور عدی کے درمیان پڑا رہا۔ آپ فرماتے تھے۔ گھر میں ایک بستر اپنے لئے اور ایک بیوی کے، اور ایک مہمان کیلئے کافی ہے چوتھا شیطان کا حصہ ہے۔ (سیرۃ النبی بحوالہ ابی داؤد)

سادگی اور بے تکلفی کا یہ عالم کہ فضول خرچی سے پرہیز کرتے اور دوسروں کو بھی وہی تعلیم دیتے مکانات کو بھی بے جا سجانا اور شان وشوکت کا اظہار کرنے سے منع فرماتے۔

تواضع وانکساری۔

انکساری کے معنی عاجزی اور خاکساری کے ہیں۔ انکساری حسن اخلاق کی اصل ہیں جو غرور وتکبر کو انسان کے قریب آنے نہیں دیتی۔ عاجزی صرف اللہ سے کی جاتی ہے۔ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی شئے کو شریک نہ کرتا ہو۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں بندگان الٰہی سے نرمی سے پیش آنا عاجزی ہے اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبعیت میں نرمی عطا فرمائی تھی صرف اسلام دشمن کے لئے سختی اختیار کرتے تھے۔ اس لئے کہ زندگی کا ماحصل ہی صحیح دین واسلام کی حفاظت کرنا اور قائم رہنا ہے۔

رسول اللہ صلعم کی نرم مزاجی:۔

ارشاد الٰہی ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران ۱۵۹)

ترجمہ:۔ اے پیغمبر اللہ کی یہ بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کیلئے اس قدر نرم مزاج واقع ہوئے ہو۔ کج خلق اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے پاس ...

سے ہٹ جاتے۔ (یعنی ان کے دل تمہاری طرف اس طرح نہ کھینچے جس طرح اب بے اختیار کھینچ رہے ہیں۔

اصل میں آپ کے اخلاق عالیہ آپ کے نرم مزاج واقع ہونے سے بلند مقام حاصل کر چکے ہیں۔ آیت مذکورہ میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ کج خلق اور سخت دل ہوتے تو لوگ تمہارے پاس سے ہٹ جاتے۔

واضح ہوا کہ خوش خلقی کیلئے نرم دل ہونا لازمی ہے۔ اور بد خلقی سخت مزاجی کے سبب سرائت کر جاتی ہے۔

عاجزی اور انکساری دراصل اللہ رب العزت سے دعا کی صورت میں رونما ہوتی ہے۔ جس طرح آدم علیہ السلام نے اپنی غلطی پر کہا! اے ہمارے رب ہم نے اپنی نفسوں پر ظلم کیا اگر تو ہم کو نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ فرمائیگا تو ہم برباد ہو جائیں گے۔

پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا اور آخرت کی بھلائی کی دعا اس طرح کی ہے۔ اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھلائی دے اور آگ کے عذاب سے بچا دے۔ (القرآن)

بقیہ اداریہ

تیار کر لیتا ہے تیا تلخی قبول کرنے کے بجائے میدان صحافت میں اتر کر ایک دوسرے کو طعن و تشنیع کا ہدف بناتے ہیں۔ اور اجتماعیت کو انفرادیت میں گم کر دیتے ہیں۔

قارئین کرام: اگر آپ کچھ کرنا چاہتے ہیں تو آج بھی خالد کی للہیت پکار پکار کہہ رہی ہے کہ میں اسلام کی سربلندی کے لئے لڑ رہا ہوں نہ کہ اپنے نفس کے لئے۔ مذکورہ واقعہ میں حکومتی سطح سے لے کر عوامی سطح تک چاہے وہ وزارت عظمیٰ کا معاملہ ہو یا مدارس واداروں کی نظامت کا یا جماعت کی قیادت کا یا تنظیموں کی سرپرستی کا ہر جگہ اطاعت اولی الامر اور خلوص وللہیت کے امتحان میں سچا مخلص ثابت کرنے کیلئے بڑے سے بڑے عہدہ کو قربان کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔

اعتدال کی راہ

اسلام ایک عالمگیر اور فطری دین ہے جو اخوت و مساوات اور روحانیت کا یکساں داعی ہے اس نے اپنے جملہ احکام و مسائل اور اوامر و نواہی میں افراط و تفریط سے ہٹ کر اعتدال اور فطری جوہر کی جانب رہنمائی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس زریں اصول کو اپنے بندوں کے تمام اعمال و عبادات میں پسند فرمایا ہے اور اسی پر کاربند رہنے کی برابر ترغیب دی ہے کھانے پینے کے متعلق ارشاد فرمایا۔ کلوا واشربوا ولا تسرفوا۔ (اعراف ۳۱)

انفاق اور صدقہ و خیرات میں بخالت، کنجوسی اور اسراف و تبذیر سے دور رہنے کی مسلمانوں کی صفت بتلاتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ والذین اذا انفقوا لم یقتروا وکان بین ذالک قواما۔ (فرقان ۶۷) نیز فرمایا: ولا تجعل یدک مغلولۃ الیٰ عنقک ولا تبسطھا کل البسط۔ (اسراء ۲۹)

بعینہٖ عبادت و ریاضت کے بارے میں انسان کی مقدرت سے زائد کا مکلف نہ بناتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا۔ (بقرہ ۲۸۶) آگے فرمایا۔ یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر۔ (بقرہ ۱۸۵) اور فرمایا۔ وماجعل علیکم فی الدین من حرج۔ (حج ۷۸)

اللہ کے رسول کا ارشاد گرامی ہے "وہ لوگ ہلاک و برباد ہو گئے جنہوں نے دین میں مبالغہ اور تشدد اختیار کیا۔"

ایک موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا۔ "دین میں آسانی ہے جب بھی کسی نے دین میں

تشدد کو دخل دیا وہ مغلوب ہو گیا اس لئے تم اپنی اصلاح کرلو اور خدا کی قربت حاصل کرو اور عیش کرو" بندوں کو ایسی سہولت و نرمی فراہم کرنا جس کا انسانی فطرت متقاضی ہے وہ صرف شریعت اسلامیہ کا خاصہ ہے اور یہ فطری بات ہے کہ عمل قلیل پر مداومت کرنے والا بہت ہی خوش طبعی اور بشاشت قلب کے ساتھ اپنے فرض کو ادا کرے گا اور بہ تکلف عمل کثیر کے عامل میں طبعی رجحان اور نشاط کا فقدان ہوگا یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عبادت کی مذمت کی ہے جو بندے کو افراط کی حد تک پہونچا دے فرمایا۔

ورھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبناھا علیھم الا ابتغاء رضوان اللہ فما رعوھا حق رعایتھا۔ (حدید ۲۷)

اسی طرح انسانی فطرت کا تقاضہ ہے کہ عمل کثیر کے مقابل عمل قلیل کو حقیر اور کم تر سمجھتی ہے لیکن اسلام نے اس نظریہ کو باطل قرار دیا ہے اور مداومت کئے جانے والے عمل قلیل کو عمل کثیر پر ترجیح دیا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"اے مومن عورتو! تم میں سے کوئی بھی اپنے پڑوسن کی معمولی عبادت اور معروف کا تعلق ہرگز دائرا نہ اور ردی حقیر سمجھے"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں نے جمیع اعمال وعبادت میں منہج اعتدال کو واضح کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے تاکہ مسلمان اپنے اعمال میں استقلال پیدا کریں اور خدا کی رحمت و شفقت کے مستحق بن سکیں۔ اس ضمن میں آپ نے وساوس اور دلی خیالات پر خدائی گرفت نہ ہونے کی پورے طور پر بشارت دی ہے۔ فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دلی وسوسے اور وہم وگمان کو معاف کر رکھا ہے جب تک کوئی بندہ اس پر عمل نہ کرے"۔ (مسند احمد)

یہی نکتہ تھا جس کی بنا پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات عام مسلمانوں کے سامنے کچھ اعمال کی ادائیگی نہیں فرماتے تاکہ کہیں مسلمان میری اقتدا میں اس فعل پر مداومت نہ کرنے لگیں جس کی وجہ سے یہ فعل ان پر فرض ہو جائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات اپنے محبوب عمل کو محض اس خوف سے

ترک کردیا کرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ اس پر عمل پیرا ہو جائیں اور یہ پھر ان پر فرض ہو جائے۔ اسی وجہ سے آپ چاشت کی نفل نماز نہیں ادا کرتے تھے۔ (البتہ میں اسے برابر پڑھتی تھی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ "ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اس وقت میرے یہاں ایک عورت موجود تھی آپ نے مجھ سے پوچھا یہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یہ وہ عورت ہے جس کی کثرت نماز کا عوام میں چرچا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ٹھہرو! بندہ پر اسلامی احکام کی ادائیگی اتنی ہی فرض ہے جتنی اس کے اندر طاقت ہو بخدا اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی طاقت کا اجر عطا کرنے میں اکتا نہیں ہے جب تک کہ بندہ خود نہ اکتا جائے بلکہ خدا کے نزدیک سب سے محبوب عمل وہ ہے جس پر مداومت کی جائے۔"

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اپنی طاقت کے موافق عمل کرنے ہی کی ترغیب دی ہے۔ ارشاد ہے۔

"جب میں تم لوگوں کو کسی بھی چیز کے کرنے کا حکم دوں تو تم اس پر اپنی استطاعت اور وسعت کے مطابق ہی عمل کرو۔"

یہی وجہ ہے کہ جب آپ کو حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کے صوم وصال اور قیام لیل پر مداومت کی اطلاع ملی تو آپ نے حضرت عبداللہ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ تم ایسا نہ کرو بلکہ کبھی روزہ رکھو اور کبھی افطار کرو۔ اسی طرح رات کو قیام بھی کرو اور آرام بھی کیونکہ تم پر تمہارے جسم کا، تمہاری آنکھوں کا، تمہارے بال بچوں کا بھی حق ہے۔ اور بہتر تو اس سے آسان نسخہ یہ ہے کہ تم مہینہ میں صرف تین دن روزہ رکھو یعنی یہ تمہارے لئے کافی ہے اور تم کو ہر نیکی کے بدلے اس پر دس گنا ثواب ملے گا۔" (بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دین حنیف عطا کرکے بھیجے گئے تھے اس لئے آپ اپنی امت کے لئے سراپا رحمت تھے اور ان کی ہدایت وخیرخواہی سہولت ونرمی اور سعادت دارین کے حصول کے لئے ہر ممکن طریقہ پر رہنمائی کرتے تھے اور امت پر شاق گزرنے والی چیز آپ کے لئے گراں اور پریشان کن معلوم ہوتی تھی یہی وجہ ہے کہ اللہ نے آپ کی تعریف میں

کہا۔ لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم۔ (توبہ ۱۲۸)

ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ، ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحالت خواب آرام فرما تھے اسی حالت میں آپ کے پاس دو فرشتے آئے ان میں ایک سرہانے اور دوسرا آپ کے پائتانے بیٹھ گیا۔ پائتانے کے فرشتے نے سرہانے بیٹھے ہوئے فرشتے سے کہا! اس نبی کی مثال بیان کرو سرہانے والے فرشتے نے کہا اس نبی اور اس کی امت کی مثال ان مسافروں کی طرح ہے جو ہلاکت کے دہانے پر پہونچ گئے ہیں جہاں سے ان کی واپسی ناممکن ہے۔ اس وقت ان کے پاس ایک نجات دہندہ آتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر میں تم لوگوں کو ہرے بھرے باغات اور آسودگی عطا کرنے والی نہروں کی طرف لے چلوں تو کیا تم لوگ میری اتباع کروگے؟ اس کی پیش کش پر تمام لوگ بلا چون وچراں باغات اور نہروں کی جانب چلے گئے اور وہاں آرام سے کھاتے پیتے رہے یہاں تک کہ خوب سیر ہو گئے۔ پھر اس شخص نے ان سے نصیحت اور خیرخواہی کے طور پر یہ کہا کہ اگر میں تم لوگوں کو اس سے بہتر اور اچھے باغات اور عمدہ چشموں کی جانب لے چلوں تو کیا تم لوگ میری اتباع کروگے؟ اس پر پوری قوم نے اثبات میں جواب دیا کہ تمہارے سامنے جو باغ ہے وہ ہر لحاظ سے اس سے آرام دہ اور عمدہ ہے اور سامنے جو نہریں ہیں وہ اس سے زیادہ شیریں اور تشنگی دور کرنے والی ہیں اس لئے تم لوگ میری اقتدا میں وہاں چلو اس پر قوم دو گروہ میں بٹ گئی۔ ایک گروہ نے کہا اللہ نے سچ کہا ہے ہم ضرور اس کی اتباع کریں گے۔ اور دوسرے گروہ نے کہا کہ ہم موجودہ حالت پر راضی ہیں اس لئے ہم یہیں قیام کریں گے۔

یہ پوری حدیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت کے لئے سراپا رحمت وشفقت الفت ومحبت ناصح وخیرخواہ ہونے پر دلالت کرتی ہے اس لئے کہ آپ رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گئے ہیں اور رحمت ہی آپ کی رسالت کا اصل جوہر ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین۔ (انبیاء ۱۰۷)

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے جو تم کو بھیجا ہے تو دراصل دنیا والوں میں ہماری

رحمت ہے۔ اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں سراپا رحمت و ہدایت ہوں" ہر وقت جملہ مسلمانوں کے لئے اس رحمت رسانی کے دو واضح طریقے ہیں اول تمام فرائض و واجبات عبادات و معاملات اور احکام و مسائل کو اپنا کر۔

دوم جملہ اعمال و عبادات پر مداومت کرکے۔ جب کوئی بندہ اپنے اعمال و عبادات پر مداومت کرتا ہے اگرچہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔ اس پر اللہ کی بے پایاں رحمت اور اس کی شفقت و محبت کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ اور کیوں نہ ہو خدا کے نزدیک اعمال پر مداومت ہی سب سے محبوب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بزبانِ رسالت واضح فرمایا ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے محبوب عمل وہ ہے جس پر بندہ مداومت کرے اگرچہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو اور جب بندہ عمل پر مداومت کرتا ہے تو اللہ کی محبت کا مستحق قرار پاتا ہے اور اس کا بہترین نتیجہ جو سامنے آتا ہے جو بزبان رسالت حدیث قدسی میں یوں وارد ہے کہ جب میں (اللہ تعالیٰ) کسی سے محبت کرتا ہوں تو اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اب وہ اگر مجھ سے کسی چیز کا مطالبہ کرتا ہے تو میں اسکو پورا کر دیتا ہوں اگر وہ میری ذات کا سہارا لے کر کسی چیز سے پناہ مانگتا ہے تو میں اس کو پناہ دیتا ہوں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا تو آپ نے فرمایا لوگو! اللہ نے تم پر حج فرض کر رکھا ہے اس لئے تم حج کرو ایک شخص نے سوال کیا کیا اس فریضہ حج کی ادائیگی ہر سال ہمارے لئے ضروری ہے آپ خاموش رہے اور کچھ جواب نہیں دیا آپ کو خاموش دیکھ کر اسی آدمی نے تین مرتبہ یہی سوال کیا اس کے بعد آپ نے فرمایا اگر میں تمہارے سوال کا جواب اثبات میں دے دیتا تو حج تم پر ہر سال فرض ہو جاتا اور تم اس کی ادائگی نہیں کر پاتے اس لئے تم ایسی چیز نہ پوچھا کرو جس کا تذکرہ میں خود نہ کروں۔

(احمد مسلم۔ نسائی)

اپنی امت کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ آسانی اور نرمی ہی تھی کہ ان پر گراں گزرنے

والی کوئی بھی چیز نہیں اپناتے تھے تاکہ وعظ و نصیحت بھی کبھی اکتا جانے اور گھبرا جانے کے خوف سے زیادہ نہیں کرتے۔ ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ آپؐ اکتاہٹ کے خوف سے وعظ و نصیحت میں اختصار سے کام لیتے تھے آپؐ کو اس کا خوف تھا کہ برابر وعظ و ارشاد سے کچھ لوگ اکتا جائیں گے یا ان پر گراں گزرے گا اس بنا پر آپؐ ان کو اس کا موقع فراہم کرتے کہ جتنے احکام سن چکے ہیں ان کو دل میں بٹھالیں پھر نئے احکام قبول کرنے کے لئے حسّاس دبشاش اور نشیط ہو کر بیدار مغزی سے کام لے سکیں۔

آج اس دور میں بھی تعلیم و تربیت کا یہ سنہری اصول تربیتی ادارے اور تنظیمیں اپنا کر کامیابی سے ہمکنار ہو سکتی ہیں۔

بقیہ صـ۱۲ کا

کسی کو گالی دی ہو گی کسی پر تہمت لگائی ہو گی۔ کسی کا مال ہڑپ کیا ہو گا کسی کا خون کیا ہو گا یا کسی کو مارا پیٹا ہو گا، تو کسی کو اس کی کچھ نیکی دی جائے گی۔ اگر اس پر واجب حقوق کی ادائیگی سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں تو ان لوگوں کے گناہ اس شخص پر ڈال دیئے جائیں گے۔ پھر اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا"

اس حدیث سے اسلامی عبادات کی حکمت اور فلسفہ سامنے آگیا ہے اور اس حدیث مبارکہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر انسان یہ دیکھ سکتا ہے کہ کیا ہمیں ان عبادتوں سے فوائد حاصل ہو رہے ہیں۔ (بشکریہ الاعتصام لاہور)

بقیہ صـ۶ کا

اور بھی شدید گناہ ہے۔ مسجد حرام کی حرمت کے احکام خاص ہیں۔

کسی آدمی کو حق نہیں ہے کہ حرم کے باہر کئے ہوئے قتل کا بدلہ حرم میں لے۔ حرم میں پناہ لینے والوں سے تعرض نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں جنگ و جدال حرام ہے۔ بے دینی، کفر، شرک، مصنوعی قحط کا پیدا کرنا، گرانی، شکار کرنا، گری پڑی چیز کا اٹھانا، پرندوں اور جانوروں کو مارنا۔ قدرتی درختوں کو کاٹنا وغیرہ ایسے کام ہیں جن کے لئے عذاب الیم کی وعید سنائی گئی ہے۔ اللہ ہم سب کو محفوظ رکھے۔ (بشکریہ الاعتصام لاہور)

[illegible]

جلد [illegible]
شمارہ [illegible]

علمی و تبلیغی رسالہ

ماہنامہ نوائے اسلام دہلی

مجلة شهرية اسلامية تصدر عن مجلس الدعوة الاسلامية [illegible] في الهند

سرپرست :- مولانا عطاء اللہ خان ایم اے بی ایڈ - امیر جمعیۃ اہلحدیث بھیونڈی

اگست ۱۹۹۱ء مطابق محرم و صفر ۱۴۱۲ھ

مدیر :- عزیز عمر سلفی نائب مدیر :- عبدالمجید [illegible]

زر تعاون	پاکستان سے
سالانہ :- چالیس روپے	سالانہ :- ایک سو روپے
خصوصی :- ایک سو روپے سے زائد	لائف ممبری :- دو ہزار روپے
لائف ممبری :- ایک ہزار روپے	بیرون ممالک سے ۲۰ ڈالر امریکی

بنگلہ دیش اور نیپال سے ہندوستانی روپے کے مساوی

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ

منیجر نوائے اسلام ۱۱۶۴ - اے چاوڑی بازار جامع مسجد دہلی ۶-۱۱۰۰۰

فون نمبر :- ۳۲۶۵۹۳۵ PHONS. 3265935

آئینہ ترتیب

پرنٹر پبلشر عبدالواجد فیضی نے الیس الیس پریس
برائے جے کے آفسیٹ سے چھپوا کر دفتر نوائے اسلام
۱۱۹۳-اے چپاہ رحمٰن جامع مسجد رحمانی
سے شائع کیا۔

کمیونسٹ ماڈل کی ناکامی

کمیونسٹوں کیلئے ایک لمحہ فکریہ

مدیر

مارکسزم کی گرتی ہوئی دیواروں کو روسی صدر میخائل گورباچیف نے ایک دھکا اور دیا۔ پانچ سال قبل جس وقت مسٹر گورباچیف سویت یونین کے صدر اور سویت کمیونسٹ پارٹی کے سربراہ بنے تھے اسی وقت جدید اصلاحات کے دروازے کھول کر مارکسزم کی بنیادوں کو ہلا دیا تھا مارکسزم کو کمیونسٹ سماج کی بنیاد سمجھا جاتا ہے لیکن صدر گورباچیف نے تسلیم کر لیا ہے کہ کمیونزم کے قیام کا مقصد مارکسزم سے حاصل نہیں ہو سکتا ہے، وہ اعتراف کرتے ہیں کہ وہ کمیونسٹ ماڈل جو برسوں سے پارٹی اور سماج پر مسلط ہے وہ ناکام ہو چکا ہے۔

مسٹر گورباچیوف نے اپنی پارٹی پر اس حقیقت کو بخوبی واضح کر دیا کہ کمیونسٹ کا ماڈل پرانا ہو چکا ہے اور وہ موجودہ دور کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتا ہے اور نہ ہی وہ موجودہ حالات کے مسائل کو حل کر سکتا ہے لہذا سویت یونین کو مارکسزم کے راستہ سے ہٹنا ہوگا انہوں نے اس فیصلہ کو ایک بنیادی اہمیت کا حامل فیصلہ بتایا ہے۔ اور کہا کہ ہمیں سوشلزم کے بارے میں اپنے نقطہ نظر میں تبدیلی لانی ہوگی کمیونسٹ پارٹی کی تشکیل نو کے لئے اپنے مسودہ پروگرام میں صدر گورباچیف نے پارٹی سے مارکسی آئیڈیالوجی کو ترک کرنے پر زور دیا۔ سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ صدر گورباچیف نے کمیونسٹ سربراہ کی حیثیت سے اپنی پارٹی کے رفقاء سے اپیل کی ہے کہ وہ سیاسی و معاشی نظام کی حیثیت سے سویت سوشلزم کی ناکامی کو تسلیم کریں اور مارکس و لینن کے طے کردہ ان اصولوں کو بھول جائیں جن پر اس پارٹی کی تشکیل کی گئی ہے۔

کارل مارکس نے روسی سماج میں جاگیردارانہ نظام کے مظالم کے خلاف اشتراکیت کا تخیل

جاکر جہاں ایک برائی کو ختم کیا وہیں بے شمار برائیوں کے بیج بو دیا اسی وجہ سے صوفی نذیر احمد کاشمیری علیہ الرحمۃ نے کارل مارکس کو دجالِ اعظم کہا ہے۔ مرحوم نے ایک مقالہ "مارکسزم اور انسان" بقلم خود میں لکھا ہے کہ "مارکس نے پورے نوعِ انسانی کی ساری انسانی صلاحیتوں کو تتر بتر کر کے اسے نیست و نابود کرنے کا پورا سامان کر لیا ہے وہ تاریخ کا دجالِ اکبر ہے لہٰذا اس کے فکر و نظر کی ایک ایک اینٹ کو کرۂ ارضی سے اکھاڑ کر باہر پھینکنے کی اشد ضرورت ہے۔"

اسٹالن کی جابرانہ پالیسیوں کو بھلایا نہیں جا سکتا ہے جس نے مارکس کے جبری آئین کو عوام پر بزورِ شمشیر مسلط کیا تھا۔ لینن نے اسی نظریہ کو نام کی تبدیلی کے ساتھ پروان چڑھایا اگرچہ کمیونزم نے دنیا کے تین براعظموں پہ اپنا جھنڈا لہرا دیا، دنیا نے روس کو ایک عظیم دنیاوی طاقت کی حیثیت سے تسلیم کر لیا، مگر روسی سماج انسانی قدروں سے محروم ہونے کی وجہ سے شکست خوردہ بن گیا۔ ترکستان کی ۵۵ مسلم ریاستیں اس نے نگل لیا، بالٹک جمہوریاؤں پہ اپنا قبضہ جما لیا ۹۶ فی صد عوام جن کا دین و مذہب سے تعلق تھا ان کو اسٹالن نے جبر و تشدد کے ذریعہ دین سے پھیر دیا اور ان کے ذہنوں میں ارتداد اور دین بیزاری کا زہر زبردستی بھر دیا۔ الحمد للہ ۷۰ سال بعد اب یہ نظام برف کی طرح پگھل رہا ہے کارل مارکس کی تمام تحریریں برف کی لکیروں کی طرح مٹ رہی ہیں اسلامی اقدار و اخلاق کی شعاعیں روسی سماج پر پڑ رہی ہیں۔ مگر افسوس .... صد افسوس! اب جبکہ کمیونزم اپنے ہی وطن میں موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہے عراق کے صدر صدام حسین نے انہیں آبِ حیات دینا شروع کر دیا ہے۔ کمیونزم پوری دنیا میں دم توڑ رہا ہے دنیا اس کے مفادات سے آگاہ ہو چکی ہے اس کا ہر جگہ سے دیس نکالا ہو رہا ہے۔ حیرت ہے کہ عراقی صدر صدام حسین کو اسٹالن کی پالیسیوں کے اپنانے ہی میں کامیابی نظر آ رہی ہے۔

اللھم اھدنا الصراط المستقیم

نظریۂ ارتقاء

مولانا عزیز الحق عمری

قرآن پاک سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمانۂ رسالت میں بھی الحاد کا وجود تھا، اور ایک ایسا طبقہ موجود تھا، جو حیات و کائنات کے وجود و فنا کو زمانہ کا اثر مانتا تھا۔ اس کا عقیدہ تھا، وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ (سورہ جاثیہ) کہ بس ہماری دنیوی حیات ہے اور فنا ہوتے اور زندہ ہوتے ہیں۔ اور ہمیں زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے۔

لیکن اس زمانے کے الحاد اور دور جدید کے الحاد کا امتیاز یہ ہے کہ اٹھارویں صدی میں الحاد کی بنیاد پر ایک فلسفہ تیار کر کے اسے مدلل کر دیا گیا ہے اور جو چیز کبھی افراد و اشخاص کے عقیدے تک محدود تھی اس وقت اسکی بنیاد پر آئین تیار کر کے انھیں سیاست و معاشرے اور معاش کا دستور بنایا گیا ہے۔

جدید الحاد کا آغاز ڈارون کے اس خیال سے ہوا ہے کہ انسان ارتقاء کے ذریعہ اپنی موجودہ شکل پر آیا ہے اور دنیا میں کائنات و حیات کا وجود ایک اتفاقیہ حادثہ کا اثر ہے، اسلئے دنیا کا کوئی خدا ہے اور نہ اسکے وجود کا کوئی مقصد۔

ڈارون نے کائنات اور انسان کے وجود کی جو توجیہ کی ہے وہ یہ ہے کہ یہ زمین بھی اب سے کروڑوں سال پہلے ایک سیارہ تھی، اور کسی سیارے سے تصادم کے بعد نیچے آئی اور ایک زمانے تک اس سے شعلے بھڑکتے رہے۔ پھر اسکے دھوئیں سے فضا میں بادل پیدا ہو گئے۔ اور ان سے بارش ہونے کے بعد یہ زمین سرد ہوئی اور اسکے پست حصّوں میں جو پانی رکا ہوا تھا اسمیں سڑ کر باریک باریک کیڑے پیدا ہو گئے، جنکو وہ امیبیا کا نام دیتا ہے یعنی ایک خلیے کے جانور، اور یہیں سے دنیا میں حیات کا آغاز ہوا پھر ارتقاء کے ذریعہ کروڑوں سال میں امیبیا مختلف خلیات کے جانوروں میں تبدیل ہوتا ہوا انسان اور دوسرے موجود جانوروں اور درختوں وغیرہ کی صورت میں آگیا اور اس ارتقاء کا کمال باشعور انسان کا وجود ہے اور بانی کمیونزم کارل مارکس کا خیال ہے کہ اب انسان اپنے مادی ارتقاء کے کمال کے بعد ذہنی ارتقاء کے دور میں داخل ہے اور ہر انسان اپنے ماقبل دور کے انسان سے زیادہ باشعور اور ذہین ہوتا جا رہا ہے اور اسی بنیاد پر اس نے اپنے فلسفۂ معاش کو ترتیب دیا ہے؟

ڈارون کا یہ نظریہ دنیا میں ایک صدی تک ایک سچے اور مکمل و مدلل نظریہ کی حیثیت سے مانا جاتا رہا، لیکن ٹلڈن اور نکلسن وغیرہ کی تنقیدات نے اسکی اس حیثیت کو برقرار نہیں رہنے دیا۔

ڈارون کے نظریہ ارتقاء کے راستے میں سب سے بڑا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ [illegible]
کہ اس غلط کو مان بھی لیا جائے تو اس سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ زمین اور اسکے سیارے وسیارے
کیسے وجود میں آگئے تھے، اور ان کے وجود کی توجیہ اسکے پاس کیا ہے، پھر ان سیاروں کے نظام کے
لئے جو کروڑوں سال سے موجود تھے یہ نظام کارساز کیسے متعین ہوا؟ کیا اسکے پیچھے کوئی شعور کار فرما تھا
یا یہ بھی ایک اتفاقیہ حادثہ تھا اور تھا تو پھر اسکے بعد اب تک کوئی ایسا اتفاقیہ حادثہ کیوں نہیں پیش آیا؟

واقعہ یہ ہے کہ جب ایک ملحد سائنسداں کسی چیز کے وجود کی وجہ بتانے سے قاصر ہو جاتا
ہے تو اپنے قصور کو اتفاقیہ حادثہ کے پردے میں چھپا کر توجیہ کی ناکامیوں کا اعتراف کرتا ہے کیونکہ اگر وہ
ایسا نہیں کرتا تو اسے خدا کے وجود کے اقرار کے سوا کوئی راستہ نہیں مل پائیگا۔

یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ الحاد جس چیز کو انکار خدا کی دلیل بناتا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے ہی قرآن
میں اپنے اوپر ایمان لانے کی دلیل بنایا ہے۔ أَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَ
الْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ
کیا کافر نہیں جانتے کہ آسمان و زمین آپس میں ملے ہوئے تھے، تو ہم نے دونوں کو جدا جدا کر دیا، اور
پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی پھر وہ ایمان کیوں نہیں لاتے۔

یہ آیت وجود کائنات اور حیات کی ایک مدلل توجیہ پیش کر رہی ہے جس کا ڈارون
اور اسکے پیروں کے پاس کوئی جواب نہیں ہے اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ زمین و آسمان جو کبھی
ایک تھے اس کا انکشاف اب سے چودہ سو سال پہلے قرآن کر چکا ہے۔ اور ڈارون کا نظریہ اس
معاملے میں چند ملحدانہ بیوقوف کاریوں کے سوا اپنے اندر کوئی وقعت نہیں رکھتا اور نہ یہ کوئی نیا
انکشاف ہے اور اب سے چودہ سو سال پہلے ایک ناخواندہ نبی نے جو بات زمین و آسمان کے کبھی ایک اور پھر
جدا ہونے کے بارے میں پیشنگوئی تھی اٹھارہویں صدی کا ذہن بھی جو ترقی یافتہ مانا جاتا ہے اسے اسکی پوری
توجیہ کے ساتھ نہیں حاصل کر سکا، اور اس سے اس نے الحاد کا ایک دروازہ کھول دیا۔

" امیبا کے وجود سے انسان کے وجود تک جو فاصلہ ہے اسے نظرانداز بھی کر دیا جائے تو پھر
یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قانون اتفاق کیا ہے اور اشیاء کے وجود میں یہ کس حد تک اثر انداز ہو سکتا
ہے؟ سب سے اولین سوال " امیبا کے وجود کا ہے کہ کیسے وجود پذیر ہوا؟ کیا اس نے خود ہی اپنے
کو پیدا کر لیا یا اس کا وجود کسی اور کے اثر سے ہوا یا محض اتفاقیہ ہو گیا۔

نظریہ اتفاق کیا ہے؟

کسی بھی موجود کے وجود کیلئے دو چیزیں ہوتی ہیں، ایک اسکے اجزاء وجود کی ترتیب اور دوسرے
اس کا وجود، اجزا اسکی ترتیب کا وجود وجود سے پہلے آتا ہے لیکن قانون اتفاق یہاں بھی ناکام ثابت
ہوتا ہے، اسلئے کہ مثال کے طور پر ایک برتن میں اگر ایک سے دس تک نمبرات کے پرزے رکھے

یہ تو اس قانونِ اتفاق کی حالت ہے جس پہ کائنات اور زندگی کی تخلیق کا ہوائی فلسفہ تعمیر کر دیا ہے اب ذرا آگے یہ سوال رہ جاتا ہے کہ امیبا کو کس نے پیدا کیا؟ کیا اس نے خود سے اپنے آپ کو پیدا کر لیا؟ تو امیبا کا خود کو پیدا کر لینا محال ہے اس لئے کہ وہ اپنے وجود سے پہلے موجود نہیں تھا اور ایک معدوم اور غیر موجود شئے خالق نہیں ہو سکتا کہ وہ خود کو یا غیر کو وجود دے سکے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حیات باشعور ہے اور ایک بے شعور شئے کا ایک باشعور چیز کا پیدا کر دینا ناممکن ہے اور اگر امیبا کا وجود بھی اتفاقیہ حادثہ کا اثر مانا جائے تو قانونِ اتفاق اس سے قاصر ہے جیسا کہ اسکے بارے میں بیان کیا جا چکا ہے۔ پھر امیبا کے وجود کیلئے کونسی مؤثر طاقت ہو سکتی ہے۔ جسے سائنسدانوں کی آنکھیں نہیں دیکھ پاتیں۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝

یہی اللہ تمہارا رب ہے اسکے سوا کوئی معبود نہیں، جس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے، لہٰذا اسی کی عبادت کرو۔ وہی ہر چیز کا کارساز ہے۔ آنکھیں اسے نہیں دیکھ پاتیں اور وہ آنکھوں کو دیکھتا ہے۔ اور وہ نازک اور باخبر ہے۔

کیا اس کے بعد بھی کائنات کے طفلِ مکتب ڈارون اور دوسرے سائنسدانوں کے انکارِ خدا کے دعوے کو تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ جو اس صدی میں بھی خدا کے پیدا کردہ ذروں کے سینے چاک کر کے رازوں سے پردہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ اور ابھی ان کا سبق ابجد سے آگے نہیں بڑھا اور نہ سائنس یہ دعویٰ کر سکتی ہے کہ اس نے کائنات کے سبھی پوشیدہ رازوں کو جان لیا ہے بلکہ سائنس کے انکشافات ملحدین کے دعویٰ کے خلاف خدا کے وجود اور اسلام کی صداقت کا ثبوت بنتے جا رہے ہیں اسی لئے یہ کہا جاتا ہے کہ جدید سائنس قرآن کا علم کلام ہے۔ اور ایک ذرہ ATOM سے لیکر حیات کی پیچیدہ شکلیں تک شاہد ہیں کہ کائنات کا وجود بے مقصد اور بے ارادہ نہیں ہوا ہے۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ‘ اے ہمارے رب تو نے اس کائنات کو بیکار نہیں پیدا کیا ہے تو پاک ہے تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔

واقعہ یہ ہے کہ سائنس کے انکشافات نے مادیت کا قلعہ خود ڈھا دیا ہے اور نیوکلیس الیکٹران اور پروٹان کے تجزیئے نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ایٹم (ذرہ) چند قوتوں کا مجموعہ ہے اور مادہ کوئی چیز نہیں ہر چیز کے وجود میں اصل کارفرمائی روحانیت اور قوت کی ہے اور یہ بیسویں صدی نے مادیت پرستی اور اسکی اساس پر بنے ہوئے آئین سیاست و معاشرت کو رد کر دیا اور اسلام کی صداقت کو خود ثابت کر دیا ہے جو ایک لازوال اور پائیدار صداقت ہے۔۔۔

حضرت احنف بن قیس

جنہوں نے اپنے آپ کو قرآن میں پالیا

نسیم بلطیپوری امیٹھوی

حضرت احنف بن قیس ایک دن بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے سامنے قرآن حکیم کی سورہ انبیاء کی یہ آیت پڑھی "ہم نے تمہاری طرف ایک کتاب نازل کی ہے جس میں تمہارا ذکر ہے۔ کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے" تو انہوں نے کہا لاؤ مجھ کو قرآن دو آج میں اپنے ذکر کو ڈھونڈوں گا تاکہ میں جان سکوں کہ میں کن میں سے ہوں قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے ہر قبیل کا تذکرہ کیا ہے۔ قرآن میں مومنوں کا ذکر ہے۔ مشرکین کا بیان ہے کفار کا تذکرہ ہے۔ منافقین کا ذکر ہے۔ جنت والوں کا بیان ہے۔ جہنم والوں کا ذکر ہے۔ پھر مومنین کے جملہ منفرد خصائل رکھنے والوں کا ذکر ہے۔ کفار کے مختلف مدارج کا ذکر ہے۔ مشرکین کا ہر قبیل کا ذکر ہے۔ منافقین کے جملہ نفاق کا ذکر ہے۔

چنانچہ احنف بن قیس نے قرآن کے صفحات و اوراق کو پلٹنا اور اپنے آپ کو تلاش کرنا شروع کر دیا آپ کی نگاہ سورہ ذاریات کی ان آیات پر رکی "تات کو بہت کم سوتے تھے اور آخر شب میں استغفار کیا کرتے تھے۔ اور ان کے مالوں میں سائل و محروم کا حق تھا"

حضرت احنف بن قیس نے اپنے ضمیر سے سوال کیا ان آیات کی میزان میں خود کو تولا مگر مطمئن نہ ہو سکے۔ اور اپنے آپ کو ان لوگوں میں نہ پا سکے پھر آگے بڑھے۔ آپ کی نگاہ الم سجدہ کی سولہویں آیت پر تھمی "ان کے پہلو خواب گاہوں سے الگ رہتے ہیں اور اپنے رب کو خوف و امید سے پکارتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرتے ہیں" ممدوح نے اس میزان میں بھی اپنے آپ کو ہلکا پایا۔ آگے کی طرف رواں ہوئے اور پھر آپ کی نظر کے سامنے سورہ فرقان کی وہ مشہور آیت تھی جہاں اللہ نے عباد الرحمٰن کا ذکر کرتے ہوئے ان کے مختلف اعمال و اخلاق کا ذکر کیا ہے اور جو راتیں اپنے رب کے حضور سجدہ و قیام میں گذارتے ہیں

[illegible] مطمئن نہ ہوسکے ۔ اور جب [illegible]
[illegible] اپنا [illegible] دل کے سامنے سورہ آل عمران کی ایک سو چونتیسویں آیت
تھی "ایسے لوگ جو خرچ کرتے ہیں خواہ [illegible] ہوں یا [illegible] اور غصہ کو پی جانے والے
اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں کو محبوب
رکھتا ہے" موصوف یہاں ٹھہرے انہوں نے اپنا جائزہ لیا مگر مطمئن نہ ہوسکے
پھر آگے چلے اور سورہ حشر کی نویں آیت پر ٹھہرے "اور وہ لوگ اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح
دیتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو اور جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ
رکھا جائے ، ایسے ہی لوگ فلاح پانیوالے ہیں" موصوف کو اس جگہ پر بھی اپنے
تعلق سے اطمینان نہ ہوسکا چنانچہ اور آگے بڑھے اب آپ کی نگاہوں کے
سامنے سورۂ شوریٰ کی ۳۷ ، اور ۳۸ نمبر کی آیات تھیں "اور جو لوگ کبیرہ گناہوں
اور بےحیائی کی باتوں سے بچتے ہیں ، اور جب ان کو غصہ آتا ہے تو معاف کردیتے
ہیں اور جن لوگوں نے اپنے رب کے حکم کو تسلیم کرلیا اور وہ نماز کے پابند ہیں
اور ان کا ہر کام باہمی مشورے سے ہوتا ہے اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے
اس میں خرچ کرتے ہیں" احنف بن قیس کا یہاں بھی اطمینان نہ ہوسکا ۔
چنانچہ آپ نے توقف کیا اور کہا کہ بار الہا میں اپنے آپ کو تیرے ان مذکورہ
مومنین کے گروہوں میں نہیں پاتا اور پھر موصوف نے اپنے آپ کو ان کے برعکس
لوگوں میں تلاش کرنے کی کوشش کی ۔ چنانچہ سب سے پہلے آپ کی نگاہ سورہ
صافات کی آیت ۳۵ اور ۳۶ پر مرکوز ہوئی "وہ لوگ ایسے تھے کہ جب ان
سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی برحق معبود نہیں تو تکبر کیا کرتے تھے اور
کہا کرتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک دیوانہ شاعر کی وجہ سے چھوڑدیں"
احنف بن قیس نے اپنے آپ کو ان مجرموں میں نہیں پایا ۔ آپ آگے کی طرف
بے تابانہ ساتھ بڑھے اور آپ کی نگاہوں کا مرکز اب سورۂ زمر کی [illegible]
نمبر کی آیت تھی "اور جب ان کے روبرو صرف خالص اللہ کا ذکر کیا جاتا
ہے تو ان کے دل منقبض ہوجاتے ہیں جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے

اور جب آیت ختم کے [illegible] اور رب کا ذکر آتا ہے تو اس وقت وہ لوگ خوش ہو جاتے ہیں۔ موصوف نے اپنے آپ کو ان لوگوں سے الگ تھلگ پایا اور پھر آگے کی طرف پیش قدمی کی اور اب آپ کی نظر سورہ مدثر کی آیت نمبر چالیس سے لیکر چھیالیس پر تھم گئی جہاں پر اللہ نے جنتیوں اور جہنمیوں کے مکالمہ کو ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ مومنین کفار سے سوال کریں گے کہ تم کو دوزخ میں کس بات نے داخل کیا۔ وہ کہیں گے کہ ہم نہ تو نماز پڑھا کرتے تھے اور نہ ہی مسکین کو کھانا کھلایا کرتے تھے اور مشغلہ میں رہنے والوں کے ساتھ ہم بھی مشغلہ میں رہا کرتے تھے اور قیامت کے دن کی تکذیب کیا کرتے تھے یہاں تک کہ ہم کو موت آگئی" اب یہاں موصوف رک گئے اور گویا ہوتے بار الٰہا میں ان سبھی لوگوں سے بری ہوں اور تیری بارگاہ میں ان سے برأت کا اعتراف و اقرار کرتا ہوں اور پھر اسکے بعد وہ قرآن کے اوراق کو پلٹتے رہے اور خود کو تلاش کرتے رہے ہیں کہ انکی نظر سورہ توبہ کی اس آیت پر رکی "اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنی خطاؤں کا اعتراف کرتے ہیں جنہوں نے مخلوط عمل کئے تھے کچھ بھلے اور کچھ برے، اللہ سے آس ہے کہ وہ شاید ان پر نظر رحمت کے ساتھ توجہ فرمائے بلاشبہ اللہ بڑی مغفرت اور بڑی رحمت والا ہے" اب وہ پکار اٹھے کہ پروردگار میں انہیں میں سے ہوں۔

حضرت احنف بن قیس نے خود کو قرآن میں تلاش کر لیا۔ کاش ہم بھی اپنے آپ کو قرآن کے آئینہ میں تلاش کر کے اپنے چہرے کو دیکھ سکیں کہ ہم کن لوگوں میں سے ہیں•••

سلطان عبدالعزیز، حرمین شریفین اور انہدام قبور

شریعت، تاریخ اور واقعات کی روشنی میں

حافظ صلاح الدین یوسف

پاک و ہند اور دیگر چند ملکوں میں کچھ نام نہاد اصحاب جبّہ و دستار نے گزشتہ ایک عرصہ سے عالم اسلام کی واحد اسلامی مملکت اور حرمین شریفین کی محافظ حکومت کے خلاف زہر اگلنا اور الزام تراشی کر کے اسے بدنام کرنے کی مذموم سعی کرنا اور عجیب قسم کے مضحکہ خیز مطالبات کرنا اپنا پیشہ بنایا ہوا ہے۔ ان مطالبات میں اکثر کہا جاتا ہے کہ:

- مکہ و مدینہ کو کھلا شہر قرار دیا جائے۔
- ان کا انتظام عالم اسلام کے نمائندوں پر مشتمل کسی کمیٹی کے سپرد کیا جائے۔
- مقاماتِ مقدسہ کی بے حرمتی کا ازالہ کیا جائے۔ وغیرہ وغیرہ۔
- مذکورہ مطالبات کی حقیقت پر مختلف انداز میں لکھا جا چکا ہے۔ ہم اس وقت صرف آخری نکتے کے ضمن میں ایک پہلو کی وضاحت کریں گے، اور وہ ہے اس کا تاریخی پس منظر یعنی وہ "مقاماتِ مقدسہ" کون سے ہیں جن کی بے حرمتی کا دعویٰ کر کے اس کے ازالہ کا مطالبہ کیا گیا ہے اور مسلسل کیا جا رہا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ حرمین شریفین میں مسلمانوں کے "مقاماتِ مقدسہ"، حرم کعبہ، مسجد نبویؐ، روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر مساجد ہیں اور یہ بحمد اللہ تمام کے تمام نہ صرف محفوظ ہیں۔ بلکہ ان کا انتظام ایسے اعلیٰ پیمانے پر سعودی حکومت نے سنبھالا ہوا ہے کہ جسے انسانی مساعی کی آخری حد کہا جا سکتا ہے جس کی تصدیق ہر حاجی سے کی جا سکتی ہے

اب سوال یہ ہے کہ ان کے علاوہ وہ کون سے "مقاماتِ مقدسہ" ہیں جن کی بے حرمتی

یا انہدام کا الزام سعودی حکومت پر لگایا جاتا ہے اور اس کے ازالے کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو حقیقت یہ ہے کہ آج سے ۶۳ سال قبل کا واقعہ ہے کہ جب سعودی عرب کے بانی یعنی والیٔ نجد و حجاز سلطان عبدالعزیزؒ نے شریعتِ اسلامیہ کے مطابق ان تمام قبروں کو جو قبہ نما بنی ہوئی تھیں اور شریعت سے بے خبر عوام وہاں غیر شرعی حرکات کرتے تھے ڈھا دیا تھا اور ان کو عام سادہ قبروں کی طرح بنا دیا گیا تھا۔ تاکہ عوام آئندہ ایسی گمراہی میں مبتلا نہ ہوں جس طرح پہلے چلے آرہے تھے۔

ان پختہ قبروں اور قبوں کو ہی یہ حضرات "مقاماتِ مقدسہ" سے تعبیر کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ "مزارات" ہیں یعنی جائے زیارت اور متبرک مزارات۔ حالانکہ حدیثِ رسولؐ لا تشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد (الحدیث)۔ کی رو سے ایسے مقدس مقامات، جن کی زیارت کے لئے شدِّ رحال کی اجازت ہے، صرف تین ہیں، مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسجدِ اقصیٰ، اس حدیث کے مطابق ان تین مقامات کے علاوہ کسی جگہ کے لئے بطورِ خاص تقرّبی سفر جائز نہیں ہے۔

لیکن اہلِ تشیع اور اہلِ سنت کے لیبل سے آراستہ ایک گروہ۔ مولانا احمد رضا خاں کے پیروکار ہر پختہ قبر، قبہ اور گنبد نما عمارت کو مقدس، متبرک اور مزار (جائے زیارت) سمجھتے ہیں۔ شدِّ رحال کرکے وہاں جانے کو نہایت سعادت کا باعث ہی نہیں گردانتے، بلکہ حاجت روائی کے لئے بھی اکسیر سمجھتے ہیں۔ قبروں میں مدفون افراد و اشخاص کو حاجت روا، مشکل کشا، سمیع و بصیر، نافع و ضار، متصرف الامور اور دیگر خدائی صفات سے متصف مانتے ہیں۔ جس کا مشاہدہ پاک و ہند، ایران اور دیگر ممالک میں کیا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان قبروں پر خانہ کعبہ کی طرح طواف کیا جاتا ہے، خانۂ کعبہ ہی کی طرح انہیں منوں عرقِ گلاب سے غسل دیا جاتا ہے، حج کی طرح سالانہ عرس کئے جاتے ہیں۔ اور انہیں حج کے مترادف سمجھا جاتا ہے، ان کے نام کی نذر و نیازیں دی جاتی ہیں، ان کی قبروں پر سجدہ تک روا رکھا جاتا ہے، ان کے نام کی بعض جگہ نمازیں تک پڑھی جاتی ہیں، ان سے استمداد اور استغاثہ کیا جاتا ہے۔ الغرض ان قبروں میں مدفون افراد کو مقامِ الوہیت پر فائز

ان مقامات کو خانۂ کعبہ کی طرح متبرک و مقدس سمجھا جاتا ہے۔ یوں شریعتِ اسلامیہ کے بالمقابل ایک نئی شریعت بنائی گئی ہے۔ اور دینِ اسلام کے متوازی ایک نیا دین گھڑ لیا گیا ہے جس میں سنت کی جگہ بدعت کی اور توحید کی جگہ شرک کی فرماں روائی ہے جہاں خوف و رجاء کا مرکز اللہ کی ذات نہیں، مُردہ بزرگ ہیں اور جہاں ان فوت شدگان ہی کو تمام اختیارات کا منبع اور سرچشمہ سمجھا جاتا ہے۔

ظاہر بات ہے کہ کوئی مردِ مومن جس کو اللہ تعالیٰ نے تمکن فی الارض عطا فرمائے، اقتدار و اختیار سے بہرہ ور کرے اور جلالِ شاہی سے نوازے یہ کاروبارِ لات و منات برداشت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ کے زیرِ نگیں جب یہ مقدس مقامات (حرمین شریفین) آئے اور انہوں نے دیکھا کہ۔

مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں

کے مطابق لوگ پختہ قبروں اور قبّوں کو پوجتے ہیں۔ انہوں نے اپنی لَو، اللہ سے لگانے کی بجائے مُردوں سے لگائی ہوئی ہے تو انہوں نے وہی کام کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں کیا تھا اور جسے بعد میں پھر حضرت علیؓ نے بھی اپنے دورِ خلافت میں کیا کہ تمام پختہ قبریں اور قبے ڈھا دیے اور انہیں عام قبروں کی طرح کر دیا تاکہ شریعت سے ناواقف عوام پہلے کی طرح وہاں مشرکانہ امور سرانجام نہ دے سکیں۔

جیسا کہ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ابو الہیاج اسدی کو یہ فرمایا کہ۔

"کیا میں تمہیں اس کام پر مامور نہ کروں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کروایا تھا اور وہ یہ ہے کہ جاؤ جو بھی تصویر یا مجسمہ (تمثال) تمہیں نظر آئے، اسے مٹا دو اور جو قبر زیادہ اونچی ہو اسے برابر کر دو۔"

حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں۔

عن ابی الھیاج الاسدی قال قال لی علی بن ابی طالب الا ابعثک علی ما بعثنی علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا تدع

تمثالاً الا طمسته ولا قبراً مشرفاً الا سويته۔

(صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب الامر بتسویة القبر، حدیث نمبر ۹۶۹)

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو پختہ (چونا گچ) کرنے، ان پر مجاور بن کر بیٹھنے اور ان پر عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے۔

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يجصص القبر وان يقعد عليه وان يبنى عليه

(صحیح مسلم، کتاب الجنائز، ج ۲، ص ۶۶۷، حدیث نمبر ۹۷۰، طبع بیروت)

نیز حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود و نصاریٰ پر اس وجہ سے لعنت فرمائی کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں اور نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا اور آپؐ نے اپنی امت کو اس طرح کرنے سے منع فرمایا۔

لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبيائهم مساجد۔

(صحیح مسلم حدیث ۵۳۰)

الا وان من كان قبلكم كانوا يتخذون قبور انبيائهم وصالحيهم مساجد الا فلا تتخذوا القبور مساجد انى انهاكم عن ذالك۔

(صحیح مسلم ج ۱، ص ۳۷۷ حدیث ۵۳۲)۔

اور ایک حدیث میں ایسے لوگوں کو جو نیک آدمیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ (عبادتگاہ) بنا لیتے ہیں عنداللہ بدترین خلائق قرار دیا۔ فرمایا۔

ان اولئك اذا كان فيهم الرجل الصالح فمات بنوا على قبره مسجدا وصوروا فيه تلك الصور اولئك شرار الخلق عند الله يوم القيامة۔

(صحیح مسلم ج ۱، ص ۳۷۶، حدیث ۵۲۸ طبع بیروت، کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ)

اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر بھی اسی اندیشے کی وجہ سے کسی کھلی جگہ کی بجائے حجرے کے اندر بنائی گئی۔

فلولا ذلک ابرز قبرہ غیر انہ خشی ان یتخذ مسجداً۔

(صحیح مسلم ج ۱، ص ۳۷۶)۔

سلطان عبدالعزیزؒ نے اسلام کی ان واضح اور دو ٹوک تعلیمات کی روشنی میں پختہ قبروں اور قبوں کو ڈھا کر تمام قبروں کو یکساں کر دیا۔

سعودی حکومت کا عظیم تاریخی و اسلامی کارنامہ: بانی مملکت سعودیہ جناب سلطان عبدالعزیزؒ نے یہی کام کیا ہے جس کی وضاحت اور تاکید حضرت علیؓ کی مذکورہ بالا روایت اور دیگر روایات میں کی گئی ہے۔ اور جس پر الحمد للہ ان کے فرزندانِ والا تبار حفظہم اللہ تعالیٰ بھی گامزن ہیں۔ یہ اسلام کی ایک نہایت عظیم الشان خدمت ہے جس کی توفیق اللہ تعالیٰ نے اس دور میں آلِ سعود اور آلِ شیخ کو عطا فرمائی۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء عن جمیع المسلمین۔ پختہ قبریں ڈھانے کے علاوہ انہوں نے کچھ نہیں کیا۔ کسی قبر کی بے حرمتی نہیں کی، کسی مقامِ مقدس کو انہوں نے نہیں ڈھایا لیکن بدقسمتی سے برصغیر پاک و ہند میں جو اسلام رائج ہے اس میں پختہ قبریں اور ان پر قبوں کی تعمیر نہ صرف جائز ہے بلکہ وہاں پوجا پاٹ کے دیگر مراسم بھی بکثرت بجا لاتے جاتے ہیں۔ اس لئے اس قسم کے لوگوں نے اس وقت بھی سلطان عبدالعزیزؒ کے خلاف یہی پروپیگنڈہ کیا تھا جس کا اعادہ اب ۶۲ سال کے بعد کیا جا رہا ہے۔

یہ ۱۹۲۴ء، ۱۹۲۵ء کا واقعہ ہے۔ راقم چاہتا ہے کہ اس کی ضروری تفصیل یہاں پیش کر دی جائے تاکہ ایک تو پروپیگنڈے کی حقیقت واضح ہو جائے، دوسرے سلطان عبدالعزیزؒ کے اقدام کی نوعیت سے لوگ آگاہ ہو جائیں اور عوام کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ اس سلسلے کے حقائق و واقعات اس دور میں شائع ہو چکے ہیں جب سلطان عبدالعزیز (والد شاہ فیصل، شاہ خالد و فہد وغیرہ) نے سرزمین حرمین سے شریف حسین مکہ (جو انگریز کا حمایتی و طرفدار تھا اور جس نے ملا عالمِ اسلام کے مسلمانوں کے لئے حج کرنا انتہائی دشوار بنا دیا تھا) کا اقتدار ختم کر کے نجد و حجاز کا انتظام سنبھالا اور تمام پختہ قبریں مسمار کر کے ان کو شریعتِ اسلامیہ کے مطابق کر دیا تھا۔ سلطان کے اس اقدام کو چونکہ خلافِ شریعت ثابت نہیں کیا جا سکتا تھا

اس لئے توہم پرست لوگوں نے الزام تراشی کا راستہ اختیار کر کے اپنے دل کا بخار نکالا اور اس طرح من گھڑت چیزیں پھیلائیں کہ سلطان عبدالعزیزؒ نے کئی مسجدیں مسمار کردی ہیں، قبروں کی بے حرمتی کی ہے اور یہ شخص اب روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حرمتی کرنے سے بھی باز نہیں آئے گا وغیرہ وغیرہ۔

چنانچہ اس دور میں تحقیقِ حال کے لئے ہندوستان (متحدہ ہند) سے علماء کا ایک وفد مرکزی خلافت کمیٹی کی طرف سے (جس میں چوٹی کے علماء، داعیان اور ممبران کونسل شامل تھے) خود حجاز گیا اور وہاں کے تمام حالات کا جائزہ لیا اور وہاں کے فرمانِ بالا اور خود سلطان عبدالعزیزؒ سے مل کر اصل حالات معلوم کئے۔ اس وفد نے وہاں سے واپس آکر جو رپورٹ دی وہ اس وقت شائع ہوگئی تھی، یہاں اس رپورٹ سے چند اہم اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں تاکہ انہدام قبور و قباب کے الزام کی حقیقت واضح ہو جائے۔

وفد مذکور نے جب مآثر و مقابر کے گرانے سے متعلق استفسار کیا تو سلطان نے اس کے جواب میں جو کہا وہ وفد کے الفاظ میں حسب ذیل ہے۔

"مآثر و مبانی کی سر دست اس طرح اصلاح کرادی جائے گی کہ ان کا احترام قائم رہے اور یہ محفوظ رہیں لیکن ان کی دوبارہ تعمیر کے متعلق انہوں نے صاف صاف فرمایا کہ بلادِ مقدسہ میں صرف شریعتِ اسلامیہ ہی کے موافق فیصلہ کیا جائے گا اور اسی قانونِ شرعی کا یہاں نفاذ ہوگا۔ جس کی تشریح سلف صالح اور ائمہ اربعہ نے کی ہے۔ اگر دنیا کے محققین علماء اس کا فیصلہ کردیں کہ دوبارہ ان مآثر کا تعمیر کرنا ضروری ہے تو میں سونے چاندی سے انہیں تعمیر کرانے کے لئے مستعد ہوں۔ اسی طرح مدینہ منورہ کے تمام مآثر اور مبانی کا جو دنیا کے محققین علماء فیصلہ کریں گے اس کے موافق عمل کیا جائے گا اور علماء کے فیصلے سے قبل کی تمام چیزیں اصل شکل پر قائم رکھی جائیں گی۔ البتہ روضۃ الرسول ﷺ کے متعلق کسی بحث کی ضرورت نہیں، اس کا تحفظ اور بقاء ہر مسلمان کا فرض ہے اور جس کی حفاظت کے لئے میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ میں اپنی جان اور تمام خاندان کو قربان کردوں گا۔ اسی لئے میں نے مدینہ منورہ میں ایسی فوج بھیجی

ہے جو مصالح شناس ہے اور انشاء اللہ وہ تمام مآثر کا احترام محفوظ رکھے گی۔"
ہم (وفد) نے صرف اسی زبانی گفتگو پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ ان تمام مسائل کے متعلق
سلطان عبدالعزیز سے ایک بلاغ لکھوایا اور جو رپورٹ کے ساتھ منسلک ہے۔ (رپورٹ ص۱۱)
وفد مذکور نے سلطان مرحوم سے جو تحریری بلاغ (اعلان) حاصل کیا تھا اس کا
ترجمہ رپورٹ ہی سے درج ہے۔

اعلان عام :-

عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن الفیصل السعود کی طرف سے، مشرق و مغرب کے مسلمانوں
کے نام :

الحمد للہ الذی لا الٰہ الا ھو، والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ
محمد۔ جو روز قیامت میں شفیع ہوں گے۔

"اما بعد! یہ کہ میں نے وفد جمعیت خلافت ہند اور جمعیۃ العلماء کے نمائندوں سے
ان مسائل کے متعلق گفتگو کی جن کا علم مسلمانوں کو ضروری ہے اور جن کے متعلق
ہمارے خیالات کی حقیقت جاننا اہم ہے، پورے اخلاص و صراحت کے ساتھ گفت
و شنید ہوئی اور خدا کا شکر ہے کہ ہمارے اور ان کے درمیان تمام مسائل
زیر بحث میں پورا اتفاق ہو گیا۔

حق کے دشمن اور باطل کے دوست افتراء کر رہے ہیں اور مسلمانوں میں
تفرقہ پھیلانے اور اپنی سعی باطل سے اللہ کے نور کو بجھانے کی کوشش کر رہے
ہیں اور سیدھے سادے مسلمانوں کے قلوب میں غلط خیالات پیدا کر رہے ہیں جنہیں
حقیقتِ حال کا پتہ نہیں ہے اور جو نہیں جانتے کہ ہماری پالیسی کیا ہے؟ ان
افتراء پردازیوں کے تدارک کے لئے میں حسب ذیل اعلان کرتا ہوں جس سے
دلائل کی روشنی میں حق و باطل کی تمیز ہو جائے گی۔

میں ان قوتوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے ہمارے ساتھ حق کی مدافعت

کی اور ہندوستانی قوم کا خاص طور پر شکر گزار ہوں کہ اس نے ایسے وقت میں عربوں کی حمایت کا بیڑا اٹھایا اور ان کے قضیے کی طرف توجہ دی جب کہ عرب خود آپس کی آویزش و عداوت میں مبتلا ہو کر اپنے دینی اور وطنی فریضے کو بھول چکے تھے میں اس لئے بھی مسلمانانِ ہند کا خاص طور پر شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے سب سے پہلے میری دعوت پر لبیک کہی۔ اللہ انہیں بہتر جزا دے۔

۲۔ میں اب بھی اسی قول پر قائم ہوں جس کا اظہار میں نے عالم اسلامی کو دعوت دیتے وقت کیا تھا یعنی مؤتمر کے انعقاد کی ضرورت ہے، جو ان امور پر غور کرے جو حجاز کے تمام مسلمانوں کے لئے اہمیت رکھتے ہیں۔ راستے کی اصلاح و حفاظت، ہر زائر کے لئے راحت و آرام کے وسائل کی فراوانی، ڈاک وغیرہ کے امکانی سہولت ایسے امور کے انتظام کے متعلق حجاز میں ہم اور وہ مل کر ذمہ داری قبول کریں۔ راستے کھلنے کے بعد[1] ہی عنقریب ایسی مؤتمر اسلامی کی دعوت پھر دی جائے گی۔

۳۔ حجاز کی کامل آزادی کی حفاظت ہم اپنی جان تک سے کریں گے کہ غیر مسلم کا اثر حجاز میں قائم نہ[2] ہو۔ اسی میں ہمارے دین و شرف کی حفاظت ہے۔

۴۔ بلادِ مقدسہ کا قانونِ عام شریعت اسلامیہ کے مطابق ہوگا اور تمام مسائل کا فیصلہ غور و خوض کے بعد تمام ممالک کے مشورہ سے کریں گے۔

۵۔ میں اس بات کو نہایت زور و تاکید کے ساتھ آپ سے کہتا ہوں کہ مدینہ منورہ حرمًا آمنًا کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں قتل و غارت و بربادی جائز نہیں، اس کے شرف و احترام کی حفاظت کی وجہ سے میں عرصے سے صرف اس محاصرے پر اکتفا کر رہا ہوں، حالانکہ

---

[1] سلطان کا اس وقت تک پورے حجاز پر کنٹرول قائم نہیں ہوا تھا اور بعض علاقوں میں ابھی تک جنگ یا حالت جنگ موجود تھی جس کی وجہ سے راستے مخدوش تھے۔

[2] سلطان مرحوم کے متعلق ان کے دشمنوں اور مذہبی مخالفین نے یہ افواہ بھی اڑائی تھی کہ سلطان انگریزوں کا حامی ہے اور اب وہاں انگریز کا تسلط ہو جائے گا۔ سلطان مرحوم نے ان الفاظ میں اس افواہ کی تردید کی ہے۔

اس میں بہت مالی نقصان ہو رہا ہے اور حالانکہ اللہ کی مدد سے میں مدینہ منورہ پر ایک گھنٹے میں قبضہ کر سکتا ہوں لیکن میں عباد و عباد کی سلامتی چاہتا ہوں۔ میں نے لشکر کو حکم دے دیا ہے کہ کسی صورت میں مدینہ پر ہجوم نہ کرے اور اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک کہ دشمن خود ہتھیار ڈال کر حوالے نہ کر دے مدینہ منورہ میں جو عمارتیں ہیں ان کے متعلق سابقہ دفاع کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

ہمارے دشمن مشہور کر رہے ہیں کہ جب ہم مدینہ پر قبضہ کریں گے تو روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو منہدم کر دیں گے۔ حاشا۔ کوئی مسلمان ہرگز ایسا نہیں کرے گا۔ اگر کوئی ایسا کرے تو میں اس کی حفاظت میں اپنی جان، مال، اولاد قربان کر دوں گا۔ میں اللہ کے حرم مکہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم مدینہ میں کوئی فرق نہیں کرتا ہوں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کو حرم بنایا جس طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم کیا، میری اللہ سے دعا ہے کہ اس کام کی توفیق دے جس سے وہ راضی ہو۔"

۲۰ ذوالحجہ ۱۳۴۳ھ۔ مہر سلطان

بہرحال گزشتہ تفصیلات سے واضح ہے کہ سلطان عبدالعزیز پر مقدس مقامات کی بے حرمتی کا الزام بے ثبوت اور خانہ ساز ہے۔ بعض پختہ قبریں اور ان پر بنے ہوئے گنبد اگر کہیں ڈھائے گئے ہیں تو اس سے مقصود کسی کی اہانت و تنقیص ہرگز نہیں بلکہ شریعت اسلامیہ کا حکم سمجھ کر ایسا کیا گیا ہے۔

سلطان عبدالعزیز مرحوم کا یہ چیلنج ابھی تک تشنۂ جواب ہے کہ اگر دنیا کے محقق علماء شریعت اسلامیہ کی رو سے پختہ قبروں اور ان پر گنبد وغیرہ تعمیر کرنے کا جواز و استحباب مہیا کر دیں تو میں ان مآثر و مبانی کو دوبارہ سونے چاندی سے تعمیر کرنے کے لئے تیار ہوں۔

افسوس ہے کہ اس چیلنج کو تو ان کے مذہبی مخالفین نے قبول نہیں کیا اور کوئی معقول ثبوت قبروں کے پختہ بنانے اور ان پر قبے تعمیر کرنے اور وہاں دیگر امور و مراسم کی ادائیگی کا تو پیش کیا نہیں، لیکن آج جب کہ یہ بحث کبھی کی ختم ہو چکی ہے۔ اسے دوبارہ اٹھا کر اس سعودی حکومت کے خلاف عوام کے ذہنوں کو مسموم کرنے کی سعی کی جا رہی ہے جو اس وقت اپنی بعض کوتاہیوں کے

باوصف عالم اسلام کی ایسی واحد اسلامی مملکت ہے جہاں اسلامی سزائیں نافذ ہیں اور عدل و انصاف کا دور دورہ ہے اور عالم اسلام اور مسلمانانِ عالم کی فلاح و بہبود کے لئے اس کے خزانوں کا منہ کھلا ہوا ہے اور جس کے حسنِ انتظام وسعی سے اطراف و اکنافِ عالم میں اسلام کی تبلیغ واشاعت کا کام پورے خلوص اور تن دہی سے جاری ہے اور پاکستان کے ساتھ بالخصوص جس کے خصوصی برادرانہ وہمدردانہ تعلقات ہیں اور اس کے عمر ولیسر کا وہ بے لوث ساتھی ہے۔

الغرض جس لحاظ سے بھی دیکھا جائے سعودی حکومت کے خلاف اس انداز کی مہم جس کا مظاہرہ "حج سیمینار"۔ "القدس سیمینار"۔ "یوم جنت البقیع" اور "حجاز کانفرنس" وغیرہ میں دیکھنے میں آرہا ہے کوئی جواز نہیں ہے۔ اس لئے اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ ایک طرف تو یہ تحقیق کی جائے کہ اس پردہ زنگاری کے پیچھے کون ہے؟ اس کے محرکات ودواعی کیا ہیں؟ اور وہ اصل ہدایت کار کون ہے جس کی تحریک وایماء پر یہ اداکاری کی جارہی ہے اور دوسری طرف اس فتنے کی سرکوبی اور شرک وبدعت کے استیصال کے لئے تمام موحد مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا جائے۔ تیسرے نمبر پر جن شاہینوں کو "صحبتِ زاغ" خراب کر دیا ہے اور وہ غلط پروپیگنڈے کا شکار ہو کر دشمنانِ اسلام کے مکروہ عزائم کی تقویت کا باعث بن رہے ہیں انہیں سمجھایا جائے اور ان کے دلوں کو شرک وبدعت کی آلائشوں سے پاک کرکے انہیں توحید وسنت کے نور سے منور کیا جائے۔

قافلۂ جہاد کے سپہ سالارِ اعظم

سیّد احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ

کے

مختصر حالات و واقعات

(دوسری و آخری قسط)

مولانا عبدالرؤف رحمانی ۔ ناظم مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال۔

سید احمد شہیدؒ کے خلفاء مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی کا تحریک جہاد میں سرگرم حصہ لینا:

جوں ہی مارچ ۱۸۴۶ء میں کشمیر کا علاقہ ۷۵ لاکھ روپے کے عوض راجہ گلاب سنگھ ڈوگرہ کے حوالہ کیا گیا معاً ادھر مجاہدین ہند کے صدر مرکز بمقام ستھانہ مولانا ولایت علی کی سرپرستی میں ایک تاریخی جلسہ منعقد ہوا جس میں فیصلہ ہوا کہ کشمیر اور اس کے گرد و نواح کی تمام ریاستیں اور ضلع ہزارہ سکھوں اور ڈوگروں کے وجود سے پاک کر دیا جائے اور اس سارے ملک کو دارالاسلام بنا کر اس میں خلافت راشدہ کا نظام علیٰ منہاج النبوۃ قائم کیا جائے جاننا چاہئے کہ مولانا ولایت علی اور ان کے بھائی مولانا عنایت علی دونوں بھائی حضرت سید صاحبؒ بریلوی کے جلیل القدر خلفاء میں سے تھے سید صاحب کی شہادت بالاکوٹ کے موقع پر ہندوستان میں تبلیغ جہاد پر مامور تھے۔ وہاں سے کچھ مدت کے بعد دونوں بھائی مجاہدین کے مرکز ستھانہ میں پہونچ کر سکھوں کے خلاف جہاد میں مشغول ہو گئے ان حضرات کی سرپرستی میں ایک متوازی حکومت ماہ اپریل ۱۸۴۶ء میں قائم ہوئی جس کے امیر سید اکبر شاہ جو بذاتِ خود بھی حضرت سید احمد صاحبؒ کے خلیفہ اور معتمد علیہ تھے۔ (تحریک مجاہدین ۳۲۸)

سکھوں اور ڈوگروں کے تسلط سے مسلمانوں کو نجات دلانے کا عظیم کارنامہ:

آج سے سوا سو سال پہلے جو جہاد کشمیر شروع ہوا تھا وہ بھی مسلمانوں کو سکھوں اور ڈوگروں کی غلامی سے نجات دلانے کے لئے تھا اب یہ جہاد جو اگست ۱۹۴۷ء

میں شروع ہوا تھا وہ بھی اپنی سابقہ اغراض کے تحت یعنی سکھوں اور ڈوگروں کی غلامی سے فرزندان اسلام کو نجات دلائی جاتے تھے اس کی ابتداء بھی حق تعالیٰ نے حضرت سید صاحبؒ بریلوی اور ان کے اتباع کے ہاتھ سے کرائی اب اس جہاد کی اساس بھی حضرت سید صاحب کے اتباع سے دلوائی۔ (تحریک مجاہدین ۲۴۱)

قیام پاکستان میں سید صاحبؒ اور انکے خلفاء کا قابل فخر حصہ: حضرت سید صاحب بریلویؒ قدس سرہٗ کے اتباع خصوصاً مرکز چمرقند نے حصہ لیا اور لے رہا ہے۔ جب کبھی قدرت کا ہاتھ پردہ اٹھائے گا تو پاکستانی ملت اور حکومت کو اس بات کا اعتراف کئے بغیر چارہ نہ رہے گا کہ مسلمانانِ ہند کی کسی داخلی جماعت نے ان کے ملی استقلال کے منوانے، دشمنوں کی متحدہ طاقتوں کے مقابلہ میں اسے ہر موقع پر کامیاب کرانے میں اس قدر حصہ نہ لیا ہوگا جس قدر کہ حضرت سید صاحب کے متبعین کے اس گروہ نے جو ہندوستان سے باہر یاغستان کے پہاڑوں کے اندر چمرقند نامی ایک کالونی کے اندر نہایت گمنامی کی زندگی بسر کرتا رہا، یہی گروہ ہے جس کے مبلغین نے برطانوی عہد کے اندر اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر بھیس بدلے ہوئے برِعظیم ہند کے طول و عرض کے دورے کئے اور متحدہ قومیت کے عہد حاضر کا سب سے بڑا خطرہ ثابت کر کے اس کی لپیٹ سے مسلمانانِ ہند کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی۔ (تحریک مجاہدین ۲۴۳)

سید صاحبؒ کے خلفاء میں مولینا فضل الٰہی صاحبؒ نے سرگرم حصہ لیا: سید احمد شہیدؒ کے خلفاء میں ایک عظیم ہستی امیر المجاہدین مولانا فضل الٰہی صاحبؒ کی ہے آپ کی جدو جہد سے جماعت کے افراد نے بنگال، آسام، برما، اراکان، بہار، چھوٹا ناگپور، یوپی، سی پی، دکن، دہلی، پنجاب، سندھ اور صوبہ سرحد اور سلہٹ میں استصوابِ رائے میں مسلم لیگ کی حمایت میں نمایاں کام کیا اور پٹھانستان کے فتنے کے خلاف بھی اس جماعت نے تاریخی خدمت انجام دیں آپ عین موقع پر وزیرستان میں مسعود قوم کے اس قبیلہ میں پہونچے جس کے بل بوتے پر فقیر ایپی پٹھانستان کی تحریک کو کامیاب بنانا چاہتا تھا آپ کی وجہ سے نہ فقیر ایپی اس قبیلہ کی ہمدردیاں حاصل کر سکا اور پاکستان کے بنیاد و قیام میں

نہ کوئی خلل آیا اور نہ کوئی رخنہ رونما ہو سکا ورنہ پاکستان وجود میں آنے سے پہلے ہی فنا کے پردہ میں روپوش ہو جاتا۔ اس کا تذکرہ پہلے ہی مختصر کیا جا چکا ہے۔

سید احمد شہیدؒ کے قیام پاکستان میں نمایاں اثرات: اللہ نہ کرے اگر پٹھانستان کا فتنہ بھڑک اٹھتا تو یقیناً پاکستان منصہ شہود میں آنے سے پہلے ہی عدم کے پردہ میں ہمیشہ کے لئے گم ہو جاتا۔ مشرقی پنجاب میں سکھوں کے ہاتھ سے مسلمانوں کو جس قیامت نما مصیبت سے دوچار ہونا پڑا ہے اس سے بدرجہا زیادہ پٹھانستان کا فتنہ ان کے لئے نہایت صبر آزما اور مہلک ثابت ہوتا۔ خانہ جنگی کی آگ قبائل آزاد کے ذریعہ بھڑکتی اور سارے پاکستان کو چشم زدن میں بھسم کر دیتی۔ پٹھانستان کے اس فتنہ کی پشت پر چونکہ ہندو قوم کا قارونی سرمایہ اور دولت افغانستان کا قومی رسوخ اور فقیر ہی کا روحانی اقتدار تھا اور ساتھ اس کے مشرقی پنجاب کی طرف سے سکھ قوم اور سکھ ریاست کا عسکری نظام اس کا معاون و مددگار تھا اور پاکستان کے طول و عرض میں کئی ایسے عناصر تھے جو دن رات پاکستان کی ہلاکت اور اس کے لیڈروں کی تباہی کا تماشہ دیکھنے کے لئے ساعت شماری کر رہے تھے اس لئے اس فتنہ کے کامیاب ہونے میں کسی سیاسی مفکر کو شک کرنے کی گنجائش نہیں ہو سکتی، دولت پاکستان کا ایک پیسہ بھی خرچ نہ ہونے پایا کہ قیامت نما فتنہ حضرت سید صاحب بریلویؒ کے متبعین کی حسن تدبیر اور کوشش سے ہباءً منثوراً ہو گیا۔ (تحریک مجاہدین ۳۴۴)

قیام پاکستان پر دیگر ممالک نے ۶ ہزار سے زائد مبارکبادی کا تار بھیجا: سلطنت خداداد پاکستان ان دنوں کے اندر دونوں جہانوں کے پروردگار کی طرف سے تمام عالم اسلامی کے حق میں سب سے بڑی نعمت ہے اس لئے سلطنت کی پرورش کرنا اس کو مضبوط بنانا اسلام کے ہر فرزند پر واجب ہے خواہ وہ ہندوستان کا باشندہ ہو یا عرستان کا ہو یا افغانستان کا اس کے برخلاف ہتھیار اٹھانا، اسلام سے بغاوت کرنا اور جاہلیت کی موت مرنا ہے۔

عالم اسلام کے تمام سلاطین اور وہاں کے علماء اور مشائخ نے (مکہ، مدینہ، بیت المقدس)

بغداد، نجد، یمن، عراق، عرب، شام، فلسطین، لبنان، ترکیہ، مصر، سوڈان، ایران، مراکش، الجزائر، تیونس، طرابلس، ترکستان، جاوا سماٹرا وغیرہ نے) اس کے استقلال اور اس کی اسلامی حیثیت کو مان لیا ہے اور ان کی طرف سے چھ ہزار سے زیادہ مبارکباد کے پیغام بذریعہ برقی تار ارکین دولتِ پاکستان کی خدمت میں پہونچ چکے ہیں۔

(تحریک مجاہدین ۳۰۷-۳۰۸)

سید صاحب کے متبعین کا تقویٰ وایثار: اسی درمیان میں ایبٹ آباد کا ڈپٹی کمشنر اور دوسرے حکامِ ضلع بہت مرتبہ کرڈال میں آئے اور ہندو سکھ قوم کی زمینوں کو آباد کرنے کی انہیں ترغیب دی مگر انہوں نے صاف انکار کردیا اور کہا کہ یہ ان مہاجرین بے پناہ کا حق ہے جو صوبہ بہار سے ہندو مظالم کا شکار ہوکر صوبہ سندھ میں دربدر خاک بسر ہورہے ہیں ان کا یہ ایثار قابلِ مثال ہے یہ تقویٰ و پرہیزگاری اس قوم کے اندر کہاں سے آگئی؟ یہ ان پر حضرت سید صاحب بریلویؒ اور ان کے خلفاء کرام کی روحانیت کا اثر ہے جو ان کو اپنے اسلاف سے درثہ میں نسلاً بعد نسلٍ ملتا چلا آرہا ہے کیا پاکستان کے کسی خطہ کے اندر ایسی شجاع اور صداقت شعار قوم ملتی ہے؟ ہرگز نہیں۔

اس قوم کے روابط شروع سے لے کر اب تک حضرت سید صاحب کی تحریک کے ساتھ برابر چلے آرہے ہیں۔ (تحریک مجاہدین کا آخری دور ۳۵۳)

سید صاحب اور انکے متبعین کا ایک عظیم کارنامہ: کشمیر اور اس کے گردو نواح کی اسلامی ریاستوں (پونچھ، راجوری، جموں وغیرہ) کو سکھ اور ڈوگرہ راج کی غلامی سے نجات دلانے کے واسطے حضرت سید صاحبؒ اور آپ کے خلفاء نے انیسویں صدی میں اور آپ کے موجودہ متبعین نے بیسویں صدی میں جو فدا کارانہ خدمات انجام دیں اور دے رہے ہیں ان کا مختصر حال اوپر بیان ہوا۔ اس بیان سے قارئین کرام پر یہ بات محقق ہو جائے گی کہ جہادِ کشمیر کے پہلے زمانے میں بھی حضرت سید احمد اور آپ کے متبعین نے شروع کیا تھا اور اس زمانہ میں بھی اس جہاد

کی ابتدا کا کام مورخہ ۵ار اگست ۱۹۴۷ء کو شروع ہوتا ہے اور آزاد مسلم کشمیر اسٹیٹ والوں کا ۲۴ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو دو ماہ سترہ دن بعد سید احمد صاحب کی مقدس تحریک کے حامیوں کی پشت پر کوئی طاقت نہیں سوائے توکل خداوندی کے دوسروں کی حوصلہ افزائی کے صدہا ہزار وسائل میں اس منعم حقیقی کی بندہ نوازی کی شان پر قربان جائیں جس نے ہمیں اس خدمت کے لئے نوازا۔ اس ذرہ نوازی کا شکریہ۔ منرطے کے الفاظ میں یہی ہو سکتا ہے۔

سرد اگلا اختصار می باید کرد — یک کار ازیں دوکار می باید کرد
یا تن برضائے دوست می باید کرد — یا قطع نظر ز دوست می باید کرد

سردار عبدالقیوم خاں مجاہد آزاد کشمیر کا ذکر جمیل: اس نوجوان کا نام عبدالقیوم خاں ہے۔ سردار کے لقب سے معروف ہے تحصیل باغ کے موضع کھیالہ کے ایک پرانے زمیندار خاندان کا فرد ہے اس کے اسلاف نے بہت نیک نامی سے ریاست پونچھ میں زندگی بسر کی ہے وہ ڈھونڈ قبیلہ کا سرکردہ ہے جو حسب ونسب کی طرف سے قریش کے مشہور شاخ بنی عباس سے ہے، وہ میدان جنگ میں ایک پختہ کار اور عقائد سیاسی میں اپنے اسلاف رحمہم اللہ کی طرف سے حضرت سید احمد صاحب بریلوی کے سلسلہ میں داخل ہے اس سلسلہ کی تجدید سردار مذکور نے مولانا فضل الٰہی کے ہاتھ پر ماہ فروری ۱۹۴۸ء کو اسی تاریخ میں کی جس تاریخ کو حضرت مولانا ولایت علی جو حضرت سید احمد صاحب بریلوی کے خلیفہ اکبر تھے۔

اس رسالہ کے مرتب عبدالرؤف رحمانی جھنڈا نگری کا بیان ہے کہ آج کل دس بارہ برس سے رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے ممبر ہیں، بہت ہی خوش اخلاق اور شرافت اور حسن وخلق کے بہترین نمونہ ہیں، میری ملاقات رابطہ کے مجالس میں ان سے اکثر و بیشتر ہوتی رہتی ہے۔ بہت ہی نفع بخش اور خیر پسند ہیں اور اب تو مملکت آزاد کشمیر کے صدر ہیں ان کے ساتھ ان کی وزارت کے دو تین آدمی رہا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کے نیکیوں اور خوبیوں کو قبول کرے۔ (تحریک مجاہدین ۳۷۱)

نیپال کے راجہ اور ہندوستان کے راجاؤں نوابوں کو ریشمی خطوط کے ذریعہ تحریک جہاد کی اطلاع:

ہندوستان پر حملہ کے وقت مجاہدین کے وفود راجاؤں اور مہاراجاؤں کے پاس ریشمی چھٹیاں لے کر گئے انگریزی حکومت میں اس کے خلاف بغاوت کی چھٹیاں راجاؤں اور مہاراجاؤں تک پہونچانا بہت مشکل تھا جس مجلس میں یہ کارروائی ہو رہی تھی اس میں حضرت مولانا فضل الٰہی بھی گئے ہوئے تھے اور صوفی عبداللہ بھی وہاں موجود تھے یہ ذمہ داری اٹھانے کے لئے کہا گیا تو سب خاموش ہو گئے حضرت مولانا نے صوفی صاحب کی طرف دیکھا تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت میں حاضر ہوں چنانچہ سات چھٹیاں ان کے سپرد ہوئیں، صوفی صاحب خود بیان کرتے ہیں کہ میں پہلے دہلی میں حافظ اسحاق صاحب کو ملا وہاں کچھ چیزیں ان کے پاس رکھ کر پہلے راجہ نیپال کے پاس گیا راجہ سے ملنے کے لئے پہلے اسی حلقہ کے امیر مولوی لیاقت علی صاحب سے ملا وہ ببری قیصر میں رہتے تھے وہاں اور بھی ہمارے آدمی تھے انہوں نے ایک ٹھیکیدار اور مولوی لیاقت علی صاحب کی معرفت پیغام دیا کہ محمد عمر کی ملاقات راجہ سے کروانا ہے ۔ (اس سفر میں صوفی صاحب محمد عمر کے نام سے کام کر رہے تھے مجاہدین کا کوڈ نام کی تبدیلی سے ہی ہوا کرتا تھا) ٹھیکیدار نے وقت مقرر کر کے کہا کہ تم میرے پیچھے چلے آنا راستہ میں کسی چوبدار نے روکنے کی کوشش کی تو ٹھیکیدار نے روکنے نہ دیا حتیٰ کہ دونوں ٹھیکیدار اور پیچھے صوفی صاحب نے وہ ریشمی رومال والی چھٹی نکال کر دے دی۔ راجہ نے جب خط پڑھا تو انگلی اپنے دانتوں تلے دبا کر بہت حیرت زدہ ہوا فوراً حکم دیا کہ میرا شاہی مہمان خانہ کھول کر انہیں رکھو، لیکن ٹھیکیدار نے کہا نہیں، یہ میرا مہمان ہے چنانچہ راجہ نے جواب میں کہا کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں بے فکر رہیں اور دس ہزار روپیہ نقد اور ایک ہاتھی دیا کہ اگر کسی قسم کی تکلیف یا گرفتاری وغیرہ ہو تو دے دلا کر نکل جانا چنانچہ صوفی صاحب پھر لیاقت علی کے پاس آئے اور وہ روپیہ بھی اور اس ہاتھی کی قیمت بھی جو دو ہزار کا فروخت ہوا تھا سب ان کے پاس مجاہدین کے لئے جمع کروا دی۔

اسی طرح کی ریشمی چٹھی راجہ جودھپور اور ایک راجہ جے پور اور ایک راجہ گوالیار کو دی وہاں ایک شخص مانین جی خدا بخش ریاست جودھپور میں راجہ کا نہایت ہی محبوب نظر اور مقرب آدمی تھا نین جی کا دادا راجہ کے جانوروں کے لیے چارہ کا ٹھیکیدار تھا اور خاندانی طور سے وہ راجہ کا مقرب تھا، خود بھی مجاہدین کو چندہ دیتا تھا اور پانچ ہزار راجاؤں سے بھی چندہ دلایا کرتا تھا کیونکہ رئیس آدمی ہونے کی وجہ سے اس سے تعلقات کافی تھے جودھپور کے راجہ نے ۵ ہزار روپیہ نقد دیا تھا اور خط کے جواب میں کہا تھا کہ ان کے آنے پر ہم ان کے ساتھ مل کر کام کریں گے بے فکر رہیں یہ روپیہ صوفی صاحب کو اپنی حفاظت کے لئے دیا تھا۔ جے پور کے راجہ کو جب نین جی کی معرفت خط دیا گیا تو اس نے مبلغ سات ہزار روپیہ دیا تھا گوالیار کے راجہ کو بھی نین جی کی معرفت خط دیا گیا تھا ایک خط اندور کو حافظ عبدالغفور صاحب رتلام والوں کی معرفت پہونچایا گیا تھا پھر بھی بمبئی جاکر ایک خط مولوی محمد علی صاحب کو جو محمد علی شوکت علی برادران جنگ آزادی کے بہترین کارکن تھے دیا وہ خط نواب رامپور کو پہونچانا تھا چنانچہ جب ان کو بھی خط دیا گیا تو اس نے بھی یقین دلایا کہ اگر وہ ہمارے ملک میں آجائیں تو ہم ان کی پوری طرح حمایت کریں گے۔ ایک خط نواب بھاولپور کو دیا گیا تھا، بھاولپور کا نواب ابھی بالکل نوعمر تھا اور اس کے ساتھ پہلے ہی راہ ورسم کافی تھی اس کا والی رحیم بخش تھا اس کی معرفت خط دیا گیا ان کے مشیر کار عبدالرحمن صاحب تھے ہر سال انہیں کے معرفت روپیہ ملتا تھا وہ دو ہزار روپیہ ہمیں مجاہدین کے لئے دیا کرتے تھے۔

تحریک مجاہدین میں نیپال کے ایک نوجوان نے شریک ہو کر اسلام کا نام بلند کیا:

مولانا سید احمد شہید کی تحریک جہاد اتنا بلند اور ہمہ گیر ہوا کہ ہندوستان کے مختلف لوگوں میں جہاد اور دعوت و تبلیغ کے علاوہ ملک نیپال تک مجاہدین کی دعوت ان کے تمام سرگرم مجاہدین کے ذریعہ پہونچی نیپال کو یہ شرف حاصل ہوا کہ ریشمی خط میں مجاہدین نے جو پیغام دیا تھا اس کو نیپال کے

راجہ نے آنکھوں سے لگایا اور اس تحریک جہاد کو نیپال تک پہونچنے پر راجہ غش کر اٹھا اور اپنی انگلی کو حیرت زدہ ہو کر دانت سے دبایا لیکن نیپال کے راجہ کی بڑی سعادت تھی کہ اس پیغام رساں مجاہد کی قدر دانی فرمائی اور ان کو ایک ہاتھی اور دس ہزار روپیہ نقد عطا فرمایا۔ آپ کیلئے دشوار گزار راستے میں یہ تحفے کام آئے گا۔ نیپال کے راجہ کا مورخین نے نام نہیں لکھا اور ہم بھی اس زمانہ کے راجہ کا نام بتانے سے قاصر ہیں لیکن اپنے ملک نیپال کی یہ بڑی ہی خوش نصیبی سمجھتے ہیں کہ مجاہدین کے پروگرام میں ہمارے راجہ نے ہر طرح کی حمایت ونصرت کی۔ کسی عربی شاعر کا شعر ہے۔ ؎

احب الصالحین ولست منهم لعل الله یرزقنی صلاحا

اب ایک اور جاندار واقعہ نیپال کے ایک نوجوان کا ہم پیش کر رہے ہیں جس کو سید احمد شہیدؒ کی صحبت ورفاقت نصیب ہوئی تھی اگرچہ وہ نوجوان غیر مسلم تھا اور پٹنہ بہار میں اس نوجوان کی ملاقات سید صاحب کی ذات بابرکات سے ہوئی تھی وہ چہرہ انور کو دیکھتے ہی اسلام کی سچائی اور اس کی صداقت کے قائل ہو گئے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ اللہ کے مخلص بندے کچھ ایسے ہیں جسکو دیکھ کر اللہ یاد آجاتا ہے۔ اسی طرح اس کے قلب پر بڑا اچھا اثر قائم ہوا کہ وہ اپنے ہندو مذہب سے تائب ہو کر آپ کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد اس نومسلم نوجوان کے بیٹے حافظ عبد الکریم نے مجاہدین کی صف میں رہ کر جو نمایاں کام انجام دیا اس کی پوری تفصیل ذیل کے واقعات میں پڑھئے۔

مجاہدین کی تحریک میں جس اطراف وجوانب کے تمام غیرتمند مسلمان شریک تھے اسی طرح نیپال کے کچھ نوجوان بھی اس تحریک میں شامل تھے جس زمانہ میں حضرت سید احمد شہیدؒ بریلوی پٹنہ بہار میں موجود تھے حافظ عبد الکریم صاحب کے والد وکالت کا امتحان دینے کے لئے پٹنہ گئے تھے جہاں ان کی خوبی قسمت نے حضرت سید احمد صاحب سے ملاقات کا شرف عطا فرمایا سید صاحب کو دیکھتے ہی ان پر اسلام کی حقیقت واضح ہو گئی اس نے آپ کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا۔ حضرت سید احمد صاحب نے اس نوجوان کو اسلام کی تبلیغ اور تحریک جہاد کے لئے اپنا خلیفہ مقرر کر دیا اس کے ہاتھ پر ہزاروں بت پرست اسلام کی نعمت سے

معروف ہوئے ان کے بیٹے حافظ عبدالکریم صاحب بھی مجاہدین کی صف میں شامل تھے اور میدان جہاد میں تلوار چلانے کا حق ادا کر رہے تھے جس طرح وہ تیغ و تفنگ اور تلوار کے دھنی تھے اسی طرح میدانِ ادب کے بھی شہسوار تھے دنیائے عجم میں مشہور دیوان "دیوان گلشن ہدایت" انہیں کا کلام ہے جس کی دعائیہ نظم بہت ہی دردناک اور پُرسوز ہے۔ حافظ عبدالکریم مرحوم ۱۹۶۵ء کی انقلابی تحریک میں ڈھونڈا اور کرڑال کو لے کر مقام لودا پر حملہ آور ہوئے پھر ۱۹۷۴ء میں جنگ ابتک (سرحد کے زاد) کے اندر شریک ہوئے۔ مقابل فوج کا سپہ سالار حیدر حسین تھا جو حافظ عبدالکریم کے ہاتھ سے ایسا زخمی ہوا کہ جانبر نہ ہو سکا۔ ستر سے زیادہ زخم خود حافظ عبدالکریم نے کھائے زخموں سے چور ہو کر گر گئے، گرفتار ہو کر پشاور لائے گئے کچھ صحتیاب ہونے کے بعد پولیس کی حراست سے بھاگ کر مرکز ستھانہ پہونچنے تک کامیاب ہو گئے حافظ عبدالکریم کے بیٹے حافظ شریف احمد صاحب تھے جن کو کابل کے نائب سلطنت سردار نصیر اللہ خاں اور حاجی عبدالرزاق خاں نے گزشتہ جنگ عمومی کے درمیان ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء میں جنگ کے منصب پر مامور کیا۔

اس بیان سے معلوم ہوا کہ ہمارے نیپال کے علاقہ کے نوجوان نے بھی اسلامی جہاد کے اندر حصہ لیا اور دعوت و تبلیغ کے میدان میں بھی انہوں نے اپنا فرض انجام دیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سید احمدؒ کی ملاقات اور ان کی بالمشافہ گفتگو سے اسلام کی عظمت کو لوگ سمجھ جاتے تھے اور ان کے ورع و تقویٰ اور روشن چہرہ کو دیکھتے ہی اتنا متاثر ہو جاتے تھے کہ وہ اپنے مذہب کو چھوڑ کر اسلام کے شیدائی بن جاتے تھے حافظ عبدالکریم بھی نومسلم نیپالی تھے اور پٹنہ میں جب ان کے والد نے اسلام قبول کیا تو انہوں نے بھی اسلام کو قبول کر لیا اور پھر دولتِ اسلام سے مشرف ہونے کے بعد اسلامی دعوت و تبلیغ اور تحریک جہاد میں دونوں باپ اور بیٹوں نے عظیم حصہ لیا۔

تحریک جہاد اور حلقہ ہائے تبلیغ کی توسیع : جس طرح سرحد اور پنجاب و کشمیر میں جہاد و تبلیغ کے حلقے قائم ہوتے تھے اسی طرح ماڑوار میں بھی امیر جماعت مولانا عبدالغنی صاحب کو ماڑوار کے لئے منتخب کیا گیا تھا جماعت

موصوف نے موصوف کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر فیض محمدی میں بیعت کی رسم ادا کی مولانا نے مارواڑ کے بیس شہر و قصبات میں جماعتی نظم کو قائم کیا اسی طویل عرصہ میں جو مجاہد قافلے مارواڑ میں دورے کرتے رہے اور اس بے آب و گیاہ علاقہ کو اپنے فیض سے سیراب کرتے رہے ان کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں ان میں سے کئی بزرگ سرحد پار سفارت پر مامور تھے۔

۱۔ مولوی عبدالمنان خاں ۲۔ مولوی عبیداللہ صاحب (مصنف تحفۃ الہند)

۳۔ مولوی عبدالحفیظ خاں دہلوی ۴۔ مولوی محمد بشیر صاحب سہسوانی

۵۔ مولوی عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی (حسن البیان والے) ۶۔ مولوی محمد سامرودی صاحب

۷۔ مولوی فقیراللہ صاحب پنجابی ۸۔ مولوی عبدالتواب صاحب علیگڑھی

۹۔ مولوی محمد یعقوب صاحب ۱۰۔ مولوی عبدالوہاب صاحب

۱۱۔ مولوی محمد یوسف صاحب جے پوری۔ (مصنف حقیقۃ الفقہ)۔

یہ لوگ بڑی عبقری شخصیت کے مالک اور مشاہیر علماء میں سے تھے۔ یہ تمام حضرات سید صاحب اور ان کے خلفاء کے دور میں تبلیغ و دعوت کے موضوع پر دورے کرتے رہے مولانا محمد بشیر صاحب سہسوانی، مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی، مولوی فقیراللہ صاحب پنجابی اور مولانا محمد یوسف صاحب جے پوری، مولانا عبیدالرحمان صاحب بہت بڑے اور اونچے درجہ کے عالم بلکہ علامۃ الدہر تھے۔

اس طرح کے علم و فن میں مہارت رکھنے والے ہماری موجودہ جماعت اہل حدیث میں کمیاب ہی نہیں بلکہ نایاب ہو چکے ہیں، یہ افاضل علماء اور دانائے روزگار بے مثال و بے مثیل گزر چکے ہیں یہ سب لوگ تبلیغ و دعوتِ دین کے رشتے سے مجاہدین کے حلقہ یاراں میں شامل تھے۔ ؎

رشتہ او در گردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہِ اوست

یہ سید احمد شہیدؒ کی کرامت تھی یہ ان کا اعجاز تھا کہ ان کی زلف گرہ گیر میں سینکڑوں اجلہ علماء گرفتار نظر آتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو تحریک جہاد اور دعوت دین کی وہ مقناطیسی

طاقت کشتی بھی اور سینکڑوں علماء ان کی کشش میں بنفسِ نفیس شریک رہتے تھے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ وارفع درجتہ۔

مسلمانوں کے حالِ زار پر لمحۂ فکریہ: جہاں لاکھوں مسلمان کفار ومشرکین سے محض اسی جرم میں مارے گئے ہوں کہ وہ مسلمان کہلاتے ہیں اور ہزاروں دوشیزہ پاکدامن مسلم عورتوں کی آبرو ریزی، عصمت دری محض اس گناہ کے بدلے ہندو درندوں کے ہاتھوں وقوع میں آئی ہوں کہ وہ اسلام کے نام لیوا ہیں اس طرح ہزاروں شیرخوار بچے آگ کی نذر کر دیئے گئے ہوں لاکھوں فرزندان اسلام کروڑوں روپے کی جائیداد سے محروم کر دیئے گئے ہوں لاکھوں کو جلاوطنی اور دربدری پر مجبور کیا گیا ہو وہاں ان کے انتقام سے صرف نظر کرنے کی کیسے اجازت ہو سکتی ہے؟ جس طرح ہندوستان کے اندر بسنے والے مسلمانوں کی مظلومیت کی خونخوار داستان ایسی نہیں ہے جو ہماری آنے والی نسلوں کو قیامت تک بھول سکے۔ میرٹھ، احمدآباد، بھاگلپور، ملیانہ، بجنور، علیگڑھ، کرنیل گنج وغیرہ کے فسادات کبھی فراموش نہیں کئے جا سکتے ہیں جو نازک حالات آج ہند کے مسلمانوں کو درپیش ہیں اس طرح کے مظالم سکھوں اور ڈوگروں کے ہاتھ سے جموں کشمیر، پونچھ، راجوری، نوشہرہ وغیرہ کے اندر مسلم آبادی کو ہوا ہے اس کی یاد بھی ناقابلِ فراموش ہے۔

ان زہرہ گداز فسادات وواقعات سے ہر مسلم کا گھر آج ماتم کدہ دکھائی دیتا ہے اور ہر مسلمان خوف وہراس میں اپنے آپ کو مبتلا پاتا ہے کوئی زبان نہیں جوان پر مرثیہ خواں نہ ہو اور کوئی آنکھ نہیں جوان پر حزن وملال کے آنسو نہ بہاتی ہو۔

کدام دل کہ ازیں واقعہ دگرگوں نیست
کدام کس کہ ازیں واقعہ جگرخوں نیست
کدام جاں کہ نشد سوختہ آتش غم
کدام چشم کہ از اشک او بجیحوں نیست

عراق کے سفاک اور عیاش صدر صدام حسین کی کہانی
اس کے ذاتی محافظ کریم جبوری کی زبانی

ہمارے ایک دوست اکثر کہا کرتے تھے کہ کسی بھی زندہ شخصیت کو کبھی اپنا آئیڈل نہیں بنانا چاہئے نہ جانے کس گھڑی اس شخص کی ذات کا کوئی ایسا تاریک پہلو نظر کے سامنے آجائے کہ اس کے احترام کا سارا شیش محل پل بھر میں چکنا چور ہو جائے۔ البتہ کوئی شخصیت اگر اپنے کردار کی عظمت کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو تو اسے اپنی عقیدتوں کا محور ضرور بنانا چاہئے!!

اس بات میں وزن تو بڑا ہے ہی مگر مجبوری یہ ہے کہ ہم ایسا کرنے سے قاصر ہیں بن حیث القوم شخصیات کی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کے بارے میں ہمارے رویے اور ہمارے معیار آج بھی فلموں کے معیار سے کم نہیں ہیں۔ ہاتھ میں گنڈاسا لئے، بڑھکیں مارنے والا نہ صرف فلم کی اسکرین پر ہیرو ہوتا ہے بلکہ عام زندگی میں بھی ہم ایسے ہی ہیرو کی تلاش میں رہتے ہیں البتہ کوئی صاحب فکر و نظر سنجیدگی اور متانت کے ساتھ ہمیں اپنی طرف بلاتے تو وہ ہماری ملامتوں کا ہدف بنتا ہے ہم جسے چاہتے ہیں، اسے اس کی تمام تر خرابیوں کے ساتھ اوج ثریا تک لے جاتے ہیں اور جس سے ناخوش ہو جائیں اسے اس کی بے پناہ صلاحیتوں اور بلند کردار کے باوجود عرش سے فرش پر لا پٹختے ہیں۔

ہم بنیادی طور پر جذباتی لوگ ہیں جب کہ ہمارا دشمن زیرک اور چالاک۔ دشمن ہماری کمزوری سے پوری طرح آگاہ ہے۔ وہ اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتا ہے ہمیں جب چاہتا ہے اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال کرتا ہے، ہم بھی وقت کے دھارے کے ساتھ خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتے ہیں۔

خلیج کی جنگ میں بھی ایسی ہی صورتحال دیکھنے میں آئی۔ جنگ کی چنگاری بھڑکنے سے

قبل ایک سازش کے تحت ملک بھر میں صدام حسین کی ایسی تصاویر کی بھرمار کردی گئی ہے
جو کسی نہ کسی طرح ہمارے [illegible] دیکھتے ہر موٹر
گاڑی اور ہر رکشہ سائیکل [illegible] صدام حسین کو نئے دور
کا صلاح الدین ایوبی ثابت کیا [illegible] جنگوں میں کامیابیوں کی نوید سناتے ہوئے
بزرگ نظر آئے لیکن چند ہی دنوں میں عراق کے آڈیمن اور اس کی طلسمی قوت کا راز فاش
ہوگیا۔ اور اس کی سپر طاقت کے سارے دعوے کی قلعی کھل گئی۔

گزشتہ دنوں صدام حسین کے ایک ذاتی محافظ نے امریکہ کے کثیر الاشاعت ہفت روزے
نیشنل انکوائرر کو ایک سنسنی خیز انٹرویو دیا۔ اس انٹرویو میں اس نے صدام حسین کی ذاتی زندگی کے
متعلق چونکا دینے والے انکشافات کئے ہیں۔ ذیل میں ہم اس انٹرویو کا خلاصہ پیش کررہے ہیں۔
یہاں یہ وضاحت غیر ضروری نہ ہوگی کہ اس انٹرویو کا لب و لہجہ اور اس کے الفاظ و سطور ناقابل
بیان حد تک سخت ہیں۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ اس لب و لہجے کو قدرے نرمی اور شائستگی کے
ساتھ آپ کے سامنے رکھیں۔

صدام حسین کے ۳۴ سالہ سابقہ مسلمان محافظ کریم جبوری کا تعلق بغداد کے ایک معزز
اور امیر خاندان سے ہے۔ کریم کے بیان کے مطابق صدام حسین کے ذاتی محافظوں کی تعداد ایک سو ہے
جو بیس بیس کے پانچ گروپوں پر مشتمل ہیں۔ کریم نے ۱۹۸۵ء میں پانچویں گروپ کی شمولیت سے
اپنی ملازمت کا آغاز کیا اور پھر دو سال کے اندر اندر ترقی کرتے ہوئے پہلے گروہ تک پہونچا۔ یہ
صدام حسین کا سب سے زیادہ قابل اعتماد دستہ ہے اور اس کے قریب تر رہتے ہوئے ہر لمحہ اس
کی حفاظت کے لئے مستعد رہتا ہے۔

کریم نے کہا۔ صدام حسین کے بغداد میں ۲۵ گھر ہیں۔ صدام حسین جب کبھی اپنے کسی گھر، دفتر،
باغیچے میں یا کہیں بھی گیا مجھے اس کے ساتھ جانے کا موقع ملا۔ میں نے اس کے ساتھ بہت سفر کیا۔ میں
شروع شروع میں اسے ہیرو سمجھتا تھا مگر وہ پہلا دن جو میں نے اس کی انتہائی قربت میں گزارا۔ وہ
دن اس کی اصل حقیقت کو مجھ پر آشکار کر گیا۔ میں نے اس کی زیرک آنکھوں میں شیطانی قوت دیکھی
میں نے سوچا یقیناً اس کا دماغ شیطان کا گھر ہے۔ میرے خدشات جلد ہی درست ثابت

ہوتے۔ جب میں نے اس کے ہاتھوں معصوم لوگوں کا خون بہتے ہوتے دیکھا۔ پہلا واقعہ ۱۹۸۶ء کا ہے جب ایران اور عراق کی جنگ جاری تھی۔ ایک سرحدی شہر بیجی کے دورے کے موقع پر جب ہم سڑک کے کنارے چل رہے تھے اچانک ایک ضعیف عورت مجمع کو چیرتی ہوئی سامنے آگئی۔ اس کی عمر یہی کوئی ۷۰ سال ہوگی۔ اس نے صدام حسین کو دیکھ کر چلانا شروع کر دیا کہ "تم نے ہمارے خاندان کے واحد لڑکے کو قتل کروا دیا۔ اس کا قصور یہ تھا کہ وہ تمہاری جنگ میں شامل نہیں ہونا چاہتا تھا۔ تم نے میرے نواسے کو گھر سے گھسیٹ کر توپ کے دہانے میں دے مارا اس لئے کہ اس نے تمہاری احمقانہ جنگ میں حصہ نہیں لیا!!"

بوڑھی عورت غصے اور نفرت کے عالم میں چیختی چلاتی رہی۔ صدام حسین نے پہلے تو اپنا سر ہلایا لوگوں کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ اور پھر عورت کے چیخنے چلانے پر اپنی بیلٹ سے بندھا ہوا پستول نکالا اور بڑے اطمینان سے گولی اس کے سینے میں اتار دی۔ عورت نے وہیں دم توڑ دیا۔ اس واقعہ کے ایک سال بعد بالکل ایسا سلوک صدام نے اپنے فوجی جنرل کے ساتھ کیا۔ جس نے محض یہ کہہ کر صدام کے ایک جنگی منصوبے سے اختلاف کیا تھا کہ "اس طرح تو ہزاروں لوگ مر جائیں گے!" صدام اس اختلاف کو برداشت نہ کر سکا اور کئی دوسرے افسران کی موجودگی میں اس جنرل کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

بیشمار نوجوان لڑکیاں صدام کی ہوس کا نشانہ بن چکی ہیں: صدام حسین کو نوعمر لڑکیاں بے حد پسند ہیں۔ ہر جمعہ کو جو مسلمان کا متبرک دن ہے، صدام حسین کے ذاتی ملازم بغداد یونیورسٹی یا مختلف اسکولوں سے ایسی تین معصوم لڑکیاں لے آتے تھے جو اس کی ہوس کا نشانہ بنتی تھیں۔ ان میں سے کچھ کی عمریں تو ۱۵ سال سے زیادہ نہ ہوتی تھیں۔ کئی بار تو ایسا بھی ہوا کہ کچھ بچیاں اس کی خوابگاہ تک لائی گئیں مگر پھر ان کا کچھ پتہ نہ چل سکا کہ کہاں گئیں۔ ہر لڑکی کو واپسی پر زبان بند رکھنے کی ہدایت کی جاتی۔ میں ذاتی طور پر بغداد یونیورسٹی کی اس لڑکی کو جانتا ہوں جس کا نام سلوٰی ہے اور جو صدام حسین کی ہوس کا نشانہ بن چکی تھی مگر محض اپنی زبان پر قابو نہ رکھنے کے باعث ۱۹۸۷ء میں موت کے گھاٹ اتار دی گئی۔ یہ بھی ایک

دلخراش واقعہ ہے جب دو محافظ بِسلوا کے گھر گئے اس کی آنکھوں کے عین درمیان گولی ماری گئی، پھر اس کی لاش ٹرنک میں بند کر کے ایک تھانے میں لاکر پھینک دی گئی عین اس لمحے جب یہ سانحہ رونما ہو رہا تھا، صدام حسین اپنے بستر پر لیٹا ٹی وی کا مشہور پروگرام "لٹل ہاؤس آف دا پریری" دیکھ رہا تھا۔ صدام حسین کا دوسرا پسندیدہ پروگرام "چارلیز اینجلز" ہے۔

میں اس روز صدام کے ساتھ ہی تھا۔ جب ایک محافظ نے آکر اطلاع دی کہ سر مشن مکمل ہو گیا۔ اس جملے کے ساتھ ہی صدام کی گردن ہلی اور اگلے ہی لمحے اس کے پستول کی گولی محافظ کو خون میں نہلا گئی۔

"لٹل ہاؤس آن دا پریری" اس کا نہایت پسندیدہ پروگرام تھا۔ وہ اسے پوری محویت کے ساتھ دیکھتا تھا۔ پروگرام کے دوران کسی کو مخل ہونے کی اجازت نہ ہوتی۔ وہ مائیکل لینڈن کی اداکاری کو بے حد پسند کرتا۔ پروگرام دیکھتے ہوئے اس کی آنکھیں مدہوش اور ادھ کھلی سی ہوتیں۔

صدام حسین نے ایران سے ہونے والی ۸ سالہ جنگ میں عراق کو دیوالیہ کر دیا مگر اس کی عیاشیوں میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ ہر ہفتے ایک بوئنگ ۷۰۷ سے پیرس جایا کرتا اور وہاں سے نصف درجن سوٹ، قمیص، موزے، اٹلی کے بنے ہوئے چمڑے کے جوتے، مغربی پکوان، پھل اور وہسکی کے کریٹ لے کر بغداد لوٹتا اور یہ سب کچھ صرف اور صرف صدام حسین کے لئے ہوتا۔

۱۹۷۹ء میں اس کے برسر اقتدار آنے سے لے کر اب تک نہ جانے کتنے ملین اور بلین ڈالر کا بوجھ صرف اس کے سامان تعیش اور عیاشیوں کے باعث عراقی عوام پر پڑ چکا تھا۔ مثلاً ہر صبح ۵ بجے ایک فوجی ہیلی کاپٹر صحرا کے اندر دور تک جاتا اور وہاں کی اونٹنیوں کا تازہ دودھ (صرف دو پینٹس) لے کر آتا جسے صدام حسین ناشتے میں پیا کرتا۔ صدام حسین صبح ساڑھے چھ بجے سو کر اٹھتا تو ہیلی کاپٹر دودھ لے کر آچکا ہوتا۔ دودھ پیتے ہی وہ اپنے نجی سوئمنگ پول میں کود جاتا۔ تیراکی اس کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ تیراکی کے بعد جو چیز سب سے زیادہ پسندیدہ ہے، وہ جانی واکر اور بلیک لیبل اسکاچ وہسکی ہے گو اسلام میں شراب کی ممانعت ہے مگر وہ دوپہر کے کھانے تک وقفے وقفے سے شراب پینے کا عمل جاری رکھتا۔

دوپہر کے کھانے کے بعد وہ ایک سخت حفاظتی کمرے میں آرام کرتا، جہاں اسے اکثر اپنی جنسی تسکین کیلئے کوئی لڑکی درکار ہوتی۔ یہ ضرورت بعض اوقات اچانک نصف شب کو بھی پیش آجاتی تھی۔ کبھی کبھار شام کے وقت اپنے دوستوں اور اہل خانہ کے ساتھ میوزک کے ساتھ مسرور ہونا کھانا پکانا، ہنسنا اور قہقہے لگانا بھی اس کے مشاغل میں شامل ہو جاتا۔ اسے لوگوں میں گھرے رہنا اور ان کے مرکز نگاہ بننے میں تسکین ملتی ہے، وہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کے اطراف جمع رہیں اور کہتے رہیں کہ آپ کتنے اچھے اسمارٹ اور ہینڈسم لگ رہے ہیں اسے وہ لوگ بھی اچھے لگتے ہیں جو اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے ہیں اور اس کے ان گھنے بالوں کی تعریف کرتے ہیں۔ جنہیں وہ چھپ کر ڈائنگ (رنگ کرنا) کرتا ہے۔

یہ ظالم اس بات سے خوف زدہ رہتا ہے کہ کوئی اسے زہر دیدے گا۔ زہر یا تو کسی کھانے کے چیز میں ملا کر یا پھر جلد کے ذریعے مس کر کے غالباً یہی وہ خوف ہے جس کی وجہ سے وہ دن میں چالیس بار اپنے ہاتھ دھوتا ہے۔ تین سے چار مرتبہ نہاتا ہے اور ہر بار جگہ بدل کر۔

چھ ڈاکٹرز کی ایک ٹیم ہمیشہ صدام کے ساتھ رہتی ہے جس کا سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ وہ ہر وقت اس کیلئے نت نئے فارمولوں کے مطابق صابن بنائے ٹوتھ پیسٹ تجویز کرے اور شیمپو اور باڈی کریم پر اپنی تحقیق جاری رکھے۔

ہر سفر میں صدام اپنی غذا ساتھ لے کر چلتا ہے۔ جسے وہ خود کھانے سے قبل اپنے باڈی گارڈز کو کھلا کر اپنا اطمینان کر لیتا ہے آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ صدام اکثر اپنی کرسی بھی ساتھ لے کر سفر کرتا ہے۔ اسے یہ ڈر ہے کہ کہیں کسی کرسی کے کشن میں ایسی سوئی نہ رکھ دی گئی ہو جو زہر میں بجھی ہوئی ہو اور یہ زہر اس کے جسم میں اتر جا[ئے] ۵۲ سالہ صدام حسین کی زندگی مسلسل خوف و انتشار سے عبارت ہے۔ اس نے اپنے ۱۲ خدمتگار محض یہ سوچ کر ختم کروا دیئے کہ کہیں وہ اس کی موت کا باعث نہ بن جائیں۔

قاتل اور ظالم حکمران کی سفاکی کا نشانہ خود اس کا بڑا بیٹا اُدے (UDAY) بنتے بنتے رہ گیا، واقعہ ۱۹۸۰ء میں اس وقت پیش آیا۔ جب صدام کے سب سے بڑے بیٹے اُدے نے اس ملازم کو قتل کر دیا جس نے صدام حسین کو ایک ایسی خاتون سے متعارف کرایا جو اس کی دوسری بیوی بنی اس واقعے پر اُدے کو گرفتار کر لیا گیا، صدام اُدے کو قتل کرنا چاہتا تھا، مگر پھر اُدے کو اس کے ماموں عدنان خیراللہ کی کوششوں سے بچا لیا گیا جو اس وقت کے وزیر دفاع تھے۔ بشکریہ صراط مستقیم

اوپن یونیورسٹی

دینی مدارس کے طلبہ کیلئے ایک اہم راہ

از:- ایم منظور احمد

اوپن یونیورسٹی کا تصور اس صدی کی ایک اہم اختراع (بالکل نئی چیز ہے) یہ ان محروم لوگوں کے لیے جو کسی کمزوری کے باعث باضابطہ دھارے میں داخل نہ ہو سکے یا خود اس سے غافل اور مجتنب رہے اعلیٰ تعلیم مہیا کرنے کا ایک فلسفیانہ تصور ہے۔

اوپن یونیورسٹی کا مقصد سب کے لیے یکساں تعلیمی مواقع مہیا کرنا اور لوگوں کو مختلف فنون اور حرفتوں کی تربیت دینا ہے۔ ان لوگوں کو امنگوں کی تکمیل سے قطع نظر جو کسی یونیورسٹی میں تعلیم حاصل نہ کر سکے اوپن یونیورسٹیاں طلبہ کو ان کی اپنی پسند کے مطابق رفتار سے تعلیم حاصل کرنے کے مواقع مہیا کرتی ہیں جس میں انہیں اپنے ذوق اور ضرورت کے مطابق مضامین کے مجموعوں کے ایک ساتھ مطالعہ کی آزادی ہوتی ہے اور اس طرح انہیں مقام وقت اور داخلہ کے لئے ضروری صلاحیتوں کی رسمی پابندیوں سے نجات مل جاتی ہے۔

ایک اوپن یونیورسٹی سہولتوں سے محروم افراد اور ان مواقع (جو انہیں میسر نہ آسکے) کے درمیان فصل کو ختم کر دیتی ہے اور سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں تیزی سے متروک ہونے والے فکر اور تصورات کو موجودہ سطح تک لے آتی ہے۔

پہلی اوپن یونیورسٹی برطانیہ عظمیٰ میں ۱۹۶۹ء میں قائم ہوئی تھی اور اس تجربہ کا کامیابی کے ساتھ اسپین، فیڈرل، ری پبلک آف جرمنی، کناڈا، نیدرلینڈ، جاپان، ایران، پاکستان نائیجیریا، انڈونیشیا، چین، سری لنکا اور دیگر ممالک میں اعادہ کیا گیا۔

اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی ستمبر ۱۹۸۵ء میں پارلیمنٹ کے ایک قانون کے ذریعہ وجود میں آئی اور باضابطہ اسے ۱۹ ستمبر ۱۹۸۵ء سے وزیر اعظم کے ہاتھوں افتتاح کے بعد شروع کیا گیا۔ اس کا مقصد تعلیم کو مختلف ذرائع سے آگے بڑھانا اور

پھیلانا ہے جس میں عصری ذرائع ابلاغ بھی شامل رہیں گے اس کے بعض مقاصد حسب ذیل ہیں

(الف) ڈگری ڈپلوما سرٹیفیکٹ کورسوں کو متنوع بنانا اور انہیں قومی اقتصادیات اور روزگار کے مواقع کی مطابقت سے جو ہمارے فطری اور انسانی ذرائع وسائل پر منحصر ہیں تقویت دینا۔

(ب) آبادی کے بہت بڑے حصوں کو اعلیٰ تعلیم تک رسائی بہم پہونچانا خصوصاً ان محروم گروہوں کو جو دور دراز علاقوں میں آباد ہیں مزدور طبقہ کی گھریلو کاموں میں لگی عورتوں اور دوسرے بالغ افراد کو جو اپنے علم اور مہارت میں اضافہ کے خواہش مند ہیں یا انہیں بالکل ابتدا سے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

(ج) ایک تیزی سے ترقی کرتے اور بدلتے ہوئے معاشرہ میں حصول علم اور مہارتوں کو انسانی جدوجہد کے سارے میدانوں میں روز افزوں جدتوں نئی تحقیقات اور تازہ ترین اکتشافات کے تعلق سے بڑھادینا اور علم کو بہتر معیار پر لانے کے لئے مسلسل مواقع فراہم کرتے رہنا۔

(د) یونیورسٹی کی سطح پر اپنے آزاد طریقہ کار میں حصول علم کی رفتار تعلیمی کورسوں کے نئے نئے مجموعوں کا اندراج کرانے کے لئے اہلیت اور داخلہ کے وقت عمر کے نقطۂ نظر سے ایک بالکل نئے انداز کا نظام تعلیم مہیا کرنا جس میں تعلیم کو بڑھاوا دینا اور علم کے نئے نئے میدانوں میں فضل وکمال پیدا کرنے کی ہمت افزائی کرنا شامل ہے۔

(س) ضابطہ بند تعلیم کے لئے ایک عصری غیر رسمی راہ فراہم کرکے بھارت میں تعلیمی نظام میں ترقی کے عمل میں ممد ومعاون ہونا۔

(ص) مختلف فنون، حرفتوں اور مہارتوں کی تعلیم وتربیت مہیا کرنا ان کی کیفیت میں بہتری لانا اور عام لوگوں کے لئے ان تک رسائی کی راہوں میں اضافہ۔

(ط) ایسی سرگرمیوں اور اداروں کے لئے درکار اساتذہ کے لئے مناسب ٹریننگ کی سہولتیں فراہم کرنا۔

(ع) مختلف علوم میں پوسٹ گریجویٹ کورسز کی تعلیم مہیا کرنا اور تحقیقی کاموں کو

بڑھاوا دینا۔

ف۔ اپنے کو مشورے اور رہنمائی مہیا کرنا۔

ق۔ اپنی پالیسی اور پروگراموں کے ذریعے قومی یکجہتی اور انسانی شخصیت کے ہمہ جہتی نشوونما کو بڑھاوا دینا۔

انڈرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی کی اہم خصوصیات یہ ہیں۔

۱۔ داخلہ میں تعلیمی اہلیت کے معاملے میں رعایت۔

۲۔ طالب علم کی اپنی رفتار (حصول علم) اور سہولت کے لحاظ سے موزوں تعلیمی پروگرام۔

۳۔ تعلیمی کورسوں کے انتخاب میں لچک

۴۔ عصری اور مناسب حال تعلیمی اور ابلاغی ٹیکنالوجی کا کام میں لایا جانا۔

معاشرہ کے سب ہی طبقات کا اوپن یونیورسٹی کی طرف رجوع بڑھتا جارہا ہے جو ان سب لوگوں کو حصول تعلیم کا ایک دوسرا موقع مہیا کرتی ہے جو پہلی بار اس میں حصہ لینے سے محروم رہ گئے۔

اوپن یونیورسٹی کے طلبہ پورے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ دور دراز دیہات اور قصبوں میں جنہیں مسلسل نشریات اور سمعی اور بصری امدادی (تعلیمی) سامان بالراست رابطہ کے کلاسز، ٹیوٹوریل یا تالیفی تعلیم وتربیت اور گرمائی اسکول ضمیمہ کے طور پر مہیا کئے جاتے ہیں۔

یونیورسٹی کی علمی سرگرمیوں کو اجمالی نظر سے گریجویٹ اور انڈر گریجویٹ تعلیمی سطحوں پر مختصر المیعاد اور طویل المیعاد پروگراموں میں جاری اور توسیعی تعلیم اور علمی تحقیق میں درجہ بند کیا جا سکتا ہے۔ یہ نظام کریڈٹ (کورس کو کئی حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا اور اکائی کریڈٹ کہلاتی ہے) یا اہلیت کے حصول کے مدارج پر مبنی ہے اور طالب علم مختلف شعبہ ہائے تعلیم میں سے اپنے لئے کورسوں کا انتخاب کر کے ان کو اپنی سہولت کے مطابق حاصل کر سکتا ہے۔

فی الوقت انڈرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی مندرجہ ذیل تعلیمی کورسز مہیا کرتی ہے

۱۔ (کاروباری) نظم میں ڈپلوما جو ایم بی اے ڈگری پر منتج ہو سکتا ہے۔

۲۔ ڈسٹینس ایجوکیشن میں ڈپلوما۔
۳۔ انگریزی زبان میں تخلیقی طرز انشاء میں ڈپلوما
۴۔ آرٹس اور کامرس میں ڈگری پروگرام
۵۔ دیہی ترقی (رورل ڈیولپ منٹ) میں سرٹیفکیٹ کورس۔
۶۔ غذا اور تغذیہ (فوڈ اینڈ نیوٹریشن) میں سرٹیفکیٹ کورس۔
جنوری ۱۹۸۷ سے جاری ان کورسز کی ضروری معلومات ذیل کے نقشے میں دی گئی ہیں

نمبر شمار	کورس	مدت	کم از کم عمر	کم سے کم قابلیت اور تجربہ	داخلہ کیلئے معیار	ابتداء	فیس
۱	(کاروباری) نظم میں ڈپلوما ڈپلوما چار سال بعد ایم بی اے کی ڈگری پر منتج ہوگا۔	ایک سال	۲۵ سال	گریجویٹ ۲ سالہ نگرانی کا یا انتظامی تجربہ یا گریجویٹ نہ ہو تو ۵ سالہ نگرانی کا یا انتظامی تجربہ	ٹیسٹ	جنوری	[illegible] روپے
۲۔	ڈسٹینس ایجوکیشن میں ڈپلوما	ایک سال	کوئی قید نہیں	کسی مضمون میں پوسٹ گریجویٹ تجربہ کی ضرورت نہیں	استعداد وصلاحیت	جنوری	۵۰ روپے
۳	تخلیقی انشاء پردازی میں ڈپلوما	ایک سال	۲۵ سال	قابلیت اور تجربے کی کوئی قید نہیں	ٹیسٹ	جنوری	[illegible] روپے
۴۔	رورل ڈیولپ منٹ (دیہی ترقی میں ڈپلوما)	تین ماہ	این اے	شمالی مشرقی ریاستوں اور راجستھان کے بلاک ڈیولپمنٹ آفیسروں کے لئے	[illegible]		
۵۔	بی کام / بی اے	تین ماہ	[illegible]	۱۰+۲ (ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ) پاس کے لئے ۱۰+۲ پاس نہ ہونے کی صورت میں	استعداد وصلاحیت (۱۰+۲) [illegible] داخلہ	ستمبر جنوری	[illegible] روپے
۶۔	فوڈ اینڈ نیوٹریشن (غذا اور تغذیہ) کا سرٹیفکیٹ کورس	[illegible] ماہ	۲۰ سال	قابلیت کی قید نہیں اور تجربہ [illegible] نہیں	۱۰+۲ [illegible] ٹیسٹ	ستمبر	۱۰/ روپے

جلد ہی اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی مندرجہ ذیل کورسز بھی شروع کرنے والی ہے

۱۔ کمپیوٹر کی تعلیم کا کورس۔
۲۔ نیچرل سائنس میں ڈگری پروگرام۔

بی اے کے کورسز زیر تیاری ہیں

ڈگری کورسوں کے بہتر فہم کے لئے عمومی ریاضی میں ابتدائی یا تعارفی کورس اور نیچرل سائنس میں بنیادی کورس بھی شروع کیے ہیں عمومی ریاضی میں تعارفی کورس ان طلبہ کیلئے مرتب کیا گیا ہے جو ضابطہ کی تعلیم کے تحت ۱۰+۲ (ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ) کی سطح کی استعداد نہیں رکھتے اور ان کی عمر بیس سال سے زائد ہو چکی ہے۔ یہ مزدوری ریاضی پر مشتمل ہے اور اس کا مقصد ریاضی کی بنیادی معلومات سائنس اور ٹیکنالوجی میں بنیادی کورس بی ایس سی کورسوں کیلئے تیار کر سکے گا۔

علم کیمیا، حیاتیاتی سائنس، علم طبعیات اور ریاضی میں بھی اساسی کورسز زیر تیاری ہیں اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی کے ڈگری پروگرام کا مقصد ایسے لوگوں کی اعلیٰ تعلیم کی ضروریات کی تکمیل ہے جو برسر روزگار ہیں۔ گھریلو زندگی میں مصروف خواتین دور دراز کے علاقوں میں رہنے والے، معاشرہ کے پس ماندہ گروہ اور وہ سب لوگ جن کو زندگی میں عصری اسکول اور کالج کی تعلیم سے استفادہ کے مواقع میسر نہ آسکے۔

یہاں کورس کو کئی حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اور ہر اکائی "کریڈٹ" کہلاتی ہے ہر گریجویشن سطح کا امتحان کریڈٹ کے نظام پر مشتمل اور کئی "ماڈیول" میں منقسم ہوگا ہر ماڈل کورس کہلائے گا۔ ہر کریڈٹ آدھ، ۳۰ تدریسی گھنٹوں میں منقسم ہوگا۔ اور ہر گریجویشن کی تدریسی تکمیل اور ڈگری کے حصول کے لیے ۹۶ کریڈٹ کا حصول لازمی ہوگا۔

اگر کوئی طالب علم ایک یا زائد کورس مکمل کرنے کے بعد چھوڑ بیٹھے تو اسے اسی کورس کی تکمیل کا سرٹیفکیٹ عطا کیا جائے گا۔ اگر کبھی آئندہ وہ اپنے کریڈٹ کورس کے لئے اپنی تعلیم جاری رکھنے کا فیصلہ کرے تو اس سے پہلے کے حاصل کردہ کریڈٹ اس کی ڈگری کے حصول میں شمار کیے جائیں گے

[illegible] طالب علم کی ڈگری کے پروگرام میں مندرجہ ذیل اجزاء شامل ہوں گے

۱۔ ابتدائی تعارفی کورسز

۲۔ بنیادی کورسز

۳۔ منتخب کئے ہوئے کورسیز

۴۔ عملی کاموں سے وابستہ کورسز

طالب علم کیلئے کورسز کے انتخاب کا میدان خاصا وسیع ہے۔ مثال کے طور پر بیشتر رسمی تعلیم دینے والی ضابطہ بند یونیورسٹیوں میں سائنس کا انڈر گریجویٹ صرف سائنس کا ہی کورس لے سکتا ہے۔ اور اس کے ساتھ کلاسیکی زبانیں، ادب، تاریخ یا معاشرتی سائنسز کو پڑھنے کا موقع حاصل ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی طالب علم کو ضابطہ بند یونیورسٹی میں اپنے مضمون طبعیات کے ساتھ تاریخ یا فلسفہ پڑھنے کی اجازت نہیں ملے گی مگر اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی اس طرح کے لچک دار رویہ کی اجازت دیتی ہے۔

جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے اوپن یونیورسٹی کا خاص فائدہ داخلہ کے لئے درکار استعداد کے معاملے میں رعایت ہے۔ وہ شخص یکم جنوری ۱۹۸۸ء کو اپنی عمر کے بیس سال پورے کر چکا ہے۔ کسی بھی کورس کے لئے درخواست کر سکتا ہے جن امیدواروں نے دسواں یا بارہواں درجہ پاس نہیں کیا ہے ان کے داخلہ کے وقت ابتدائی جانچ کا ایک امتحان ہوتا ہے۔ یہ ۹۰ منٹ کا ہوتا ہے اور اس میں معلومات عامہ کے ہندی اور انگریزی کے مختلف موضوعات پر ۱۰۰ سوالات ہوتے ہیں۔ ان کے لئے ہر سوال کے چار ممکنہ جواب آپ ہی میں دئے رہتے ہیں اور امیدوار کو ان میں سے صحیح جواب منتخب کرکے اس پر نشان زد کرنا ہوتا ہے۔ ایسے سوالات کا ایک نمونہ قواعد و ضوابط کے کتابچے کے ساتھ مہیا کیا جاتا ہے۔

یہ ٹیسٹ بہت کامیاب رہا ہے تقریباً ۸۰ فی صد امیدواروں نے اس میں کامیابی حاصل کی ہے۔ اگر کسی شخص نے پہلے ہی بارہواں درجہ [illegible] کا کوئی ٹیسٹ ضروری نہیں اور ایسے افراد اس یونیور[illegible] ڈگری۔

کلاس میں بالواسطہ داخلہ لے سکتے ہیں جیسے کہ وہ کسی اور کالج یونیورسٹی میں داخلہ لیتے۔ غیر ملکی باشندے اور غیر رہائش پذیر ہندوستانی بھی اس سہولت سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

ان امیدواروں کو جنہوں نے دسواں درجہ پاس نہیں کیا ہے۔ مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ پہلے ابتدائی تعارفی کورس میں داخلہ لیں ڈگری کورس کے لئے تین گروپ ہیں۔

الف۔ بنیادی مضامین تو سب کے لئے لازمی ہیں مگر اختیاری مضامین کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ جن میں سے طلبہ کو انتخاب کرنے کی آزادی ہے۔ کوئی طالب علم ڈگری کورس کم از کم تین سال میں زیادہ سے زیادہ آٹھ سال میں پاس کر سکتا ہے ان تمام مضامین میں ایک ساتھ کامیابی حاصل کرنا ضروری نہیں ہے کوئی چاہے تو ان امتحانات کو جزو جزو کر کے پاس کر سکتا ہے۔

اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی سے حاصل کردہ ڈگری، حصول معاش یا کسی اعلیٰ کورس میں داخلہ کیلئے ملکی یا بیرون ملک کسی بھی یونیورسٹی کی ڈگری کے برابر ہوتی ہے۔

درخواست کے فارم مندرجہ ذیل پتہ پر چھ روپے ادا کر کے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

ڈائرکٹر (داخلہ و استعدادی جائزہ)
اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی، کے ۷۶، حوض خاص نئی دہلی ۱۶

اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی کے پیش نظر ۵۰۰ تعلیمی مراکز قائم کرنے کا منصوبہ ہے۔ تقریباً ۱۰۰ مراکز اب تک ملک کے مختلف حصوں میں قائم کئے جا چکے ہیں

مطالعاتی یا تعلیمی مرکز کا تعلق اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی سے ویسا ہی ہے جیسا کہ الحاق کالجوں کا کسی رسمی تعلیم دینے والی ضابطہ بند یونیورسٹی سے ہوتا ہے

تعلیمی مراکز میں لائبریری، ریڈیو، ٹی وی، سمعی بصری، تعلیمی امدادی سامان کی سہولتیں مہیا کی گئی ہیں۔ اندرا گاندھی اوپن یونیورسٹی میں مندرجہ ذیل سہولتیں حاصل ہوں گی۔

۲۔ سمعی بصری امدادی سامان ۱۔ اتالیقی تعلیم و تربیت کیلئے کمرے ۳۔ لائبریری
۴۔ پذیرائی اور سامان فراہمی کا نظم

عموماً اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی اس کی متمنی ہوتی ہے کہ دو یا تین کموں کا ایک سیٹ تعلیمی مرکز بلا شرکت غیرے استعمال کے لئے مہیا کر دیا جائے مزید برآں چند گھنٹے شام کے اوقات نیز تعطیلات کے ایام میں کلاس روم کے طور پر استعمال کے لئے مہیا ہوسکیں یونیورسٹی تعلیمی مرکز کے لئے کسی شخص کا تقرر رابطہ اہل کار کی حیثیت سے ۵۰۰ روپے ماہوار کے اعزازی مشاہرہ پر کرتی ہے اسے ۱۵۰ روپے ٹیلیفون کی سہولتوں کیلئے بھی دیئے جائینگے۔

۴ اس کے سارے لین دین اور معاملات کو آرڈی نیٹر (رابطہ اہل کار) کی بہ حیثیت مجموعی نگرانی کے تحت ہوں گے۔ جسے اس کے سارے معاملات میں عمومی کنٹرول حاصل ہوگا۔ رابطہ اہل کار طلبہ اور علاقائی مراکز اور یونیورسٹی کے درمیان رابطہ قائم کرنے والا ہوگا۔

تعلیمی مرکز کا فرنیچر ٹی وی۔ وی سی آر ٹیپ ریکارڈ لائبریری کے لئے مہیا کردہ کتابیں مرکز کو اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی کی طرف سے فراہم کی جائیں گی مگر یہ سب بہر حال یونیورسٹی کی ملکیت ہوں گے۔

نوٹ:۔ ابھی حال میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ماس کمیونیکیشن سینٹر MCRC میں اندرا گاندھی اوپن یونیورسٹی کا ایک اسٹڈی سینٹر قائم ہوا ہے دہلی اور اطراف کے مسلم طلبہ اس سے مستفیض ہو سکتے ہیں۔ خط وکتابت کا پتہ

CO. ORDINATOR-
STUDY CENTRE FOR INDRAGANDHI. OPEN UNEVERSITY
M.C.R.C. JAMIA MILLIA ISLAMIA JAMIA NAGAR N.DELHI-110025

بشکریہ آموزگار جلگاؤں

خوشخبری

"مواعظ حسنہ" جلد دوم مفت تقسیم کے لئے طبع ہو چکی ہے۔ ضرورت مند حضرات سات روپئے (پانچ روپئے اشاعت فنڈ میں اور دو روپئے محصول ڈاک کے لئے) بھیج کر منگوا سکتے ہیں۔ کوپن پر اپنا پتہ ضرور لکھیں۔ اور جواب طلب کے لئے جوابی کارڈ ارسال فرمائیں

پتہ:۔ مولوی عبدالرب دارالسنۃ گینسڑی بازار ضلع گونڈہ یوپی ۲۷۱۲۱۰

جماعتی تنظیم نو کو نامناسب سمجھنے والے اخوان سے

شاکر گیاوی

دیکھ کر کچھ اپنے خوش فہموں کی چال — ہو رہا ہے مجھ کو افسوس و ملال

سادہ سادہ سی مری تحریر ہے — دل میں جو پیوست ہو وہ تیر ہے
جو ہیں بد دل اس نئی تنظیم سے — ان سے میری عرض ہے تکریم سے
غور فرمائیں ذرا یہ ہوشمند — خود پسندی جنکو آتی ہے پسند
مشورہ دیتا ہوں میں بے حیثیت — تاکہ بدلے یہ ہماری کیفیت
صلح کل کی سمت ہم آگے بڑھیں — امن کی گاڑی جو ہو اس پر چڑھیں

اپنی وحدت کا ہمہ دم ہو خیال — تاکہ بہتر ہو ہمارا امیر مآل
کوئی قائد منتخب ہو جائے جب — سمع و طاعت ہم نہ بھولیں روز و شب
اکثریت چن لے جب صدر و امیر — چاہیئے اس سے نہ ہو ہمکو نکیر
ہے یہی فرمان رب العالمین — مل کے تھامو مومنو حبل المتین

دیکھ لے کوئی جو ہو عبرت نگاہ — عدم وحدت نے کیا ہمکو تباہ
عیب جوئی بھائیو اچھی نہیں — جز خدا بے عیب تو کوئی نہیں
جو ہمارے کام کا مختار ہو — اس سے کوئی کس لئے بیزار ہو؟
کام میں رخنہ نہ ڈالو زینہار — اے ہمارے غمگسار و دیندار

کیوں عبث ہو آج ہم کو اضطراب — پھر بھی دن آئے گا بہتر انتخاب
آپ اور ہم مل کے رہبر کوئی اور — منتخب کر لیں گے اس قائد کے بعد
ہم اگر ہیں یادگاران سلف — تفرقہ بازی کو رکھیں برطرف
ایک مرکز کے ایک رہبر سے نفور — ہے کہاں کی عقلمندی اے حضور

ہم میں جو وجہ دوئی ہیں خیر سے — درس لیں وہ اجتماع طیر سے
ہے ہمارے حق میں کیا ہی خوب تر — فارسی کا شعر یہ اے باخبر
تو برائے وصل کردن آمدی — نے برائے فصل کردن آمدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

Madarsa Arabia
Qasimul-Uloom (Regd)
Vill. Gadarha, Post Badalpur
Distt. Gonda U. P. (India)

المدرسۃ العربیۃ قاسم العلوم

ایک مخلصانہ اپیل

برادران اسلام! مدرسہ عربیہ قاسم العلوم گدرہا ضلع گونڈہ کی ایک مشہور و معروف تعلیمی و تربیتی اور اقامتی درسگاہ ہے، جہاں درجات پرائمری کے ساتھ ساتھ عربی درس نظامیہ جماعت خامسہ تک کی تعلیم کا معقول انتظام ہے۔

اور فی الحال تقریباً چار سو طلباء زیر تعلیم ہیں جس میں سے ۸۰ بیرونی طلباء اور اٹھارہ اساتذۂ کرام کے قیام و طعام کا مدرسہ از خود کفیل ہے۔

علاوہ ازیں مدرسہ ہذا کی وہ زیر تعمیر مسجد جس کا سنگ بنیاد آج سے تین سال قبل ہی اکابرین علمائے جماعت کے مقدس ہاتھوں سے پڑا تھا، اس کے اخراجات اس پر مستزاد ہیں۔

مگر بحمد اللہ تعالیٰ تا ہنوز اس کی دیواریں گیارہ فٹ کی بلندی تک پہونچ کر فرزاندان دین اسلام اور جاں نثاران محمدؐ کو دعوت نظارہ دینے کے ساتھ ہی ساتھ دوبارہ دست تعاون دراز کرنے پر بھی مجبور کر رہی ہیں۔

لہٰذا ہم جملہ محسنین سے عموماً اور احباب جماعت سے خصوصاً پُرزور اپیل کرتے ہیں کہ مدرسہ ہذا اور اس کی زیر تعمیر مسجد کے سلسلے میں دامے درمے قدمے سخنے ہر ممکن تعاون فرما کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں۔

ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین ● العارض۔ محمد عمر سلفی خادم مدرسہ ہذا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۸

شمارہ ۹

علمی و تبلیغی رسالہ

ماہنامہ نوائے اسلام دہلی

مجلۃ شہریۃ اسلامیۃ تصدر عن مجلس الدعوۃ الاسلامیۃ دہلی الہند

سرپرست :- مولانا عطاء اللہ خان ایم اے بی ایڈ - امیر جمعیۃ اہلحدیث بھیونڈی

ستمبر سنہ ۱۹۹۱ء بطابق صفر و ربیع الاول سنہ ۱۴۱۲ھ

مدیر :- عزیز عمر سلفی نائب مدیر :- عبدالواجد فیضی

زرتعاون	پاکستان سے
سالانہ :- چالیس روپے	سالانہ :- ایک سو روپے
خصوصی :- ایک سو روپے سے زائد	لائف ممبری :- دو ہزار روپے
لائف ممبری :- ایک ہزار روپے	بیرون ممالک سے ۲۰ ڈالر امریکی

بنگلہ دیش اور نیپال سے ہندوستانی روپے کے مساوی

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ

منیجر نوائے اسلام ۱۱۶۴-اے چاوڑی بازار جامع مسجد دہلی ۱۱۰۰۰۶

فون :- ۳۲۶۵۹۲۵ PHONE. 3265935

آئینۂ ترتیب

پرنٹر پبلیشر عبدالواحد فیضی نے ایس ایس پریس برائے جے کے آفسیٹ سے چھپوا کر دفتر نوائے اسلام ۱۱۶۴-اے چاہ رہٹ جامع مسجد دہلی سے شائع کیا۔

نوائے اسلام دہلی

افتتاحیہ

سعودی شہری اور امینہ کانڈ

عبادت گاہوں کا بل

سوویت یونین میں بغاوت

ایک سعودی شہری کی حیدرآباد کی ایک نابالغ لڑکی امینہ سے شادی پر جو ہنگامہ برپا ہوا ہے اس کی صدائے بازگشت پارلیمنٹ کے ایوانوں میں بھی گونج رہی ہے۔ ہندوستان میں اس قسم کی شادیوں کی ایک دو نہیں لاتعداد مثالیں موجود ہیں جس میں نابالغ بچیوں کی معمر آدمیوں سے شادیاں ہوئی ہیں۔

یہ واقعہ کوئی انوکھا نہیں مگر اس واقعہ کے پیچھے جو عوامل سب سے زیادہ کارفرما ہیں وہ اسلامی قانون اور اسلامی معاشرہ کے ساتھ ساتھ سعودی عرب کو بدنام کرنے کی ایک سازش ہے۔ ویسے بھی مجرم جرم کرنیوالا ہے نہ کہ مذہب یا اس کا ملک مگر ہمارے یہاں الٹی گنگا بہہ رہی ہے مجرم سعودی عرب ہے؟ اور مجرم اسلامی معاشرہ ہے؟ اسلام دشمن عناصر نے تو پانی میں آگ لگا رکھی ہے۔ نہایت افسوسناک بات ہے کہ امینہ کانڈ کو لے کر اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اڑایا جارہا ہے۔ پہلے گریبان میں منہ ڈال کر اپنے اندر جھانکنا چاہئے کہ اس قسم کے واقعات اور حادثات کے لئے مواقع کون فراہم کرتا ہے۔ اسلامی معاشرہ یا غیر اسلامی رواج؟

سعودی سفارت خانہ نے اس کے تعلق سے جو بیان جاری کیا ہے۔ اس سے معاملہ کی نوعیت کا ہر پہلو واضح ہو جاتا ہے۔ سفارت خانہ کے وضاحتی بیان میں کہا گیا ہے کہ سعودی قوانین کے مطابق اس کا کوئی شہری پیشگی اجازت کے بغیر کسی بھی غیر ملکی سے شادی نہیں کرسکتا ہے سعودی سفارت خانہ نے دو برس پہلے ہی ایک مراسلہ ہندوستانی وزارت خارجہ کو بھیج دیا تھا جس میں زور دیا گیا تھا کہ نکاح پڑھوانے والے مسلم اداروں اور مراکز کو مشورہ دیا جائے کہ سفارت خانہ کی اجازت کے بغیر کسی بھی سعودی باشندہ کا نکاح نہ پڑھوایا جائے۔ سفارت خانہ نے ایک وضاحتی بیان دیا ہے کہ اس کے ملک کی وزارت خارجہ کی منظوری ملنے کے بعد انکوائری کی جاتی ہے اور یہ پتہ لگایا جاتا ہے کہ آیا دولہا اور دلہن کی عمر سماجی مرتبہ، اور مالی اعتبار سے ایک دوسرے کے لائق ہیں۔

علاوہ ازیں دولہن سے والدین کی رضامندی بھی لی جاتی ہے۔

نیز اسلام میں نابالغ بچی کی شادی والدین ہی کرتے ہیں جب بچی بلوغت کی منزل میں داخل ہوتی ہے تو اس کو اختیار ہے کہ وہ شادی برقرار رکھے یا فسخ کردے امینہ کی شادی کے معاملے کو لیکر حکومت ہند جو اچھال رہا ہے۔ مگر اس کو اب کون بتائے کہ اس کی ذمہ داری ریاستی حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ اور مرکز بھی اس ذمہ داری سے بری الذمہ نہیں ہوسکتا ہے۔ اس ہنگامہ کے پیچھے ایک چیز اور نظر آرہی ہے پچھلے دنوں اسلامی کانفرنس نے جب کشمیر کے تعلق سے قرارداد پاس کیا اور انسانی و اسلامی ہمدردی کے بنیاد پر اس مسئلہ کو اٹھایا تو اس کے رد عمل میں اسلامی کانفرنس کے فیصلہ کو ایک بے اثر قرارداد اور اندرون ملک سیاست میں مداخلت سے تعبیر کیا گیا مثل مشہور ہے۔ اپنی آنکھ کی شہتیر نظر نہیں آتی دوسرے کی آنکھ کا تنکا ضرور نظر آجاتا ہے۔ کشمیر میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کو کون نہیں جانتا یہاں انسانی خون کی جو ارزانی ہے اس سے کون ناواقف ہے معصوم عوام کو گولیوں سے بھون دینا اور لاتعداد معصوموں کی جانی ہلاکتوں پر ہماری نظر نہیں پڑتی ہے دورائی سوامی نے رہائی کے بعد جو کچھ بیان دیا ہے اس پر دھیان نہیں جائے گا مگر اسلامی کانفرنس کی قراردادوں پر ضرور ایکشن لیا جائے گا ع منہ آپ بھی تو اپنے گریباں میں ڈالئے۔ کیوں آپ صرف میری ہی پگڑی اچھالتے ہیں۔

امینہ کی عمر کے بارے میں جو بیانات اخبارات میں چھپ رہے ہیں اس میں زبردست خیانت ہو رہی ہے جبکہ امینہ کی عمر بہر حال ۱۵ سال سے کم نہیں ہے حق تو یہ ہے کہ امینہ کانڈ سے ملک کے حساس سماج کا سر شرم سے جھک جانا چاہیئے۔ کیونکہ جس سماج میں بچیوں کی شادی کو اتنا مشکل بنا دیا گیا ہو کہ بچیاں بغیر شادی کے زندگی گزارنے پر مجبور ہیں یا والدین اپنے گلو خلاصی کے لئے چند ٹکے کی لالچ میں اپنے لخت جگر کو بیچ دیتے ہوں اس سماج کی طرف سے امینہ جیسی شادیوں پر نہ برانگیختہ ہونے کی ضرورت ہے اور نہ ہی اس کو اچھالنے کی بلکہ صالح سماج کی تعمیر کی ضرورت ہے۔

لڑکیاں سماج میں ایک بوجھ بن چکی ہیں۔ حمل کو چیک کرا کر اسقاط کرانا رواج عام ہو چکا ہے۔ جس کے سدّباب کے لئے پارلیمنٹ میں بل پیش کرنے کی نوبت آپہونچی بچیوں کے

تعلق سے ہمارا معاشرہ انتہائی ظالم ہو چکا ہے تمام برائیوں اور بے چینیوں کا ذمہ دار ہمارا ہندوستانی سماج ہے۔ جس نے لڑکیوں کو بازار جنس کی طرح بازار میں بیچنا شروع کر دیا ہے۔ کسی غیر ملکی کو مورد الزام ٹھہرانا اخلاقی دیوالیہ پن ہے۔

عبادت گاہوں کے تحفظ کا بل لوک سبھا میں پیش ہوگیا ہے۔ حکومت کے ساتھ عدم تعاون اور بے جا احتجاج جو بی جے پی کا شیوا ہے، اس کا زبردست مظاہرہ اس بل کے پیش ہوتے وقت دیکھنے میں آیا۔ بی جے پی لیڈر لال کرشن اڈوانی اپنی پارٹی کے تمام ممبران پارلیمنٹ کو لے کر ایوان سے باہر چلا گیا اسے اس بات کا مکمل اندازہ تھا کہ اس بل کے پیش ہو جانے کے بعد ہندو فرقہ پرستوں کے خطرناک اور شرمناک منصوبوں پر پانی پھر جائے گا۔ اور تخریب کاری کے لئے ان کے بنے بنائے خواب بکھر جائیں گے چنانچہ اڈوانی نے دھمکی دی ہے اگر عبادت گاہوں کو ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کی حیثیت برقرار رکھنے کا بل پاس ہو گیا تو اس کے خلاف ہم زبردست آندولن کریں گے اس بل میں تمام عبادت گاہوں کی ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کی مذہبی حیثیت کو برقرار رکھنے کو کہا گیا ہے۔ بابری مسجد کو جنم بھومی تنازع کے پیش نظر اس بل سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے چونکہ اس کا معاملہ عدالت میں زیر بحث ہے اور جب تک اس کا کوئی عدالتی فیصلہ نہیں ہو جاتا اس کو اس بل میں شامل نہیں کیا جا سکتا ہے۔

عبادت گاہوں کے تحفظ کے لئے حکومت کا یہ اقدام یقیناً مستحسن ہے مگر وہ جگہ جس کے نام پر آئے دن اب تک فتنے جنم لے رہے ہیں اس کو اپنی حالت پر چھوڑ دینا اور اس کے حل کے لئے بھرپور دلچسپی نہ لینا بھی دانشمندی کے خلاف ہے۔

کانگریسی حکومت نے اس فساد کا بیج بویا ہے۔ وہ اس قضیہ کو طول دینے میں شروع ہی سے خاموش کردار نبھا رہی ہے، نئی کانگریسی سرکار مرکز میں اگر اپنے پیش روؤں کی طرح غلطیوں کو چھپانے کے لئے غلطیاں کریگی تو اس ملک کی سالمیت کو جو خطرہ لاحق ہے۔ وہ اور بڑھ جائے گا، اور مذہب کے نام پر جنونیوں کا رتھ قتل وغارت گری کے لئے میدان میں اتر پڑے گا تو پھر ملک کی سالمیت کینسر زدہ ہو کر رہ جائے گی۔

انتہاپسند سیاسی تنظیم بھارتی جنتا پارٹی، جس کی ہندوستان کے سب سے اہم صوبہ اترپردیش میں حکومت قائم ہے۔ اقلیتوں کے تعلق سے اس کے جانبدارانہ رویہ سے جو مشکلات پیدا ہو رہی ہیں۔ اگر اس کی طرف توجہ نہیں دی گئی تو لوک سبھا میں ایسے پیش ہونیوالے ہزاروں بلوں کی کوئی اہمیت نہیں رہ جائے گی، کیونکہ انہوں نے ہمیشہ قانون کی خلاف ورزی کی ہے۔ اور قانون کے ہاتھ کاٹے ہیں۔

بہر حال یہ بل ہندو انتہاپسند تنظیموں کے جنونی تخریب کاروں کے لئے سدراہ بن سکتا ہے۔ جنہوں نے رام جنم بھومی کے نام پر ملک میں سیاسی مہم چلاکر ملک کی وحدت اور سالمیت کو خطرہ میں ڈال دیا ہے۔

---

۷۴ سال بعد سوویت یونین کے عوام نے اشتراکیت کا لبادہ اتار کر پھینک دیا مارکس ازم اور لینن ازم کی عمارت زمین بوس ہوگئی جس کی تعمیر میں اسٹالن نے لاکھوں معصوم انسانوں کے خون اور ہڈیوں کے چوروں کو گارے کے طور پر استعمال کیا تھا۔

جب سلطنت عثمانیہ میں زوال آیا تو اسلامی سلطنتوں کی بنیادیں اکھڑ گئیں۔ وسط ایشیاء کی کتنی اسلامی ریاستوں پر ——— روس نے اپنی بالادستی قائم کرکے ان کو اپنے زیر نگیں کرلیا۔ اور اسلامی ثقافت سے مالا مال ان ریاستوں کے درجنوں شہروں کی عظمت وسطوت کو تہ وبالا کردیا۔ تاشقند، سمرقند، بخارا، تاجکستان، ازبکستان اور آذربائیجان کی مسجدوں کے میناروں سے آذان کی آوازیں سنائی دینا بند ہوگئیں بڑے بڑے تعلیمی مراکز سے قال اللہ وقال الرسول کی بلند ہونیوالی صدائیں گھٹ گئیں۔ امام بخاری کا شہر بخارا قرآن وحدیث کی آواز سننے کیلئے ترس گیا۔ مسلم کشمیر کے بانی میر سید علی ہمدانی کا شہر ختلان اللہ کے ذکر سے خالی ہوگیا۔

حضرت عبداللہ بن مبارک، امام ترمذی، امام رازی کی یہ سرزمین جو طویل عرصہ تک اسلامی علوم وفنون اور تبلیغ دین کا مرکز رہی ہے، روسی استبداد کے بعد ایسے ویران ہوئی جیسے ——— علم وثقافت کی بساط یہاں کبھی بچھی ہی نہ ہو۔ یہاں مسلمان تو ہے مگر اسلام نہیں رہا اسلام کے نام پر چند رسوم تو رہیں مگر اسلامی شعائر نہیں رہے۔

ارتقاء پذیر اسلامی تہذیب اور اسلامی قوانین کو فرسودہ قرار دیدیا گیا ملعون مارکس اور لینن کے شیطانی اوصامات کو قانونی درجہ دیدیا گیا۔ عراقی صدر صدام حسین کی طرح توسیع

پسندی کی شرمناک مثالیں قائم کی گئیں، لاکھوں انسانوں کے خون سے سرخ انقلاب کا وجود عمل میں آیا اور روسی سامراج اپنی جغرافیائی وسعت کے اعتبار سے دنیا کی ایک مضبوط طاقت بن کر ابھرا اس نے مسلمانوں کے دینی و ملی مراکز کو نشانہ بنایا اور منہدم کر دیا وہاں کے باشندوں کو جدید قومیت کی بنیاد پر تقسیم کر دیا۔ عثمانیوں، سلجوقیوں، تیموریوں و سامانیوں خاقانیوں اور زرخشیدیوں کی عظیم اسلامی یادگاروں کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا۔

مارکس کے شیطانی نظریہ کے تحت عالمی قیادت کا خواب دیکھنے والے جنونیوں کا طلسم ٹوٹ گیا اب وہ اپنی اقتصادی و معاشی پالیسیوں میں بری طرح ناکام ہو چکے ہیں سوویت یونین میں جدید اصلاحات کے نام پر نئی سیاسی و اقتصادی پالیسیاں وضع کر کے بھی سوویت عوام کے دلوں کو جیتنا محال ہو گیا ہے۔ ابتک دیوار برلن ہی منہدم نہیں ہوئی بلکہ سوویت یونین کی کئی جمہوریائیں بھی آزادی کی صبح منا چکی ہیں اور بقیہ آزادی کی جنگ لڑ رہی ہیں۔ برسوں سے سوویت عوام کے منھ پر جو تالے لگے ہوئے تھے اور گلے میں جو پھندے پڑے ہوئے تھے، وہ سب اچانک ٹوٹ گئے دل کی باتیں زبان پر آ گئیں۔ ضمیر کی آواز ہر چہار جانب سنائی دینے لگی کمیونسٹ ماڈل کو سوویت عوام نے درگور کر دیا اور اس نظام سے سخت متنفر ہو گئے چنانچہ جب روسی صدر گوربا چیف کو اقتدار سے بے دخل کرنے کی کمیونسٹ بنیاد پرستوں نے ایک زوردار اور اچانک حملہ کر کے اقتدار کی کرسی پر اپنا قبضہ جما لیا تو یہاں کے عوام نے اس غیر متوقع اور فرسودہ سرخ انقلاب کو نہ صرف مسترد کر دیا، بلکہ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے سڑکوں پر آ گئے اور اپنے سینوں کو ان کی گولیاں کھانے کے لئے کھول دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے کمیونزم کا شیش محل ریت کے محل کی طرح ڈھ گیا اور کمیونزم ذلیل و خوار ہو کر "ماسکو" کی گلیوں میں آوارہ پھرنے لگی کوئی اس کو تیماردار ملا اور نہ غمگسار، اس کے زخموں پر کسی نے مرہم رکھا نہ پٹی کی کمیونزم اپنی ہی سرزمین میں گھٹ گھٹ کر مر رہی ہے۔

عوام میں سرخ انقلاب کے خلاف زبردست غم و غصہ اور شدید نفرت پیدا ہو گئی ہے۔ مارکس و لینن اور اس کے عظیم سپوتوں کے مجسموں کو توڑ پھوڑ کر اپنا غصہ ٹھنڈا کر رہی ہے ماسکو کی عظیم عمارت میں لینن کی مسالہ لگی لاش کو دفنانے کیلئے اب شاید دو گز زمیں بھی کوئے یار میں نہ مل سکے۔ ؎ بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

سوویت عوام نے قدامت پرست کمیونسٹ عناصر کے نام ونہاد انقلاب کی بساط لپیٹ دی ہے یہ واقعہ ہندوستان میں اشتراکیت کے ان علمبرداروں کے لئے لمحۂ فکریہ بن گیا ہے۔ جو اس کو اسلامی قوانین پر فوقیت دیتے رہے ہیں ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ عز ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں۔

اب عثمانیوں وسلجوقیوں اور تیموریوں وسامانیوں کی اس سرزمین پر ایکبار پھر آفتاب اسلام طلوع ہونے جارہا ہے جس کی کرنوں میں اسلام کی ایسی گرمی ہوگی جس کو ٹھنڈا کرنے کے لئے دنیا کی طاقتیں بے بس ہونگی۔ اب یہ سرزمین اسلام کی عظمت کی سرزمین بنے گی۔ اسلامی اقدار وروایات کی سرزمین بنے گی اسلامی جہاد اور اسلامی اتحاد کی سرزمین بنے گی۔ انشاءاللہ

دنیائے اسلام کی تمام اسلامی تنظیموں اور اداروں پر کئی بڑی ذمہ داریاں عائد ہوچکی ہیں انہیں اس سرزمین پر اسلام کی دعوت اور اسلامی معاشرہ کی تشکیل کے لئے ہر طرح کی قربانیاں دینے کے لئے تیار ہوجانا چاہیئے ورنہ دس کروڑ مسلمانوں کی یہ سرزمین صرف ظاہری رسم ورواج کا پابند ہوکر رہ جائے گی۔ اور اسلام کی اصل ایمانی دولت سے محروم رہ جائے گی۔

سعودی حکومت روسی مسلمانوں میں اگرچہ ایک عرصہ سے تبلیغ دین کا کام کررہی ہے۔ ان میں قرآن پاک کے نسخے تقسیم کروارہی ہے اسلامی لٹریچر پہونچارہی ہے۔ اور پانچ ہزار روسی مسلمانوں کو خادم حرمین شریفین کے ذاتی خرچ پر حج بھی کرایا ہے۔ یہ سب ہے مگر اب اس کے اوپر اور بھی ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں رابطہ عالم اسلامی کو بھی سرگرم عمل ہونا ہوگا۔ تمام اسلامی ملکوں میں اتحاد واتفاق کی ایک مضبوط پالیسی مرتب کرنی ہوگی، تاکہ دشمن اگر نظر بد بھی لگانا چاہے تو اس کی آنکھ میں سلائی پھیری جاسکے۔

●

قرآن مقدس سے مسلمانوں کا شغف

نیر بشنپوری۔ رسول آباد۔ بھیونڈی۔

قرآن مقدس بنی نوع انسان کی ہدایت کیلئے آخری کتاب الٰہی ہے۔ جو رہتی دنیا تک کے انسانوں
کے لئے ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ جو بنی نوع انسان کو تاریکی سے روشنی کی طرف لے آتا ہے۔ یہ انسانیت
کی فلاح و کامرانی کا دستور ہے کہ جس کو اپنانے کے بعد انسانیت ہر طرح کے سکون و راحت کو حاصل
کر سکتی ہے۔ اور یہ دنیا اس کیلئے جنت ارضی بن سکتی ہے اور اخروی نجات و فلاح کی ضمانت دیتی
ہے۔ ازاول تا ایں دم اس کتاب کے ماننے والوں نے اس سے ہر طرح کا شغف رکھا ہے۔ چنانچہ
اس کی بے شمار تفسیریں لکھی گئیں۔ مختلف زبانوں میں اس کے تراجم کئے گئے۔ اس کے ہر ہر گوشہ
پر اہل علم و اہل دل نے سالہا سال صرف کرنے کے باوجود بھی تشنگی ذوق کا اعتراف کیا ہے۔ اس کے
معارف و حکم بحر ناپیدکنار ہیں۔ یہ کثرت مطالعہ و قرأت سے اپنے پڑھنے والوں میں اکتاہٹ نہیں
پیدا ہونے دیتی۔ جنہوں نے شعوری طور پر ایمان کی حالت میں اپنایا وہ عزت و شوکت کے
ثریا کے مکین ہوئے اور جنہوں نے اس سے اعراض کیا وہ ذلت و نکبت و فلاکت کے تحت
الثریٰ میں پہونچ گئے۔

قرآن کے معجزات بے بہا ہیں۔ چنانچہ لوگوں نے اس کے ساتھ رغبت و شوق کا وہ
مظاہرہ کیا کہ اس کے حروف، حرکات، نقاط، کلمات، آیات وغیرہ کی تعداد تک کو شمار کر
ڈالا۔

چنانچہ ذیل میں مندرجہ بالا بات کی صداقت کیلئے نقشہ پیش کیا جا رہا ہے جو مستفاد
ہے۔ عبدالعزیز بن عبداللہ صاحب بستان سے۔

حروف	تعداد	حروف	تعداد	حروف	تعداد	حروف	تعداد
الف	۴۸۸۷۲	ت	۱۱۹۹	ج	۳۲۷۳	خ	۲۴۱۶
ب	۱۱,۲۲۸	ث	۱۲۷۶	ح	۹۷۳	د	۵۶۴۲

حروف	تعداد	حروف	تعداد	حروف	تعداد	حروف	تعداد
ذ	۴۴۹۷	ض	۱۶۰۷	ق	۶۸۱۳	ہ	۱۹۰۷۰
ر	۱۱۰۹۳	ط	۱۲۷۴	ک	۹۵۲۲	لا	۳۷۲۰
ز	۱۵۹۰	ظ	۸۴۲	ل	۳۴۳۲	ء	۴۱۱۵
س	۵۸۹۱	ع	۹۲۲۰	م	۲۶۵۳۵	ی	۲۵۹۱۹
ش	۲۲۵۳	غ	۲۲۰۸	ن	۲۶۵۶۰		
ص	۲۰۱۳	ف	۸۴۹۹	و	۲۵۵۳۶		

کلمات	۸۶۴۳۰	نقاط	۱۰۵۶۸۴	رکوع	۵۴۰
فتحات	۵۲۲۴۳	مدات	۱۷۷۱	آیات مکی	۴۶۱۲
ضمات	۸۸۰۴	تشدیدات	۱۲۵۲	آیات مدنی	۴۶۱۴
کسرات	۳۹۵۸۲	سورتیں	۱۱۴	سجدہ اتفاقی و اختلافی	۱۴/۱۵

قرآن کریم سے مسلمانوں کے ادنیٰ سی شغف کی مثال مندرجہ بالا باتیں ہیں۔
کاش کہ ہم مسلمان مکمل طور پر قرآن کو اپنا لیتے اور زندگی کے جملہ شعبوں میں اس کے احکام کو نافذ کر پاتے تو بات کچھ اور ہوتی۔ ...

بقیہ ص۱۷ کا

ان کی مساعی، تحقیق و جستجو خالص اسلامی تھی تو اللہ رب العزت نے بھی اپنی نصرت و اعانت ان کے شامل حال کر دی۔

سنو مسلمانو! ربانی قوت کا سرمایہ اب بھی ہمارے پاس ہے اور اللہ کے فضل و کرم سے خزانۂ رحمت کی کنجی اب بھی ہماری طاقتوں میں موجود ہے۔ ہمت کرو اور ادب سے اس اوراق کو کھولو۔ اس کے معنوں کو سمجھو۔ اس کی باتوں پر یقین کرو اور اس کے حکموں کو مانو اور عمل کرو پھر دیکھو کہ ہم کہاں سے کہاں پہونچتے ہیں۔ انشاء اللہ العزیز

رسول رحمت کے کردار کی جھلکیاں

مظہر اقبال صدیقی۔ بی ایس سی۔ بی ایڈ۔ ایم اے۔ ایم ایڈ۔ محبوب نگر اے پی۔

عفو و درگزر طائف کی وہ بھیانک شام کس قدر حیرت ناک تھی اس کو کون بھول سکتا ہے۔ جس وقت پیغمبر اسلام کو شہر طائف کے لڑکے پتھر مار مار کر باہر لے جا رہے تھے آپ مکہ سے پچاس میل کا سفر طے کر کے حجاز پہونچے تھے تاکہ وہاں کے عوام کو دین اسلام کی دعوت دیں مگر طائف کے رئیسوں نے آپ کے پیچھے شریر لڑکوں کو لگا دیا۔ یہ لڑکے اس وقت تک آپ پیچھا کرتے رہتے جب تک سورج غروب ہو کر آپؐ اور ان لڑکوں کے درمیان تاریکی کا پردہ نہ ڈال دیتا۔

آپ کا جسم اطہر زخموں سے چور، خون سے لہولہان تھا۔ اس وقت آپؐ نے تھک کر ایک انگور کے باغ میں پناہ لی۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا وقت کسی انسان کے لئے کتنا نازک ہوتا ہے۔ طائف کے اس واقعہ کو یاد کر کے آپؐ نے ایک دفعہ حضرت عائشہ سے فرمایا تھا کہ طائف کی شام میری زندگی کی سخت ترین شام تھی۔ اس سنگین صورت حال کے باوجود آپؐ کی زبان سے دشمنوں کے خلاف کوئی برا کلمہ نہیں نکلا۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ! انہیں سیدھا راستہ دکھا۔ کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ اس حالت رسانی میں فرشتے اللہ کی جانب سے آپ کی مدد کیلئے آئے۔ آپ نے ان سے مدد نہیں لی صبر کرتے رہے اور اللہ سے مدد مانگتے رہے۔ اور اس قوم کیلئے دعا دیتے رہے۔ اس خیال سے کہ ایک نہ ایک دن یہ قوم سنبھل جائے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں کو اس طرح زیر کیا کہ سارا عرب آپ کے پیغام کو قبول کر لیا آپ کے کردار کے آگے کوئی بھی تعصب۔ کوئی دشمنی اور کوئی ہٹ دھرمی ٹھہر نہ سکی آپ کی بلند سیرت لوگوں کو اثر انداز کرتی چلی گئی۔

٢۔ دوسرا واقعہ بھی عفو و درگزر سے متعلق پیش کیا جا رہا ہے۔ حضور اکرمؐ ایک غزوے میں شریک تھے۔ صحابہ کرام رضہ آرام کی غرض سے ایک وادی میں درختوں کے سائے میں جا بجا لیٹ گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک درخت کے سائے میں لیٹ گئے۔ اور تلوار درخت

کے ایک شاخ سے لٹکا دی۔ ایک مشرک موقع کی تاک میں تھا اس نے تلوار سونت کر حملے کا ارادہ کیا اور (بڑے گھمنڈ سے کہا) اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) بتا اب تجھکو کون بچا سکتا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اللہ وہ شخص ہکا بکا رہ گیا اور تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار اٹھالی اور فرمایا! بتا اب تجھکو کون بچائے گا؟" دیہاتی نے لرز کر کہا (آپ کے سوا) کوئی نہیں بچا سکتا۔ آپ نے اس کو معاف فرما دیا اور لوٹ گئے۔ (متفق علیہ)

قاضی محمد سلیمان منصور پوری آپ کے عفو و رحم کے تعلق سے فرماتے ہیں "غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر نے فتح مکہ نہیں کیا تھا بلکہ خلق محمدی اور عفو و رحم مصطفوی نے اہل مکہ کے دلوں کو فتح کر لیا۔ (رحمۃ اللعالمین ج ۳ ص ۲۵۵ اللولو والمرجان)

عدل و مساوات

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق عدل و انصاف کے بہت سے واقعات ہیں ایک دو مثالوں کو پیش کر کے آپ کے عدل و مساوات کی وضاحت کی جا رہی ہے۔

۱۔ جب ایک مخزومی عورت نے چوری کی اور قریش کے اصرار پر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ عرض کیا تو یہ سنتے ہی حضور ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا۔ آپ نے فرمایا! اسامہ! کیا تم اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ سزا میں سفارش کرتے ہو؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو اس کا ہاتھ بھی ضرور کاٹا جاتا۔ (اللولو والمرجان ۲۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶ بحوالہ عقیدۃ المومن)

۲۔ بدر کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں (نوک اور پر کے بغیر) ایک تیر تھا جس کے ذریعہ آپ ﷺ صفوں کو درست فرما رہے تھے اس اثناء میں آپ کا گزر بنو عدی بن نجار کے حلیف سواد بن غذیہ کے قریب سے ہوا وہ صف سے قدرے آگے نکل آئے تھے۔ آپ نے تیر سے ان کی پیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا سواد (صف میں) ٹھیک سے کھڑے رہو۔ حضرت سواد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ اللہ کے رسول (آپ کے اس عمل) نے مجھے تکلیف پہونچائی۔ حق تعالیٰ نے آپ کو حق اور انصاف کے ساتھ مبعوث کیا ہے لہٰذا آپ مجھے بدلہ دیجئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شکم مبارک سے کپڑا ہٹا کر فرمایا اچھا لو بدلہ لے لو۔" (البدایہ والنہایہ ۳/۲۷۱۔ سیرت ابن ہشام بحوالہ عقیدۃ المومن)

معلوم ہوا ہے کہ عدل و مساوات اعلیٰ اخلاقی اقدار میں سے ہے۔ عادل حکمراں کو جو صحیح فیصلہ کرتا ہے اس کو جنت کی بشارت دی گئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صفت کا اعتراف اعداء بھی کرتے تھے۔ ربیع بن خثیم سے روایت ہے کہ بعثت سے پیشتر بھی لوگ اپنے مقدمات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں فیصلہ کیلئے لایا کرتے تھے۔ شفا ص۸۰

(ب) حجر اسود کے نصب کرنے میں جو جھگڑا قریش میں ہوگیا تھا۔ سبھی اس واقعہ سے واقف ہیں جھگڑا اس بات پر طے ہوا کہ جو شخص سب سے پہلے خانۂ کعبہ میں آئے گا وہی منصف قرار پائے گا۔ سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خانۂ کعبہ میں داخل ہوئے تو لوگوں میں خوشی و مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ (ھٰذا محمدٌ ھٰذا الامین قد رضینا بہ) تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم آگئے۔ اور اس کے فیصلہ پر تو ہم سب ہی خوش ہیں) کا بلند آواز میں اعلان کیا۔ (شفا بحوالہ رحمت للعالمین جلد دوم ص۲۶۳)

مجسم سخاوت

ابن عباس سے روایت ہے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اجود الناس و اجود ما یکون فی رمضان (بخاری کتاب الادب)

ترجمہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے۔ اور آپ کی سخاوت کا ظہور سب سے بڑھکر رمضان شریف میں ہوتا تھا۔ کسی نے جب کوئی چیز طلب کی تو آپ نے اس چیز کے دینے پر دینے سے انکار نہیں کیا۔

حدیث ہے کہ ما سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن شئ قط فقال لا۔ (بخاری)

ترجمہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کوئی ایسی چیز نہیں مانگی گئی کہ آپ نے جواب لا (یعنی کلمہ نفی) فرمایا ہو۔

ا۔ ایک مرتبہ حجرہ سے باہر تشریف لائے اس وقت سب سے بہترین جوڑا زیب تن تھا۔ ایک صحابی نے دیکھا۔ دل میں آیا کہ اپنے پہننے کیلئے طلب کروں تاکہ آپ کا پیرہن نصیب ہو اور آپ کا اتارا ہوا کپڑا پہننے کی سعادت حاصل ہو۔ اس خیال کا آنا تھا کہ حرف مطلب زبان پر لاتے ہوئے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ جوڑا مجھے عنایت فرمائیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ میں تشریف لائے وہ جوڑا اتارا اور انہیں مرحمت فرما دیا۔

ایک شخص آیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دو پہاڑیوں کی درمیان کی بکریاں

آئینوں کا سفر

اشہاد الرسول قاضی۔ جنرل سکریٹری جمعیت شبان اہل حدیث۔ آزاد نگر۔ جمشید پور۔

حکم ربانی:۔ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَکُمْ۔

اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کا کہا مانو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کر لو۔

فرمان رسولؐ:۔ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَیْسَ عَلَیْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ۔

ہمارے حکم کے بغیر کسی نے جو کام کیا وہ مردود و غیر مقبول ہے۔

آئیے ہم اپنے ماحول کا جائزہ کریں۔ ہمارے معاملات، ہماری مشغولیات یعنی کہ تمام مجموعی عملیات یکسر شرعی احکام کی ضد ہیں۔

آج ہم نے فرمان الٰہی اور دراسات نبویؐ سے منہ موڑ لیا تو ہماری حالت کتنی ابتر ہے۔ ہم نے اپنی خواہش نفسانی کی ہر اس تحریک کو لبیک کہا جس میں اللہ کی شریعت کی خلاف ورزی پوشیدہ ہے اور اس طرح اپنی آخرت اور دنیا دونوں کو تاراج کیا (نہ دنیا میں عزت نہ آخرت میں جنت) آج ہم اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرنے میں ———— معروف ہیں۔ اس کی شریعت سے متنفر نہیں یہی تو وجہ ہے کہ ہماری روش غیر اسلامی ہے ہم اطاعت ربانی سے فرار کی راہ ڈھونڈھ رہے ہیں ہمیں نماز پڑھنی ذرا بھی گوارا نہیں، زکوٰۃ دے دیں تو سرمائے میں کمی ہو جائیگی (کیونکہ زکوٰۃ کے مد کے پیسے تو خود نمائی، کھیل تماشے اور ایسے وسائل میں خرچ ہو جاتے ہیں جس سے کہ ہماری جاہ و تمکنت میں اضافہ ہو، تو چار چاند لگ سکیں) شادی بیاہ میں حیثیت سے بڑھ کر جہیز اور (CASH) نہیں دیں گے تو (خالص اسلامی) برادری میں مذاق کا نشانہ بننا پڑیگا۔ دینی تعلیم سے ہمارے بچے نا آشنا (فلمی گیت، ڈائیلاگ، کھیل کے تمام ریکارڈ ازبر ہیں اور اس بات پر ہمارے گارجین حضرات بڑی خوشی کا اظہار کرتے ہیں اپنے ان ذہین بچوں پر) آزادیٔ نسواں کے پرچم تلے ہماری مائیں اور بہنیں اکٹھا اسلام کو الوداع کہہ رہی ہیں

قرآن کے اوراق کی جگہ فحش لٹریچر، اس کی تلاوت کی جگہ فلمی گیتوں کی تکرار فلموں اور SERIALS کی پسندیدگی اور ناپسندیدگی پر مدلل بحث یعنی کہ تمام غیر اسلامی شعائر کے پاسبان ہم۔ تمام شیطانی اعمال کے دلبستان ہم۔ تمام حرام ذرائع کے نگہبان ہم۔

نفاق آپ ہم میں دیکھئے۔ حرام خوری، سود خوری، چغل خوری آپ ہم میں دیکھئے۔ راگ راگنیوں کی محفلوں ہم ــــ، قبیح رسم ورواج کے سالار ہم، طاغوتی مزاج کے ترجمان ہم پھر بھی ــــــ دعویٰ ہے کہ مسلمان ہیں ہم۔

ہمیں تو اتنا بھی ہوش نہیں کہ ہم کس کی مخالفت میں کمربستہ ہیں، ہم کس کے دین کا تمسخر اڑا رہے ہیں۔ (بے ایمانوں کے لئے تو جہنم کی اراضی الاٹ ہو ہی چکی) ہم مسلمان ہوتے ہوئے کس کے حکموں کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ دنیا دکھاوے میں ہم مست ہیں۔ سیکولرزم کا نشہ طاری ہے۔ ہم اس مالک کائنات وعالم اسباب کی قاہرانہ وجابرانہ جلال کو دعوت دے رہے ہیں جو پل بھر میں ہماری یہ جھوٹی شان کی دھجی بکھیر کر رکھ دے۔

ہمارے پاؤں میں اتنی سکت نہیں ہے کہ اس کی مسجدوں کو آباد کر سکیں۔ ہماری زبانوں میں اتنی گویائی نہیں کہ اس کی حمد وثنا بیان کر سکیں۔ ہمارے اندر اتنی طاقت وتوانائی نہیں کہ دین کی خدمت کر سکیں۔ ہاں تھوڑی بہت ہمت وتوانائی ہے تو صرف تیری اطاعت سے روگردانی کی، تیری شریعت سے کھلواڑ کرنے کی۔ گویائی ہے۔ تو تیرے نیک بندوں کی باتوں کو دقیانوسی، اختلافی اور بے وقعت کہنے کی۔ توانائی ہے تو ایسی تحریکوں اور تنظیموں کی خدمت کرنے کی جس سے صرف اسلام کی بالواسطہ یا بلاواسطہ بیخ کنی ہوتی ہو۔ (کیونکہ ان کے تصورات ملا جیون کے بجائے مارکس اور ہیگل کے تصورات سے مرصع ہوتے ہیں)۔ یہی ہماری مزاج ہے یہی ہماری تعبیر ہے، یہی ہماری تقدیر ہے۔

ہمارے INTELLECTUALS تو روس زدہ ہیں، مغرب نواز ہیں۔ انہیں قرآنی احکامات عصر حاضر کے تقاضوں کو پورا کرتے ــــــ نظر نہیں آتے۔ پھر تو ہم اپنی بیویوں اور محبوباؤں کے ساتھ کلب اٹینڈ نہیں کر سکتے۔ اپنی گرل فرینڈز کے ساتھ موسیقی کے دھن پر تھرک نہیں سکتے۔ دوسروں کی بہنوں اور بیویوں سے التفات حاصل نہیں کر سکتے۔ شراب نہیں پئیں گے تو لوگ BACK WARD سمجھیں گے۔ جوا نہیں کھیلیں گے تو یار لوگ LOWER STATUS

گردانیں گے۔ فضولیات ولغویات پر مبنی فنکشن، پارٹیز اور تقریبات میں شمولیت نہیں ہوگی تو معیار STANDARD جاتا رہے گا اگر ہم اختلاط کے خیر خواہ نہ ہوں گے تو سوسائٹی میں ہماری فیملی ایڈوانس، ADVANCED نہ کہلائے گی۔ نظیر اکبر آبادی نے کہا تھا۔

؎ اب تو نظیر اپنی الفت میں ایک طرز بن آئی ہے۔۔۔ تک دیکھا، دل شاد کیا، خوش وقت ہوا اور چل نکلے

اگر نظیر آج ہوتا تو معاشرے کو دیکھکر بلاشبہ کہہ اٹھتا۔

اب تو نظیر اپنی الفت میں اک طرز بن آئی ہے تک دیکھا، ہاتھ پکڑا اور کورٹ چلے

دراصل بات یہ ہے جان، مال بلکہ اپنی بیویوں اور اولاد کو غیر اسلامی شعائر کی آبیاری کے لئے اس کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھانے سے ذرا بھی نہیں ہچکچاتے۔ (ہچکچانا در کنار اکثر و بیشتر چھپاتے ہیں) ہم کیا کیا بتلائیں آپ کو اور آپ کیا کیا سنیں گے آپ؟

کیا کبھی ہم نے اپنے بچوں کو نماز کے لئے ڈانٹ پھٹکار کی ہے؟ کبھی اس کی غیر اسلامی روش کا جائزہ لیا ہے؟ کبھی ہم نے اس بات کی نوٹس لی ہے کہ آیا وہ غیر شرعی فعل کا مرتکب تو نہیں ہو رہا ہے؟ ہم ان سب کی قطعی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے۔ ہم یہ ساری چیزیں خود ہی نہیں کرتے تو بچوں کو کیوں پریشان کرنے لگیں۔ (اور جب ہماری اولاد اپنا جیون ساتھی ڈھونڈھنے میں، ہمیں پریشان نہیں کرتی تو پھر ہم کیوں شکایات کے دفتر لئے پھرتے رہیں؟

ہم میں جو ایک طبقہ ہے ترقی پسندوں کا، وہ اپنی زبان و قلم سے صاحب عزیمت و عالی مرتبت اسلاف کے (اصلاحی، اجتہادی، تحریری و تدریسی) کارناموں کی صرف اشتہار بازی میں مصروف ہے ان کے ناموں پر کنونشن، میموریل لکچرز، یادگاریں، کتابیں، مقالات اور سوانحات کا مجمع تو ہے مگر ان کی درسیات پر باعمل ہونا تو درکنار بلکہ بعض صاحب تو قطعی اس کے منکر ہوتے ہیں اور جب کبھی کسی بزرگ یا اس کی حامل شخصیتوں پر رسائل کے نمبرات شائع ہوتے ہیں تو ریسرچ اسکالرز اور سینئر صحافیوں کی جماعت صاحب ممدوح کے کارناموں کے ایسے ایسے رموز اجاگر کرتی ہے کہ حضرت ممدوح بھی قبر میں نادم نادم سا ہوا جاتا ہے، کہ اے اللہ! ہماری زبان و قلم نے یہ کیا گستاخی کر دی کہ ہم نے جو چیزیں نہ سمجھیں اور لکھ دیں اور اب ان مردان حق پر رموز اسرار کے پردے ہیں کہ اٹھتے چلے جا رہے ہیں کہ صاحب کتاب کے اس جملے میں فلسفہ کا سارا باب سما سکتا ہے۔ کہ ان کی تحریریں اتنی عمیق و بسیط ہیں کہ بس! (ہم اس میں ڈوب

کر مرنا نہیں چاہتے) کہ صاحب کتاب کی حکمت اگر فلاں قوم کو مل جاتی تو وہ ترقی کے کتنے منازل طے کر چکی ہوتی۔ (کیونکہ فی الحال ہمیں تنازل کی کھائی میں پھسلنے سے فرصت نہیں ہے) کہ انہوں نے موجودہ زمانے پر کتنا خوب صورت طنز کیا ہے۔ (خوب صورت طنز اس لئے کہ موجودہ دور میں ہم بھی شامل ہیں) کہ ان کے مکتوبات ملفوظات، ارشادات و نصائح سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں۔ (اور ہم ہیں کہ بچپن سے سنہرے حروف دیکھنے کو حیران و پریشان ہیں کہ کاش کہیں نظر آجائے) کہ کاش! اگر ان کی بارگاہِ عظمت میں زانوئے تلمذ تہہ کیا جاتا تو آج مسلمانوں کی یہ حالت نہ ہوتی۔ (انکے تحریرات کے ماخذ یعنی کتاب و سنت کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کرنے سے اعراض کیوں ہے؟) وغیرہ وغیرہ اور نہ جانے کیا کیا اور آخر میں وہی کہ

ع بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا۔

(ارے صاحب! کبھی ہم نے زندہ حالت میں دیدہ ور کو دیکھا بھی ہے؟) اور ہاں، ان کے نام کی برسی منانے میں ہمارا ذوق بہت ستھرا ہے۔ ان کی یوم ولادت منانے میں ہمارے جذبات کا کیا کہنا۔ (ذرا آپ ان سے پوچھیں کہ فلاں بزرگ کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے؟ تو کہیں گے ہاں، ٹائٹل نظر سے گزری ہے، پرنٹنگ بہت دیدہ زیب تھی، کتاب دیکھکر دل خوش ہو گیا بس، پڑھنے کی حماقت کون کرے)

اے آج کے جاہل مسلمانو! معلوم نہیں کہ حکمت و انوار سے پر احکام الٰہی کا نزول کیوں اور کہاں ہوا تھا۔ دنیا کی ایک ایسی تاریک و سنگلاخ زمین پر جہاں کی جاہل قوم علم و تمدن سے عاری تھی، دولت و ثروت سے خالی تھی، سامان و اسلحہ سے محروم اور [illegible] ی مادی وسائل سے تہی دامن۔ مگر دیکھا یہ گیا کہ جب انہوں نے احکام الٰہی کی دل و جان سے طاعت کی تو وہ جاہل قوم، متمدن ترین قوم بن گئی، وہ تاریک دنیا کی قوم روشنی کا مینارہ بن گئی، وہ تہی دامن و تہی دست لوگ عالمی نقشے پر حکمراں بن کر، منصف بن کر، مصلح بن کر، عالم بن کر دنیا کو مادیات سے ماوراء اخلاقیات کا درس دیا۔ باطل پرستی اور جہالت کی تابوت میں کیلیں ٹھونکیں آزادی کا نغمہ پڑھایا، مساوات کا ترانہ سکھایا، انصاف کا پیمانہ دیا،

یہ وہ قدسی نفوس تھے جنہوں نے تمام جھمیلوں کو چھوڑ کر صرف اللہ سے ناتا جوڑا تھا ان کے ہر عمل کی غایت اس کی خوشنودی تھی۔ ان کے سارے اعمال اللہ کی رضا جوئی کے لئے تھے۔

— بقیہ ص ۱ پر

تعصب سے ایک انٹرویو

انصار زبیر محمدی۔ مبلغ جمعیۃ اہل حدیث بھیونڈی۔

س:۔ سب سے پہلے آپ اپنا نام ونسب بیان فرمائیں تو بہتر ہوگا؟

ج:۔ میرا نام تعصب بن جہالت بن رذالت بن حماقت ہے۔

س:۔ آپ کی پیدائش اور پرورش کہاں ہوئی؟

ج:۔ میری پیدائش اجتماعی نفلوں اور شر پسند لوگوں کے ذہنوں میں ہوئی۔

س:۔ فی الحال آپ کہاں قیام پذیر ہیں؟

ج:۔ فی الحال تو میں مختلف جگہوں میں فروکش ہوں، کبھی یونیورسٹیوں میں، تو کبھی سماج دشمن عناصر کے ذہنوں میں۔

س:۔ آپ کی دعوت کیا ہے؟

ج:۔ میری دعوت اختلاف اور انتشار کو عام کرنا اور معاشرے کے سلجھے ہوئے گیسو کو بکھیرنا ہے ساتھ ہی ساری دنیا کو جہنم کے دہکتے ہوئے الاؤ میں ڈھکیل دینا ہے۔

س:۔ آپ کی دعوت کی بنیادی چیز کیا ہے؟

ج:۔ حسد اور حرص کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔

س:۔ آپ اپنی دعوت میں کس حد تک کامیاب ہیں

ج:۔ تقریباً سو فیصد کامیابی سے ہمکنار ہوں، خصوصاً تنظیموں اور تحریکوں کے انتخاب کے موقعہ پر تو میرا ہر دن عید اور ہر رات شب برات ہو جاتی ہے اور میں اس میں غیر مستحقین کو عہدہ دلا کر ساری تنظیم کو تہس نہس کر دیتا ہوں۔

س:۔ کیا آپ دینی اداروں کا بھی دورہ کر لیتے ہیں؟

ج:۔ جی ہاں! وہاں تو میرے بڑے وفادار تلامذہ ہیں جو گرم جوشی سے میرا خیر مقدم کرتے ہیں اور ہر جگہ کی طرح یہاں بھی میری آؤ بھگت ہوتی ہے۔

س:۔ محترم تعصب صاحب ہمیں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اسلام تعصب کا سخت مخالف

ہے تو وہاں آپ کی آؤ بھگت کیسے کی جاتی ہے۔

ج:۔ اوہ! آپ نہیں سمجھے وہاں میرا نام تبدیل کر کے مصلحت کر دیا جاتا ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ اس دور میں مصلحت کے نام پر قتل بھی جائز ہو جاتا ہے۔

س:۔ کیا آپ رسائل وجرائد اور اخبارات کے ایڈیٹروں کے پاس بھی جاتے ہیں؟

ج:۔ جی ہاں! ان سے تو میری خاصی شناسائی ہے، یہی وہ لوگ ہیں جو ہر طرح سے میرے معین و مددگار ہیں دراصل یہ اخبارات کیا ہیں میرے ہی نظریات کے پرچارک ہیں لیکن کچھ رسالے ایسے بھی ہیں جن پر ابھی میرا داؤ نا کام ہے۔

س:۔ آپ کی تحریک کا نام کیا ہے؟

ج:۔ جمعیۃ المتعصبین المخلصین

س:۔ کیا مطلب؟

ج:۔ خلوص دل سے تعصب برتنے والی تنظیم۔

س:۔ آپ کس فرقہ کے لوگوں میں کامیاب نہیں ہو پاتے؟ مسکراتے ہوئے۔

ج:۔ جناب! فرقے بھی تو میں نے ہی تراشے ہیں اور اب تو میرا معاملہ یوں ہے کہ لوگ مجھے پاکر کامیابی محسوس کرتے ہیں۔

س:۔ آپ کا سب سے قریبی دوست کون ہے، ذرا نام بتائیے؟

ج:۔ یوں تو میں دوستی کرتا ہی نہیں ویسے شیخ ابلیس میرے رفیق خاص ہیں۔

س:۔ محترم آپ اپنا پتہ دیجئے:۔ پھر ملیں گے کہاں یہ بتا دیجئے۔؟

ج:۔ اس سوال کا جواب میں نے شروع ہی میں دے دیا ہے کہ اجتماعیت جہاں ہو وہاں میں ضرور ملوں گا اور اس کی بیخ کنی کی بھرپور کوشش کروں گا ویسے آج کل دارالسلطنت میں ضرور پائیں گے۔

س:۔ اچھا تو اب اجازت دیجئے

ج:۔ ٹھیک ہے چاہئے آپ بھی ذرا سنبھل کر رہئے۔

زندگی نام ہے....

عبد السمیع محمد ھارون سلفی۔ راگھونگر۔ بھوارہ۔ بہار

زندگی ـــــ ایک مجموعۂ طلسم اضداد ہے، جہاں سوز ہے اور ساز بھی بہار ہے اور خزاں بھی جہاں محفل شادی کی سرور آور اور خنک لہریں ہیں اور مسرت و انبساط کی بادہ ریزیاں بھی۔ جہاں نوحۂ غم ہے اور جشن و جلوس کی ہماہمی اور طرب انگیزی بھی آبشار مسرت کا سیل رواں ہے اور بہتے ہوئے اشک و لہو بھی ـــــ جہاں نسیم صبح کی سرور آور اور باد سحر کی کیف آگیں لذتیں ہیں اور خشت و سنگ باراں کی دردناک آہیں بھی ـــــ زندگی ایک لطیف دھڑکن ہے جو رنگ و خوشبو کا مسکن ہے اور درد و غم کا ملجا بھی۔ قصہ کوتاہ ـــــ زندگی ایک پیکر طلسم اضداد اور چیستان تضاد ہے ـــــ پر اسی تناقص کی رنگینی سے زندگی کی آب و تاب قائم ہے اور اسی تضاد سے اس کی رعنائیاں ہیں اور اسی گلہائے رنگارنگ سے نگار خانۂ جہاں اور زندگی فانی کی کشش اور رنگینی قائم ہے ـــــ کیونکہ اگر زندگی میں صرف مسرت و شادمانی کی گنگا جمنا ہی بہتی ہوں ہن برستا ہو، صرف عیش و سرور کی خنک آور اور کیف آگیں لہریں ہوں اور غم کی بادہ ریزیاں نہ ہو سوز و الم کی دلگداز اور خنک لہریں نہ ہو تو زندگی بے کیف ہے بے معنیٰ محض ہے اور حقیقت کی خشک تفسیر ہے۔

ہے بڑی چیز انبساط مگر ۔۔۔ غم نہ ہو تو حیات کچھ بھی نہیں

کاروان عمر کی راہوں میں انسان کو مختلف قسم کی مزاحمتیں اور نشیب و فراز کی رکاوٹیں درپیش ہوتی ہیں، کبھی ایک قدم اٹھاتے ہیں تو خوشیاں قدم پھیلائے ہوئے چلی آتی ہیں اور ہمارے چہرے پر مسکراہٹیں بکھیر دیتی ہیں اور ان عارضی خوشی میں کھو کر ہم زمانے بھر کے غم بھول جاتے ہیں اور کبھی تقدیر کے سفاک لیٹرے ہماری زندگی سے خوشیوں کا قطرہ قطرہ چھین لیتے ہیں اور ہم تہی دست و تہی داماں ہو جاتے ہیں، خواہشیں مٹ جاتی ہیں، تمنائیں سسک سسک کر دم توڑ دیتی ہیں۔ لیکن یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ خوشیوں کا گزر

زندگی میں بہت کم ہے اور رنج وغم کی بہتات ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر انسان زندگی کے اس بلاخیز طوفان اور رنج وغم کے سیل رواں میں خس وخاشاک کی طرح بہہ جاتے ہیں، زندگی کی کشمکشوں سے گریز کر کے اس زندگی کی قدر و قیمت اور حقیقت کو طاق نسیاں اور مقاصد کے حصول سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ زندگی ان کی یاسیت کا پیکر اور قنوطیت محض ہو جاتی ہے زندگی کی کلفتوں اور غموں کے مقابلہ کی طاقت اس کے اندر سے سلب ہو جاتی ہے اور ان کی زندگی بے معنی محض ہو جاتی ہے۔ وہ زندگی ہی میں موت کے تلخ آشام جام نوش کر لیتا ہے۔ اور ان کا وجود زندہ لاش کے مانند ہو جاتا ہے ایسے ہی انسانوں سے متعلق اقبال نے کہا ہے۔

گریز کشمکش زندگی سے مردوں کی   اگر شکست نہیں ہے تو اور کیا ہے شکست

زندگی کی راہوں میں رنج وغم اور مسرت و خوشی ہر ایک سے انسان دوچار ہوتا ہے اسی طرح انسان کو خوشیاں اتنی ہی کم حاصل ہوتی ہیں جتنی کی غم زیادہ۔ یہ فطرت کا اصول ہے مگر زندگی کی کشمکشوں سے گریز کرنا یہ بزدلی ہے جو دین فطرت ہر ایک کے خلاف ہے۔ ایک مومن کی صفت یہ بھی بتلائی گئی ہے کہ وہ غموں کی تاریکیوں میں اور خوشیوں کے اجالے میں بھی عزم وحوصلے کے دیپ جلائے رکھتے ہیں۔ رنج وغم اور زندگی کی کلفتوں اور مصیبتوں سے سمجھوتہ کر لیتے ہیں فطرت کے اس اٹل قانون پر امید اور اذعان رکھتے ہوئے کہ غم ومسرت کا تو چولی دامن کا ساتھ ہے، "پھر زندگی کی کشمکشوں سے گریز کیوں؟ کشمکش زندگی سے گریز مومن کا کام نہیں"

ہماری بھی زندگی ہے اور یقیناً ہم سب کو بھی مسرتوں اور غم ہر ایک سے دوچار ہونا پڑتا ہے تو کیا ہم بھی کشمکش زندگی سے شکست خوردہ ہیں اور ہم اپنے آپ کو زندگی کے غم والم کے سیل رواں میں خس وخاشاک کی طرح بہا رہے ہیں اگر ایسا ہے تو آئیے اور آج سے پیماں وفا باندھیں کہ زندگی کی کشمکشوں سے گریز نہیں کریں گے بلکہ زندگی جیسی گراں بہا اور متاع بیش بہا نعمت کی قدر کریں گے اور غم والم کی تمام سزاحمتوں کے باوجود ہم گوہر مقصود کے حاصل کرنے سے گریز نہیں کریں گے،، ہم جئیں تو اس عزم مصمم کے ساتھ کہ ـــــــ "وہ غم ومسرت کا تو چولی دامن کا ساتھ ہے زندگی کے ہر پر بہار باغ کو خزاں کی

بقیہ صفحہ پر

زر ہے تو نر، نہیں تو خر

خضر اللہ انصاری۔ راگھونگر بھوارہ۔ مدھوبنی۔ بہار۔

دولت، ثروت اور روپئے پیسے بڑے کام کی چیز ہیں۔ زندگی کے بیشتر معاملات میں ان کے بغیر کام بھی نہیں چلتا۔ آج کی اس مادی دنیا میں سیم وزر کی اہمیت تو اتنی بڑھ گئی کہ پیسہ دوا بنے،، لگا اور لوگ یہاں تک کہنے لگے کہ: بھیا! سب سے بڑا روپیا یہ صحیح ہے یا غلط، اس سے صرف نظر لیکن سیم وزر کی اہمیت سے اگر آپ انکار کرتے ہیں تو یہ حقیقت سے آنکھ چُرانی ہے! یہ اور بات ہے کہ سیم وزر اور دولت ہی سب کچھ نہیں آجکل اس زر پرست دنیا میں کتنے لوگ اس سے اتفاق کرینگے؟ کم ہوں تو ٹھیک ہے۔ کیوں کہ وہ لوگ، جو عام طور سے دولت اور روپیوں پیسوں کے خلاف طوطے مینے اڑاتے رہتے ہیں اور بولتے نہیں تھکتے، ان میں سے اکثر جب سکوں کی آواز سنتے ہیں تو یکلخت وہ گونگے ہو جاتے ہیں اور پھر کچھ بول نہیں پاتے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ــــ آج کل تو اس کے تماشے ہوتے ہیں اور ہم آپ تماشائی ہیں! ان کی بات چھوڑیئے، جو بدل جاتے ہیں اور ان کی بات سنئے، جو دولت پاکر مچل جاتے ہیں۔ ایسے لوگ اگر جاہل و ناداں، شریر و بدقماش، مکار و عیار اور لاکھ بدکردار ہوں تو پھر بھی عقلمند و دانا، شریف و نیک خو، مخلص و بے لوث اور بڑے اچھے کہلاتے ہیں۔ آپ کو یقین نہیں ہے مظلوم اردو کا یہ شعر سنئے۔

جس کے تن میں پیسوں کا شجر لگتا ہے   اس کا ہر عیب زمانے کو ہنر لگتا ہے

وہ مثل آپ نے سنی ہوگی کہ "گانٹھ میں زر ہے تو نر ہے نہیں تو خر ہے" سو غلط نہیں ہے کہ اگر آدمی کے پاس دولت ہے تو دانا و عقلمند، ورنہ بیوقوف گدھا۔ گویا نر و خر کی میزان ہے زر۔ آج لوگ اسی سے انسان کو ناپنے تولنے لگے ہیں۔ دروغ برگردن راوی، سنا ہے کہ اگر کوئی امیر شراب کے نشے میں بدمست کہیں بیہوش پڑا ہو تو لوگ کہیں گے کہ غشی آگئی اور بیہوش ہو پڑا۔ لیکن اگر غریب بھوک کی شدت سے بیہوش ہو جائے تو

کہیں گے کہ کم بخت پی کر پڑا ہوا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اس سے کلی طور پر اتفاق نہیں کیا جائے، لیکن اس طرح کے بے شمار واقعے آپ کے سامنے رونما ہوتے ہوں گے، جن کے اندر پیسے والے "زر ہی زور ہے" کے مطابق بے قصور ثابت ہوں اور بیچارے غریب "طویلے کی بلا بندر کے سر" کے مصداق بہر حال قصوروار اور سزا کے مستحق۔ مطلب قصور غریب کا نہیں، بلکہ اس کی غربت کا ہے۔ غریب احمق و ناداں، غریب ملزم و مجرم اور غریب بے قیمت و قدر۔ شاید اسی لئے مفلسی، بیکسی اور غربت سے پناہ مانگی جاتی ہے اللہ بچائے آمین۔ عربی کا ایک شعر ہے۔

رأیت الناس قد مالوا الیٰ من عندہ مال ومن لا عندہ مال فعنہ الناس قد مالوا

یعنی، جہاں گڑ وہاں مکھی اور جہاں نہیں تو نہیں۔ جیب میں روپئے پیسے ہوں تو پھر دیکھئے کہ آپ کے اپنے کتنے بن جاتے آپ کیا سے کیا ہو جاتے اور کہاں سے کہاں پہنچ جاتے لیکن جیب جب خالی ہو تو اپنا ہاتھ بھی اس میں نہیں جاتا، اپنے بھی بیگانے ہو جاتے، آپ اچھے بھی ہوں تو برے اور سارے محاسن معائب کہلانے لگتے۔

ملازمت کی دنیا اور بالخصوص سرکاری ادارے و دفاتر میں ایک نظر دیکھ لیجئے۔ روپیوں نے وہاں کتنوں کو وہاں نااہل سے لائق اور "خر" سے "نر" بنا دیا۔ لیکن حرماں نصیب ان کو بھی اپنے گرد دیکھئے، جن کو غربت نے لائق سے نالائق اور "نر" سے "خر" بنا دیا کمال ہے دولت کا اور افسوس ہے غربت پر۔ کیا کریں گے لوگ۔ نصیب اپنا اپنا۔

واضح ہو کہ حقیقت پسندی اور ہوشمندی کا تقاضہ یہ ہے کہ نر کو نر اور خر کو خر ہی کہا جائے۔ چاہے کوئی امیر ہو یا غریب۔ دولت اور غربت کو انسانی حیثیت کا معیار نہیں سمجھا جائے۔ ورنہ انجام خراب اور مسائل ژولیدہ ہو جائیں گے انسانیت کے ساتھ زیادتی اور ایک زندہ حقیقت سے کھلا مذاق ہوگا۔ ...

بقیہ ص ۱۲ کا

دھوپ دیکھنا ہے پھر کشمکش سے گریز کیوں؟ کیونکہ اس سے گریز انسانیت کی موت اور اس کی کلفتوں سے برسر پیکار رہنا ہی اصل زندگی ہے۔ گویا زندگی نام ہے مر مر کے جئے جانے کا۔

دریں چمن کہ بہار و خزاں ہم آغوش ست زمانہ جام بدست و جنازہ بردوش ست۔

امام بخاریؒ اور ان کی صحیح بخاری

کمالات وخصوصیات کی روشنی میں

(دوسری و آخری قسط)

ابوسعید عباس السلفی۔ مدرسہ قاسم العلوم گلرھا۔ جبرلپور۔ گونڈہ۔

تصنیفات

۱۔ الجامع الصحیح ۲۔ الادب المفرد ۳۔ الجامع الکبیر ۴۔ قضایا الصحابہ والتابعین۔ ۵۔ التاریخ الکبیر ۶۔ کتاب المبسوط ۷۔ رفع الیدین فی الصلوۃ ۸۔ التاریخ الاوسط ۹۔ بر الوالدین ۱۰۔ القرأۃ خلف الامام ۱۱۔ التاریخ للصغیر ۱۲۔ کتاب الوجدان ۱۳۔ کتاب الضعفاء الصغیر ۱۴۔ کتاب الفوائد ۱۵۔ الجامع الصغیر فی الحدیث ۱۶۔ المسند الکبیر ۱۷۔ التفسیر الکبیر ۱۸۔ کتاب العلل ۱۹۔ کتاب الاشربہ ۲۰۔ آسامی للصحابہ ۲۱۔ کتاب الھبہ ۲۲۔ کتاب الرقائق ۲۳۔ کتاب الکنی ۲۴۔ کتاب المناقب ۲۵۔ خلق افعال للعباد، وغیرہ مگر آپ کی جملہ تصیفات میں سے سب سے زیادہ مہتم بالشان تصنیف آپ کی الجامع الصحیح ہے۔ جس کی شہرت ومقبولیت دنیا کے ہر ہر گوشہ میں ہوچکی ہے۔ اور اسی وجہ سے آپ امام المحدثین کے لقب سے ملقب ہیں

وجہ تالیف وتعداد احادیث یوں تو محدثین نے صحیح بخاری کی تالیف کے کئی اسباب بیان کئے ہیں لیکن عام طور پر اس کا سبب تالیف یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے استاذ اسحق بن راہویہ نے اپنے شاگردوں سے۔ "لو جمعتم کتابا مختصرا السنن النبی صلی اللہ علیہ وسلم"، کہ اگر تم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیثوں کو ایک کتاب میں جمع کر دیتے تو یہ بات علامہ موصوف کے دل میں بیٹھ گئی۔ اور صحیح بخاری کی تالیف میں ہمہ تن مصروف ومشغول ہوگئے۔۔

اسی طرح ایک دوسری اہم وجہ لوگوں نے یہ بیان کی ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ نبی کریم ﷺ کے سامنے کھڑے ہوکر اپنے ہاتھ میں پنکھا لئے ہوئے مکھیوں کو دفع کر رہے ہیں۔ بیدار ہونے کے بعد آپ نے چند معبرین سے اس کی تعبیر پوچھی تو آپ

کو بتایا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو جھوٹی اور موضوع حدیثیں منسوب کی جاتی ہیں آپ اس کی مدافعت اور تردید کریں گے۔ چنانچہ یہ سننے کے بعد آپ نے اس کی تالیف شروع کر دی۔

اور حافظ ابن حجر کے قول کے مطابق اپنی پوری کتاب میں صحت کا التزام کیا جو اس کے نام سے ظاہر ہے۔ اس کتاب کا پورا نام "الجامع الصحیح المسند من حدیث رسول اللہ وسننہ وایامہ" ہے۔ صحیح بخاری کے کل حدیثوں کی تعداد مع مکررات نو ہزار دو سو ہیں۔ جیسا کہ علامہ ابن خلدون نے اپنی مایۂ ناز کتاب مقدمہ ابن خلدون میں بیان کیا ہے۔

لیکن حافظ ابن حجرؒ نے نو ہزار بیاسی بتائی ہے۔ اور بعض لوگوں نے کل حدیثوں کی تعداد سات ہزار دو سو پچھتر بتلائی ہے۔

مدت تالیف اور اسکی کیفیت اس کی تالیف کے بارے میں مولانا عبدالسلام مرحوم نے سیرۃ البخاری میں خود علامہ موصوف کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں نے۔ صحیح بخاری کو مسجد حرام میں تالیف کیا اور ہر حدیث پر دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد استخارہ کرتا جب مکمل صحت کا یقین ہو جاتا تب اس کو جامع میں داخل کرتا۔

لیکن بقول علامہ عینی ابن طاہر نے کہا ہے کہ امام بخاری نے صحیح بخاری کو بخارا میں تصنیف کیا۔ ابن جبیر کہتے ہیں کہ اس کی تالیف مکہ معظمہ میں ہوئی اور عند البعض اس کی تصنیف بصرہ میں ہوئی بہر حال مقام تصنیف کے بارے میں جو متعدد مقامات بیان کئے جاتے ہیں، ان میں حافظ ابن حجر نے یہ تطبیق دی ہے کہ تصنیف کا ابتدائی خاکہ اور ترتیب ابواب تو مسجد حرام میں تیار کر لئے تھے مگر احادیث کی تخریج مختلف مقامات پر فرماتے رہے۔

تراجم ابواب کے مسودہ کو مزار مبارک اور ممبر شریف کے درمیان تبئیض میں تبدیل فرمایا اور الجامع الصحیح کو سولہ سال کی مدت میں تیار کیا۔

تخریج حدیث اور شرائط التزام علامہ ابن اسماعیل نے تخریج احادیث کے سلسلے میں بڑی سخت شرائط کا التزام کیا ہے اور انہوں نے اپنی جامع میں ایسی روایتوں کی تخریج کی ہے کہ جن کے تمام رواۃ صحابی مشہور تک ثقہ ہوں اور ان پر کبار محدثین کا اتفاق ہو نیز انہوں نے تخریج روایت کے لئے یہ بھی شرط لگائی ہے کہ اس کی سند متصل ہو منقطع نہ ہو۔ اور جمہور کے

مسلک کے خلاف راوی اور مروی عنہ کا صرف ہم عصر ہونا کافی نہیں سمجھا ہے۔ بلکہ لگاؤ بھی ضروری قرار دیا ہے۔

آپ نے کسی ایسے شخص سے روایت نہیں لی ہے کہ جو اس بات کا قائل نہ ہو کہ ایمان قول وعمل کا نام ہے۔ آپ نے جتنے لوگوں سے روایتیں لی ہیں وہ تمام کے تمام ثقہ اور عادل ہیں۔

چنانچہ حافظ سخاوی" نے اپنے شہرۂ آفاق کتاب "فتح المغیث" میں لکھا ہے کہ علامہ موصوف نے اپنے شیوخ سے لے کر صحابی تک کے ہر طبقہ میں دو عادل راوی کی شرط لگائی ہے اور امام حاکم وبیہقی نے حوالہ سے بالتفصیل اس کا تذکرہ بھی کیا ہے۔

کتب احادیث میں بخاری کا مقام علامہ موصوف کے شرائط والتزام کو دیکھ کر علماء امت اور فقہاء کرام نے اس بات پر اتفاق کر لیا ہے کہ صحیح بخاری کو صحاح اور دیگر کتب حدیث پر ترجیح حاصل ہے اور اس کی ساری حدیثیں صحیح ہیں۔

حتی کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو یہ قسم کھا کر طلاق دینا چاہے کہ اگر امام بخاریؒ کی جمع کردہ جامع صحیح کی ساری حدیثیں صحیح نہیں ہیں۔ اور اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا ہے۔ تو میری بیوی کو طلاق ہے۔ تو وہ ایسی صورت میں نہ تو گنہگار ہی ہوگا اور نہ اس کی بیوی کو طلاق واقع ہوگی۔ (مکانۃ الصحیحین)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صحیح بخاری صحت اور دیگر خصوصیات کی وجہ سے۔ صحیح مسلم پر بھی فوقیت رکھتی ہے۔

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے۔ کہ بخاری کا صحیح مسلم یا اور کوئی کتاب مقابلہ نہیں کر سکتی۔

علامہ ابن خلدون نے اپنی قابل فخر کتاب مقدمہ ابن خلدون میں فرمایا ہے کہ امہات کتاب میں صحیح بخاری کا مرتبہ سب سے زیادہ بلند ہے۔

علامہ امام دار قطنی فرماتے ہیں کہ "اگر بخاری نہ ہوتے تو مسلم کا وجود ہی نہ ہوتا"

بہرکیف مذکورہ بالا تمام اقوال وتاثرات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیح بخاری کا مقام مسلم اور دیگر کتب احادیث سے بالا ہے۔

اس طرح سے حافظ ابن صلاح نے صحیح بخاری ومسلم کے بارے میں لکھا ہے کہ۔

"وکتابھما اصح الکتب بعد کتاب اللہ العزیز ثم ان الکتاب البخاری اصح الکتابین صحیحا واکثرھا

یعنی اللہ کی کتاب کے بعد بخاری و مسلم کی کتاب سب سے زیادہ صحیح ترین کتاب ہے۔ پھر ان دونوں صحیح کتابوں میں صحیح بخاری کا درجہ باعتبار صحت مقدم ہے۔ اور کثیر الفوائد ہونے کے اعتبار سے بھی صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر تقدم حاصل ہے۔

مصر کے جلیل القدر ممتاز و معروف محدث۔ شیخ احمد بن شاکر نے صحیحین کی صحت کا تذکرہ کرتے ہوئے (الباعث الحثیث) میں لکھا ہے کہ "ان احادیث الصحیحین صحیحۃ کلھا لیس فی واحد منہا مطعن ولا ضعف،، یعنی صحیح بخاری و صحیح مسلم کی تمام حدیثیں صحیح ہیں۔ نہ ان میں ضعف ہے اور نہ تو کسی میں کوئی طعن و جرح موجود ہے۔

علاوہ ازیں صاحب سیرۃ البخاری علامہ مبارکپوری کا نقل کردہ وہ واقعہ جو انہوں نے ابو زید مروزی کے بارے میں لکھا ہے کہ ایک بار ابو زید مروزی حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان سو رہے تھے۔ کہ خواب میں ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو زید تم میری جلیل القدر کتاب ہوتے ہوئے دوسری کتابوں کا درس کب تک دیتے رہو گے۔ ابو زید نے پوچھا حضور والا آپ کی کتاب کونسی ہے۔ حضور نے جواب دیا کہ وہی محمد بن اسماعیل کی ترتیب دی ہوئی کتاب (الجامع الصحیح) بخاری کی صحت و مقبولیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

بہر حال جیسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر،، کہا گیا ہے، اسی طرح صحیح بخاری کی عظمت و فضیلت کے متعلق بھی کہا جا سکتا ہے۔ کہ "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر،،

شروح و حواشی

جامع صحیح کی اہمیت و فضیلت کی بنا پر علماء نے اس کی اتنی شرحیں لکھی ہیں کہ ان کا استفسار کرنا دشوار و محال ہے۔ ویسے صاحب سیرۃ البخاری نے اپنے علم کی حد تک عربی۔ فارسی اور اردو شروح کی تعداد ۱۴۵ لکھی ہے جن میں سے ۱۔ فتح الباری لابن حجر ۲۔ عمدۃ القاری للعلامہ بدر الدین ۳۔ ارشاد الساری للعلامہ شہاب احمد بن محمد القسطلانی ۴۔ الکوکب الدراری للعلامہ شمس الدین محمد بن یوسف کرمانی ۵۔ شرح النووی للعلامہ محی الدین ۶۔ عون الباری للعلامہ نواب صدیق حسن خاں عام طور مشہور و معروف ہیں۔

مگر بعض لوگوں نے حافظ ابن حجر کی فتح الباری کو سب سے زیادہ افضل قرار دیا ہے۔ جیسا کہ حافظ سخاوی نے فتح الباری کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ اب امت سے بخاری کی شرح کا قرض ادا ہو گیا۔

جلاوطنی اور وفات امام صاحب نے اپنے وطن مالوف شہر بخاری میں غالباً ایک مدت تک بڑے چین و سکون کے ساتھ زندگی بسر کی۔ مگر آخری وقت میں اپنی خوددار طبیعت کی بنیاد پر مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔

جیسا کہ علامہ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد ج ۲ میں لکھا ہے کہ جب امیر بخاری امیر خالد بن ولید احمد ذہلی نے علامہ موصوف کو جامع صحیح اور دیگر تاریخی کتابوں کو دربار شاہی میں لاکر سنانے اور پڑھانے کا حکم دیا تو امام موصوف کی غیرت کو یہ گوارہ نہ ہوا اور آپ نے اس کے قاصد کے ذریعہ یہ پیغام بھیجا کہ میں علم کی تذلیل نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر آپ کو سننا ہی ہے یا اپنے بچوں کو پڑھانا ہے تو آپ میری مسجد یا گھر میں تشریف لائیں اور اپنے بچوں کو سماع حدیث کے لئے روانہ کریں یا اگر گوارہ نہ ہو تو آپ ہم کو درس و تدریس سے روک دیں تاکہ قیامت کے دن میرے لئے عذر ہو جائے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "من سئل عن علم فکتمہ الجم بلجام من النار" کے مطابق میں علم کو چھپاتا نہیں۔ چنانچہ بقول خطیب بغدادی شاہ بخاری نے اسی رنج و عناد کی بنیاد پر ایک سازش کے تحت امام موصوف کو شہر بخاری سے نکل جانے کا حکم دے دیا اور علامہ موصوف یہ فیصلہ سنتے ہی نکل کر شہر سمرقند کے ایک چھوٹے سے گاؤں جہاں آپ کے کچھ رشتہ دار رہتے تھے خرتنک چلے آئے۔ اور آخری عمر تک یہیں رہے۔ جلاوطنی کا آپ کو اس قدر افسوس و صدمہ تھا کہ وفور غم میں ایک مرتبہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ اے بارالہا یہ زمین اپنی وسعت دامانی کے باوجود آج میرے لئے تنگ ہو گئی۔ اس لئے اب تو مجھ کو اس دنیائے فانی سے اٹھالے۔

بہرکیف رب لم یزل نے آپ کی دعا کو قبول فرمایا اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد آپ ۶۲ سال کی عمر پاکر مقام خرتنک میں شوال ۲۵۶ھ بوقت شب عید الفطر اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے۔ اور عید کے دن ظہر کی نماز کے بعد تجہیز و تکفین ہوئی۔ جنازہ میں بڑے بڑے علماء اور امراء شریک تھے۔ دفن کے بعد آپ کی قبر سے ایک نہایت تیز خوشبو پھیلی جو مشک عنبر

سے بھی بڑھ کر تھی علامہ موصوف کی وفات پر علماء امت نے بڑی حسرتیں ظاہر کیں۔

چنانچہ یحیٰ بن جعفر بیکندی نے کہا کہ امام بخاری کی موت علم کی موت ہے، ایک شاعر نے اختصار کے ساتھ امام صاحب کی سال ولادت اور سال وفات نیز مدت عمر کو دو شعروں میں یوں نظم کیا ہے۔

کان البخاری حافظا و محدثا	جمع الصحیح مکمل التحریر
میلادہ صدق و مدۃ عمرہ	فیھا حمید و انقضی فی نور

۱۹۴ ۶۲ ۲۵۶

امام بخاری نے جس وقت جمع حدیث کا ارادہ کیا اس وقت آپ کے سامنے کتب احادیث کی جتنی کتابیں موجود تھیں ان میں نہ صحت کا التزام کیا گیا تھا اور نہ علت وضعف سے بحث تھی۔ حتیٰ کہ صحیح اور ضعیف میں کوئی تمیز نہ تھی۔

ایسے وقت میں ضرورت تھی ایک ایسے کتاب کی جس میں صحیح آثار کی غیر صحیح آثار سے تمیز کی جائے اور صحت کے علاوہ ترتیب کے لحاظ سے بھی منظم اور مرتب ہو نیز حتی المقدور اس میں اعلیٰ اقسام کی حدیثیں درج ہوں، چنانچہ انہیں ضرورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے امام موصوف ہی نے سب سے پہلے اس التزام اور صحت سے حدیث کا ایک مجموعہ تیار کیا اور نہایت کوشش اور جانکاہی سے اولاً لاکھوں حدیثیں جمع کیں۔ پھر ان پر ناقدانہ نظر ڈالی اور حدیثوں کے مدارج مقرر کیے اور ان کو مختلف قسموں میں تقسیم کیا۔

اگرچہ یہ التزام مسلم اور کم و بیش سنن اربعہ میں بھی پایا جاتا ہے اور بقول بعض موطا امام مالک بھی اس خصوصیت میں شریک ہے تاہم موصوف نے جس عمدگی اور خوبی سے اس التزام کو نبھایا ہے اس کی نظیر کوئی مجموعہ پیش نہیں کر سکتا یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب اصح الکتب بعد کتاب اللہ کے خطاب سے سرفراز ہوئی ہے۔ یہی نہیں بلکہ صحیح مسلم اور دیگر کتب احادیث کے مقابلہ میں صحیح بخاری کی خوبیاں و خصوصیات بے شمار ہیں جن میں سے چند اہم خصوصیتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ امام بخاری کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ آپ کو دوران تالیف جب بھی کبھی تالیف کا سلسلہ چھوڑنا پڑا تو دوبارہ شروع کرتے وقت آپ نے اس کی ابتدا بسم اللہ الرحمن الرحیم سے کی۔ ۲۔ حضرت موصوف کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے اپنی جامع صحیح میں صیغۂ تمریض سے روایت کی صنعت کی طرف اشارہ کیا ہے اس کے باوجود ان کی یہ

روایت ناقابل اعتبار نہیں ہے۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ جب آپ کا مقصد متن بالمعنیٰ اختصار کے ساتھ بیان کرنا ہوتا ہے تو صیغۂ تمریض سے اشارہ کرتے ہیں۔

۳۔ آپ کے متعلق مشہور ہے کہ جب قال فلاں کہتے ہیں تو یہ مذاکرہ پر محمول ہوتا مگر اس کا رتبہ تحدیث سے کم ہوتا ہے اور یہ صیغہ آپ اس وقت استعمال کرتے ہیں جبکہ روایت آپ کے شرط پر نہ ہو لیکن یہ آپ کا کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔

۴۔ ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کا امراض و مصائب یا دشمنوں کے خوف و غلبہ کی گرانی کے وقت پڑھنا تریاق مجرب ہے۔

۵۔ پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ بخاری میں بائیس روایات ثلاثی ہیں جن کا تذکرہ حاشیہ پر نہایت جلی قلم سے کیا گیا ہے ان میں سے بعض ثلاثیات کے شیوخ حنفی المسلک ہیں۔

۶۔ امام بخاری کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ جہاں حدیث میں ایسا کوئی غریب لفظ آیا ہے کہ جس کی نظیر کتاب اللہ میں موجود ہے تو اس کی وضاحت میں مفسرین کے اقوال نقل کر دیئے ہیں۔ اسی طرح اکثر جگہوں میں باب کی مناسبت سے آیات قرآنی کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔

۷۔ آپ کی ساتویں خصوصیت یہ ہے کہ متعدد فوائد کے پیش نظر آپ نے ایک ہی روایت کو کئی جگہوں پر ذکر کر دیا ہے۔ لیکن ایک ہی سند و متن کو بالقصد آپ نے مکرر نہیں ذکر کیا ہے۔

۸۔ آپ کی آٹھویں خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے اپنی جامع صحیح کے ہر کتاب کے شروع میں حدیث کے زمانۂ ورود اور مشروعیت کی ابتداء کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے۔

۹۔ آپ کی نویں خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے اپنی صحیح کے ہر کتاب کے آخر میں کسی نہ کسی لفظ سے ختم کتاب کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔

۱۰۔ آپ نے کتاب کی ابتداء اور انتہا میں گہرا ربط پیدا کر دیا ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے اس سلسلے میں اپنے استاذ کا قول نقل کیا ہے کہ امام بخاری نے اپنی کتاب کو کتاب التوحید پر ختم کیا ہے۔ کیونکہ توحید ہی آخرت میں کامیابی و کامرانی کی اصل میزان ہے۔ اور اس کی ابتدا "إنما الاعمال بالنیات" سے فرمائی ہے کیونکہ آخرت میں صرف وہی اعمال وزن ہونگے

جو اخلاص کے ساتھ رضائے الہٰی کے لئے کئے گئے ہوں گے۔

گیارہویں خصوصیت یہ ہے کہ آپ کے اکثر تراجم الابواب کسی حدیث یا آیات کے ٹکڑے ہیں

۱۲۔ بخاری کو حسن ترتیب اور موزونیت میں ڈھالنا بھی ان کی ایک اہم خصوصیت ہے

۱۳۔ آپ کے قائم کردہ تراجم الابواب بھی خاص اہمیت کے حامل ہیں

۱۴۔ آپ کی جمع کردہ اکثر و بیشتر روایتیں علماء و فقہاء۔ ائمہ و مجتہدین اور صحابہ کرام و تابعین عظام کی معمول بہا ہیں۔

۱۵۔ علامہ موصوف کی پندرہویں اہم خصوصیت یہ ہے کہ موصوف سلسلۂ روایت کے اتصال کے لئے صرف معاصرت کو ہی کافی نہیں سمجھتے ہیں بلکہ ان کے نزدیک مدلس مشہور نہ ہونے کے ساتھ ساتھ لقاء بھی ضروری ہے برخلاف امام مسلم کے کیونکہ وہ سلسلۂ روایت کے اتصال کے لئے راوی اور مروی عنہ کی صرف ہم عصری کافی سمجھتے ہیں بشرط راوی مدلس مشہور نہ ہو۔

ان کے علاوہ اور بھی امام موصوف اور ان کی جامع صحیح کی بہت سی خصوصیتیں ہیں جن کو بوجہ طوالت یہاں ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

ماخذ و مراجع:

۱۔ سیرۃ البخاری از مولینا عبدالسلام مبارکپوری ۲۔ تاریخ بغداد ج ۲۔ مطبع مصر ۳۔ تذکرۃ الحفاظ از علامہ ذہبی ۴۔ مقدمہ ابن خلدون ۵۔ شذرات الذہب ج ۲۔ ۶۔ محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے ۷۔ تذکرۃ المحدثین ۸۔ مکانۃ الصحیحین از خلیل ابراہیم ملاخاطر ۹۔ ظفر المحصلین باحوال المصنفین ۱۰۔ بستان المحدثین از شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی،

بقیہ ص ۱۳ کا:

دے دیں۔ وہ لوٹ کر اپنی قوم کے پاس گیا۔ اور کہنے لگا قوم والوں مسلمان ہو جاؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اتنا دیتے ہیں کہ (معلوم ہوتا ہے) ان کو افلاس کا خوف ہی نہیں ہے (مسلم)

آپ کے یہی اوصاف عالیہ تھے جس کے عوض لوگ اسلام کی دولت سے مالا مال ہوتے تھے۔ کردار کا نتیجہ ثمر آور ہوتا ہے اخلاق کا اثر تلوار سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ جو بھی دشمن آپؐ سے ترش رو ہو کر آتا وہ نرمی کے ساتھ واپس چلا جاتا۔ اسلام قبول کرتا یا آپؐ کے تعلق سے بہترین تاثر ساتھ لے کر چلا جاتا۔

زمین پر بنے آسمان کیسے کیسے

شیخ الحدیث مولانا محمد نعمان علیہ الرحمۃ

حبیب الرحمٰن اعظمی عمری۔ جامعہ دارالسلام عمرآباد۔

شمالی ہندوستان کے شہر مئوناتھ بھنجن کے اس علمی خانوادے کے متعلق کچھ لکھنے کا عرصے سے خیال ہو رہا تھا، جس کی علمی و دینی خدمات ناقابل فراموش ہیں اور ملک وملت پر اس کے احسانات کی فہرست بڑی طویل ہے۔ علم وفن کے ہر شعبے میں اس خاندان کے افراد کے نام سرفہرست ملیں گے۔ ملک کے گوشے گوشے اور دنیا کے کئی ایک ممالک میں اس کے فرزند اپنے علم وفضل کی وجہ سے ایک امتیازی مقام پیدا کر چکے ہیں۔ انگلینڈ، نائیجیریا، ملیشیا' اور خلیج کی کئی ریاستوں میں ان کی روشن خدمات کے آثار دیکھے جا سکتے ہیں۔

اس خانوادے نے جہاں بہت سے متبحر علماء وفضلاء، بہترین حفاظ وقراء اور شعلہ نوا مقررین وخطباء کو جنم دیا ہے، وہیں شاندار محقق، کامیاب مصنف، لائق مترجم مستند ادیب پرگو شاعر اور صاحب طرز انشاء پرداز بھی پیدا کئے ہیں۔ آج اس خانوادے کے بیسیوں افراد مختلف علمی اور دینی اداروں میں امتیازی اور کلیدی مناصب پر فائز ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ ان کی ٹھوس خدمات کو ہر جگہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے "ذالك فضل اللہ یوتیہ من یشاء"۔

اس خانوادے کے جگر گوشوں نے ملک کے شمالی علاقوں سے لیکر جنوب کے آخر حصوں تک اپنے علمی فیوض کو عام کیا ہے۔ مئوناتھ بھنجن کے جامعہ عالیہ، جامعہ فیض عام اور جامعہ اثریہ دارالحدیث سے لیکر بنارس کے جامعہ سلفیہ دلی یونیورسٹی مالیگاؤں کے جامعہ محمدیہ، عمرآباد کے جامعہ دارالسلام، وانمباڑی کے مدرسہ فیض عام ومدرسۃ البنات ہاسپٹ کے مدرسہ حمایت الاسلام، حیدرآباد کے دائرۃ المعارف اور رائیدرگ کے جامعہ محمدیہ تک بلکہ ساحل مالابار کے آخری گوشوں تک اس کے فیوض وبرکات کی لہریں پہونچی ہیں اور کشت انسانیت کو سیراب وفیضیاب کیا ہے۔

ذیل کی سطروں میں ہم شہر مئوناتھ بھنجن کے اسی علمی خانوادے کے ایک ایسے ہونہار فرزند اور جلیل القدر شخصیت کا تعارف کرانا چاہتے ہیں جس نے اپنی ابتدائی عمر کا ایک بڑا حصہ علوم دینیہ کے حصول کے لئے مخصوص کر دیا تھا کبھی آرہ پہونچ کر محدث جلیل حافظ عبداللہ غازیپوری کے روبرو علوم نبویہ کے لئے اپنا دامن مراد پھیلا تا رہا تو کبھی دہلی پہونچ کر محدث دوراں شیخ الکل میاں نذیر حسین کے آستانہ علم حدیث پر زانوے تلمذ تہ کرتا رہا۔ یا پھر دہلی کے ادب عربی کے استاذ کامل شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد کے گلشن ادب سے گلہائے ادب کی خوشہ چینی کرتا رہا۔

اس نے اپنے زندگی کے آخری ایام درس حدیث رسول کیلئے وقف کر دیئے تھے۔ تشنگان علوم نبویہ کی سیرابی کا اہتمام جس کی زندگی کا واحد مقصد تھا۔ اسی مقصد کی راہ میں اپنے وطن سے بہت دور جنوبی ہند کے (اس وقت کے) ایک غیر معروف دیہات میں تقریباً پچیس سال تک قال اللہ وقال الرسول کا درس دیتے ہوئے اس نے جان جاں آفریں کے حوالے کر دی وہ بیک وقت عالم حدیث بھی تھا اور عامل بالحدیث بھی عاشق رسول بھی تھا اور محب سنت رسول بھی، حدیث کا استاد بھی تھا اور حدیث کی چلتی پھرتی تصویر بھی، نمونہ سلف بھی تھا اور شمع راہ خلف بھی، راہ حق کا مرد بیباک اور شیر دل مجاہد بھی تھا اور "لایخافون لومۃ لائم،، کی زندہ تفسیر بھی۔ وہ توحید کا داعی تھا اسلام کا سپاہی تھا، کتاب وسنت کا شیدائی تھا حضور اکرم کا فدائی تھا اور سلفیت کا سودائی تھا۔ حق پسندی حق گوئی اور اعلان حق کے معاملے میں وہ بالکل اس شعر کا مصداق تھا۔

آئین جواں مردی حق گوئی وبیباکی ـــــ اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

وہ مسلکاً اہلحدیث تھا اعتقاداً بھی اہلحدیث تھا۔ اس کا اوڑھنا، بچھونا، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا چلنا پھرنا سونا جاگنا سب کچھ حدیث کا عملی نمونہ تھا۔ حدیث ہی میں اس کے دل کا سکون اس کی روح کا قرار اور اس کی زندگی کی حقیقی مسرتوں کا راز پوشیدہ تھا راہ حق و صداقت میں وہ مرد آہن تھا عزیمت واستقامت کی چٹان تھا، کفن بردوش مجاہد تھا شرک کے مقابلے میں سد سکندری تھا، بدعت کے معاملے میں شمشیر برہنہ تھا وہ خودداری وبے نیازی کا پیکر تھا، مصلحت پسندی سے کوسوں دور، شریعت کے راستے

میں بے لچک اور اصولوں کی راہ میں ناقابل تسخیر تھا اس میں صبر ایوب بھی تھا اور توکل یعقوب بھی، عیسیٰ کی نرمی بھی تھی اور ابراہیم کا جذبۂ دعوت بھی وہ دنیوی دولت سے بے نیاز تھا مگر اس فقیری میں "فقر بوذری" و "بوئے اسداللہی" کی شان نمایاں تھی جس کے آگے سلطانیاں قدم بوس ہو جاتی ہیں اور داریاں سر جھکا دینے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔

وہ عظیم المرتبت شخصیت (راقم الحروف کے والد مرحوم) شیخ الحدیث ابوالعرفان مولینا محمد نعمان رحمہ اللہ کی ذات گرامی، جن کی ولادت ۱۳۱۱ھ ۱۸۹۳ء میں شہر مئوناتھ بھنجن میں ہوئی تھی اور آج وہ اپنی تابناک زندگی کے ماہ و سال مکمل کرنے کے بعد خاک عمر آباد میں آسودۂ استراحت ہیں۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے — سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

راقم کے لئے آپ کی حیثیت بیک وقت مشفق باپ کی بھی تھی اور فرض شناس معلم و مربی کی بھی۔ ہر پہلو سے آپ کی شخصیت بڑی مکمل اور مثالی تھی۔ ناچیز کی یہ خوش نصیبی تھی کہ قرآن مجید ناظرہ آپ ہی سے مکمل کیا اور دوسری بہت ساری اردو عربی اور فارسی کی کتابوں کے علاوہ حدیث میں بلوغ المرام اور مشکوۃ شریف آپ سے پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی اور ساتھ ہی یہ محروم القسمتی بھی حصے میں آئی کہ (آپ کا انتقال ہو جانے کی وجہ سے) آپ سے مزید استفادہ کا موقع نہیں مل سکا۔ بحیثیت باپ کے آپ کے دل میں اولاد کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، لیکن مربی کی حیثیت سے آپ کی ذات بڑی بے لچک تھی اور دین و شریعت اور کتاب و سنت کے مقابلے میں کسی قسم کی ذرا سی کمی اور کوتاہی کو برداشت کرنے کے آپ قطعی روادار نہیں تھے۔ دنیوی امور میں آپ کی مہربانیاں، کرم فرمائیاں اور الطاف خسروانہ جہاں بے مثال تھے وہیں دینی معاملات میں آپ کی سختی اور سخت گیری بھی بے نظیر تھی خواہ وہ اہل و عیال ہوں، حلقۂ احباب ہو یا مجلس اغیار، دین و شریعت کے تعلق سے آپ کا بے لچک رویہ "درۂ فاروقی" کی یاد تازہ کرا دیتا تھا۔

آپ کا گھرانا

مئوناتھ بھنجن کے ایک دینی و علمی اہلحدیث خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ یہ پورا گھرانا علم و فضل، تہذیب و شرافت دینداری و حق شعاری اور بلند اخلاقی و راست بازی کی وجہ سے عوام و خواص میں اپنا ایک ممتاز اور منفرد مقام رکھتا تھا۔ آپ کے والد حاجی عبدالرحمن شہید انتہائی متدین، موحد خدا ترس اور علم دوست بزرگ تھے آپ کو دینی علوم کی نشر و اشاعت سے گہری دلچسپی تھی۔ آپ کپڑوں کے ایک کامیاب تاجر تھے۔ پہلے

آپ کا کاروبار دہلی تھا پھر اس کو وطن میں منتقل کر لیا۔ آپ ان خوش نصیب تاجروں میں سے تھے جو دنیوی تجارت کے ساتھ اخروی تجارت سے بھی کبھی غافل نہیں رہتے اور آیت "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ (الصف /۱۰) (ترجمہ اے ایمان والو کیا تمہیں اس تجارت کے متعلق بتاؤں جو تم کو عذاب الیم سے نجات دلاتی ہے) ہمیشہ پیش نظر رہتی ہے۔ حاجی شہید نے اپنے بھائیوں حاجی عبدالحفیظ اور حاجی نور محمد رحمہما اللہ کے تعاون سے اپنے شہر میں "مدرسہ عالیہ"، کے نام سے ایک دینی درسگاہ کی بنیاد رکھی، جو ان اطراف میں اپنی نوعیت کی پہلی دینی درسگاہ تھی اور ساتھ ہی لڑکیوں کی تعلیم کیلئے "مدرسۃ البنات"، کی بنا بھی رکھی جو علامہ سید سلیمان ندوی کے الفاظ میں "ہندوستان میں لڑکوں کی دینی درسگاہ کے ساتھ لڑکیوں کی دینی تعلیم کیلئے قائم ہونیوالی پہلی درسگاہ تھی"، حاجی شہید نے محلہ ڈومن پورہ (مبر) میں ایک مسجد بنوائی اور محلہ جیاپورہ میں عیدگاہ، مسجد کی اب جدید تعمیر ہو چکی ہے۔ اور عیدگاہ اپنی اصلی شکل میں آج بھی موجود ہے۔ مولینا محمد نعمان کی ولادت اسی معزز گھرانے میں ۱۲۹۳ھ میں ہوئی تھی۔

حاجی عبدالرحمن شہید کو اللہ تعالیٰ نے چار فرزند عطا کئے تھے، محمد حامد، محمد نعمان، محمد ابراہیم اور ابوالقاسم محمد علی قدسی۔ یہ چاروں ہی بڑے سعادت مند اور انتہائی ذہین و فطین تھے، جو بعد میں چل کر زبردست عالم دین بنے۔ اول الذکر دونوں کو محدث دوراں حافظ عبداللہ غازیپوری رح اور محدث زماں میاں نذیر حسین رح سے خصوصی شرف تلمذ حاصل تھا۔

حاجی شہید رح ایک مرتبہ رات کے وقت سفر سے گھر لوٹ رہے تھے۔ راستے میں کچھ ہندو اپنے کسی دشمن کی گھات میں تھے رات کے اندھیرے میں غلط فہمی کی وجہ سے آپ ہی کو اپنا وہ دشمن سمجھ کر حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیا۔ آپ کی ذات اپنے بلند اخلاق اور بہترین اوصاف کی وجہ سے مسلمانوں اور ہندوؤں میں بڑی ہر دلعزیز تھی، لہٰذا ہر کسی نے اس دردناک حادثے کے صدمے کو شدت سے محسوس کیا۔

مولانا کی تعلیم

مولینا محمد نعمان کی ابتدائی تعلیم اپنے شہر ہی میں ملا حسام الدین اور مولانا اسحاق کوپاگنجی جیسے جید علمائے وقت سے ہوئی ملا حسام الدین رح سے شرح جامی، شرح وقایہ اولین، ہدایہ آخرین، ملا حسن، میبذی اور ہدیہ سعیدیہ کا آپ نے درس لیا۔ پھر آرہ

پہونچکر محدث وقت حافظ عبداللہ غازیپوری سے ترمذی شریف، مسلم شریف، بخاری شریف کے دس جزء اور سبع معلقہ پڑھی۔ مولینا عبدالنور در بھنگوی سے میر زاہد ملا جلال اور ملا حسن پڑھی پھر دہلی پہونچکر میاں نذیر حسین سے درج ذیل کتابیں پڑھیں۔ تفسیر جلالین، ابوداؤد شریف، بخاری شریف پھر صحاح ستہ کی اول و آخر حدیثیں سنا کر آپ سے سند حاصل کی۔ دہلی ہی میں شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد مرحوم سے دیوان متنبی اور مقامات حریری وغیرہ پڑھی۔

تجارت تعلیم کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد کچھ عرصہ وطن ہی میں آپ نے تینوں بھائیوں کے اشتراک میں کپڑوں کی تجارت کے آبائی سلسلے کو جاری رکھا مگر جلد ہی تینوں بھائی کاروبار سے الگ ہوگئے اور آپ تنہا رہ گئے۔ پھر سیاست میں قدم رکھنے کے بعد آپ کے لئے کاروبار کو جاری رکھنا مشکل ہوگیا اور مسلسل خسارہ ہونے لگا، لہٰذا مجبوراً یہ سلسلہ ختم کردیا گیا۔

سیاسی خدمات ۱۹۱۹ء میں تحریک خلافت اٹھی تو ہندوستان کے دیگر بڑے شہروں کی طرح مئوناتھ بھنجن میں بھی اس کا دفتر قائم ہوا۔ مولانا کو چونکہ سیاست سے گہرا لگاؤ تھا اور ملکی زندگی کی تحریک سے خصوصی دلچسپی تھی، لہٰذا آپ ۱۹۲۰ء میں مدرسہ عالیہ کی نظامت سے سبکدوش ہوکر پوری طرح سیاسی میدان میں آگئے۔ مئو کی خلافت کمیٹی کے آپ نائب سکریٹری مقرر ہوئے انتظامی کمیٹی اور سب کمیٹی کے بھی ممبر تھے۔ خلافت کمیٹی نے قومی عدالت قائم کی تو اس کے نو پنچوں میں سے آپ بھی ایک پنچ تھے۔ عدالت میں آپ کی اصابت رائے اور منصفانہ فیصلوں کا ہر کوئی قائل تھا۔

خلافت کمیٹی کی ذمہ داریوں کو آپ بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیتے رہے، کبھی کسی اجلاس سے غیر حاضر نہیں رہے اور بڑی دیانت داری سے اپنے فرائض کی نگہداشت کرتے رہے آگے چل کر لوگوں کے اصرار پر آپ کو کانگریس کی رکنیت بھی قبول کرلینی پڑی۔ جملہ اراکین آپ کی فرض شناسی، مستعدی اور اخلاص عمل کی وجہ سے آپ کا بے حد احترام کرتے تھے اور کبھی کسی کو آپ کی ذات سے کوئی شکایت نہیں ہوئی۔

تدریسی خدمات ۱۹۲۴ء میں آپ نے فیصلہ کرلیا کہ بقیہ زندگی تعلیمی و تدریسی خدمات کیلئے وقف کردی جائے۔ آپ اپنے وطن سے چل کر مولینا محمد اسحاق آروی کے پاس

کلکتہ پہونچے جواآرہ میں حافظ عبداللہ غازیپوری کے مدرسے میں آپ کے ہم سبق رہ چکے تھے۔
انہیں دنوں موصوف نے آپ کو وہاں جانے کے لئے آمادہ کرلیا۔ آپ یکم ذی الحجہ کو مدرسہ احمدیہ
سلفیہ پہونچ گئے۔ آپ کی درخواست پر شروع میں آپ کو ابتدائی کتابیں دی گئیں، لیکن
جلد ہی منتظمین کو آپ کی غیر معمولی قابلیت کا اندازہ ہوگیا اور چند دن بعد بڑی جماعتوں کی
کتابیں آپ کے حوالے کردی گئیں۔ طلبہ اور انتظامیہ اور آپ کے طریقہ درس سے بہت خوش
اور مطمئن تھے۔ کچھ عرصے بعد اچانک آپ کو درد شکم کی شکایت ہوگئی اور تکلیف دن بدن
بڑھتی چلی گئی منتظمین نے آپ کی حالت دیکھ کر آپ کو چھٹی دیدی اور انتہائی اعزاز واکرام
کے ساتھ گھر روانہ کردیا۔ تمام طلبہ، اساتذہ اور انتظامیہ نے ایک اجلاس منعقد کرکے آپ کی
صحت کے لئے اجتماعی دعا کی اور تمام حضرات نے اسٹیشن تک جاکر آپ کو رخصت کیا۔

دربھنگہ کے احباب کا شدید اصرار تھا کہ صحت یابی کے بعد آپ دربھنگہ ضرور لوٹ آئیں، لیکن
وہاں کی آب وہوا کی بنا پر آپ دوبارہ وہاں جانے کی ہمت نہیں کر سکے۔ اس دوران چکردھرپور سے
حاجی عبدالقادر صاحب کا خط آیا کہ آپ ان کے مدرسے میں چلے آئیں۔ پھر امرتسر سے آپ کے برادر خورد مولینا
ابوالقاسم قدسی کا خط موصول ہوا کہ ان کے دوست مولانا عبدالحی پنجابی کی خواہش ہے کہ آپ ان کے مدرسے
کو رونق بخشیں۔ آپ نے اس سلسلے میں ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا کہ قدرت کے جانب سے کچھ دوسرا
ہی اہم فیصلہ ہوگیا۔

جامعہ دارالسلام میں آمد ۱۹۲۵ھ کے اواخر میں جامعہ دارالسلام عمرآباد سے ایک وفد
مئو پہونچا۔ وفد میں بانی جامعہ کے منجھلے فرزند کاکا محمد ابراہیم صاحب اور جامعہ کے صدر مدرس
اول مولینا محمد فضل اللہ صاحب تھے۔ یہ حضرات اپنے جامعہ کیلئے کسی لائق مدرس کی تلاش میں
آئے تھے۔ وفد مدرسہ فیض عام پہونچا اور مولینا احمد صاحب (مدرس اول) اور مولانا عبداللہ شائق
(مدرس فیض عام وسابق سکریٹری خلافت کمیٹی) سے مل کر اپنی آمد کا مقصد بیان کیا۔ ان حضرات نے مولینا محمد
نعمان کا نام لیا اور آپ کے لئے پرزور سفارش کی، پھر آپ کو راضی کرالیا گیا۔ یہ وفد وہاں سے
دلی چلا آیا تھا مولانا بھی بعد میں دلی پہونچ گئے اور وفد کے ساتھ بمبئی، رائچور اور مدراس ہوتے
ہوئے ۱۵ر دسمبر ۱۹۲۵ء کی شب عمرآباد پہونچے اور دوسرے ہی دن سے آپ نے مسند درس
سنبھال لی۔

عمرآباد میں مستقل سکونت عمرآباد پہونچ کر یہاں کا ماحول شروع میں کچھ بڑا اجنبی لگا۔ یہاں کی تہذیب، زبان، کھانا پینا، لباس پوشاک بات چیت کا انداز رکھ رکھاؤ وغیرہ سبھی چیزیں آپ کیلئے نامانوس تھیں۔ کچھ باتیں تو آپ کیلئے مستقل آزمائش سے کم نہیں تھیں، خصوصاً کھانے پینے کا مسئلہ۔ کیونکہ اس وقت شمال اور جنوب کے کھانوں میں کافی فرق تھا۔ آپ صبح وشام گیہوں کی روٹی کے عادی تھے، جب کہ یہاں سرے سے اس کا کوئی رواج ہی نہیں تھا، حتی کہ آس پاس کہیں گیہوں کا آٹا تک دستیاب نہیں تھا۔ آپ نے املی والا سالن کبھی نہیں کھایا تھا، جبکہ یہاں املی ہر سالن کا ضروری جزو تھا۔ آپ کے ہاں کچے چاول کا کھانا بنتا تھا جبکہ یہاں عام طور پر ابلے ہوئے چاول استعمال ہوتے تھے۔ ان سب باتوں کے باوجود آپ نے بڑے صبر اور مستقل مزاجی سے کام لیا اور آہستہ آہستہ ہر مشکل پر غالب پا لیا اور اس کا کوئی نہ کوئی حل بھی نکال لیا۔

چند دلچسپ لطیفے یہاں کے ابتدائی دنوں کے بعض واقعات آپ بڑی دلچسپی سے سنایا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک واقعہ یہ بھی تھا کہ ایک مرتبہ مسجد سے نکلتے ہوئے ایک صاحب سے ملاقات ہوگئی تھی۔ کچھ دیر گفتگو کے بعد وہ صاحب یہ کہہ کر جانے لگے کہ میں آتا ہوں آپ اسی جگہ کھڑے ان کے لوٹنے کا انتظار کرنے لگے۔ جب یہ انتظار کافی طویل ہوگیا اور وہ نہیں لوٹے تو آپ مایوس ہو کر چل دیئے۔ جب دوبارہ ان سے ملاقات ہوئی اور اس واقعے کا ذکر کیا تو وہ بہت نادم اور متاسف ہوئے اور ساتھ ہی دیر تک ہنستے بھی رہے۔ پھر بتایا کہ یہاں کا رواج ہے کہ رخصت ہونیوالا یہ نہیں کہتا کہ "میں جا رہا ہوں،، بلکہ یہی کہتا ہے کہ "میں آتا ہوں،، اس لطیفے سے آپ بے حد محظوظ ہوئے۔

کہہ رہے تھے کہ ایک مرتبہ مغرب کی نماز کے بعد گھر لوٹے تو ایک لڑکا برتن میں پانی لیے کھڑا تھا اور کہنے لگا کہ "اس پر دم کردیں،، آپ نے پوچھا کیا بات ہے تو کہنے لگا کہ "بیل دودھ نہیں دیتا،، آپ نے تعجب سے پوچھا کہ "بیل کہاں سے دودھ دیگا،، تو اس نے کہا کہ "پہلے ٹھیک سے دیتا تھا، مگر اب لات مارتا ہے،، ادھر وہ اپنی بات پر مصر تھا اور ادھر آپ محو حیرت تھے اسی عالم ایک اور صاحب وہاں پہونچ گئے۔ انہوں نے واقعے کی تفصیل سننے کے بعد آپ کو بتایا کہ یہاں گائے اور بھینس کو بیل بھی کہہ دیا کرتے ہیں۔ آپ کو یہ لطیفہ ہمیشہ کیلئے یاد رہ گیا اور احباب کی مجلس میں اس کا ذکر کرکے خود بھی محظوظ ہوتے اور احباب کو بھی محظوظ کیا کرتے تھے۔

ٹوٹتا سوویت — بکھرتا خواب

خطۂ اسلام

جسے ہم اسلام کے اثر و نفوذ کے خطے کا نام دے سکتے ہیں۔ یہ علاقہ مغرب میں ترکی کی سرحد اور بحر اسود کے ساحل سے لے کر مشرق میں سنکیانگ تک اور شمال میں سائبیریا کی اسٹیپی کے وسیع و عریض میدانوں سے لے کر جنوب میں ایران و افغانستان کی سرحدوں تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ خطہ اگرچہ مختلف قوموں کا مسکن ہے، لیکن بھاری اکثریت ترکوں اور منگول نسل کے باشندوں کی ہے۔ انہیں اسلام نے ایک مشترک نظریہ، ایک مشترک علمی زبان، ایک مشترک رسم الخط سے روشناس کر دیا اور اس مقام پر لا کھڑا کیا جہاں یہ ایک مدت تک عالم اسلام کی امیدوں کا مرکز بنے رہے۔ یہ خطہ عثمانیوں، سلجوقیوں، تیموریوں، سامانیوں، قاقانیوں اور خشیدیوں کی جولانگاہ رہا ہے۔ اس کی فضاؤں میں آج بھی عبداللہ بن مبارکؒ، امام بخاریؒ، حافظ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذیؒ، امام فخر الدین رازیؒ، شیخ ابو القاسم، خواجہ بہاؤ الدین محمد نقشبندیؒ اور موسیٰ جار اللہؒ جیسے بزرگوں کی سانسوں کی عطر آگیں مہک رچی بسی ہے۔ یہاں امام شاملؒ کی قیادت میں روسی سامراج کے خلاف طویل ترین جنگ میں جاں سپاری و سرفروشی کی جو لازوال مثالیں قائم کی گئیں وہ آج بھی اس خطے کے مسلمانوں کے لہو کو گرماتی اور اپنے ماضی کی طرف واپس لوٹ جانے کی تحریک پیدا کرتی ہے۔

لینن اور اسٹالن کی قیادت میں جب زار شاہی نئے چہروں کے ساتھ ایک نظریاتی لبادہ اوڑھ کر سامنے آئی تو انہوں نے اس خطے کو خاص طور پر نہ صرف یہ کہ جبر و استبداد بنایا بلکہ مکر و فریب کے ان تمام حربوں کو بھی انتہائی عیاری کے ساتھ استعمال کیا جو سامراج خواہ سرخ ہو یا سیاہ، ہمیشہ ہی استعمال کیا کرتا ہے۔ اس خطے کے تعلق سے اولین توجہ دینی و ملی بنیادوں کو منہدم کر کے قومیت کی نئی بنیادیں کھڑی کرنے پر دی گئی۔ اس مقصد کے حصول کے لیے پہلے سرحدوں کا از سر نو تعین عمل میں آیا۔ پورے خطے کو تہذیبی اور نسلی بنیادوں پر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ پھر چھوٹی چھوٹی قبائلی بولیوں کی بنیاد پر ان ٹکڑوں کو مزید چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کیا گیا۔ اس تقسیم در تقسیم کے نتیجے میں، یونینی جمہوریائیں اور درجنوں خود اختیار جمہوریائیں، خود اختیار خطے اور خود اختیار علاقے وجود میں آ گئے۔

ایدل اورال کے تاتاریوں کو دو اختیار جمہوریاؤں میں تقسیم کر کے خود اختیار جمہوریہ باشکیریہ اور خود اختیار جمہوریہ تاتاریہ کے نام سے دو الگ الگ اکائیاں قائم کی گئیں۔ اور اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ تاتاری مسلمانوں کے دو قبیلوں مشار اور اختیار کو بھی باضابطہ طور پر الگ الگ نسلی گروہ قرار دے کر انہیں خود اختیار خطوں میں محدود و محصور کر دیا گیا۔

اسی طرح کا سلوک شمالی قفقاز کے ساتھ بھی کیا گیا۔ اسے لسانی اور تہذیبی بنیاد پر پانچ وحدتوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ان میں سے داغستان، شمالی اوسیتیا اور کیبردین کو خود اختیار جمہوریہ کی حیثیت دی گئی اور آدیگی اور چرکس کو خود اختیار علاقہ قرار دیا گیا۔

ماورائے قفقاز

کمیونسٹوں نے ماورائے قفقاز کو دو یونینی جمہوریاؤں آذربائیجان اور آرمینیا کے علاوہ چار خود اختیار جمہوریاؤں، نخشوان، ابخازیان، ازباریان، جنوبی اوسیتیا اور ایک خود اختیار علاقہ نگورنو کاراباغ میں بانٹ کر اس بات کو یقینی بنانے کی کوشش کی کہ اب اس خطے کی قومیں کبھی باہم متحد نہیں ہو سکیں گی۔

2

جمہوریہ

قازقستان

آزادی کی دہلیز پر

رقبہ۔ ۲,۷۱۷,۰۰۰ مربع کلومیٹر
آبادی۔ ۱ کروڑ ۶ لاکھ
(قازقستانی ۳۶ فیصد، روسی ۴۱ فیصد،
یوکرینی ۶ فیصد)
دارالحکومت۔ الماعطا
شہر اور قصبے۔ ۸۲
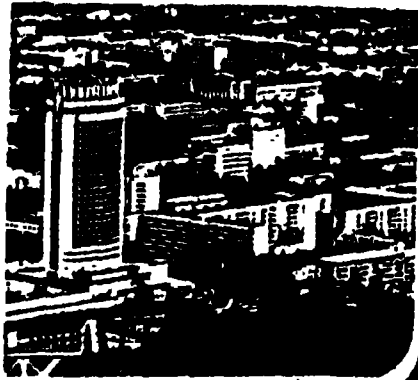
الماعطا

3

جمہوریہ

تاجکستان

آزادی کی دہلیز پر

رقبہ۔ ۱۴۳,۱۰۰ مربع کلومیٹر
آبادی۔ ۴۸ لاکھ
(تاجک ۵۹ فیصد، ازبک ۲۳ فیصد،
روسی ۱۰ فیصد)
دارالحکومت۔ دوشامبے (۵ لاکھ ۸۲ ہزار)
شہر اور قصبے۔ ۱۸
گورنو بدخشان خود مختار علاقہ بھی
شامل ہے۔ (آبادی ۱ لاکھ ۴۹ ہزار)

دوشامبے
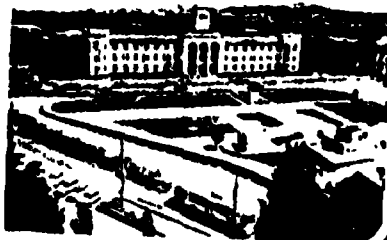
4

جمہوریہ

آذربائیجان

آزاد شدہ جمہوریہ

رقبہ۔ ۸۶,۸۰۰ مربع کلومیٹر
آبادی۔ ۷۰ لاکھ
آذربائیجانی ۷۸ فیصد، روسی ۱۰ فیصد، آرمینیائی ۱۰ فیصد)
دارالحکومت باکو (۱۷ لاکھ ۴۰ ہزار)
شہر اور قصبے ۶۵
درج ذیل خود مختار علاقے شامل ہیں
نخشوان (۲ لاکھ ۸۷ ہزار)
نگورنو کاراباخ (۱ لاکھ ۷۷ ہزار)

باکو

5

جمہوریہ

کرغیزیہ
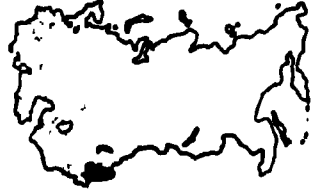
آزاد شدہ جمہوریہ

رقبہ۔ ۱۹۸,۵۰۰ مربع کلومیٹر
آبادی۔ ۴۱ لاکھ ۳۰ ہزار
(کرغیزی ۴۰ فیصد، روسی ۲۶ فیصد، ازبک ۱۲ فیصد)
دارالحکومت فرنزے (۶ لاکھ ۳۰ ہزار)
شہر اور قصبے ۲۱

فرنزے
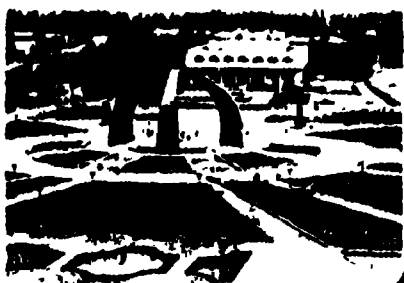
6 جمہوریہ ازبکستان

آزاد شدہ جمہوریہ

رقبہ۔ ۴۴۷,۴۰۰ مربع کلومیٹر
آبادی۔ ایک کروڑ ۹۰ لاکھ
(ازبک ۶۹ فیصد، روسی ۱۱ فیصد،
تاتاری ۴ فیصد، قازقستانی ۴ فیصد،
تاجک ۴ فیصد، کاراکالپاک ۲ فی صد،
کوریائی ۱ فیصد)
دارالحکومت۔ تاشقند (۲۱ لاکھ)
شہر اور قصبے۔ ۱۲۳
ازبکستان میں کاراکالپک کا خود مختار علاقہ
بھی شامل ہیں۔ جس کا رقبہ ۱۶۵,۶۰۰
مربع کلومیٹر اور آبادی ۱۱ لاکھ ۳۰ ہزار ہے)

تاشقند
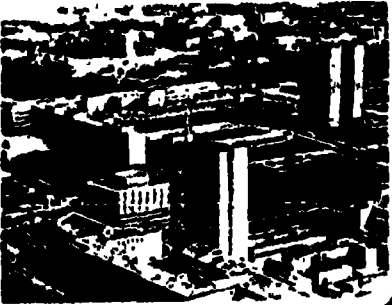
7 جمہوریہ بیلوروس

آزادی کی دہلیز پر
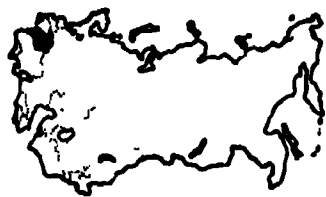
رقبہ۔ ۲۰۷,۶۰۰ مربع کلومیٹر
آبادی۔ ایک کروڑ
(بیلوروسی ۷۹ فی صد، روسی ۱۲ فی صد،
پولش ۴ فیصد، یوکرینی ۲ فیصد، یہودی
۱ فیصد)
دارالحکومت۔ منسک (۱۵ لاکھ ۴۳ ہزار)
شہر اور قصبے۔ ۹۹

منسک

آزادی کی دہلیز پر

8 جمہوریہ ترکمانیہ
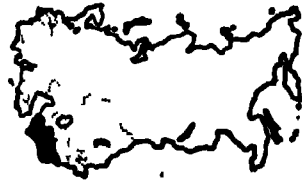
رقبہ۔ ۴۸۸،۱۰۰ مربع کلومیٹر
آبادی۔ ۳۴ لاکھ
(ترکمانی ۶۸ فیصد، روسی ۱۳ فیصد،
ازبک ۹ فیصد)
دارالحکومت۔ اشک آباد (۳ لاکھ ۸۷ ہزار)
شہر اور قصبے۔ ۱۴
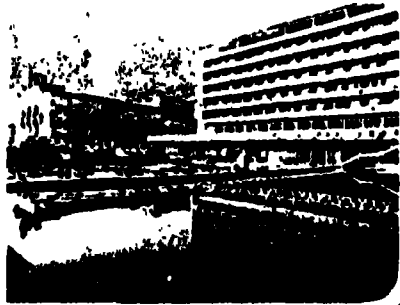
اشک آباد

9 جمہوریہ اسٹونیا
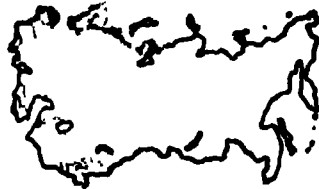
رقبہ۔ ۴۵،۱۰۰ مربع کلومیٹر
آبادی۔ ۱۵ لاکھ ۷۰ ہزار
(اسٹونیائی ۶۵ فیصد، روسی ۲۸ فیصد
یوکرینی ۳ فیصد، بیلوروسی ۲ فیصد)
دارالحکومت۔ تالن (۴ لاکھ ۸۲ ہزار)
شہر اور قصبے۔ ۳۳

تالن

10

جمہوریہ

یوکرین

رقبہ۔ ۶۰۳٬۷۰۰ مربع کلومیٹر
آبادی۔ ۵ کروڑ ۱۲ لاکھ
(یوکرینی ۷۳ فی صد،
روسی۔ ۲۱ فی صد،
یہودی ۱ فی صد،
بیلوروسی ۱ فی صد)
دارالحکومت کیف (۲۵ لاکھ ۳۰ ہزار)
شہر اور قصبے۔ ۴۲۱

کیف

یونین جمہوریہ مولداویا

11

جمہوریہ

جارجیا

رقبہ۔ ۶۹٬۷۰۰ مربع کلومیٹر
آبادی۔ ۵۳ لاکھ
(جارجیائی ۷۰ فیصد، آرمینیائی ۸ فیصد
روسی ۶ فیصد، آذربائیجانی ۵ فیصد،
اوستائی ۲ فیصد)
دارالحکومت:
شہر اور قصبے۔ ۶۱
جارجیا میں درج ذیل خود مختار علاقے بھی
شامل ہیں۔
ابخازیان (آبادی ۵ لاکھ ۳۶ ہزار)
اژاریان (آبادی ۳ لاکھ ۸۶ ہزار)
اوستیا (آبادی ۹۹ ہزار)

طبلش

12

جمہوریہ
لیتھوانیا
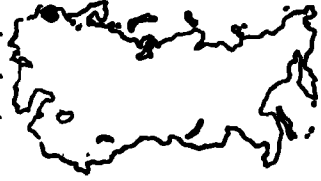
رقبہ۔ ۶۵،۲۰۰ مربع کلومیٹر
آبادی۔ ۳۶ لاکھ
(لیتھوانی ۸۰ فیصد، روسی ۹ فیصد،
پولش ۷ فیصد، بائیلوروسی ۲ فیصد)
دارالحکومت۔ ولنیس (۵ لاکھ ۶۶ ہزار)
شہر اور قصبے۔ ۹۲

ولنیس

13
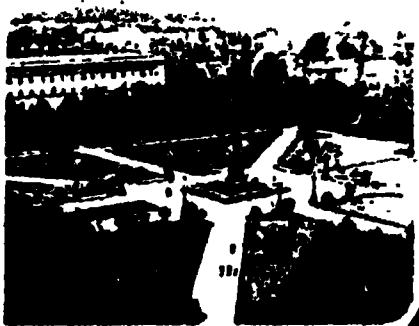
جمہوریہ
لٹویا
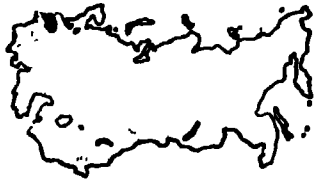
رقبہ۔ ۶۳،۷۰۰ مربع کلومیٹر
آبادی۔ ۲۶ لاکھ
(لٹویائی ۵۲ فیصد، روسی ۳۰ فیصد،
بیلوروسی ۵ فیصد، یوکرینی ۳ فیصد،
پولش ۳ فیصد)
دارالحکومت۔ ریگا (۹ لاکھ)
شہر اور قصبے۔ ۵۶

ریگا

14 جمہوریہ آرمینیا

رقبہ۔ ۲۹,۸۰۰ مربع کلومیٹر
آبادی۔ ۳۲ لاکھ
(آرمینیائی ۸۸ فیصد آذربائیجانی ۵ فیصد
روسی ۲ فیصد کرد ۲ فیصد)
دارالحکومت یریوان (۱۲ لاکھ)
شہر اور قصبے۔ ۲۷

یریوان

15 جمہوریہ مولداویا
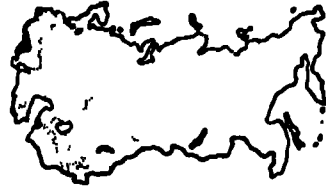
رقبہ۔ ۳۳,۷۰۰ مربع کلومیٹر
آبادی۔ ۴۲ لاکھ
(مولداویائی ۶۴ فی صد یوکرینی ۱۴ فیصد
روسی ۱۳ فیصد)
دارالحکومت کشنیف (۶ لاکھ ۶۳ ہزار)
شہر اور قصبے۔ ۲۱
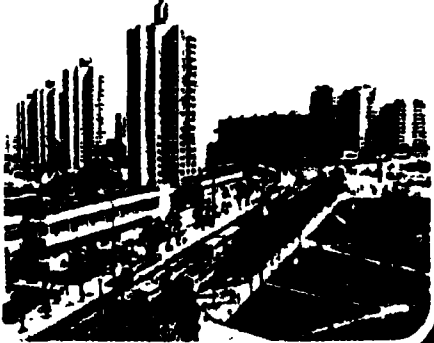
کشنیف

بشکریہ افکار ملی۔ دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

Madarsa Arabia
Qasimul-Uloom (Regd)
Vill Gulariha, Post Badalpur
Distt Gonda U P (India)

المدرسۃ العربیۃ قاسم العلوم

ایک مخلصانہ اپیل

برادران اسلام! مدرسہ عربیہ قاسم العلوم گلریا ضلع گونڈہ کی ایک مشہور و معروف تعلیمی و تربیتی اور اقامتی درسگاہ ہے، جہاں درجات پرائمری کے ساتھ ساتھ عربی درس نظامیہ جماعت خامسہ تک کی تعلیم کا معقول انتظام ہے۔

اور فی الحال تقریباً چار سو طلباء زیر تعلیم ہیں جس میں سے ۷۵ بیرونی طلباء اور اٹھارہ اساتذۂ کرام کے قیام و طعام کا مدرسہ از خود کفیل ہے۔

علاوہ ازیں مدرسہ ہذا کی وہ زیر تعمیر مسجد جس کا سنگ بنیاد آج سے تین سال قبل ہی اکابرین علمائے جماعت کے مقدس ہاتھوں سے پڑا تھا، اس کے اخراجات اس پر مستزاد ہیں۔

مگر بحمد اللہ تعالیٰ تاہنوز اس کی دیواریں گیارہ فٹ کی بلندی تک پہونچ کر فدایان دین اسلام اور جاں نثاران محمد کو دعوت نظارہ دینے کے ساتھ ہی ساتھ دوبارہ دست تعاون دراز کرنے پر بھی مجبور کر رہی ہیں۔

لہٰذا ہم جملہ مخیرین سے عموماً اور احباب جماعت سے خصوصاً پُرزور اپیل کرتے ہیں کہ مدرسہ ہذا اور اس کی زیر تعمیر مسجد کے سلسلے میں دامے درمے قدمے سخنے ہر ممکن تعاون فرما کر عنداللہ ماجور و عندالناس مشکور ہوں۔

اِن اللہ لا یضیع اجر المحسنین ● العارض۔ محمد عمر سلفی خادم مدرسہ ہذا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جلد ۸
شمارہ ۱۰

علمی و تبلیغی رسالہ

ماہنامہ نوائے اسلام دہلی

مجلة شهرية اسلامية تصدر عن مجلس الدعوة الاسلامية في دهلي الهند

سرپرست :- مولانا عطاء اللہ خان ایم اے بی ایڈ - امیر جمعیۃ اہلحدیث بھیونڈی

اکتوبر ۱۹۹۱ء بمطابق ربیع الاول ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ

مدیر :- عزیز عمر سلفی   نائب مدیر :- عبدالواجد فیضی

زر تعاون	پاکستان سے
سالانہ :- چالیس روپے	سالانہ :- ایک سو روپے
خصوصی :- ایک سو روپے سے زائد	لائف ممبری :- دو ہزار روپے
لائف ممبری :- ایک ہزار روپے	بیرون ممالک سے ۲۰ ڈالر امریکی

بنگلہ دیش اور نیپال سے ہندوستانی روپے کے مساوی

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ

منیجر نوائے اسلام ۱۱۶۴-۱ے چاو رہٹ جامع مسجد دہلی ۶ ۱۱۰۰۰

فون :- ۳۲۴۵۹۲۵   PHONE. 3265935

آئینہ ترتیب

پرنٹر و پبلشر عبدالواجد نیمئی نے ایس ایس پریس
برائے جھکے آفسیٹ سے چھپوا کر دفتر نوائے اسلام ۱۱۶۴-۱۰
چاہ رہٹ جامع مسجد دہلی سے شائع کیا۔

ملک تقسیم ہوا تو سب کچھ تقسیم ہو گیا ـــــ دل بھی، دماغ بھی، اور ان میں ابھرنے والے خیالات بھی، احساسات بھی، جذبات بھی اور تصورات بھی ـــــ!

سرزمین ہند کی آغوش میں پلنے والی، بڑھنے والی تمام تنظیمیں اور تحریکیں لہولہان ہو گئیں ـــــ مگر ان کے زخم بھرتے چلے گئے، اسلئے کہ انہیں تیمار دار بھی ملتے رہے، معالج بھی اور مرہم بھی!

لیکن تحریک اہلحدیث ہند کے سینے پر جو خنجر لگا وہ گہرا بھی ثابت ہوا، کاری بھی اور بھاری بھی! اور یہ زخم آہستہ آہستہ جسم میں اترتا چلا گیا اس لئے کہ یہ زخم غیروں نے بھی دیا تھا اور یہ دلوں کی دیرینہ دشمنی کا نتیجہ تھا ـــــ غیروں نے وار اس لئے کیا کہ اس تحریک کی پشت پر ایک تاریخ تھی ـــــ اخلاص کی تاریخ، جانبازی کی تاریخ اور آزادی کی تاریخ ـــــ اپنوں نے غیروں کا ساتھ اس لئے دیا کہ وہ تحریک اہلحدیث کی پاکبازی، قربانی، تحفظ شریعت اور جذبہ جہاد کی آنچ میں بہت دنوں سے جھلس رہے تھے ـــــ مگر تحریک کے علمبرداروں نے اپنی بے حسی، بے عملی، سستی کاہلی اور بے تدبیری سے اس زخم کو مندمل نہیں ہونے دیا ـــــ اور یہ زخم آہستہ آہستہ ناسور بنتا گیا۔

مگر وقت نے پھر کروٹ لی ہے۔ اسلام کو سسکتی، بلکتی اور کراہتی ہوئی انسانیت کا واحد علاج سمجھا جانے لگا ہے، اور اسی لئے یہ صدی اسلام کی صدی بن گئی ہے۔ اسلام کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش بھی اس سے پہلے اتنے بڑے پیمانے پر نہیں کی گئی اور نہ تو اس سے قبل کبھی عالم اسلام کے پاس اس سے زیادہ ذرائع و وسائل موجود تھے۔

لیکن اسلام کی قدر و عظمت میں اضافہ ہوا تو اسی کے ساتھ تحریک اہلحدیث کی ذمہ داریاں بھی بڑھ گئیں۔ اس لئے کہ اسلام کو شرک و بدعات کی آندھیوں سے بچانا اور اسے دین خالص کی حیثیت سے پیش کرنا صرف اسی تحریک کی ذمہ داری ہے۔ مگر یہ حقیقت کتنی ہی تلخ اور ناگوار ہو ہمیں

قبول کرنا پڑے گی کہ بدقسمتی سے یہ عظیم تحریک دورِ جدید کی عظیم ذمہ داریوں کا بارِ گراں اٹھانے کے قابل نہیں ہے۔

مجلس الدعوۃ الاسلامیہ تحریک اہلحدیث کی نیم مردہ رگوں میں زندگی کا خون دوڑانے کے لئے وجود میں لائی گئی ہے تاکہ یہ تحریک خود اٹھ کر پوری ملت اسلامیہ کو اٹھا سکے اور یہ ملت اس وقت تک نہیں اٹھ نہیں سکتی جب تک اس ملت کے علماء زندگی کے میدان میں رواں دواں نہ ہوں ـــــ اور اس کے لئے علم و فضل کے ساتھ، ذوق عمل، اخلاق و کردار جذبۂ ایثار اور اسکے ساتھ ساتھ معاشی بلندی اور اقتصادی توانائی لازمی ہے۔

مجلس مذکور چند نوجوان سلفی علماء کا وہ خواب ہے جو مئی ۱۹۸۴ء بمطابق ۱۴۰۴ھ کو لباس حقیقت میں جلوہ گر ہوا ـــــ اور اسی دن سے تعبیر کی تلاش شروع ہوئی جو انشاء اللہ تعالیٰ اس روز تک جاری رہے گی جب تک قافلۂ بہار منزل مراد پر نہ پہونچ جائے۔

علمی و دعوتی سرگرمیاں

نے اپنی بے بضاعتی اور بے سروسامانی کے باوجود علمی و تبلیغی مقاصد کے پیش نظر نوائے اسلام کے نام سے ایک ماہنامہ جاری کیا اور تبلیغی سرگرمیوں کا سلسلہ کشمیر سے کیرالا تک دراز کر دیا۔

اسلامی لٹریچر شائع کر کے دعوتی جد و جہد کو فروغ دیا۔ اس طرح تحریک اہلحدیث میں جان بھی پڑی اور مسلم معاشرے کو بدعات و خرافات اور رسم و رواج کی خباثتوں سے بہت حد تک نجات ملی۔ اس مقصد عظیم کو بروئے کار لانے کے لئے مجلس نے ایسے اصحاب علم و فضل کی خدمات حاصل کر لی ہیں جو ملک کے دور دراز مقامات پر تعلیم و تربیت اور دعوت و تبلیغ کے فرائض بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں بحمد اللہ ان کی کاوشیں نتیجہ خیز ہیں۔

ضلع مہراجگنج کے نیپالی اور بہار کے ملحقہ جنگلاتی علاقے اپنے وسیع دامن میں لاکھوں مسلمانوں کو سمیٹے ہوتے ہیں۔ یہ علاقے ہر اعتبار سے پستی اور زبوں حالی کا شکار ہیں۔ کئی کئی گاؤں تک نہ مسجد کا پتہ ہے نہ کسی مدرسہ کا نشان۔ جہالت نے انہیں شرک و بدعت کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں ڈھکیل دیا ہے۔ لہذا مجلس نے ان پسماندہ علاقوں کو مرکز توجہ بنا لیا ہے۔

تعلیمی سرگرمیاں

عصری تعلیم کے بغیر کوئی قوم باعزت زندگی نہیں گزار سکتی اور سائنس وٹکنالوجی کے بغیر عصری تعلیم کے تقاضے پورے نہیں ہوتے۔ لہذا اسلامی درسگاہوں سے فارغ طلباء سماجی اقتصادی اعتبار سے پسماندہ، غیر ترقی یافتہ بلکہ "غیر تعلیم یافتہ" بن کر سامنے آتے ہیں اور ان ہزر نوجوانوں کے مسائل و مصائب خون کے آنسو رلاتے ہیں۔ چنانچہ مجلس ایک ایسا جامع منصوبہ تیار کررہی ہے جو طلباء کو اسلامی تعلیم گاہوں سے فارغ ہونے کے بعد مفید، کارآمد اور باوقار زندگی کا مستحق بنا سکے۔

رفاہی سرگرمیاں

مجلس الدعوۃ الاسلامیہ نے حاجتمند مسلمانوں کو برسر روزگار بنانے اور انکے ذاتی و خانگی مسائل کو حل کرنے کے لئے قابل واپسی و ناقابل واپسی رقوم مہیا کرنے کا ایک منصوبہ بنالیا ہے جس پر عمل ہو رہا ہے۔

مساجد و مدارس کا قیام اور ملی املاک کا تحفظ

مجلس الدعوۃ الاسلامیہ نے ایسے علاقے جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے مگر مسجد و مدرسے کا وجود نہیں وہاں امام و مدرسین کے ساتھ مسجد و مدرسے کی تعمیر کررہی ہے۔ دیہی علاقوں میں فراہم کردہ زمینوں پر بھی مساجد کی تعمیر کے لئے کوششیں جاری ہیں مسلمانوں کے قومی املاک، قبرستان، عیدگاہ وغیرہ کے تحفظ کے لئے بھی مجلس کوشاں ہے۔

تعمیر و ترقی کا خاکہ ہمارا خواب ہے ــــ اور یہ خواب ہم برسوں سے دیکھ رہے ہیں۔ مگر اب ہمیں تعبیر کی تلاش ہے۔ اور تعبیر کا مطلب ہے ذرائع و وسائل کی فراہمی ــــ اور یہ آپ کے ہاتھوں میں ہیں ہمارے پاس نہیں ــــ ہمارا کل اثاثہ ہماری کم مائیگی ہے اور ہمارا سامان ہماری بے سروسامانی ہے ــــ مگر اپنی بے بضاعتی کے باوجود عزم بلند اور حوصلہ جواں رکھتے ہیں۔ ہمیں اپنے پروردگار پر بھروسہ اور آپ کی کشادہ قلبی اور دریا دلی پر اعتماد کامل ہے۔ ہم چراغ جلانے کی جستجو کرتے ہیں آپ اس میں تیل ڈالنے کی سعی کیجئے ــــ ہم آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں، آپ ہمارے قدموں کو مضبوط کیجئے ــــ ہم دامن پھیلائے ہیں آپ اسے بھر دیجئے ــــ اپنے عزائم سے ذرائع سے، وسائل سے ــــ

قوموں کے عروج وزوال کی کہانی قرآن کی زبانی

خالد شفاءاللہ رحمانی

یوں تو قرآن انسانوں کے رشد وہدایت کے لئے نازل ہوا ہے لیکن اس نے ان انسانوں کی داستان کا بھی اچھا خاصہ ذخیرہ اپنے اندر سمو لیا ہے۔ جو دنیا میں اپنے کرتوتوں کی وجہ سے صفحۂ ہستی سے معدوم ہو گئے یہ اس لئے ہے تاکہ پیروان حق اس سے عبرت و موعظت بھی حاصل کریں تاریخ کے اوراق پارینہ کے الٹنے سے قرآن کا مقصد یہ ہے کہ اُن قوموں کے حالات سے انسان باخبر ہو کر اپنے لئے جو بھی راہ متعین کرے وہ خدا کے مقررہ حدود میں ہو ورنہ اس کا بھی انجام وہی ہوگا جس طرح اس سے بیشتر قوموں کا ہوا ہے، یہ قومیں دنیا کے جس جس خطے میں سکونت پذیر ہیں ان کے کھنڈرات آج بھی جغرافیہ کے نقشہ میں موجود ہیں، البتہ ان کے دیکھنے کے لئے ان آنکھوں کی ضرورت ہے جو واقعات وحادثات کو محض گردش ایام کے تحت نہیں بلکہ ایک غیبی قوت کے ماتحت سمجھتی ہیں اور یہ یقین کامل رکھتی ہیں کہ یہ ایک مستحکم ومنظم، ٹھوس، پائیدار نظام کے ذریعے چل رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ ایمان بالغیب کے قائل ہیں ان کے نزدیک قوموں کے زوال کے اسباب خدا فراموشی احکام الٰہی سے روگردانی ہے، کیونکہ دنیا میں جب جب فساد و بگاڑ کا آغاز ہوا اس کے لئے انسانی کرتوت ہی ذمہ دار ہے۔

قرآنی فیصلہ قرآن نے عروج وزوال کے سلسلے میں انسانوں کے سامنے واضح طور سے اعلان کر دیا ہے۔ وَإِذَا أَرَدْنَا أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا۔ (۱۶۔ بنی اسرائیل) ترجمہ: اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں (ارادۂ تکوینی میں) تو ہم اس کے خوش حال لوگوں کو امر کر دیتے ہیں تو وہ اس میں خوب ادھم مچاتے ہیں۔ پس ان پر بات پوری ہو جاتی ہے۔ پھر ہم یک قلم نیست ونابود کر دیتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ نے اَمَرْنَا، فرمایا ہے بظاہر اس کے معنی ہم نے حکم دیا سمجھ میں آتا ہے لیکن عربی زبان میں امر صرف حکم دینے کے معنی میں نہیں آتا بلکہ اس کے اندر ڈھیل دینا

مہلت دینا کا مفہوم بھی ہوتا ہے، اس کو یوں سمجھئے کہ جب آپ کسی کو سمجھا بجھا کر عاجز آجاتے ہیں تو کہتے ہیں۔ اِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ۔ جاؤ جو تمہارے جی میں آئے کرو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی سرکش لوگوں پر اپنی حجت تمام کر چکنے کے بعد ان کو ڈھیلا چھوڑ دیتا ہے کہ وہ اپنا پیمانہ اچھی طرح سے بھر لیں۔

"مُترَفِیْن" کسی قوم کے کھاتے پیتے خوش حال طبقہ کو کہتے ہیں، چونکہ قوم کی باگ انہیں کے ہاتھ میں ہوتی ہے اس وجہ سے سنت الٰہی یہ رہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے اپنی دعوت اصلاح میں سب سے پہلے اسی طبقہ کو خطاب کیا ہے پھر جب اس طبقہ نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے نہ صرف ان کو مایوس کر دیا ہے بلکہ ان کے قتل کے درپے ہو گیا ہے۔ تو نبی نے ہجرت فرمائی اور قوم عذاب الٰہی میں مبتلا ہو گئی۔

سنت الٰہی عذاب کے معاملے میں یہ رہی ہے کہ ہم جب کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے خوش حالوں کو ڈھیلا چھوڑ دیتے ہیں تو وہ اس میں خوب کھل کر خدا کی نافرمانیاں اور بدمستیاں کرتے ہیں تا آنکہ ان پر حجت تمام ہو جاتی ہے اور ان کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے۔ پھر خدا ان کو پکڑتا ہے اور اس بستی کو تہ و بالا کر کے رکھ دیتا ہے۔

قرآن نے ان قوموں کا تذکرہ عام انسانوں کے لئے بطور درس عبرت پیش کیا ہے۔

قوم نوح علیہ السلام

قوم نوحؑ کی آبادی جزیرۃ العرب کے شمالی سرحد پر تھی یہ وہی جگہ ہے جہاں آج عراق ہے۔ قرآن میں جگہ جگہ اس قوم کی تباہی اور ہلاکت کا بیان ہے بلکہ نوح ایک مستقل سورہ بھی ہے، اس سورہ میں اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کے مراحل، ان کے طویل صبر و انتظار اور بالآخر ان کی قوم کی ہلاکت کی سرگزشت اختصار لیکن جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ انسانوں کے سامنے ایک ایسا آئینہ رہے کہ وہ ہمہ وقت اپنے حالات دیکھ سکیں۔

سورۂ نوح میں سب سے پہلے سنت الٰہی کا بیان ہے جس کی وضاحت قرآن مجید میں جگہ جگہ ہوئی ہے کہ جب کسی قوم کا اخلاقی فساد اس حد کو پہونچ گیا ہو کہ وہ اللہ کے فیصلہ کن عذاب کی مستحق ہو گئی ہو تو عذاب بھیجنے سے پہلے اللہ تعالیٰ ان کے اندر اپنا ایک رسول بھیج کر اس پر اپنی حجت تمام کر دیتا ہے تاکہ کسی کے پاس گمراہی میں پڑے رہنے کے لئے کوئی عذر باقی نہ رہ جائے۔

حضرت نوح کی دعوت کے تین ارکان حضرت نوح ؑ نے اپنی قوم کے سامنے تین بنیادی ارکان پیش کیا تھا، توحید، شریعت الٰہی کی پابندی اور رسول کی اطاعت۔ اور ان سے کہا تھا کہ اگر یہ تینوں باتیں مان لوگے تو اللہ تعالیٰ اس عذاب کو جس سے میں ڈرا رہا ہوں ٹال دے گا اور تمہیں اس دنیا میں جینے اور کھانے بسنے کی ایک متعین مدت تک مہلت دے دے گا۔ لیکن ان کی قوم نے ان کی باتوں کا مذاق اڑایا، بالآخر اپنے کیفر کردار کو پہونچ گئی۔

انسان کی بدبختی جب آتی ہے تو اس کی عقل بھی ماری جاتی ہے، نوح ؑ کی قوم نے اپنے دائیں بائیں نعمتوں کے ڈھیر دیکھتی رہی لیکن اپنے رب کا شکریہ ادا کرنے کے بجائے کبر و نخوت کے غلیظ گندھے میں گرتی گئی اس قوم کے لیڈروں نے دعوت الٰہی کی کھلی مذاق اڑائیں اپنی طرف سے کوئی کسر نہ چھوڑا، اسی طرح سعادت کی تمام راہوں کو اپنے اوپر بند کر لیا، بالآخر وہ وقت آن پہونچا جبکہ ان کا وجود زمین کے لئے لعنت بن گیا، عذاب خداوندی نے اس قوم کو صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالا۔ وہی لوگ باقی بچے جن کے دلوں میں ایمان و نیکی کی روشنی جگمگا رہی تھی۔

نوح علیہ السلام کے بعد جزیرۂ عرب اور اس کے ارد گرد جو نسل انسانی وجود میں آئی وہ انہیں کی آل اولاد مانی جاتی ہے۔ مورخین کے یہاں صرف دو بیٹوں کی نسلوں کا سراغ ملتا ہے آرامی قوم ہیں قابل ذکر وہ ہیں جو اللہ کی نافرمانیوں کی وجہ سے تباہ و برباد ہو گئیں۔ قرآن نے ان قوموں کو عاد، ثمود کے ناموں سے بیان کیا ہے۔

عاد حضرت نوح علیہ السلام کے بعد عرب میں با جبروت قوم عاد تھی، قرآن مجید نے ان کو خلفاء قوم نوح کہا ہے، یہ قوم فن تعمیر میں اعلیٰ مہارت کی مالک تھی، یہ اپنے زمانے میں طاقت و قوت کے مقابلے میں بڑی جابر حکومت مانی جاتی تھی، ان کا دعویٰ تھا من اشد منا قوۃ (ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے) اپنے پورے علاقے میں ایک زبردست قوم تھی قرآن نے ان کو نوح ؑ کے بیٹے ارم کی طرف منسوب کیا ہے:۔ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ الَّتِىْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِى الْبِلَادِ۔ ان کی آبادی یمن اور اطراف یمن تھی، قرآن نے ان کا وطن احقاف بتایا ہے عربی میں احقاف صحرائی ریگستان کو کہتے ہیں، جغرافیہ دانوں کا خیال

ہے کہ اس سے مراد الربع الخالی کا وہ کنارہ مراد ہے جو یمن کے مشرقی پہلو میں آباد ہے اس کے جنوب میں حضرموت کا علاقہ ہے۔ واذکر اخا عاد اذ انذر قومہ بالاحقاف وقد خلت النذر من بین یدیہ ومن خلفہ الا تعبدوا الا اللہ انی لکم نذیر مبین۔

ہلاکت کے اسباب قرآن نے اس قوم کی ہلاکت وبربادی کا ذکر مختلف سورتوں میں کیا ہے ان کی گمراہی میں سب سے اہم چیز جو تھی وہ یہ تھی کہ ـــــ وہ اپنے خالق سے رشتہ توڑ چکے تھے یہی وہ مقام ہے جب کسی قوم کی ہدایت کے لئے اللہ کا پیغمبر نمودار ہوتا ہے چنانچہ عاد قوم میں حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ والیٰ عاد اخاھم ھودًا قال یقوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ ان انتم الا مفترون۔ (۵۰۔ھود)

اور عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو رسول بنا کر بھیجا، اس نے ان کو دعوت دی کہ اے میرے قوم کے لوگوں اللہ ہی کی بندگی کرو، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہ تم محض افترا کر رہے ہے۔

ہود علیہ السلام اپنی قوم عاد کے لئے کوئی اجنبی اور غیر نہ تھے بلکہ انہیں کے بھائی بند میں سے تھے، پوری زندگی مثل آئینہ ـــــ ان کے سامنے تھی اس لئے اگر انہوں نے کوئی بات ان کے سامنے کہی ہے تو اسکی قدر کرنی چاہئے تھی کیونکہ ان کی شخصیت خود معتبر تھی۔ اور پھر کوئی انوکھی بات تو نہ تھی یہی تو کہہ رہے تھے اللہ کی بندگی کرو، یہ توحید کی دعوت کا جواب یہ دیا۔

قَالُوا یٰھود ماجئتنا ببیّنۃ وما نحن بتارکی الھتنا عن قولک وما نحن لک بمومنین۔ ان نقول الا اعترٰک بعض الھتنا بسُوء۔ قال اِنی اُشھدُ اللہ واشھدُوا انی بری مما تُشرکون۔ من دونہ فکیدُونی جمیعا ثم لا تنظرون۔ ھود ۵۳۔۵۵

ترجمہ:۔ وہ بولے کہ اے ہود! تم ہمارے پاس کوئی کھلی نشانی لے کر تو آئے نہیں اور ہم صرف تمہارے کہنے سے تو اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور ہم ہرگز تمہیں ماننے والے نہیں ہم تو یہی کہیں گے کہ تم پر ہمارے معبودوں میں سے کسی کی مار پڑی ہے۔ اس نے کہا میں اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ اس کے سوا جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو میں ان سے بالکل

بری ہوں تو تم سب مل کر میرے خلاف چالیں دیکھو پھر مجھے ذرا مہلت نہ دو۔

حضرت ہود پر ان کی قوم نے یہ الزام عائد کیا کہ میرے دیوتاؤں کا غضب تم پر پڑا ہے اسی وجہ سے تم یہ سب بہکی بہکی باتیں کرنے لگے ہو، حضرت ہود نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا ٹھیک ہے میں تمہارے من گھڑت عقیدوں سے اپنی برأت کا اظہار کرتا ہوں اور ہمارا یہ چیلنج ہے کہ تم اور دیوتا مل کر میرے ساتھ جو داؤ پیچ چلنا چاہتے ہو کر ڈالو لیکن یہ یاد رکھو۔ اِنِّیْ تَوَکَّلْتُ

عَلَی اللّٰہِ رَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مَا مِنْ دَابَّۃٍ اِلَّا ھُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِھَا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔

میرا عقیدہ اور میرا بھروسہ اللہ پر ہے جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی، مجال نہیں ہے کہ اسکے حکم بغیر کسی کو کوئی گزند پہونچا سکے، کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جو اس کے قبضہ قدرت سے باہر ہو۔ سب کی پیشانی اسی کے مٹھی میں ہے، وہ جس کو جدھر چاہے اس کی چوٹی پکڑ کر موڑ دے اور جہاں چاہے روک لے اور یہ نہ سمجھو مجھے اپنے رب تک پہونچنے کے لئے ٹیڑھی میڑھی پگڈنڈیوں اور واسطوں، وسیلوں کی ضرورت ہو اس تک پہونچنے کے لئے سیدھی راہ ہے اگر صدق دل سے اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ تو منزل میرے سامنے ہے۔ تمہارا اور تم جیسے لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا تک پہونچنے کے لئے کسی سیڑھی کی حاجت ہوتی ہے بغیر ان کی عبادت کے کوئی خدا کو پا نہیں سکتا۔ مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی (ہم ان کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو خدا سے قریب کر دیں) اسی عقیدے کی بنا پر تم سیدھی راہ سے لوگوں کو روکتے ہو اور اس میں کج کرنا چاہتے ہو۔ اَلَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یَبْغُوْنَھَا عِوَجًا ۴۵ اعراف۔

تم اسی اعراض کی روش پر اڑے رہنے کا فیصلہ کر چکے ہو تو اب نتائج کی ذمہ داری تمہارے سر ہے، میرا کام صرف پیغام الٰہی پہونچانا تھا سو میں نے پورا کر دیا لیکن یاد رکھو۔ اللہ تم کو جڑ سے اکھاڑ پھینک دے گا اور تمہاری جگہ تمہارے علاوہ کسی اور قوم کو لا بٹھا دے گا، یہ نہ سمجھو کہ تمہارے بغیر اس کی دنیا سونی ہو جائے گی یا تمہارے نیست و نابود ہو جانے سے اس کا کچھ بگڑ جائے گا، وہ تو اس کائنات کا خالق ہے جو بیکار چیز ہو جاتی ہے اس کو اکھاڑ پھینکتا ہے اس کی جگہ دوسری نئی چیز لا دیتا ہے۔ اگر کوئی قوم حد سے آگے بڑھ جاتی ہے۔ سرکشی اور نافرمانی میں اپنی حقیقت بھول جاتی ہے۔ تو خدا ایسی قوم کو مٹا دیتا ہے یہ اس کا ازل سے فیصلہ ہے اور دنیا میں نہ جانے کتنی قومیں اسی فیصلے کے مطابق داستان پارینہ بن گئیں۔ وَتِلْکَ عَادٌ جَحَدُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّھِمْ وَعَصَوْا رُسُلَہٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ

امرائے اسلام کے قیمتی اوقاف

مولانا عبد الرؤف رحمانی۔ ناظم مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال۔

بہت ہی خوش بخت ہیں وہ لوگ جو اپنے مالوں سے رفاہی خدمات انجام دیتے ہیں اور خلق خدا کو بھی مستفید کرتے ہیں یہ بہت ہی اجر و ثواب کا کام ہے، صدقہ جاریہ کا اسلام میں بڑا مقام ہے یہ وہ عمل خیر ہے جس کا ثواب مرنے کے بعد بھی صاحب خیر کو برابر پہونچتا رہتا ہے۔ جن بندگان خدا کو اللہ تعالیٰ نے مال کی نعمت سے نوازا ہے اور وہ اس دار فانی میں اسے جائز مصرف میں استعمال کرتے ہیں، نیز دین وملت کا اور رفاہی کاموں کا اس کے ذریعہ وہ کارنامہ انجام دیتے ہیں جن کو رہتی دنیا تک خلق خدا یاد کرتی ہے تو ان کا نام مرنے کے بعد بھی زندہ جاوید رہتا ہے۔

عہد سلف میں امرائے اسلام کے کتنے ایسے روشن وتابناک واقعات ہیں جو آج ہم سب کے بصیرت وعبرت کے لئے کافی ہیں۔ ان امراء کے قیمتی اوقاف، رفاہی خدمات اور مساجد ومعاصد اور شفاخانوں کی تعمیرات وغیرہ کے تذکرے کتابوں میں آج بھی محفوظ ہیں۔

ان میں سے چند واقعات ناظرین کی خدمت میں عبرت وموعظت کے لئے ہم پیش کر رہے ہیں ہمارے اس دور کے امراء واغنیاء کو بھی انہیں کے نقش قدم پر چلنا چاہیئے خدا ہم سب کو توفیق خیر سے نوازے۔ (آمین)

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را   گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را

۱:- امراء سلف کے کچھ اوقاف اس قسم کے تھے جنکی آمدنی سے گمشدہ لاوارث بچوں اور یتیموں کی پرورش اور ان کی تعلیم وتربیت ونگہداشت وپرداخت کا انتظام کیا جاتا تھا۔

۲:- چند اوقاف ایسے تھے جن کے ذریعہ صرف نابینا، لولے، لنگڑے، معذور اپاہج اور لاچار مجبور بے بس لوگوں کے قیام وطعام کا انتظام کیا جاتا تھا اور ان کے لباس وتعلیم کا بندوبست کیا جاتا تھا اسی وقف کے ذریعہ اپاہج ونابینا لوگوں کی رہنمائی وخبرگیری اور خدمت خلق کے لئے آدمی مقرر تھے۔

۳۔ ایک وقف اس قسم کا تھا کہ بیمار قیدیوں کی مخصوص غذا و دوا کے لئے ضروری کھانوں و مناسب دواؤں کا بندوبست کیا جاتا تھا۔

۴۔ ایک وقف اس مقصد کے لئے تھا کہ جوان لڑکوں اور لڑکیوں کے والدین جو بوجہ غربت و افلاس ان کی شادی کے مصارف و جہیز کے لوازمات مہر وغیرہ کا خرچ نہ برداشت کر سکتے ہوں اس وقف سے ان کی شادی کا انتظام کیا جا سکے۔

کتنا پاکیزہ تھا یہ جذبہ اور کتنا اعلیٰ تھا یہ کردار اور آج کس قدر ضرورت ہے ان پاک جذبات کی ہمارے خود غرض معاشرہ و سوسائٹی کو۔

۵۔ ایک وقف قبرستان کے لئے تھا عہد اول کے مسلمان ایک ایک ہزار بیگھہ کا رقبہ قبرستان کے لئے وقف کرتے تھے۔

۶۔ ایک وقف ایسا تھا جس سے شاہراہوں، پلوں کی مرمت و تعمیر وغیرہ کا انتظام ہوتا تھا۔

۷۔ ایک وقف اس طرح کا تھا جس کا نفع جہاد کے خواہشمند لوگوں کو اور ان فوجیوں کو ملتا تھا جن کی پوری کفالت حکومت نہیں کر سکتی تھی یہ سیاسی و اجتماعی شعور کی بیداری کا عہد تھا۔

۸۔ ایک وقف اسی نوع کا تھا کہ سرحدی مقامات پر اہل خیر فوجی ضرورتوں کے سامان وقف کیا کرتے تھے تاکہ اتفاقی حوادث اور غیر ملکی حملوں کا بخوبی مقابلہ کیا جا سکے یہاں سے مجاہدین کو سامان جنگ، گھوڑوں، تلواروں اور تیر و کمان کے ساتھ خوراک بھی ملتی تھی۔

۹۔ ایک وقف یہ تھا کہ عام گزرگاہوں پر سبیلیں لگی تھیں تاکہ لوگ پیاس کی شدت سے محفوظ رہ سکیں۔

۱۰۔ ایک وقف ایسا تھا کہ باورچی خانوں اور لنگر خانوں کا بھی انتظام تھا جہاں سے روٹی، سالن حلوہ وغیرہ پکا کر مفت دیا جاتا تھا۔

۱۱۔ ایک وقف اس ڈھنگ سے تھا کہ حجاج کرام کیلئے مکہ مکرمہ میں مکانات وقف کئے جاتے تاکہ حجاج کرام بلا کرایہ بسہولت ان میں قیام کریں۔

۱۲۔ اس طرح کا بھی ایک وقف تھا کہ غیر آباد راستوں، ویرانوں صحراؤں میں کنوئیں کی تعمیر ہوتی تھی۔ تاکہ پانی پینے کے علاوہ لوگوں کی کھیتی باڑی اور مویشیوں کے کام آسکیں۔

۱۳۔ کچھ اوقاف ایسے تھے جن سے ماؤں کو دودھ شکر ملتا تھا کہ غریب گھرانے کے بچے

کمزور و نڈھال نہ ہوسکیں۔ اس سلسلہ میں چند سلاطین و امراء کا نام پیش کیا جا رہا ہے۔

۱۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے جہاں تمام محاسن اور کارنامے ہیں وہاں ان کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنے قلعہ کے دروازہ پر جو آج بھی دمشق میں موجود ہے دو پرنالے بنائے تھے ایک سے دودھ جاری کیا جاتا تھا دوسرے سے شربت، ہفتہ میں دو بار ضرورتمند مائیں آتی تھیں اور دودھ شربت لے جاتی تھیں اور جتنا بھی چاہتی تھیں لے جاتی تھیں۔

۲۔ خاندان دیلمی کے مشہور بادشاہ عضد الدولہ نے بغداد میں بیمارستان عضدی کے نام سے ایک دار الشفاء تعمیر کیا اور اس کے اخراجات کے لئے ساڑھے ساکھ روپئے سالانہ جاگیر وقف کی اس اسپتال میں چوبیس اطباء مقرر تھے ان کے علاوہ ہر دوشنبہ اور جمعرات کو شہر کے بڑے بڑے اطباء اسی شفاخانہ میں آتے اور مہلک امراض کی تشخیص کرتے۔

۳۔ چھٹی صدی ہجری میں سلطان نور الدین زنگی نے دمشق میں ایک اسپتال بنوایا اس شفاخانہ کے وقف کے قواعد میں یہ بات درج تھی کہ اس کی قیمتی ادویہ کے استعمال میں امیر و غریب کی کوئی تمیز نہ رکھی جائے۔ مریضوں کے لئے اس قدر آسائش کا انتظام تھا کہ اچھے اچھے انواع و اقسام کے لذیذ کھانے دیکھ کر مریض بن جاتے ایسے لوگوں کی ایک دو روز مہمانی کر دی جاتی کیونکہ طبیب اپنے کمال حذاقت سے اصل بیماری معلوم کر لیتے تھے اس لئے رقعہ لکھ کر دیدیا کرتے تھے کہ مہمان دو یوم سے زیادہ قیام نہیں کر سکتے۔

۴۔ ملک المنصور نے بھی ایک عظیم الشان بیمارستان قاہرہ میں بنوایا۔ اس کے اخراجات کے لئے دس لاکھ روپئے کے سالانہ اوقاف تھے، عورتوں مردوں کے لئے علیحدہ علیحدہ وارڈ بنے تھے بخار، پیچش، اور پیٹ کے امراض اور جراحی سے متعلق امراض کے لئے علیحدہ علیحدہ وارڈ تھے۔ اور حسب ضرورت ہلکی پھلکی موسیقی سے بھی ان مریضوں کے نفسیاتی علاج کی طرف توجہ دی جاتی تھی۔ مریض سے پیدا شدہ ذہنی تکلیف سے توجہ ہٹانے کے لئے مریض کو کہانیاں اور لطیفے سنانے والے مقرر تھے۔ نہایت قابل طبیبوں کی نگرانی میں مریضوں کا علاج کیا جاتا تھا اور اسی وقف کی مدد سے گھر جاتے وقت بیمار کو اس قدر رقم دیدی جاتی کہ وہ بیماری کے بعد کمزوری کے ایام فارغ البالی سے بسر کر سکیں اور فوراً فکر معاش میں پڑ کر پھر بیمار نہ پڑ جائیں۔

۵۔ محمد حسین ابو شجاع کے متعلق ابن الجوزی نے نقل کیا ہے کہ یہ بزرگ اپنے تمام غلہ کا

باقاعدہ عشر نکالتے تھے اس کے علاوہ عام طور سے خیرات وصدقات میں چھ چھ لاکھ اشرفی خرچ کر ڈالتے تھے اس کے ساتھ ہی انہوں نے بہت سی مسجدوں کو بنایا اور کئی جائدادوں کو امور خیر پر وقف کیا۔ (المنتظم لابن الجوزی ج ۹ ص ۲۹۲)

شفاخانوں کا بھی عہد سلف میں خاص طور سے انتظام ہوتا تھا دواؤں کی ضروریات اور حکیم وطبیب کے اخراجات کے لئے اس پر بڑی بڑی جائدادیں اور جاگیریں وقف ہوتی تھیں۔

(المنتظم فی التاریخ الملوک والامم لابن الجوزی ج ۸ ص ۷)

۶۔ ایک اور صاحب نے شفاخانہ تعمیر کیا تھا جس میں اٹھائیس طبیب مقرر تھے اس میں دواؤں کا ایک بڑا اسٹاک رہتا تھا شفاخانہ کی ضروریات کے لئے اس پر بہت سی جائدادیں واملاک وقف کی گئی تھیں۔ (المنتظم لابن الجوزی ج ۸ ص ۲۵)

۷۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں ائمہ سلف میں مصر کے ایک شافعی المسلک آدمی تھے آپ کے پاس شکر سازی کا ایک بڑا کارخانہ تھا آپ طلبہ کے ساتھ خاص طور سے سلوک واحسان فرماتے تھے حاجیوں کی راحت رسانی کے لئے آپ نے چند اوقاف قائم کر رکھے تھے۔

(درر کامنہ لابن حجر ج ۲ ص ۲۸۵)

۸۔ ہمارے اسلاف میں ایک بزرگ احمد بن عبدالوہاب گزرے ہیں یہ اہل علم کے بڑے ہی قدرداں اور بڑے ہی فضل واحسان کرنے والے تھے ایک لاکھ دینار کے مالک تھے دو ثلث مال کو امور خیر میں صرف کرنے کی وصیت کرتے ہوئے بہت سی جائدادیں مکہ والوں کیلئے وقف کر گئے۔ (المنتظم لابن الجوزی ج ۹ ص ۲۱۹)

عہد سلف میں بعض امرائے اسلام ایسے بھی تھے جنہوں نے عام مدرسوں کے علاوہ یتیموں کی تعلیم وتربیت کے لئے خاص طور سے ایک علیحدہ مدرسہ قائم کیا تھا اور اس کے مالی نظام کو برقرار رکھنے کے لئے اس پر ایک اچھی سی ملکیت وقف کی تھی۔ (درر کامنہ لابن حجر ج ۴ ص ۲۵۲)

۹۔ عبدالعزیز کریمی ایک بڑے تاجر تھے آپ کے پاس چھ ایسے کارپرداز تھے جو لاکھوں اشرفیوں سے آپ کی تجارت کا کاروبار کرتے تھے آپ باقاعدہ اپنے مال کی زکوۃ نکالتے تھے تمام اطراف وجوانب کے لوگ ان کے پاس زکوۃ لینے کے لئے آتے تھے اور وہ ان کو بے تحاشہ دیتے تھے اور بہت سے مدرسوں اور رفاہ عام کے کاموں کے لئے ان کے پاس متعدد

اوقاف سے ان اوقاف سے مدرسوں کا مالی نظام قائم تھا۔ (درکامنہ لابن حجر ۲ صفحہ ۳۰)

۱۰۔ کتب تواریخ میں عبدالکریم مصری کا نام محفوظ ہے ان کی جود وسخا کے سبب ان کی مقبولیت و محبوبیت کا یہ عالم تھا کہ جب ایک دفعہ بیمار ہو کر صحت یاب ہو گئے تو شہر والوں نے ان کی صحت کی خوشی میں شہر کو مزین کیا اور کئی ہزار شمعیں جلا کر چراغاں کیا اور جس وقت یہ بازار میں نکلے تو ہزاروں تاجروں نے ان پر سونا چاندی نثار کیا۔

ان کی خیرات کا یہ عالم تھا کہ ریگستانی علاقوں میں کنوئیں تیار کراتے تھے اور بڑے بڑے جامعات و مدارس قائم کئے تھے اور رفاہ عام کے لئے راستے بنوائے تھے مقروض قیدیوں کا قرض ادا کیا جاتا اور ان کو آزاد کرایا جاتا تھا ایک شفاخانہ قائم کیا اور اخراجات کے لئے اس پر متعدد جائدادیں وقف کیں۔ (درکامنہ لابن حجر ۲ صفحہ ۲۲)

یہ تمام انواع واقسام کے اوقاف عہد سلف میں پائے جاتے تھے۔ یہ امرائے اسلام رفاہی کاموں، پلوں، سڑکوں، شفاخانوں، یتیم خانوں، مساجد و مدارس وغیرہ کی تعمیر پر اپنی دولت بے تحاشہ خرچ کرتے تھے اور ان پر اپنی لمبی لمبی جائدادیں اور جاگیریں للہ فی اللہ وقف کیا کرتے تھے۔ نابینا، لولا، لنگڑے معذور، اپاہج اور لاچار مجبور و بے بس لوگوں کے قیام و طعام، دوا وعلاج اور ان کے لباس وغیرہ کا بھی انتظام کرتے تھے مقروض لوگوں کا قرض ادا کیا جاتا تھا اور سب طرح کا اخراجات کا بندوبست کیا جاتا رہا، جوان لڑکوں اور لڑکیوں کے والدین اپنی غربت کی وجہ سے شادی کے مصارف اور جہیز کے لوازمات مہر وغیرہ کا خرچ نہیں برداشت کر سکتے تھے ان کی شادی کا بھی انتظام کیا جاتا تھا۔

کتاب الاموال میں علامہ ابوعبید قاسم بن سلام نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور حکومت میں بیت المال کے نام فرمان جاری کیا گیا تھا کہ تمام قرض داروں کا قرض ادا کر دو، اور تمام بالغ لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے شادی کے اخراجات دو، اور کھیتی باڑی کرنے والوں کو غلہ اور رقم دو جس سے وہ بیل وغیرہ خریدیں اور کھیتوں میں اناج ڈال سکیں۔ (کتاب الاموال)

الغرض اس طرح کے تمام رفاہی خدمات اور مصارف خیر میں قیمتی اوقاف کا عہد سلف میں بڑا رواج تھا جن کی نظیریں ہمارے اس دور میں نہیں ملتیں۔

آج کے امراء اپنے کاروبار کے فروغ میں اور بے جا رسم ورواج اور ریا و نمود میں تو اپنی

بقیہ صفحہ ۴۵ پر

سوویت یونین کی آزادی

اور عالم اسلام کیلئے لمحۂ فکریہ

مولانا عزیز الحق عمری (ایم اے علیگ)

سوویت روس میں ۷۴ سال کی آزمائش کے بعد یہودی نظریہ سیاست و معیشت ناکام ہوگیا اور ۱۹۱۷ء میں لاکھوں عوام کے خون سے جو انقلاب برپا کیا گیا تھا اسے سوویت روس کی عوام نے اپنے ہاتھوں دفن کر دیا، کارل مارکس اور لینن وغیرہ کے بڑے بڑے ہیاکل ڈھا کر پیروں سے روند دیئے گئے۔

یخربون بیوتھم بایدیھم وایدی المومنین فاعتبروا یااولی الابصار۔
وہ اپنی تعمیر کردہ عمارتوں کو خود اپنے ہاتھوں اور مومنوں کے ہاتھوں سے ویران کر رہے ہیں۔ اس لئے اے اہل بصیرت اس سے عبرت حاصل کرو۔

آغاز اسلام کے وقت دنیا میں مختلف آسمانی مذاہب پائے جاتے تھے جن میں یہودیت اور عیسائیت براہ راست اسلام سے برسر پیکار رہے اور شرک و بت پرستی پر کاری ضرب لگنے کے بعد بھی یہ دونوں مذاہب ہمیشہ اسلام سے معرکہ آرا رہے، ملعون یہودیت چونکہ اپنی غداریوں اور بیوفائیوں کی وجہ سے پوری دنیا میں بدنام تھی اور اس کی غیر معتد بہ تعداد کبھی براہ راست اسلام کے سامنے نہیں آئی بلکہ ہمیشہ اسلام کے خلاف خفیہ سازش اور منافقانہ کردار ادا کرتی رہی لیکن عیسائیت صدیوں تک صلیب مقدس کے نام پر اسلام سے معرکہ آرا رہی لیکن اٹھارہویں صدی تک یہودیت اور عیسائیت کو اسلام کی طاقت توڑنے میں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی کیونکہ یہودی اور عیسائی مذہب چند توہمات اور خود ساختہ روایات کے سوا اپنی اصل بنیاد کھو چکے تھے۔ اور عالم انسانی بلکہ خود یہودی اور عیسائی دنیا ان مذاہب کو آبائی رسومات اور اسلام مخالف جذبہ کی وجہ سے مانتی رہی۔ اس لئے اسلام کی طاقت کو توڑنے کے لئے ان کے پاس ایک ہی راستہ رہ گیا تھا کہ مسلمانوں کے دین و عقائد کو برباد کر کے انہیں اسلام کی تعلیمات و ہدایات سے دور کر دیا جائے چنانچہ انقلاب فرانس نے یورپ کو ایک ایسا موقعہ فراہم کر دیا اور یہودی اور عیسائی کارخانوں میں وطنیت اور قومیت کے بت تراشے گئے یہودیت نے کمیونزم کے لبادے میں اور عیسائیت نے سیکولرزم کے لباس میں

ملبوس ہو کر عالم اسلام اور مسلمانوں کو فریفتہ کر دیا اور حقیقت نا آشنا مسلمانوں نے وطنیت اور کمیونزم و سیکولرزم کے بتوں کو اپنے سینوں سے لگا لیا اور جو تلواریں اور طاقت کبھی اسلام کی پاسبانی کے لئے اپنے جوہر دکھا رہی تھیں اب آپس کی رزم آرائیوں اور یہودیت و عیسائیت کے تراشے ہوئے قومیت اور کمیونزم اور سیکولرزم جیسے بتوں کی پاسبانی کے لئے استعمال ہونے لگیں، ٹیٹو اور ناصر جیسے قوم پرست اور صدام حسین، اور قذافی و یاسر عرفات جیسے کمیونسٹ اسلام کی وحدت کے شیرازے کو توڑ کر مسلم ممالک میں ملحدوں اور بے دینوں کے لئے جگہ پیدا کرنے لگے۔ لیکن جیسے ہر باطل زوال پذیر ہوتا ہے ویسے ہی ناصر اور صدام حسین کا پسندیدہ دین سوویت روس میں ناکام ہو گیا اور وہاں کی عوام نے اس یہودی نظریہ سیاست اور معیشت کو رد کر دیا، ۱۹۱۷ء میں جو طاقت کمیونسٹ انقلاب کے لئے تیار ہوئی تھی اس نے ۲۲ر اگست ۱۹۹۱ء میں اس کے خلاف صف آرا ہو کر کمیونزم کو دفن کر دیا۔

سوویت روس میں کمیونزم کی ناکامیوں کی اصل وجہ اس کا دستور معیشت ہے۔ جس نے سوویت یونین کی معیشت کا دیوالہ کر دیا اس وقت روس پوری دنیا میں امداد کے لئے دوڑ دھوپ کر رہا ہے۔ لیکن کیا روس کا الحادی نظریہ بھی اسی کے ساتھ ناکام ہو گیا ظاہر ہے کہ روس میں مذہبی آزادی اور مساجد و کلیسا سے پابندی کا ہٹایا جانا اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ روس کی عوام کارل مارکس کے الحادی نظریئے سے بھی بیزار ہے۔ اور اب وہ دین و مذہب اور خدا بیزاری کی سیاست کی مخالف ہے۔

روس کے اندر اس نئے انقلاب سے یورپ کے سیکولر ممالک بہت خوش ہیں اس لئے کہ کمیونزم کے زوال کے بعد اب سیکولرزم ہی دنیا کا نظریہ سیاست اور معیشت ہوگا اسی کے ساتھ عام طور پر اسلام پسند مسلم ممالک اور ساری دنیا کے مسلمان بھی اس سے بہت خوش ہیں لیکن اصل سوال یہ ہے کہ کیا کمیونسٹ نظریہ کا زوال اسلام کا احیاء اور اس کی نشأۃ ثانیہ کا آغاز ہے؟ اس میں شک نہیں کہ سوویت روس کا شیرازہ ٹوٹنے سے وہ بہت سی ریاستیں آزاد ہو گئی ہیں جن کی ہمت و شجاعت اور علوم و فنون کو اسلام کی تاریخ میں نمایاں مقام حاصل ہے اور اب یہ ممکن ہے کہ ان کی شجاعت اور ہمت سے اسلام کو نئی طاقت حاصل ہوگی اگر پورے عالم اسلام کا ایک جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوگا سوویت الحادی نظریئے کو توڑنے میں مسلمانوں کا کوئی اہم کردار

نہیں ہے بلکہ اس کے برخلاف یہودی نظریہ سیاست کے ہم نوا دنیا میں سب سے زیادہ مسلمان ہی ملیں گے اگر آپ عرب ممالک پر نظر ڈالیں گے تو یہاں ان ممالک کی اکثریت دکھائی دے گی جو یہودی سیاست کمیونزم کے علم بردار ہیں، شام، عراق، یمن، شام، الجزائر وغیرہ سبھی کمیونزم اور دہریت کے دلدادہ نظر آئیں گے پوری دنیا کے اندر مسلم ممالک اور مسلم عوام کا زیادہ تر یہی حال ہے اور کمیونزم کا ناسور سب سے زیادہ مسلمانوں میں پایا جاتا ہے پھر ایسی صورت میں کیا سوویت روس میں یہودی نظریہ سیاست اور کمیونزم کے زوال کو اسلام کے لئے خوش آئند قرار دیا جاسکتا ہے اور اسے اسلام کے احیاء اور نشأۃ ثانیہ کا آغاز تصور کیا جاسکتا ہے؟

روس میں کمیونزم کے زوال سے اسلام پسند مسلمان جتنا بھی خوش ہوں لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ جب تک مسلمانوں میں صدام حسین اور قذافی و ناصر جیسے کمیونسٹ پیدا ہوتے رہیں گے اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا تصور ناممکن ہے۔

روس میں یہودی نظریہ سیاست کا زوال اسرائیل کے لئے بہت سی دشواریاں پیدا کرسکتا ہے۔ کیونکہ اسرائیل نے اپنے وجود سے اب تک سوویت روس سے جو طاقت اور غذا حاصل کی ہے اور نظریہ کمیونزم نے مسلمانوں میں اسرائیل کے لئے جو در پردہ دوست بنائے ہیں کمیونزم کا زوال اسے مٹانے میں معاون ثابت ہوگا۔ لیکن اس کے لئے سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمانوں کے دلوں اور ان کے ممالک سے کمیونزم کے ناسور کو مٹایا جائے اور پوری دنیا میں مسلمانوں کی ایک طاقت بنا کر سچائی کے ساتھ اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لئے کوشش کی جائے محض کمیونزم کی ناکامیوں سے یہ حسن ظن رکھنا کہ اب اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا آغاز ہو جائے گا۔ ایک ژولیدہ خواب کے سوا کچھ نہیں۔

تحریک اور ادارہ

پندرہ روزہ الہدیٰ دربھنگہ کا ایک اداریہ

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ افکار ونظریات معاشرہ میں اثر ونفوذ اور لاگو ہونے کے لئے وجود میں آتے ہیں۔ اگر کسی نظریہ وفکر کو معاشرہ میں اثر ونفوذ کا موقع نہ ملے تو وہ محض ایک خیال اور فلسفہ بن کر رہ جاتا ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کسی نظریہ وفکر یا نظام حیات کی موثر دعوت وتبلیغ تحریک ہی کے ذریعے ہوتی ہے دنیا کے سارے انقلابات ایک منظم اور مضبوط تحریک ہی کے ذریعہ برپا ہوئے ہیں۔ روس اور فرانس کے انقلابات اس کی بہترین مثالیں ہیں۔ محض ادارے اور تعلیم گاہیں کھول کر بیٹھ جانے اور تعلیم وتدریس میں مشغول ہو جانے سے کسی نظریہ وفکر کی موثر تبلیغ واشاعت نہیں ہوتی اور نہ وہ معاشرہ میں اثر ونفوذ کر سکتا ہے کیونکہ دنیا میں ہر چیز کا ایک دائرہ کار ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کے اثرات کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ ایک پٹاخے سے بم کا کام نہیں لیا جاسکتا ہے۔ ایک بندوق ایک میزائل کا کام نہیں دے سکتا۔ ایک اسکول کو یونیورسٹی کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ اسی طرح ایک ادارہ کو تحریک کے قائم مقام نہیں قرار دیا جاسکتا۔ دونوں کے الگ الگ دائرہ کار اور اس کے اثرات ہیں ایک کا محدود دوسرے کا وسیع ایک کا مخاطب قوم کے چند بچے، دوسرے کا مخاطب پورا ملک بلکہ پوری دنیا ہے۔

دنیا میں ہر تحریک کو دو ادوار سے گزرنا پڑتا ہے۔ ایک تحریکی دور، دوسرا تعمیری دور، کسی تحریک کو جب تک اپنے مقصد میں کامیابی نہ مل جائے اس وقت تک وہ تحریکی دور سے گزرتی ہے اور جب اسے کامیابی مل جاتی ہے تب اس کا تعمیری دور شروع ہوتا ہے۔ اور یہ یقینی بات ہے کہ تحریکی دور میں تعمیری کام انجام نہیں پا سکتا۔ اگر کوئی تحریک تحریکی دور میں تعمیر کے کاموں

میں لگ جائے تو اس تحریک کا وجود ختم ہو جاتا ہے اگر تحریک آزادیٔ ہند کے علمبرداران آزادی کا پروانہ ملنے سے پہلے اسکول، کالج، یونیورسٹیاں، فیکٹریاں اور دیگر تعمیری کاموں میں لگ جاتے تو ہندوستان کبھی بھی آزاد نہ ہوتا۔ اس کے برعکس تحریک کی یہ اسپرٹ ہوتی ہے کہ وہ تعمیر میں لگے ہوئے افراد کو تحریک میں پورے طور پر حصہ لینے پر ابھارتی ہے۔ ہندوستان کی تحریک آزادی کے دور میں کالجوں، یونیورسٹیوں سے بے شمار طلبہ اپنی تعلیمی زندگی کو خیرباد کہہ کر تحریک آزادی میں شامل ہوئے تب ہندوستان کو آزادی نصیب ہوئی۔

اس میں شک نہیں کہ دنیا میں کسی نظریہ و فکر کو کامیاب بنانے کے لئے جب تحریکیں اٹھتی ہیں تو اس کے نتیجے میں مختلف ادارے وجود میں آتے ہیں لیکن وہ ادارے آزادانہ طور پر نہیں بلکہ ماتحت رہ کر اور تحریک کے مزاج و اسپرٹ کے مطابق کام کرتے ہیں ورنہ وہ ادارے تحریک کے لئے زیادہ مفید ثابت نہیں ہوتے لیکن اگر کوئی تحریک کسی ادارے میں محصور ہو کر رہ جاتی تو یہ صورت حال تحریک کے لئے موت کا باعث ہوتی ہے۔ ندوۃ العلماء تحریک اس کی بہترین مثال ہے۔ ندوۃ العلماء کا قیام ایک تحریک کے طور پر ہوا لیکن جب دارالعلوم ندوۃ العلماء قائم ہوا تو وہ تحریک ختم ہو گئی۔ اسی طرح مدرستہ العلوم علی گڈھ اور دارالعلوم دیوبند کا قیام ایک تحریکی اسپرٹ کے تحت عمل میں آیا تھا۔ ادارے باقی رہ گئے لیکن تحریکیں ختم ہو گئیں۔

برصغیر ہند و پاک میں اسلامی افکار و نظریات کی مؤثر تبلیغ و اشاعت اور ان کا معاشرہ میں اثر و نفوذ نہ ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے تحریک پر کم اداروں پر زیادہ زور دیا۔ جگہ جگہ اسلام کے قلعے (تعلیمی ادارے) تعمیر کر کے مسند نشین ہو گئے اور یہ تصور کر لیا کہ اب انہیں کے ذریعہ ملک اور دنیا میں اسلام کا بول بالا ہو جائے گا یہی وجہ ہے کہ تعلیمی اداروں کا جال پھیل گیا لیکن تحریکیں اور جماعتیں ہماری بے توجہی کا شکار ہو کر رہ گئیں بلکہ انہوں نے اپنی پوری زندگی گزار دی اور نئی نسل کی تعلیم و تدریس ہی کو اسلام کی دعوت و اشاعت کے لئے کافی تصور کر لیا جب کہ تحریک اور ادارہ کے دائرۂ کار اور اس کے اثرات مختلف ہوتے ہیں۔ اگر صرف ان اداروں کے ذریعہ اسلامی نظریہ حیات کی مؤثر انداز

میں دعوت و تبلیغ ہوتی ہوتی تو کب کی ہو گئی ہوتی۔ اور آج برصغیر کا یہ حال نہ ہوتا جو ہمارے سامنے ہے کیونکہ یہ تعلیمی ادارے ۱۸۵۷ء کے بعد سے اب تک قائم ہوتے جا رہے ہیں اس وقت پورے ملک میں ان اداروں کا جال پھیلا نظر آتا ہے مرکزی مدارس بھی بے شمار وجود میں آ چکے ہیں مگر ہم غیر مسلموں کو اسلام سے کیا متعارف کراتے خود اپنے معاشرہ کی بھی اصلاح نہ کر سکے۔ مسلم معاشرہ کی ایک برائی بھی دور نہ کر سکے۔ یہاں تک کہ جن شہروں اور آبادیوں میں ایک یا ایک سے زائد تعلیمی ادارے برسوں سے کام کر رہے ہیں وہاں بھی قابل قدر تبلیغ و اشاعت یا اصلاحی کام انجام نہ پا سکا۔ وہ ادارے چراغ تلے اندھیرا کے مصداق بنے ہوئے ہیں۔

ان معروضات سے ہمارا مقصد ان اداروں کی قدر و قیمت گھٹانا نہیں بلکہ کچھ بڑھانا ہی ہے کیوں کہ یہ ادارے الحاد و دہریت کے سیلاب و طوفان کے مقابلے میں بہت حد تک روک ثابت ہوئے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ اگر یہ ادارے محض ادارے کے طور پر نہیں بلکہ تحریکی اور مشنری اسپرٹ کے ساتھ کام کریں تو برصغیر میں اسلام کی دعوت و تبلیغ کا کام موثر انداز میں انجام پا سکتا ہے اور یہاں کے حالات اسلام اور مسلمانوں کے حق میں بہتر سے بہتر ہو سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مدارس اسلامیہ کے علماء و فضلاء کو اس انداز سے سوچنے اور اس نہج پر کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ ●

بقیہ ص۲۳ کا

کی بصیرت رکھدی ہے اس کو چاہئے کہ اپنے گرد و پیش کے واقعات سے سبق لے اور اس کو فہم و بصیرت کی سطح پر دیکھے انسان اپنے گرد و پیش کے واقعات سے اس وقت تک سبق نہیں لیتا۔ جب تک اسے ذاتی طور پر تجربہ نہ ہو جائے یہ تو فہم و بصیرت سے دور اور حماقت سے قریب بات ہے کہ واقعہ کو حقیقت کا روپ نہ دے۔ جب تک اسے خود تجربہ نہ ہو جائے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ اصل تجربہ وہی ہے جو دوسروں کو دیکھ کر حاصل ہو کیونکہ اپنا تجربہ اس وقت حاصل ہوتا ہے۔ جب پھر دوبارہ سنبھلنے کا وقت نہیں رہتا۔ بہر حال انسانی واقعات سے نصیحت حاصل کرنے کے لئے عبرت کی نگاہ درکار ہے جو اکثر انسانوں سے مفقود ہے۔ ●

سیاسی قصیدہ خوانی

حکیم مولینا عبد المجید اصلاحی

شاعری عرب دوساء کے نزدیک معیوب تھی مگر "درباری شاعری" یہ تو معیوب تر تھی بلکہ ایسے شعراء دربدر کر دیئے جاتے تھے عجمیوں میں درباری شاعری نہ صرف محمود رہی ہے بلکہ قابل فخر بھی مگر اس صنف کا زمانہ لد چکا۔ کیوں کہ ملوکیت کی بساط دنیا کے تقریباً ہر گوشہ سے اٹھ چکی ہے اور اب جمہوری بادشاہی کا زمانہ آیا ہے۔ اس زمانہ میں درباری شاعری کا تماشہ کم ہی دیکھنے میں آتا ہے البتہ اخبارات و رسائل کے اداریوں میں سیاسی قصیدہ خوانی کے مضحکہ خیز مناظر کثرت سے نظر آتے ہیں۔

یہ مناظر ان عجمیوں کی جانب سے پیش کئے جائیں جو دین العرب سے اعتقادی اختلاف رکھتے ہوں تو اس میں کوئی ندرت ما بی نہ ہوگی۔ کیونکہ غیر مسلم وہ بھی عجمی اپنی فطرت اور مذہب دونوں کے اعتبار سے بیسوں کا رسیا ہوتا ہے، مگر "مسلم" دین رحمت پر ایمان و یقین رکھنے والا اللہ رب العزت پر نگاہ رکھتا ہے، وہ اپنی روزی سیاسی درباروں میں نہیں بلند و بالا آسمان میں دیکھتا ہے۔ وفی السماء رزقکم افلا تبصرون۔ پھر حیرت ہے کہ آج کا مسلمان سیاسی قصیدہ خوانیوں کے ذریعہ کس طرح سیاسی درباروں سے اپنی روزی کے منتظر ہے؟

حیرت بالائے حیرت تو ان مسلمانوں پر ہے جو منہاج نبوت پر چلنے کے دعویدار ہیں جو اپنے کو عامل بالکتاب و السنہ گردانتے ہیں، جو خود کو قدوسیوں کی جماعت فرقہ ناجیہ اور ظاہرین علی الحق قرار دیتے ہیں۔ جو غیرت اسلام اور غیرت محمدی سے چور ہو کر اہل کفر و شرک اور ارباب بدعت و خرافات پر توحید کی چمکتی ہوئی بجلی بن کر گرتے ہیں انہیں آخر کیا ہو گیا ہے کہ "جمہوری بادشاہی" کے اندر خالص سیاسی وہ بھی غیر اسلامی شخصیتوں کی قصیدہ خوانی اور ان کے تذکروں سے لذت و دہن کا اہتمام کریں، یہ کون سے خلف ہیں جو اپنی نالوں سے شبستان وجود کو لمعات بیضا اور تازہ سحر پیدا کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر ان کی جو سحر بھی پیدا ہوتی ہے وہ شب گزیدہ سحر ہوتی ہے۔ یہ آخر کون سے خطوط ہیں جن کی نمائش ہو رہی ہے، یہ خطوط مستقیم ہیں یا خطوط خم دار؟

عبرت کی نگاہ

ثناء اللہ محمد مصطفیٰ پھلواروی۔

یہ دنیا ایک درس گاہ ہے۔ یہاں ہر وقت اور ہر لمحہ نصیحت آمیز واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ واقعات و حوادثات کا رونما ہونا کسی ایک شخص کے ساتھ مختص نہیں۔ بلکہ تمام انسانوں کی زندگی میں ایسے واقعات پیش آتے ہیں جن سے سبق و عبرت حاصل کر کے فیروزمندی کی زندگی گزارنا ممکن ہو جاتے۔ تمام حقیقتیں واقعاتی شکل میں پیش آتی ہیں کہ انسان ان واقعات کو دیکھ اور نصیحت حاصل کرے۔ زندگی کے نشیب و فراز سے آگاہی حقیقت کی تلخی و شیرینی کا علم ہو جائے، ہمت و جرأت میں پختگی پیدا ہو اور زندگی کے لئے چراغ راہ بن سکے۔ جہاں تک دیکھنے کا تعلق ہے دیکھتے تو سب ہیں بلکہ دلچسپی سے دیکھتے ہیں اور بس ایک تماشائی کی نظر سے دیکھ کر کنارہ کش ہو جاتے ہیں جیسے کہ ان واقعات میں اس کے لئے کوئی نصیحت نہ ہو۔ مگر اصل دیکھنا وہ ہے کہ واقعات بنظر غائر دیکھے اور اس ______ کا دل و دماغ وہی چیز پائے جس کو اس کی آنکھ نے دیکھا جو صرف دیکھتا ہے اور دیکھ کر غور و فکر نہیں کرتا ہے تو ایسے دیکھنے کو دیکھنا نہیں کہا جا سکتا۔ جو دوسروں کی زندگی کے واقعات کو عبرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو وہ اپنے لئے ان واقعات میں ایک بے لوث و عظیم رہنما موجود پاتا ہے جو اسے زندگی کی ہر موڑ پر ہوشیاری کی تلقین کرتا رہتا ہے اور وہ اپنے آپ کو ہر ذلت سے بچاتا اور ہر ٹھوکر سے محفوظ رکھتا، ہر پستی سے اٹھاتا اور نادانی میں پڑنے سے روکتا ہے۔ ہر وقت دوسروں کے واقعات و حوادثات کے اندر غور و فکر کرتا ہے تاکہ قبل از وقت مکمل طور پر مستعد اور مقابلہ کیلئے تیار رہے اور جس یاس و حرماں کے دوسرے شکار ہوئے ہیں وہ نہ ہو۔ یہاں تمام حقیقتیں کسی نہ کسی واقعاتی صورت میں ظہور پذیر ہو رہی ہیں ان سب کو واقعاتی اسٹیج پر دیکھا جا سکتا ہے۔ جو طلبہ امتحان میں شرکت کے لئے قبل از امتحان پوری تیاری نہیں کرتے ہیں تو نتیجتاً حال میں ان کے لئے سوائے یاس و حسرت کے اور کچھ نہیں رہتا یہ ایک واقعہ ہے لیکن اس کا تعلق صرف طلبہ ہی سے نہیں ہے۔ بلکہ تمام انسانوں سے ہے۔ انسان کے اندر اللہ نے اعلیٰ قسم

بقیہ ص ۲۱ پر

جہیز سے ایک انٹرویو

انصار زبیر محمدی۔ مبلغ جمعیۃ اہلحدیث بھیونڈی

س۔ عالی جناب کیا میں آپ کا اسم گرامی پوچھ سکتا ہوں؟

ج۔ جی میرا نام جہیز ہے۔

س۔ آپ کی پیدائش اور پرورش کہاں ہوئی؟

ج۔ میری پیدائش اور پرورش امیروں اور رئیسوں اور حریصوں کے گھر میں ہوئی وہیں میں پروان چڑھا۔

س۔ اب تک آپ نے عمر کی کتنی بہاریں دیکھی ہے؟

ج۔ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے، بہار تو ہر وقت میرے دامن میں رہتی ہے غرضیکہ میں سدا بہار ہوں۔

س۔ آپ کی دلی تمنا اور آپ کے عزائم کیا ہیں؟

ج۔ بس وہی بھائی ابلیس کا تعاون کرنا اور بنی آدم کو ذلیل کرنا ہمارا عین مقصد ہے۔

س۔ آپ اپنی دعوت میں کس حد تک کامیاب ہیں؟

ج۔ اس کا میں نے جواب دیا نہ کہ میں خود ہی سدا بہار ہوں، ہاں اتنا ضرور ہے کہ جب اسلام کا بول بالا تھا اور مسلمانوں کے پیغمبر اور ان کے خلفاء وغیرہ جب تک باحیات رہے میں بے وقعت تھا ویسے آج کل تو میری خوب ترقی ہو رہی ہے ابھی حال ہی میں بمبئی شہر میں ایک قلم کار لڑکی روحی نسرین نایک کو میری ہی وجہ سے جلایا گیا ہے آپ بمبئی کے اس واقعہ سے میری کامیابی کا پتہ لگا سکتے ہیں۔

س۔ آپ کس قسم کے لوگوں میں اپنی دعوت پیش کرتے ہیں؟

ج۔ ویسے تو میری دعوت عام ہے۔ مگر حریص لوگ میری دعوت جلدی قبول کرتے ہیں۔

س۔ کیا علماء بھی آپ کا خیر مقدم کرتے ہیں؟

ج۔ تمام علماء تو نہیں مگر اکثر بیشتر علماء کی کوشش ہی میری کامیابی کا سبب بنی۔

س۔ اسلام تو جہیز کا مخالف ہے پھر علماء آپ کی قدر کیسے کرتے ہیں؟

ج۔ آپ نہیں سمجھے آج کل علماء بھی دولت پرست ہو گئے ہیں جس کی وجہ سے میری خوب ترقی ہو رہی ہے۔

س۔ انسانی معاشرہ میں آپ کا کیا مقام ہے؟

ج۔ جس طرح انسانوں کی مہمان نوازی کے لئے بکریاں اور مرغیاں ذبح کی جاتی ہیں اسی طرح میری خاطر و مدارات کے لئے لڑکیاں ذبح کی جاتی ہیں اور جلائی بھی جاتی ہیں جیسا کہ نسرین نایک کا واقعہ سامنے ہے درحقیقت یہ میری ہی وجہ سے ہوا ہے۔

س۔ آپ کی رسائی کہاں تک ہے؟

ج۔ تقریباً دنیا بھر میں چھا گیا ہوں۔

س۔ محترم آخر میں آپ اپنا پتہ بتا دیں تو کرم ہوگا؟

ج۔ میرا پتہ تو بہت آسان ہے بس امیروں، حریصوں اور دولت پرستوں کے گھروں میں میرا مستقل قیام ہے۔ ●

بقیہ صفحہ ۱۵ کا

دولت بے تحاشہ خرچ کرتے ہیں مگر انہیں اس قسم کے رفاہی کاموں کی توفیق نہیں ملتی اور کوئی ایسا کارنامہ یا رفاہی خدمات انجام نہیں دیتے جن سے رہتی دنیا تک ان کا نام روشن رہے۔ اور خلق خدا ان سے مستفید ہو۔ إلا ماشاء اللہ۔

آج ضرورت ہے کہ ہمارے امراء عہد سلف کی یاد تازہ کریں۔ طرح طرح کے اوقاف و رفاہی امور اور اسلامی خدمات میں اپنی دولت صرف کریں، یتیم بچوں کی پرورش اور ان کی تعلیم و تربیت کے بارے میں فکر کریں مدارس و جامعات کا قیام کریں۔ اور اس قسم کے جو ادارے اپنی پوری ذمہ داریوں کے ساتھ کام کر رہے ہیں ان کا حکومتی سطح پر جو رفاہی امور اور خدمت خلق کے جو کام انجام پا چکے ہیں وہ قابل فخر اور لائق تحسین ہیں۔ آج کل کے امراء حضرات کو بھی چاہیئے کہ خود ذاتی طور پر شاہان سلف و امراء کے ملت کی طرح رفاہ عام اور خدمت خلق کے کاموں میں حوصلہ مندانہ حصہ لیں اور اپنی لمبی جائدادیں وقف کر کے مؤسسات و منظمات وغیرہ کو ترقی دیں۔ ●

زمین پر بنے آسمان کیسے کیسے

شیخ الحدیث مولانا محمد نعمان علیہ الرحمۃ

حبیب الرحمٰن اعظمی عمری۔ جامعہ دارالسلام عمرآباد۔

جامعہ میں آپ کی خدمات سنہ ۱۹۲۹ء سے سنہ [illegible]ء تک تقریباً ربع صدی آپ نے جامعہ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ آپ وقت کے بڑے پابند اور قدرشناس تھے۔ درس کے اوقات کا کبھی ایک لمحہ ضائع نہیں کرتے۔ کبھی ناشتے میں تھوڑی سی تاخیر ہوجاتی تو بغیر ناشتہ کیے ہی درسگاہ پہنچ جاتے۔ بارہا ایسا بھی ہوا کہ آپ ناشتہ کیلئے بیٹھے ہیں مشکل سے دو ایک لقمے کھائے ہونگے، ادھر گھنٹی کی آواز سنائی دیتی اور آپ فوراً دسترخوان سے اٹھ کر چل دیتے حالانکہ چند منٹ میں ناشتہ مکمل کر کے بھی جاسکتے تھے، مگر کبھی آپ کو یہ گوارہ نہ ہوا۔

خالی گھنٹیوں میں یا تو آپ مطالعے میں مصروف ہوتے یا پھر طلبہ کے ساتھ ان کے علمی شکوک وشبہات دور کرنے میں یہ وقت صرف ہوتا نصاب کی جو حد اور مقدار متعین ہوتی اس کی تکمیل میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ آپ نے ویسے تو مختلف علوم وفنون کی کتابیں بھی پڑھائیں، لیکن آپ کا خصوصی موضوع درس حدیث تھا۔ آپ نے کتاب الصرف، کتاب النحو، نحومیر، شرح مائۃ عامل، ہدایۃ النحو، ابن عقیل اور نورالانوار کا درس دیا تھا، بلوغ المرام، مشکوٰۃ شریف، ترمذی شریف، مسلم شریف اور بخاری شریف بھی پڑھائی۔

سالانہ تعطیلات میں بعض طلبہ جامعہ میں ہی رک جاتے اور آپ سے کچھ علمی استفادے کی خواہش کرتے تو آپ بخوشی منظور فرمالیتے۔ ایک دفعہ ایک طالب علم عبدالرحمٰن خاں سالوری (آج کے بزرگ استاذ جامعہ ومدیر تعارف اسلام مولینا الجالبیان عبدالرحمٰن حماد صاحب) نے ان تعطیلات میں آپ سے مشکوٰۃ شریف پڑھنے کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے پورے دو مہینے اس تنہا طالب علم کو پورے شرح صدر کے ساتھ پڑھایا اور انہیں اکثر کھانے پر بھی اپنے گھر لے جایا کرتے تھے۔ سوچنے کی بات ہے کہ چھٹیوں کے دن ہیں۔ نہ کوئی عوض معاوضہ کا سوال ہے اور نہ کسی جانب سے کوئی

اشارہ یا مجبوری۔ اس کے باوجود پوری خوش دلی کے ساتھ اس عظیم خدمت کا یہ بلند جذبہ، یہ بے مثال ایثار اور یہ شاندار روایت حقیقت میں "اِنْ اَجرِیَ اِلّا عَلَی اللّٰہ" کی ایک یادگار عملی مثال تھی۔

آپ کے لائق تلامذہ ملک کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے دینی و علمی خدمات میں مصروف ہیں۔ ان کی ایک نمایاں تعداد اپنے بزرگ استاد کے نقش قدم پر گامزن ہے اور خود کو اس محترم ہستی کی طرف بحیثیت شاگرد منسوب کرتے ہوئے فخر محسوس کرتی ہے۔ خود مولینا کی اولاد اور ان اولاد کی اولاد ایک بڑی تعداد میں علم و فضل سے آراستہ و پیراستہ دنیا کے مختلف خطوں میں علم دین کے چراغ روشن کیے ہوئے ہے۔

مسلک آپ مسلکاً اہلحدیث تھے اور اپنے مسلک میں بے لچک تھے۔ کتاب و سنت سے آپ کو والہانہ عشق تھا۔ حدیث اور سنت کے خلاف ایک لفظ بھی سننے کے روادار نہیں تھے۔ اگر کوئی حدیث و سنت کے ساتھ طنز یا تمسخر کا رویہ اختیار کرتا تو آپ کی آتش غضب کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے سہم جاتے اور وہاں سے کھسک جانے ہی میں اپنی عافیت سمجھتے اس کے باوجود آپ اپنا مسلک کسی پر زبردستی مسلط کرنے کے قائل نہیں تھے، حتی کہ اپنے شاگردوں پر بھی کبھی اس سلسلے میں کوئی دباؤ نہیں ڈالا اور محض مسلکی اختلاف کی بنا پر کسی سے نفرت یا علیحدگی اختیار نہیں کی، بلکہ ہر کسی سے خندہ پیشانی سے ملتے اور ایسی اپنائیت سے پیش آتے کہ چند ہی ملاقاتوں کے بعد وہ آپ سے بالکل قریب ہو جاتا بلکہ آپ کا گرویدہ ہو جاتا یہی وجہ تھی کہ بہت سے طلبہ جو آپ سے قریب رہا کرتے آپ کو اپنا آئیڈیل تصور کرنے لگتے۔ آپ کی مجلسوں میں بہت سارے غیر اہلحدیث حضرات بھی بڑی دلچسپی کے ساتھ شریک ہوتے اور گھنٹوں بیٹھے آپ کی باتیں پوری توجہ سے سنتے اور بڑے اچھے اثرات لیکر وہاں سے لوٹتے آپ کے متعلق بعض غیر اہلحدیث علماء کرام کے تاثرات بطور نمونہ درج ہیں۔

ایک فاضل دارالعلوم دیوبند مولینا سید شاہ صبغۃ اللہ بختیاری مدظلہ جو مولینا حسین احمد مدنی ؒ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں اپنے مقالے "جامعہ دارالسلام عمرآباد میں بیتے دن" میں فرماتے ہیں کہ جامعہ کی ایک اہم شخصیت حضرت مولینا مولوی ابوالعرفان شیخ محمد نعمان انصاری اعظمی کی تھی۔ آپ کے یہاں عموماً حدیث کا درس ہوتا خصوصاً مسلم شریف تو آپ ہی کے پاس رہتی تھی۔ اصول فقہ پر محققانہ درس دیتے تھے اور ابن حزم اور شوکانی کی کتابیں زیر مطالعہ رہا کرتی تھیں۔ [illegible]

اور "الاحکام" کے ذریعے منکرین الانفار پر سخت تنقید کرتے۔ اس کے باوجود مجھ سے ہمیشہ رواداری کا سلوک رہا ہے۔ کبھی کبھی سید انور شاہ کشمیریؒ کی تعریف فرماتے کہ وہ بہت محقق اور ہمہ گیر شخص تھے اسی طرح مولانا محمد علی جوہرؒ اور مولانا شوکت علیؒ اور حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ کے حالات اور اس دور کے تاریخی واقعات ایسی دلچسپی سے سنایا کرتے تھے کہ ہم گھنٹوں ان کی مجلس میں بیٹھے سنتے رہتے جب ہم کبھی کبھی فقہی مسائل میں کسی ایسے قول کو ڈھونڈ کر بتلاتے جو ان کے طرز فکر سے قریب تر ہوتا تو خوش ہو کر ہم کو موسمی پھل کھلاتے اور خود چائے کے عادی نہ ہونے کے باوجود ہم کو چائے پلاتے۔

(صحیفہ ۱۹۹۸ء خصوصی مجلہ جامعہ)

استاذ محترم مولانا سید امین صاحب مرحوم (سابق استاذ و ناظم جامعہ) اپنے مقالے "تعمیر سیرت میں جن بزرگوں سے مجھے مدد ملی" میں ذکر فرماتے ہیں کہ "اساتذہ میں سے بہت سے میرے مشفق رہے اور ہر ایک سے میں نے تعلیم کے علاوہ تربیت کے سلسلے میں بھی کچھ نہ کچھ اخذ کیا۔ مولانا محمد صاحب پنجابیؒ سے عبادت کا ذوق، مولانا اسماعیل صاحب پیارم پیٹیؒ سے تلاوت کی لذت اور مولانا محمد نعمان صاحب اعظمیؒ سے اتباع سنت کا شوق اور حدیث سے محبت کا سبق سیکھا" (صحیفہ ۱۹۹۸ء جامعہ کا خصوصی ارگن)

مولانا سید جلال الدین صاحب عمری (مدیر سہ ماہی "تحقیقات اسلامی" و ماہنامہ "زندگی نو") اپنے مقالے "استاذ محترم مولانا سید امین رحمۃ اللہ" میں رقمطراز ہیں کہ "شیخ الحدیث مولانا محمد نعمان اعظمی مرحوم کی حدیث پر بڑی وسیع اور گہری نظر تھی اس پایہ کے عالم کم ہی دیکھنے میں آئے۔ مرحوم کا مجھ پر بڑا احسان ہے کہ ان کی بدولت حدیث سے تھوڑی سی مناسبت پیدا ہو گئی"۔ (سالنامہ "دارالسلام" ۱۹۹۲ء)

ذاتی اوصاف مولانا کی ذات گوناگوں خصوصیات کا مجموعہ تھی۔ بعض ایسی متضاد خوبیاں تھیں جو کم ہی یکجا ہوا کرتی ہیں۔ بڑی طرح دار اور باغ و بہار شخصیت تھی۔ زبردست تبحر علمی کے ساتھ قدرت نے حیرت انگیز قوت حافظہ سے بھی نوازا تھا بیشمار حدیثیں اسانید اور راویوں کے ناموں کے ساتھ پوری پوری آپ کو ازبر تھیں، بلکہ ان کے بین السطور اور حواشی بھی آپ کو یاد تھے۔ اسمائے رجال کے متعلق بھی آپ کی معلومات بیحد وسیع تھیں۔ شیخ سعدیؒ کے قریب قریب سارے ہی حکیمانہ اشعار آپ کو حفظ تھے۔ قرآن مجید کے آپ اگرچہ حافظ نہیں تھے، مگر ایک ایک آیت آپ کے حافظے میں محفوظ تھی۔ آپ بیک وقت زاہد شب زندہ دار بھی تھے اور سالار میدان کارزار بھی، دنیائے خطابت میں جہاں بھرپور گوہر افشانی کی ہے وہیں دشمنان اسلام کے مقابلے میں زبردست داد شجاعت بھی

دی ہے کہ کوئی پون صدی قبل مئوناتھ بھنجن میں برپا ہونیوالے فرقہ وارانہ معرکوں کی طرف اشارہ ہے۔ آپ بہترین واعظ اور کامیاب خطیب بھی تھے۔ آپ کی زبان میں عجیب وغریب تاثیر ہوتی تھی ایک ایک بات جیسے دل کی گہرائیوں سے نکل کر سامعین کے قلوب میں پیوست ہوجاتی تھی۔

اخلاص، ہمدردی، بہی خواہی، شفقت، محبت، مروت، ایثار، قناعت، بردباری، صبرو شکر، تسلیم ورضا، توکل وانابت، عجز وانکسار، ایمان ویقین، تقویٰ شعاری، خدا ترسی، راستبازی، صاف دلی، صاف گوئی، حق پسندی، حقیقت بینی، اظہارِ حق، عدل وانصاف، رواداری، وسعت قلبی، وسعت نظری وسعت ظرفی، چشم پوشی، مہمان نوازی، دریادلی، بے نیازی، شجاعت، دیانت، خدمت خلق، معاملہ فہمی، دوراندیشی، نکتہ رسی، خوش طبعی، خندہ روئی، بذلہ سنجی، زندہ دلی، اصول پسندی، وقت کی پابندی، بوریہ نشینی، علم دوستی، ادب پروری، حوصلہ افزائی، باوقار طنز، بامقصد مزاح، احکام شریعت کا احترام اتباع سنت کا التزام، مطالعہ سیرت کا اہتمام، سلف صالحین سے عقیدتِ تام وغیرہ ایسے اوصاف حمیدہ ہیں جو آپ کی زندگی کے لازمی اجزاء تھے۔

آپ گھر میں ہوتے تو "خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ" کی تصویر ہوتے، طلبہ کے درمیان کامیاب معلم، مخلص سرپرست اور مشفق مربی کے روپ میں نظر آتے، عوام کی مجلسوں میں داعی ومصلح اور ناصح کی شان سے جلوہ گر ہوتے اور حلقہ احباب میں دوستی، محبت اور زندہ دلی کا پیکر بن جاتے۔ آپ ذہین اور شوقین طلبہ کو دل سے چاہتے تھے اور یہ طلبہ بھی اسی طرح آپ کے عقیدت مند ہوتے تھے۔

فارغ اوقات میں طلبہ آپ کی خدمت میں پہونچ جایا کرتے اور خاص کر عصر کے بعد سے مغرب تک آپ کے ساتھ چہل قدمی کے لئے نکل جاتے اور اس دوران بھرپور علمی استفادہ کرتے۔ آپ کبھی اس کا انتظار نہیں کرتے کہ طلبہ آپ سے کچھ استفسار کریں، بلکہ اکثر آپ ہی پہل کرکے کوئی نہ کوئی علمی بحث چھیڑ دیتے۔ اگر کوئی سفر درپیش ہوتا اور ایک آدھ طلبہ بھی ساتھ ہوجاتے تو راستہ بھر گھنٹوں علمی گفتگو کا سلسلہ جاری رہتا اور معلومات کے سمندر بہتے رہتے۔ عشاء بعد بھی کچھ طلبہ گھر آجایا کرتے تھے کبھی آپ نے اسکو بوجھ محسوس نہیں کیا بلکہ آپ تو خوش ہوجایا کرتے تھے کبھی کسی طالب علم کو آپ نے مایوس نہیں لوٹایا۔ طلبہ کو صرف علمی فیوض ہی نہیں پہونچائے جاتے بلکہ گھر میں اگر کوئی خاص چیز پکتی تو دو ایک طلبہ کو ضرور بلا لیا کرتے۔ اور بقرعید کے موقعہ پر تو کافی طلبہ قربانی کے وقت بھی موجود رہتے اور دسترخوان پر بھی۔ طلبہ کے سرپرست کبھی مئو آباد آتے تو عموماً وہ آپ ہی کے مہمان ہوتے۔

بے وقت اگر کوئی مہمان پہونچ جاتا تو کھانا تیار کرنے میں اپنی اہلیہ کا ہر ممکن تعاون کرتے، مہمان کو آپ نے ہمیشہ خدا کی رحمت ہی سمجھا اور اس کی خدمت کو اپنے لئے باعث سعادت جانا۔

آپ کو شعروادب سے بھی کافی دلچسپی تھی۔ ابتداء میں شعر کہتے اور مشاعروں میں سناتے بھی تھے، کلام میں طنز و مزاح کا عنصر غالب ہوتا۔ بعد میں آپ نے شعر گوئی بالکل ترک کر دی تھی عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ اس پایہ کے علماء کے مزاجوں میں ایک قسم کی یبوست اور خشکی آجاتی ہے وہ بہت حد تک دنیا بیزار اور گوشہ نشیں ہو جاتے ہیں اور زندہ دلی اور شگفتہ مزاجی کو زہد و ورع کے منافی تصور کرنے لگتے ہیں، لیکن مولانا کی شخصیت اس سے مستثنیٰ رہی اور آپ نے حضور اکرم صلعم کی زندہ دلی کی سنت و روایات کو ہمیشہ تازہ رکھا۔

بانی جامعہ دارالسلام کے فرزند اکبر خان بہادر کاکا محمد اسماعیل (سابق صدر جامعہ) فرمایا کرتے کہ "میں نے مولینا محمد نعمان صاحب کی طرح عالم باعمل کبھی نہیں دیکھا زندگی میں کسی انسان سے اگر میں ڈرتا تھا تو وہ صرف مولینا کی ذات تھی، کیونکہ ذرا سی بھی کوئی غلطی کبھی ہو جاتی تھی تو فوراً آپ ٹوکتے تھے منہ پر ٹوکتے تھے اور بھرے مجمع میں ٹوک دیا کرتے تھے۔ بعض دفعہ یہ بات وقتی طور پر کچھ گراں بھی گزرتی تھی، لیکن بعد میں یہی بات آپ کے احترام میں اضافے کا باعث بھی بن جاتی تھی"، اس واقعے میں دونوں ہی بزرگوں کا کردار ہمارے لئے مثالی ہے۔

آخری ایام عمر کے آخری ایام میں آپ کے جسمانی قوی مضمحل ہونے لگے تھے اور خاص کر بصارت کمزور ہوتے ہوتے قریب قریب ختم ہو گئی تھی اس طرح آپ مطالعہ کتب سے معذور ہو گئے تھے، لیکن قوت حافظہ اور دیگر ذہنی و دماغی صلاحیتوں میں فرق نہیں آیا تھا۔ بینائی کی موجودگی میں آپ کا جو انداز درس تھا وہی تادم آخر باقی رہا۔ بصارت سے معذوری کے باوجود مجال نہیں تھا کہ طلبہ کسی کتاب کی کوئی عبارت یا کوئی لفظ غلط پڑھ جائیں، آپ فوراً انہیں ٹوکتے، در اس کی اصلاح فرما دیتے اسی عالم میں بخاری شریف کے درس کا سلسلہ بھی اطمینان بخش انداز میں جاری رہا۔ کبھی کسی طالب علم کو کوئی شکایت نہیں ہوئی اور نہ کسی نے کچھ تشنگی یا کمی محسوس کی۔

مرض اور وفات ۱۹۵۱ء کے اوائل کی بات ہے کہ ایک دن صبح کے وقت آپ مسلم شریف کا درس دے رہے تھے کہ اچانک زبان لڑکھڑانے لگی، فوراً آپ کو گھر پہونچا دیا گیا۔ آپ پر فالج کا حملہ ہو گیا تھا، جس کا اثر زبان کے علاوہ ہاتھ اور پیر پر بھی ہوا تھا۔ حملہ اتنا شدید تھا کہ آپ

پھر سنبھل نہیں سکے اور یہ علالت آخری علالت ثابت ہوئی۔ تقریباً گیارہ مہینے فریش رہنے کے بعد ۲۹ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ مطابق ۲۸ دسمبر ۱۹۸۳ء جمعہ اور ہفتے کی درمیانی شب ٹھیک بارہ بجے آپ اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر تقریباً اناسی سال کی تھی۔ دوسرے دن ۲۹ دسمبر ہفتے کو بعد نماز ظہر عمر آباد کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ افق شمال سے ابھرنے والا یہ درخشندہ سورج ارض دکن کی خاک لحد میں روپوش ہو کر اس خاک کی قسمت کو ہمیشہ کے لئے روشن کر گیا۔ سرزمین عمر آباد کے لئے یہ بہت بڑا اعزاز ہے کہ ـــ

ہیں اس کی خاک میں مدفون عظمتوں کے منار۔ یہ وہ زمیں ہے جہاں آسمان سوتے ہیں

اہل وعیال آپ کی پہلی شادی اپنے وطن مئوناتھ بھنجن میں ہوئی تھی۔ آپ کی یہ اہلیہ بڑی نیک فرماں بردار اور اطاعت گزار خاتون تھیں۔ اس اہلیہ سے پانچ لڑکے اور پانچ لڑکیاں ہوئیں۔ پانچ لڑکوں عبدالمنان (والد ڈاکٹر نور الحسن انصاری اعظمی مرحوم) عبدالحنان، عبدالسبحان، محمد عرفان اور فضل الرحمن میں سے اول الذکر چاروں اللہ میاں کو عزیز ہو چکے ہیں اور پانچ لڑکیوں میں سے صرف دو لڑکیاں ڈاکٹر عبدالعلی ازہری کی والدہ اور ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری کی والدہ بقید حیات ہیں۔

مولانا عبدالسبحان اعظمی اور مولینا فضل الرحمن اعظمی نے جامعہ دارالسلام سے سند فضیلت حاصل کی۔ مولانا عبدالسبحان اعظمی نے مدراس یونیورسٹی سے "افضل العلماء" اور "منشی فاضل" کی سندیں حاصل کی تھیں۔ جامعہ سے فراغت کے بعد آپ جامعہ ہی میں تدریسی خدمات پر مامور ہو گئے اور تقریباً پچپن سال تک بحیثیت مدرس خدمات انجام دیں۔ اس دوران اکیس سال تک جامعہ کے نائب ناظم بھی رہے اور آخری دنوں میں جامعہ کے نائب صدر کے عہدے پر بھی فائز رہے۔ اس کے علاوہ بھی آپ کی دینی وعلمی خدمات بیشمار ہیں۔ ۲۷ دسمبر ۱۹۸۶ء کو اسی سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا اور خاک عمر آباد میں اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں مدفون ہوئے

مولینا فضل الرحمن اعظمی نے جامعہ دارالسلام سے فراغت اور مدراس یونیورسٹی سے "افضل العلماء" کرنے کے بعد ایک طویل عرصے تک جامعہ محمدیہ رائیدرگ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر جامعہ رحمانیہ بنارس اور جامعہ عالیہ مئو میں ایک مدت گزارنے کے بعد جامعہ محمدیہ مالیگاؤں چلے آئے اور مدرسہ عائشہ صدیقہ میں تدریسی خدمات پر مامور ہوئے۔ مارچ ۱۹۹۲ء میں صحت کی نامساعدت کی وجہ سے اپنے وطن مئو لوٹ گئے ہیں۔

عمرآباد آنے سے قبل ہی مولینا محمد نعمان مرحوم کی پہلی اہلیہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ یہاں پہونچ کر آپ نے دوسری شادی کرلی۔ یہ دوسری اہلیہ شمالی آرکاٹ کے شہر پرنام بٹ کی تھیں جن کا تعلق ایک انتہائی متدین اہلحدیث گھرانے سے تھا جس کے بزرگوں نے مسلک کی خاطر زبردست قربانیاں دی تھیں اور بھائی بندو کے ہاتھوں سخت مظالم جھیل کر ایک دوسرے شہر سے یہاں آبسے تھے۔ اس ہجرت کی داستان بڑی طویل اور درد انگیز بھی ہے اور ساتھ ہی عبرت خیز اور ایمان افروز بھی، لیکن یہاں تفصیل میں جانے کا موقع نہیں ہے۔

دوسری اہلیہ سے اولاد دوسری اہلیہ سے چار لڑکے اور دو لڑکیاں ہوئیں۔ ایک لڑکی بچپن ہی میں فوت ہو گئی، بقیہ پانچوں بالحمد للہ موجود ہیں۔ چار لڑکوں حبیب الرحمٰن (راقم) عزیز الرحمٰن، حفیظ الرحمن اور عتیق الرحمن میں سے اول الذکر تینوں جامعہ دارالسلام کے فارغ ہیں۔

راقم الحروف نے جامعہ دارالسلام سے فراغت کے بعد مدراس یونیورسٹی سے "افضل العلماء" کی سند حاصل کی مدراس اور وانمباڑی کے بعض دینی وعلمی اداروں میں خدمات انجام دینے کے بعد آج کل جامعہ دارالسلام کے "ادارہ تحقیقات اسلامی" سے بحیثیت مدیر وابستہ ہے۔

۲۔ عزیز الرحمٰن نے جامعہ دارالسلام سے فراغت کے بعد طبیہ کالج کرنول سے "طبیب کامل" کی سند حاصل کی۔ آج کل شہر مدراس کے سرکاری ہسپتال (اَنّا ہاسپٹل) میں یونانی ڈپارٹمنٹ کے انچارج ہیں۔

۳۔ حفیظ الرحمٰن نے حفظ قرآن مجید مکمل کرنے کے بعد جامعہ دارالسلام میں داخلہ لیا یہاں سے فراغت کے بعد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے سند فراغت حاصل کی اور مدراس یونیورسٹی سے افضل العلماء بھی کیا۔ سعودی حکومت کی جانب سے نائجیریا اور ملیشیا میں کئی سال تک مبعوث رہے۔ ●

بقیہ صلا کا

بہر حال ہر ہندوستانی کی یہ تڑپ ہے کہ اس کا ملک خوش حال اور نیک نامی میں اپنا اچھا مقام پیدا کرے۔ اور ذلت وبدنامی سے بچنے کا سامان پیدا کرے حکومت کو چاہئے کہ ان پارٹیوں کا احتساب کرے جو اپنے مفادات کو ملک وملت کے مفاد پر ترجیح دیتے ہیں اور جس کے حصول کے لئے ہمیشہ ملک کی سالمیت کو خطرہ میں ڈالے رہتے ہیں۔ ●

سوویت یونین کی مسلم ریاستیں

جن سے دنیا ناواقف ہے!

اس وقت سوویت یونین میں مسلمانوں کی آبادی کوئی ۶ کروڑ کے قریب ہے لیکن باہر کی دنیا کو ان کے بارے میں بہت کم معلومات ہیں۔ اب تک وہ کمیونسٹ پارٹی اور کے جی بی کے آہنی شکنجوں میں ایسے جکڑے ہوئے تھے کہ ان کے لئے آزادی کا تصور کرنا بھی محال تھا تاہم ان کے سلسلہ میں کچھ خبریں مل ہی جاتی تھیں جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہاں اندر ہی اندر لاوا پک رہا ہے۔ وہ جلد از جلد غلامی کے اس جوئے کو اتار پھینکنا چاہتے ہیں وہ آزاد فضا میں سانس لینے کے لئے بے قرار ہو رہے ہیں کمیونسٹ پارٹی کے طویل دور استبداد نے بھی ان کی دینی حمیت کو ختم کرنے میں کامیابی حاصل نہیں کی۔ صدر گورباچوف کے پریسترائیکا اور گلاسنوست نیز دیگر عیسائی جمہوریتوں کی آزادی نے ان میں بھی حوصلہ پیدا کر دیا کہ وہ اگر جد و جہد کریں تو آزادی حاصل کر سکتے ہیں اور پولینڈ کی طرح انھیں بھی کمیونسٹ پارٹی سے نجات مل سکتی ہے۔

سوویت یونین ۱۶ جمہوریتوں پر مشتمل تھا کمیونسٹ انقلاب کے وقت آٹھ میں مسلمان اکثریت میں تھے ان مسلم علاقوں کو کمیونسٹوں نے اپنے قبضہ میں جس طرح کر لیا ہے اس کی کہانی بڑی دردناک ہے۔ ابتدا میں تو ان کمیونسٹوں نے ایسا رویہ اختیار کیا جس سے لگتا تھا کہ وہ مسلمانوں کے بڑے ہمدرد و بہی خواہ ہیں ۴ دسمبر ۱۹۱۷ء کو لینن، دراسٹالن کے مشترکہ دستخطو سے جو اقرار نامہ کمیونسٹ پارٹی کی جانب سے جاری کیا گیا تھا اس میں اس کا وعدہ بھی کیا گیا تھا۔ اس میں کہا گیا تھا۔

روس کے تمام مسلمانوں کو خواہ وہ دولگا کے تاتار ہوں یا کریمیا کے باشندے، سائبیریا یا ترکستان کے نفقار ہوں یا قفقاز کے ترک جرخ کے رہنے والے ہوں یا کوہ قفقاز میں بسنے

والے ہوں ان سب کو یہ یقین دہانی کرائی جاتی ہے کہ ان کے عقائد، ان کی روایات، ان کی عبادت گاہوں اور تعلیمی اداروں پر ظالم زاروں کا جو قبضہ تھا وہ آج کے دن سے مکمل طور پر آزاد ہیں اور مستقبل میں ان کو کسی قسم کا خطرہ لاحق نہیں ہوگا. آج کے دن سے وہ اس کے لئے بالکل آزاد ہیں کہ وہ اپنی قومی زندگی کی از سر نو شیرازہ بندی کریں، ان کے معاملات میں کوئی بیرونی مداخلت نہیں ہوگی۔

اس سے قبل ۱۵ نومبر ۱۹۱۷ء کو لینن اور اسٹالن کے دستخطوں کے ساتھ کمیونسٹ حکومت نے ایک اور اعلان کیا تھا جس میں کہا گیا تھا:

سوویت روس کی تمام قوموں کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ جس وقت چاہیں اپنے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کر سکتی ہیں ان کو اس کا اختیار ہے کہ وہ یونین سے علیحدہ ہو جائیں. اور اپنی مکمل آزادی کا اعلان کر دیں، وہ اس کی بھی مجاز ہیں کہ وہ تمام قومی اور مذہبی امتیازات کو ترک کر دیں۔

(کمیونسٹ گورنمنٹ گزٹ ۲۳ اور ۲۴ نومبر ۱۹۱۷ء) وہ حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے کہ ان کے انقلاب کو اگر کہیں سے گزند پہونچ سکتی ہے تو وہ یہی مسلم ریاستیں ہیں. اسی وجہ سے اس اعلان کے دوسرے ہی سال انھوں نے مسلم ریاستوں پر چڑھائی کر دی اور ان پر قبضہ کر لیا. ہم ذیل میں مسلم ریاستوں پر سوویت حملوں اور قبضہ کے بعد کئے گئے مظالم کا مختصر حال قارئین کی نذر کر رہے ہیں.

سوویت یونین کی مسلم اکثریتی ریاستیں اس طرح ہیں: (۱) ازبکستان (۲) تاجکستان (۳) آذربائجان (۴) جارجیا اور آرمینیا (۵) قازقستان (۶) کرغیزیہ (۷) تاتار و باشکر (۸) کاکیشیا (قفقاز) (۹) کریمیا۔

جمہوریہ ازبکستان

ازبکستان کا کل رقبہ ۱۴۶۰۲۴ مربع میل ہے اور آبادی ایک کروڑ ہے. ازبک مسلمان کا تناسب ۸۰ فی صد ہے تاشقند اس کا دارالسلطنت ہے، سمرقند اس جمہوریہ کا دوسرا بڑا شہر ہے؛ بخارا، فرغانہ، قشقادریہ اور سورخان اس جمہوریہ کے چند صوبے ہیں اس علاقہ نے بڑے بڑے ناموروں کو پیدا کیا ہے جن میں محدث، فقیہ، فلسفی اور ریاضی داں اطباء اور ماہرین علم نجوم شامل ہیں ازبکستان میں روس کی ۶۰ فیصد سوت پیدا ہوتی ہے. بخارا اعلیٰ درجہ کی قالین تیار کرنے کا مرکز ہے جب کہ خیوہ اون اور بھیڑ بکریوں کے لئے مشہور ہے. اسلام کی کرنیں یہاں اموی دور میں

خلیفہ عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں آٹھویں صدی عیسوی میں پہونچیں. مشہور مسلم سپہ سالار قتیبہ بن مسلم باہلی نے ۷۰۶ عیسوی میں ۹ سال کی مسلسل معرکہ آرائی کے بعد اس علاقہ کو خلافت اسلامیہ کا ایک حصہ بنایا تھا. اس فتح کے بعد یہاں کی سرکاری زبان عربی قرار دیدی گئی. اس کے بعد پھر کوئی بارہ سو سال تک یہ علاقہ سلطنت اسلامیہ کا اٹوٹ حصہ رہا. بخارا. خیوہ، اوزق اور خوقند کے صوبے اس علاقہ میں قائم ہوئے ۱۹ ویں صدی عیسوی میں ازبکستان پر روس زاروں کا قبضہ ہوگیا اور ۱۹۱۷ء میں زار کی حکومت کا خاتمہ ہوا مسلمانوں نے سمرقند، خوقند اور بخارا میں آزاد ریاستیں قائم کرلیں جو کمیونسٹوں سے آئندہ پانچ برس تک برسر پیکار رہیں. ۱۹۲۲ء میں سمرقند میں ایک کل ترکستان اسلامی کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں اتفاق رائے سے ترکستان کو آزاد ریاست قرار دے دیا گیا لیکن سوشلسٹوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کردیا. سرخ فوج نے ایم فیروزکی سرکردگی میں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنے کا آغاز کردیا اور اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ مہم بھی شروع ہوگئی. علماء کو سب سے پہلے نشانہ بنایا گیا اور لوگوں کو خریدنے کی کوشش بھی تیز تر کردی گئی تمام مذہبی ادارے بند کردیئے گئے اور نماز جنازہ پر پابندی عائد کردی گئی. جو لوگ نماز پڑھتے ہوئے پلئے گئے ان پر بھاری جرمانہ لگا دیا گیا مدارس بند کردیئے گئے اور علماء کو سخت سزائیں دی گئیں. ان کو ختم کردینے کے مختلف طریقے اختیار کرلئے گئے، مثلاً ان کو بیکار کیمپوں میں جبراً ڈال دیا گیا جس سے گلو خلاصی کی کوئی صورت ممکن نہیں تھی. ایک وقت میں ترکستان میں سات ہزار کے قریب مدرسے تھے لیکن آج ڈھونڈنے سے بھی کوئی ایک شاید ہی ملے. سوشلسٹ علماء کی ایک پوری کھیپ کی کھیپ تیار کی گئی اور نئی نسل کو اس کی اباحی تہذیب کی ڈگر پر ڈال دیا گیا. مسلم علاقوں میں شراب کی ندیاں رواں ہوگئیں. عربی رسم الخط کو پہلے تو لاطینی سے تبدیل کیا گیا پھر بالآخر روسی رسم الخط نے اس کی جگہ اختیار کرلی اس طرح سے مسلمانوں کا قرآن وحدیث سے رشتہ کاٹ دیا گیا.

دوسری عالمی جنگ میں جب جرمنی نے روس پر حملہ کیا تو کمیونسٹوں نے مذہب کے سلسلہ میں اپنی پالیسی میں کچھ نرمی کی اور مسلمانوں کو فوج میں بھرتی کیا. ماسکو نیشنل میوزیم میں آج بھی مسلمانوں کے وہ پرچم دیکھے جاسکتے ہیں. جن پر کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے لیکن

یہ نرمی عارضی تھی، جنگ کے خاتمہ کے بعد مصائب کا دور ہی دورہ پھر لوٹ آیا۔

جمہوریہ تاجکستان

تاجکستان کی سرحد افغانستان سے ملتی ہے بلکہ اس کا کچھ حصہ افغانستان میں بھی پڑتا ہے اور ازبک مسلمانوں کا تناسب ۹۸ فیصد ہے، دوشنبہ اس کی راجدھانی ہے ... اس کا روسی نام اسٹالن آباد ہے، لینن آباد اور خورج اس کے دوسرے بڑے اہم شہر ہیں شیخ یعقوب چرخی جو شیخ خواجہ بہاء الدین نقشبندی کے مریدوں میں سے تھے یہیں دوشنبہ میں مدفون ہیں۔ یہ پورا علاقہ صوفیا کے زیر اثر تھا۔ افغانستان سے پہلے یہاں اسلام کی روشنی پہنچی تھی۔ آٹھویں صدی عیسوی میں جب یہاں اسلام کا پیغام پہنچا تو پوری کی پوری آبادی نے آغوش اسلام میں پناہ لے لی ایک مصری مؤرخ ڈاکٹر عبدالرحمٰن ذکی کے بقول صرف ایک دن میں تاشقند اور فاراب کے دو لاکھ خاندانوں نے اسلام قبول کیا زار ان روس نے انیسویں صدی میں اس علاقہ پر قبضہ کر لیا

۱۹۱۷ء میں زار روس کی حکومت کا خاتمہ ہوا تو مسلمانوں نے پھر دوبارہ تسلط حاصل کر لیا، ابتداء میں تو کمیونسٹوں نے کسی قسم کی مزاحمت نہیں کی لیکن جیسے ہی انھیں اقتدار حاصل ہوا انھوں نے ترکستان کی طرح تاجکستان پر بھی ہلہ بول دیا۔ مساجد کے نشانات تک کو مٹا دیا گیا اور علماء کو چن چن کر راستہ سے ہٹا دیا گیا۔ بالآخر ۱۹۲۹ء میں یہ علاقہ بھی سودیت یونین کا حصہ بن گیا۔ تاجک زبان بولنے والے روس اور افغانستان دونوں جگہ آباد ہیں آمو دریا اس آبادی کو دو حصوں میں منقسم کرتا ہے اس کے ایک پہلو میں افغانستان تاجک ہیں اور دوسرے پہلو میں روسی تاجک ہیں، جہاد افغانستان کے دوران روسی تاجک فوجیوں کا جب افغانستان کے مسلمانوں سے رابطہ قائم ہوا تو ان میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑ گئی، اور ان میں ایک طرح کا اضطراب پیدا ہونے لگا جب روسی حاکموں کو اس نئی صورتحال کی خبر ہوئی تو فوراً انھوں نے روسی تاجک فوجیوں کو واپس بلا لیا، اور ان کی جگہ یورپی فوجیوں کو تعینات کر دیا گیا تھا۔ جو مقامی زبان تک سے ناواقف تھے پھر جب افغان مجاہدین نے آمو دریا کے اس پار واقع روسی فوجیوں کے کیمپوں پر حملے شروع کئے تو وہاں آباد مسلمانوں میں روسیوں کے خلاف ایک طرح کی نفرت پیدا ہو گئی اور اس نے ان میں آزادی کی ایک روح پھونک دی

جمہوریہ ترکمانیہ

ترکمانیہ کا رقبہ ۱۷۱،۲۶۹ مربع میل اور آبادی ۲۵ لاکھ ہے جن میں ۹۰ فیصد مسلمان ہیں عشق آباد اس کی راجدھانی ہے چنانچہ، بالنک اور مرد جس کا جدید نام ماری ہے۔ مسلم تہذیب و تمدن کے مراکز ہیں۔ شیخ بریدہ بن حاکم رضی اللہ عنہ کے قدم بھی یہاں آئے تھے کئی مشہور و معروف محدثین کا بھی یہ علاقہ مسکن رہا ہے۔ ماری کی ہمدانی مسجد تاریخی عمارتوں میں سے ایک ہے، جو شیخ یوسف ہمدانی کے نام پر ہے موصوف نے ترکستان کو بیرونی قبضوں سے بچائے رکھنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے ان کے علاوہ بھی متعدد علماء یہاں پیدا ہوئے ہیں۔

آٹھویں صدی عیسوی میں یہ علاقہ سلطنتِ اسلامیہ کا حصہ بنا اور انیسویں صدی میں زار کے حملے تک یہ اس کا حصہ رہا۔

کمیونسٹ انقلاب کے فوراً بعد یہاں ترکستان کی ایک آزاد ریاست وجود میں آگئی لیکن جلد سُرخ فوج نے اسے تہہ و بالا کر دیا اور پھر یہ علاقہ سوویت یونین کا حصہ بن گیا بعد ازاں اسے جمہوریہ ترکمانیہ کا نام دے کر یہاں کمیونسٹ حکومت قائم کر دی گئی۔ علماء کو بیگار کیمپوں میں بھیج دیا گیا اور اسلام کی تعلیم دینے کے لئے تنخواہ دار ملا دین کا تقرر ہو گیا۔ صرف ۱۹۸۴ء میں ایک سال کے دوران میں اس علاقہ میں کوئی ۶۰۰ مخالف مذہب جلسے کرائے گئے۔ مسلمانوں کو بالمیک (بنیاد پرست اور علاقائیت پسند) کے نام سے پکارا جانے لگا۔ کسی مسلمان کو کسی وقت بھی بالمیک قرار دے کر سزائے موت سنادی جاتی تھی۔

جمہوریہ کرغیزیہ

کمیونسٹوں کے اقتدار پر قبضہ کرنے کے بعد سابقہ ترکستان کو کئی حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ان منقسم حصوں میں سے ایک کا نام کرغیزیہ تھا۔ اس کا رقبہ ۷۶،۵۹۴۲ مربع میل ہے اور آبادی ۲۰ لاکھ ہے مسلمانوں کا تناسب ۹۲ فیصد ہے فرمنز اس کی راجدھانی ہے۔

جب یہاں اسلام کا پیغام عام ہوا تو بہت جلد اسے مقبولیت بھی حاصل ہو گئی اور اکثریت نے اس سے پیمانِ وفا باندھا با قاعدہ اسلامی حکومت بھی قائم ہو گئی پھر انیسویں صدی میں اس کا حشر بھی ویسا ہی ہوا جیسا دوسرے علاقوں کا ہوا (یعنی اس پر زار کی حکومت قائم ہو گئی)۔

جب زار کا تسلط ختم ہوا تو کمیونسٹوں نے اسے اپنے تسلط میں لینا چاہا لیکن مسلمانوں نے اس کی بھرپور کوشش کی کہ یہ علاقہ کمیونسٹوں کے قبضہ میں نہ جانے پائے۔ عوام کے شانہ

بشانہ علماء بھی اس جدوجہد میں شامل تھے بلکہ وہی اس کی قیادت کر رہے تھے، بلکہ وہی بالآخر انھیں ناکامی ہوئی، ایک عیسائی مؤرخ کے مطابق ۱۹۴۰ء کے آتے آتے سوشلزم کے اس عفریت نے کوئی پچاس ہزار علماء اور مذہبی قائدین کو لقمۂ اجل بنا دیا اور خود روسی اندازے کے مطابق ۱۹۴۱ء کے خاتمہ تک ترکستان میں ۱۴ ہزار مساجد بند کر دی گئیں۔

جمہوریہ آذربائیجان

روسی آذربائیجان کی سرحدیں ایران سے ملتی ہیں۔ بلکہ اس کا کچھ حصہ روس میں ہے اور کچھ ایران میں۔ روسی شمالی آذربائیجان کا رقبہ ۹۰۰۰۰ مربع کلومیٹر ہے اور آبادی ۵۰ لاکھ ہے، ۸۰ فیصد مسلمانوں میں سے ۷۰ فیصد ترک ہیں اور باقی عرب اور ایرانی ہیں۔ اس کے مغرب میں آرمینیہ، ترکی، اور عراق ہیں، اس طرح اس کا تعلق مسلم دنیا سے ایران اور ترکی کے واسطے سے براہ راست ہے یہ علاقہ تیل کی دولت سے مالا مال ہے اور پورے سوویت روس کو پٹرول یہیں سے جاتا ہے۔

اسلام کی روشنی یہاں خلیفہ راشد حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں پہنچی تھی، جب حضرت بکر بن عبداللہ کی قیادت میں اسلامی فوج کے ذریعہ یہاں پہنچے تھے، تاہم یہ علاقہ ۱۱۲ھ میں اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں سلطنت اسلامیہ کا باضابطہ حصہ بنا اس وقت تک آذربائیجان میں ہزاروں عرب مسلمان آباد ہو چکے تھے اور ہر چہار جانب اسلامی تعلیمات کا غلغلہ تھا۔

آذربائیجان پر پہلا روسی حملہ تیرہویں صدی عیسوی میں ہوا جس کے نتیجہ میں اس علاقہ پر قبضہ حاصل کرنے کے لئے روس اور ایران کے مابین جنگ ہوئی۔ اس جنگ کے خاتمہ پر مشرقی آذربائیجان پر زار کا قبضہ ہو گیا، زار کی حکومت نے مسلمانوں پر مصائب کے پہاڑ توڑے نتیجۃً ہزاروں مسلمانوں نے ایران اور ترکی میں پناہ لی۔

بالشویک انقلاب کے بعد ۲۸ مئی ۱۹۱۸ء کو آذربائیجانی مسلمانوں نے اپنی ایک آزاد ریاست کا اعلان کر دیا۔ ابتداء میں تو روسیوں نے بھی اس آزاد ریاست کو تسلیم کر لیا، پہلی آذربائیجانی پارلیمنٹ میں ۸۴ مسلمان ۲۱ آرمینائی اور روسی باشندے شامل تھے۔ لیکن اس کے دو ہی سال بعد آذربائیجان پر دو طرفہ حملہ ہوا ایک طرف سے سرخ فوج نے اس پر چڑھائی کی اور دوسری جانب سے آرمینیائی فوج اس پر چڑھ دوڑی بالآخر ۱۹۲۰ء میں اس کا اعلان ہو گیا کہ یہ علاقہ بھی سوویت یونین کا ایک حصہ بن گیا ہے۔ اور اس طرح روسیوں کا آذربائیجان کے

تیل کے چشموں پر قبضہ کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا۔ اس کے بعد تمام علماء کو آہستہ آہستہ ختم کر دیا گیا۔ مدارس اور مساجد کو بند کر دیا گیا انکی جگہ پر الحادی نظریہ کو عام کرنے کے لئے معلمین مقرر کر دیئے گئے اور بعض علماء سوء کی مدد سے الحادی نظام قائم ہو گیا۔

جمہوریہ قازقستان

روسی ترکستان کی یہ پانچویں جمہوریہ ہے اس کا رقبہ ۱۰۵۹۲۷۷ مربع میل اور آبادی ایک کروڑ ہے یہاں ۷۰ فیصد مسلمان آباد ہیں۔ یہاں بھی اسلام کی شعاعیں آٹھویں صدی عیسوی کے اوائل میں پہنچی تھیں قازق ترک اپنی دینداری کے لئے مشہور ہیں اسلام قبول کرنے سے پہلے وہ بت پرست تھے۔ انیسویں صدی اس علاقہ کے لئے بھی ادبار کا زمانہ تھا اسی زمانہ میں یہاں زار کی فوج نے حملہ کیا اور اسے اپنی سلطنت کا حصہ بنالیا جب زار کو زوال ہوا تو ۱۹۲۰ء میں قازق ترکوں نے ایک آزاد ریاست تشکیل دے ڈالی لیکن آزادی کا یہ دور عارضی ثابت ہوا اور ۳۶ء میں روسی کمیونسٹوں نے جبراً اس علاقے کو سوویت یونین میں شامل کر لیا۔ ۱۹۲۱ء تک یہاں کی سرکاری زبان قازق تھی روسی قبضہ کے بعد اسے بدل دیا گیا قازق اور اسلامی ترانوں پر پابندی عائد کر دی گئی بے شمار علماء کو ملک بدر کر دیا گیا اور مساجد کو یا تو دوسری شکلوں دکلبوں یا اسکولوں میں تبدیل کر دیا گیا یا ان پر تالے چڑھا دیئے گئے یہاں تک کہ بعض مساجد کو طوائفوں کے اڈوں میں بھی تبدیل کر دیا گیا۔ حج پر پابندی لگا دی گئی۔ ایک روسی جرنل تومبرا اپنی ایک کتاب میں لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ دس ترکستانی مسلمانوں نے حج کی درخواست دی تو ان میں سے صرف ۲ مسلمانوں کی درخواستوں کو منظوری کے لئے ماسکو بھیجا گیا۔

قفقاز یا کاکیشیا

قفقاز کا جنوبی حصہ آذربائیجان اور شمالی حصہ داغستان اور چرنخ پر مشتمل ہے یہ تمام علاقے مسلم اکثریتی علاقے ہیں۔ شمالی قفقاز کا رقبہ ۱۶۶۱۷۷ مربع میل ہے اور آبادی ایک کروڑ ڈھائی لاکھ افراد پر مشتمل ہے اسلام کی شعاعیں سب سے پہلے خلافت راشدہ کے زمانہ میں ۲۴ ہجری میں داغستان میں پھوٹیں اس کے بعد سامانی اور انگوش قبائل نے اسلام قبول کیا پھر ترکوں کے زیر اثر چرخی اور قراطین اسلام میں داخل ہوئے۔ اس سرزمین نے بڑے بڑے سپہ سالار پیدا کئے ہیں روسیوں نے سولہویں صدی سے اس علاقے پر حملہ شروع کیا اور بالآخر انیسویں صدی میں پورے علاقہ

پر قبضہ حاصل کرلیا۔

قفقاز کی پہاڑیوں میں آباد قبائل مدت تک روسیوں سے نبرد آزما رہے جس کا آغاز شیخ منصور نے کیا تھا ان کے انتقال کے بعد قاضی ملا، حمزہ بک محمد صدرالدین اور امام شامل نے یہ جدوجہد جاری رکھی۔ امام شامل نے روسیوں کے خلاف ۲۰ برس تک جہاد جاری رکھا اور متعدد معرکے سر کئے بالآخر ۱۸۵۹ء میں روسی امام کو قید کرنے میں کامیاب ہو گئے ان کی اس گرفتاری نے پورے علاقہ میں ایک یورش سی مچادی، نتیجۃً روسیوں کو تنگ آکر یہ اعلان کرنا پڑا کہ وہ قفقازیوں کو آزادی دیدیں گے

۱۹۲۱ء میں قفقاز کی راجدھانی میں ایک کانفرنس ہوئی جس میں اسٹالن خود شریک ہوا۔ اس کانفرنس میں ایک قرارداد منظور ہوئی جس میں کہا گیا تھا کہ قفقاز کے پہاڑی علاقوں پر مشتمل جمہوریہ قائم کی جائے گی جہاں اسلامی شریعت اور قفقازی روایات کے نفاذ کی آزادی ہوگی۔ حکومت کے مختلف دفاتر میں امام شامل کی تصویریں آویزاں کی گئیں، تاہم چند ہی برسوں کے بعد کمیونسٹوں کے عزائم سامنے آنے لگے، انھوں نے بتدریج علماء کے اثرات کو زائل کرنا شروع کیا، مساجد اور مذہبی اسکولوں کی اہمیت کو گھٹانا شروع کیا اور دھیرے دھیرے مسلمان تاجروں کو بھی راستہ سے ہٹاتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ۱۹۲۷ء کے آتے آتے عوامی تحریک کے نام پر اسلام کے تمام آثار کو مٹادیا گیا۔ ایک قفقاز مؤرخ کے مطابق تقریباً دس لاکھ مسلمان اس طرح شہید کئے گئے۔

جمہوریہ جارجیہ اور آرمینیہ

سرخ انقلاب کے بعد اس مسلم اکثریتی علاقہ کو مسلم اقلیتی علاقہ بنادیا گیا اور عیسائی آبادی کو بڑھانے کی کوشش کے ساتھ ساتھ تمام اہم معاملات میں ان کو آگے بڑھانے کی پالیسی اختیار کی گئی۔ لیکن اب یہاں بھی اسلامی تحریک شروع ہو گئی ہے۔ مسلح دستہ کے ساتھ مسلمانوں کے تصادم کی خبریں بھی ملی تھیں یہ گورباچوف کے پرسترائیکا کے اعلان کے بعد سب سے منظم اور بڑے پیمانے کی بغاوت تھی

کریمیا

یہ انتہائی زرخیز اور سرسبز و شاداب علاقہ (جزیرہ) ہے جو بحر اسود میں واقع ہے یہ ترکی سے شمال کی جانب ہے اس کا رقبہ ۲۷،۰۰۰ مربع میل ہے تیرہویں صدی میں یہاں کے حکمراں برکا خان نے اسلام قبول کیا اور عباسی خلیفہ سے یہاں مبلغین کو بھیجنے کی درخواست کی تھی اس دعوت پر اسلامی ممالک کے مختلف گوشوں سے علماء، فقہاء، تاجر اور مبلغ کریمیا

بھیجے گئے اور تمام کے تمام نے دعوتی کام بھی شروع
کردیئے ۱۴۸۲ء میں اس علاقہ میں ایک آزاد مسلم
ریاست قائم ہوئی جس میں سربراہی الحاج منگلی
کرائے کر رہے تھے ان کے بعد ان کے خاندان کے
۶۹ افراد کے بعد دیگرے اس ریاست کے سربراہ
ہوئے۔ اس کے آخری دور میں کریمیا کی افواج کے
ساتھ زار کی فوجوں کی چپقلش شروع ہو چکی تھی۔

۱۴۷۵ء میں کریمیا سلطنت عثمانیہ کی سرپرستی
میں آ گیا اور کوئی تین سو برس تک رہا پھر ۱۷۷۴ء
میں روسی اور عثمانی حکومتوں کے درمیان ایک
معاہدہ کے تحت اس کو ایک آزاد ریاست قرار
دے دیا گیا۔ لیکن ۱۸۸۳ء میں روسیوں نے اس
جزیرہ پر قبضہ کر لیا اور مسلمانوں کا بڑے
پیمانہ پر کشت و خون کیا

سرخ انقلاب کے بعد کریمیا کے مسلمانوں
نے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا اور کریمیا کے
مفتی اعظم اس نئی ریاست کے صدر منتخب ہوئے
کچھ ممالک نے اس آزاد ریاست کو تسلیم بھی
کر لیا تھا۔ تاہم کمیونسٹوں نے بغیر کسی جواز کے
۱۹۱۸ء میں کریمیا پر حملہ کر دیا اور اس پر قبضہ
کرنے کے دو سال بعد کمیونسٹ نظام کے
قیام کا اعلان کر دیا۔ ایک کمیونسٹ رہنما ولی ابراہیم
کو اس کا گورنر بنایا گیا۔ ابتداء میں روسیوں نے
ہزاروں مسلمانوں کو شہید کر دیا پھر باقی بچے
لوگوں کو ماسکو منتقل کرنے کا فیصلہ کیا۔ تاتار اور
باشکر کے علاقوں میں آج بھی تقریباً دس لاکھ
مسلمان آباد ہیں۔

یورپی روس میں مسلمان

والگا ندی کی وادی میں تاتار، باشکر
قازان اور اورال میں کوئی ایک کروڑ سے زائد
مسلمان آباد ہیں۔ تاتار اور باشکر میں گو مسلمان
اکثریت میں ہونے کے باوجود وہاں ان کی کوئی
آزاد جمہوریہ نہیں ہے بلکہ اس کا الحاق ماسکو
سے ہے۔

اسلام کی تبلیغ اس علاقہ میں مسلمان
تاجروں کے ذریعہ ہوئی جس کا آغاز آٹھویں صدی
میں ہوا ۹۲۱ء میں اس علاقہ کے مسلمان حاکم
الماس خاں بن سلکی نے عباسی خلیفہ مقتدر
باللہ کے پاس اپنا ایک نمائندہ بھیجا اور خلیفہ سے
درخواست کی کہ وہ علماء و فقہاء کی ایک ٹیم وہاں
بھیجے تاکہ شریعت اسلامی کا بڑے پیمانے پر
اس علاقے میں تعارف ہو سکے اس نے خلیفہ
سے مساجد کی تعمیر اور قبلہ کے رُخ کا تعین کرنے
کے لئے انجینیروں کو بھیجنے کی درخواست بھی کی
تھی۔ معروف مؤرخ یعقوب نعمان کے علاوہ
اور بھی متعدد بڑے اور اہم علماء اور مصلح
اس علاقے میں پیدا ہوئے۔

روسیوں نے ۹۶۲۱ سے ان علاقوں پر
حملوں کا آغاز کر دیا تھا۔ بالآخر ۱۵۵۲ء میں

قازان روسی سلطنت کا حصہ بن گیا۔ اس کے بعد مسلمانوں کے لئے مصائب کا دور شروع ہو بعد کے زمانوں میں تو یہاں تک ہوا کہ ہزاروں مسلمانوں کو جبراً عیسائی بنا دیا گیا۔

جب سرخ انقلاب آیا تو مسلمانوں نے راحت کی سانس لی اور یہ علاقے آزاد ہوئے مسلمانوں نے مساجد کی تعمیر کا آغاز بھی کر دیا۔ تاہم جب ۱۹۱۸ء میں مکمل قازان سرخ فوج کے قبضہ میں آگیا تو ہزاروں علماء نے منچوریہ اور جاپان میں پناہ حاصل کی۔ ۱۹۱۹ء میں تاتار اور باشکر سوشلسٹ جمہوریائیں قائم ہوئیں۔ بعدازاں عربی رسم خط کو بھی ترک کر دیا گیا۔ مساجد کو کلبوں اور قحبہ خانوں میں تبدیل کر دیا گیا۔ اور میناروں کو بیکار کمپوں میں بدل دیا گیا جن لوگوں نے مزاحمت کی انھیں اپنی جائداد تک سے ہاتھ دھونا پڑا۔ ۱۹۳۱ء میں تاتار اور باشکر میں جب ایک وقت میں بغاوت ہوئی تو سرخ فوج نے اس کا سر کچل دیا۔ تاہم ۷۰ برس کے جبر و ظلم کے بعد بھی روسی مسلمانوں کے جذبۂ حریت کو ختم نہیں کر سکے۔ اور اب بیسویں صدی کے خاتمہ پر مختلف وجوہ سے یہ جذبات گویا اُمڈے پڑ رہے ہیں۔ اہم اسباب ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں۔

۱۔ خود روس میں کمیونزم بالکل ناکام ہو گیا اور سوویت لیڈر گورباچوف کو مجبور ہو کر اس نظام میں اصلاحات کے نام پر بنیادی قسم کی تبدیلیاں کرنی پڑیں۔ اول اول تو ۱۹۱۷ء میں جن علاقوں پر جبراً قبضہ کیا گیا تھا ان تمام علاقوں میں آزادی کی ایک لہر دوڑ گئی اور لب تو کئی جمہوریاؤں نے آزادی کا اعلان بھی کر دیا ہے۔ (۲) افغانستان میں روس کی جو شرمناک شکست ہوئی اس نے روس کی جھوٹی عظمت کو پاش پاش کر دیا۔ افغانستان جہاد نے روس میں اسلامی لٹریچر کی اشاعت کی راہ بھی کھول دی۔ قرآن اور دیگر اسلامی کتب بڑے پیمانے پر روس میں پھیلا دی گئی۔

(۳) ایران کے انقلاب نے آذربائیجان میں ایک نئی روح پھونک دی پھر مرحوم صدر جنرل ضیاء الحق نے روسی مسلمانوں کی آواز بھی بلند کی۔ (۴) پولینڈ میں کمیونزم کے فیل ہو جانے اور بالآخر ختم ہونے کی وجہ سے بھی یہاں لوگوں کے حوصلے بلند ہوئے۔

(۵) ان وجوہات کے علاوہ سوویت یونین میں مسلمانوں کی آبادی میں تیزی سے اضافہ بھی ایک سبب ہے، کہا جاتا ہے کہ آئندہ تیس برسوں میں اگر اسی رفتار سے مسلم آبادی بڑھتی رہی تو روس کی کل آبادی کا ایک چوتھائی حصہ مسلمانوں پر مشتمل ہو گا۔

روحی یونیورسل میسج اگست ۱۹۹۰ء
بشکریہ تعمیر حیات لکھنؤ

عبادت گاہ بل ـــ ایک مستحسن اقدام

ایس کے احمد

۲۳ اگست ۱۹۹۱ء کو ملک کی تمام عبادت گاہوں کو تحفظ دینے اور ان کو ۱۹۴۷ء سے پہلے والی حیثیت دینے کیلئے جو بل مرکزی حکومت کے وزیر داخلہ مسٹر ایس بی چوان نے پیش کیا تھا اے بی جے پی اور وشو ہندو پریشد کے علاوہ سبھی پارٹیوں نے متفقہ طور پر لوک سبھا میں پاس کر دیا۔

لوک سبھا کی منظوری کے بعد راجیہ سبھا سے بھی اسے متفقہ طور پر منظور کر لیا گیا۔ اس بل سے وزیر اعظم پی وی نرسمہا راو کی حکومت کو عزت ملی ہے اور اس کو دور اندیشی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اس بل نے بی جے پی کے فاشسٹ نظریہ اور خطرناک عزائم کو ناکام بنا دیا ہے۔ مندر مسجد تنازعہ کو بڑھاوا دیکر ہندوستانی اقلیت کا کشت وخون کرنے والی سازشوں کا تارپود بکھرنے لگا ہے اس اقدام سے سیکولرزم مستحکم ہوا ہے اور بی جے پی نے اس بل کی مخالفت کر کے سیکولر نظریہ کو ناقابل تلافی نقصان پہونچایا ہے بی جے پی کی دھمکیوں کہ "ہندوستان میں اس بل کے پاس ہو جانے پر خونریزی ہوگی فسادات ہوں گے اور کیا کیا ہوں گے مستقبل بتائے گا۔" اس کو ایک نامعقول اور ابن الوقت جماعت ہونے کا ثبوت فراہم کر دیا ہے اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا ہے جو بھی فسادات عبادت گاہوں اور مذہب کے نام پر ہوتے ہیں ان سب کا وہی ذمہ دار ہے۔ جس کی وجہ سے ملک کا تہذیبی ورثہ ضائع ہو رہا ہے۔ اور فرقہ وارانہ منافرت کو ہوا مل رہی ہے۔ ہندوستانی قوانین کے احترام کی روشنی میں اس بل کی منظوری سے فرقہ پرستوں کے آئندہ لائحہ عمل ناکام ہوں گے۔ اور ملک میں پھیلنے والی فرقہ وارانہ جنونیت اور شدت پسندی کا خاتمہ ہوگا تشدد پرست ناکام ہوں گے، اور اس ناکامی کے باعث ان کے ذاتی مفادات کا بندر بانٹ ہوگا عوام الناس مطمئن ہوں گے۔

بقیہ صـ۳۲ پر

ایک فرضی قصہ کی اشاعت

مولانا عطاء اللہ بھیونڈی

ماہنامہ پاکیزہ آنچل نئی دہلی کے اگست ۱۹۹۱ء کے شمارہ میں دو صحابہ کرام کی زیارت کا ایک فرضی قصہ شائع ہوا ہے، جسے سچا واقعہ بتایا گیا ہے۔ جبکہ اس قصہ کے فرضی ہونے کا ثبوت مندرجہ ذیل باتوں سے لگایا جاسکتا ہے۔

۱۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری ؓ کی قبر جسے سلمان پاک مدائن میں بتایا گیا ہے مدینہ منورہ میں موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیے "الاکمال فی اسماء الرجال" مؤلفہ صاحب مشکوۃ۔

۲۔ دونوں صحابیوں کی موت قدرتی طور پر ہوئی لہذا انہیں زندہ شہید لکھنا بھی صحیح نہیں ہے۔

۳۔ حضرت حذیفہ بن یمان ؓ کو حذیفہ یمانی لکھا گیا ہے جو غلط ہے۔

۴۔ مزارات میں آنے والے پانی کی بہ نسبت پختہ قبر میں مدفون ہونے سے بچنا ان صحابہ کے لئے زیادہ ضروری تھا کیونکہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری ؓ ہی وہ صحابی ہیں جنہوں نے صحیح مسلم والی یہ حدیث روایت کی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو پختہ کرنے سے، ان پر عمارت بنانے سے اور ان پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

اس لئے دین کی بات کرنے والوں سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ اس قسم کے فرضی اور من گھڑت واقعات سے اجتناب کریں۔ کیونکہ یہ واقعات دینی نقطۂ نظر سے حادثات کے اسباب بنتے ہیں اور آج کے اس ماحول میں ہندوستان، جہاں پہلے ہی سے دین خالص کی شکل عملی طور پر مسخ ہے اس میں مزید عقائد کی دنیا میں مہلکات کے سبب بنیں گے۔

بہتر یہ ہے کہ عقیدت اور محبت کو ان کے مقام پر ہی رکھا جائے تاکہ فتنوں کے مزید در نہ کھلنے پائیں۔

کل جبار عنید ۝ واتبعوا فی ھذہ الدنیا لعنۃ ویوم القیٰمۃ۔ الا ان عادا کفروا ربھم الا بعدا لعاد قوم ھود۔ ۶۰

ترجمہ:۔ اور یہ قوم عاد ہے۔ انہوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور جبار و سرکش کی بات کے پیچھے لگے اور اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت لگا دی گئی اور قیامت کے روز بھی، سن لو کہ عاد نے اپنے رب کا انکار کیا، سن لو! ہلاکی تباہی ہو قوم عاد کی سرگزشت کے سنانے سے مقصود یہ ہے کہ اس دنیا کی رعنائیوں، رنگینیوں پر جو لوگ ریجھ کر راہ خداوندی کو بھلا بیٹھتے ہیں اور جب ان کو سمجھانے بجھانے والے اس شیطانی راہ سے روکتے ہیں تو اپنی بدبختانہ روش کو چھوڑنے کے بجائے ضد و عناد کی روش اپناتے ہیں یہ پورے سماج کا مزاج ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں سنت الٰہی کا ظہور ہوتا ہے، اور اس قوم پر عذاب الٰہی کا آغاز ہو جاتا ہے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

مجلس الدعوۃ الاسلامیہ کے خاص ہمدرد و معاون اور دینی بھائی محترم محمد سلیم خاں کے والد محترم جناب عبدالرحیم خاں (بمبئی) ۱۱ ستمبر بروز بدھ اپنے دو بچے (محمد سلیم، محمد نعیم) اور پانچ بچیوں کو چھوڑ کر اچانک اللہ کے پیارے ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم اسلامی فکر و عقاید، توحید اور عمل بالکتاب والسنہ میں بہت ٹھوس تھے مرحوم کا گھرانہ ان کے لائق فرزند محترم محمد سلیم خاں کی اصلاحی کوششوں کے نتیجے میں اسلامی ماحول میں ڈھلا ہے۔ جو ایک عرصہ قبل اسلامی قدروں اور روایات سے محروم تھا۔ مرحوم کی اچانک رحلت سے جو کوہ الم ان کی اولاد اور احباب و متعلقین پر گرا ہے اللہ تعالیٰ اس کو برداشت کرنے اور صبر و ضبط کی طاقت دے اور ان کے نیک مشن کو زندہ رکھنے میں ان کی تمام اولاد و متعلقین کو توفیق دے۔ آمین اور انکے نیک اعمال اور صالح اولاد کو ان کے حق میں صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین۔

مجلس الدعوۃ الاسلامیہ کو مرحوم کی اس اچانک رحلت پر زبردست صدمہ ہے قارئین نوائے اسلام سے گزارش ہے کہ وہ مرحوم کا غائبانہ نماز جنازہ پڑھیں۔ اور دعائے مغفرت کریں۔ نیز ان کی اولاد واحفاد کو عمل بالکتاب والسنہ پر قائم رہنے اور مثالی اسلامی زندگی گزارنے کیلئے اور اس حادثہ کو صبر و شکر کے ساتھ برداشت کرنے کیلئے اللہ سے دعا کریں۔

شریک غم و دعاگو

اراکین مجلس الدعوۃ الاسلامیہ دہلی۔

منطقہ جنوبی ہند کا دو روزہ

دعوتی کانفرنس "حصور" میں

مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند کے اغراض و مقاصد کو بروئے کار لانے اور جنوبی ہند میں تحریک اہلحدیث کو منظم و فعال بنانے کے لئے جنوبی ہند کے چار صوبے کیرالا، کرناٹک، آندھرا، تامل ناڈو کی صوبائی جمعیتوں کا ایک زونل کانفرنس ۲۸، ۲۹، دسمبر ۱۹۹۱ء کو منعقد ہو رہی ہے جس میں جماعت کے مشاہر علماء کرام و داعیان دین شریک ہوں گے اس کانفرنس میں اسلام کا تعارف اور دین کی سربلندی پر خاص موضوعات ہوں گے نیز افراد جماعت میں دینی بیداری اور فکر و عمل پیدا کرنے ـــــ اور مسلم معاشرہ میں اسلام کا رنگ و بو بھرنے کے لئے حکمت عملی مرتب کی جائے گی انشاء اللہ۔

ملک کے طول و عرض میں پھیلے تمام دینی بھائیوں سے گزارش ہے کہ وہ اس اہم دینی و تبلیغی کانفرنس میں شرکت فرما کر احیاء دین کے لئے ہر ممکنہ قربانیوں سے نوازیں۔

اپیل کنندہ:۔

مجلس الدعوۃ الاسلامیہ دہلی۔

رابطہ کیلئے پتہ نیچے

مولانا عبدالوھاب جامعی ناظم جمعیۃ اہل حدیث منطقہ جنوبی ہند۔

دفتر استقبالیہ:۔ مسجد اہل حدیث نیو پیٹ ایم جی روڈ، حصور،

ضلع دھرما پوری تامل ناڈو پن نمبر ۶۳۵۱۰۹

فون:۔ ۲۳۹۴ - ۲۷۶۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Madarsa Arabia
Qasimul-Uloom (Regd)
Vill Gulariha, Post Badalpur
Distt Gonda U P (India)

المدرسۃ العربیۃ قاسم العلوم

ایک مخلصانہ اپیل

برادران اسلام! مدرسہ عربیہ قاسم العلوم گلریہا ضلع گونڈہ کی ایک مشہور و معروف تعلیمی و تربیتی اور اقامتی درسگاہ ہے، جہاں درجات پرائمری کے ساتھ ساتھ عربی درس نظامیہ جماعت خامسہ تک کی تعلیم کا معقول انتظام ہے۔

اور فی الحال تقریباً چار سو طلباء زیر تعلیم ہیں جس میں سے ۷۵ بیرونی طلباء اور اٹھارہ اساتذۂ کرام کے قیام و طعام کا مدرسہ از خود کفیل ہے۔

علاوہ ازیں مدرسہ ہذا کی وہ زیر تعمیر مسجد جس کا سنگ بنیاد آج سے تین سال قبل ہی اکابرین علمائے جماعت کے مقدس ہاتھوں سے پڑا تھا، اس کے اخراجات اس پر مستزاد ہیں۔

مگر بحمد اللہ تعالیٰ تاہنوز اس کی دیواریں گیارہ فٹ کی بلندی تک پہونچ کر فدایانِ دین اسلام اور جاں نثاران محمدؐ کو دعوت نظارہ دینے کے ساتھ ہی ساتھ دوبارہ دست تعاون دراز کرنے پر بھی مجبور کر رہی ہیں۔

لہٰذا ہم جملہ مخیرین سے عموماً اور احباب جماعت سے خصوصاً پرزور اپیل کرتے ہیں کہ مدرسہ ہذا اور اس کی زیر تعمیر مسجد کے سلسلے میں دامے درمے قدمے سخنے ہر ممکن تعاون فرما کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں۔

إن اللہ لا یضیع اجر المحسنین • العارض۔ محمد عمر سلفی خادم مدرسہ ہذا

جلد ۸
شمارہ ۱۱

علمی و تبلیغی رسالہ

ماہنامہ نوائے اسلام دہلی

مجلة شهرية إسلامية تصدر عن مجلس الدعوة الإسلامية دهلي الهند

سرپرست :- مولانا عطاء اللہ خان ایم اے بی ایڈ - امیر جمعیتہ اہلحدیث بھیونڈی

نومبر ۱۹۹۱ء بمطابق جمادی الاول ۱۴۱۲ھ

مدیر :- عزیز عمر سلفی   نائب مدیر :- عبدالواجد فیضی

زرِ تعاون	پاکستان سے
سالانہ :- چالیس روپے	سالانہ :- ایک سو روپے
خصوصی :- ایک سو روپے سے زائد	لائف ممبری :- دو ہزار روپے
لائف ممبری :- ایک ہزار روپے	بیرونی ممالک سے ۲۰ ڈالر امریکی

بنگلہ دیش اور نیپال سے ہندوستانی روپے کے مساوی

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ

منیجر نوائے اسلام ۱۱۶۴-اے چاہ رہٹ جامع مسجد دہلی ۱۱۰۰۰۶
فون :- ۳۲۶۵۹۳۵ PHONE. 3265935

آئینہ ترتیب

پرنٹر وپبلشر عبدالواحد نیمکی نے ایس ایس پریس
برائے چھپائی آفسیٹ سے چھپوا کر دفتر ترجمان اسلام ۱۱۶۴-۱۰ سے
چاہ رہٹ جامع مسجد دہلی سے شائع کیا۔

افتتاحیہ

عیسائی مشنریاں

مسلمانانِ ہند کے لئے لمحۂ فکریہ

ادارہ

سرزمین ہند پر جب اسلام نے اپنا مبارک قدم رکھا تو اس کا استقبال راجاؤں نے بھی کیا تھا اور پرجاؤں نے بھی...... شہروں میں رہنے والوں نے بھی کیا تھا اور دیہاتوں میں بسنے والوں نے بھی ـــ اسلام کا والہانہ استقبال نہ کسی کے حکم و تحکم پر تھا نہ کسی کے زور دباؤ پر، نہ تو لوگوں نے تلواروں کی کھنک سنی تھی اور نہ ہی مرد مجاہد کے قوت بازو کا مشاہدہ کیا تھا جس سے مرعوب یا خوف زدہ ہوتے۔ بلکہ اسلام کا زوردار خیر مقدم اس کی حقیقت پسندی کی وجہ سے ہوا تھا اس کے دعویٰ کے ثبوت میں اس کے ماننے والوں کی مکمل زندگی سے ہو رہا تھا۔ اور ان کے بلند اخلاق و کردار اور ان کی اعلیٰ معیاری اسلامی زندگی سے ہو رہا تھا یہی وہ چیز تھی جس نے ہندوستانیوں کے دلوں کو فتح کیا تھا۔ اور اسی نے اسلام کو ہندوستان کا سب سے زیادہ پسندیدہ اور مقبول ترین مذہب بنا دیا۔ ہندوستان جو ہمیشہ سے مذاہب عالم کا گہوارہ رہا ہے اسلام کے آتے ہی ہزاروں برس کے پرانے اور تحریف شدہ مذاہب کے طلسم ٹوٹنے لگے بدھ مت، جین مت، ہندومت، اور بے شمار متوں کی عمارتیں ریت کے محل کی طرح گرنے لگیں اسلام نے سرزمین ہند پر انسانی تعمیر و ترقی کی ایک مضبوط اور ٹھوس بنیاد رکھ دی۔ اور بجا طور پر اسلام انسانی تہذیب و تمدن کا مشعل بردار بنا مگر یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ جب کسی فرد یا قوم میں بے جا خوش فہمیاں اور بے جا مایوسیاں جنم لے لیتی ہیں تو ان کی زندگی موت سے بدتر ہو جاتی ہے۔

آج بدقسمتی سے مسلمانوں اور بالخصوص ہندوستانی مسلمانوں کا یہی حال ہے۔ وہ یا تو خوش فہمیوں کے ریت کا محل تعمیر کر چکے ہیں اور باد صرصر کے جھونکوں کی پرواہ نہیں کرتے جو کسی آن اور کسی لمحہ ان کے محل کو زمین بوس کر سکتا ہے۔ اور یا تو وہ مایوسیوں اور محرومیوں کے اس قدر شکار ہو چکے ہیں کہ ان کا پورا سرمایہ احساس کمتری ہو گیا ہے۔

اور یہ دونوں بیماریاں خطرناک اور مہلک حد تک مسلمانوں میں گھر کر چکی ہیں جس کی وجہ سے
وہ ہلاکت کے دہانے پہ پہونچ چکے ہیں۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا۔

ہندوستانی اقلیتوں میں جس طرح مسلمانوں کی تعداد سب سے بڑی ہے
اسی طرح ان کی بدبختی بھی سب سے بڑی ہے آپسی اختلاف، گروہ بندی، اندرونی خلفشار،
اور باہمی جنگ وجدل کی وجہ سے اپنی اصل شاہراہ سے بہت دور بھٹک گئے ہیں، تعلیمی میدان
سے لے کر معاشی اور پھر سیاسی محاذ تک ان کے حصہ میں صرف محرومیاں ہی محرومیاں نظر آرہی
ہیں اسلام کے پیروں میں بیڑیاں ڈال کر ایک گوشہ میں پھینک دیا گیا ہے اور اسلام کا نام استعمال
ہونے لگا ہے۔ اس کی تعلیمات سے عملی زندگی کا کوئی واسطہ نہیں رہا۔ اسلام کے نام پر سینکڑوں
تنظیموں، اداروں نے جنم لیا، ہزاروں مدارس قائم ہوئے، لاتعداد مسجدیں تعمیر ہوئیں اور یہ سلسلہ
لگاتار جاری ہے۔ مگر اس کے مجموعی اثرات اور برکات سے مسلم سماج اور پورا انسانی معاشرہ
محروم ہے۔

جس سرزمین پر اسلام کا پرزور استقبال ہوا تھا، آج وہیں اسلام اجنبی ہو کر رہ گیا
ہے۔ آج اس کے ماننے والے جنونی، بنیاد پرست، دہشت گرد اور نہ جانے کن کن گندے
انقاب سے نوازے جارہے ہیں۔ آج ساری انسانیت کو راہ دکھانے والے اور انسانیت
کو ترقی کے منازل سے ہمکنار کرنے والے دورِ حاضر کے سب سے زیادہ پس ماندہ اور سب
سے زیادہ حقیر تصور کئے جانے لگے ہیں۔ ایک مسلم دانشور کے بقول "مسلمانوں کا معاملہ ان
کا تعلیمی انحطاط اور ان کی معاشی بدحالی ضرب المثل بن گئی ہے"

ہندوستان میں ایک بہت چھوٹی اقلیت عیسائیوں کی ہے۔ گو ان کی تعداد بہت کم ہے
مگر کارنامے ان کے بہت ہیں پورے ملک میں اپنے پروگرام کا جال بچھا دیا ہے۔ ایک ارب
روپے کا سالانہ پانچ سو پروجیکٹ چلاتے ہیں، صرف یوپی بہار، اور ایم پی میں چلائے جانے
والے پروجیکٹوں پر بیس کروڑ روپے سالانہ خرچ کرتے ہیں، جس کو "کاریتاس انڈیا" نامی
تنظیم ادا کرتی ہے۔ ان کے پاس ستر ہزار سے زائد اسکول و کالج میں چار بڑے میڈیکل کالج ہیں

جس میں موجود کرسچن میڈیکل کالج اپنی خدمات اور خصوصیات کی وجہ سے پوری دنیا میں مشہور ہے۔ جدید ترین سہولیات سے آراستہ شفاخانوں میں ایک لاکھ دس ہزار سے زائد بیڈ س ہیں، اور ان کے علاوہ سینکڑوں ایسے رفاہی ادارے ہیں جن کی خدمات شہروں سے لیکر دیہاتوں اور پہاڑوں کے دامن تک پہونچی ہوئی ہیں۔

معیاری تعلیمی اداروں اور ہوسپیٹلوں کو قائم کر کے انتہائی حکمت عملی سے عام آدمیوں کو اپنی طرف مائل کر رہے ہیں ان کی ان خدمات کو دیہاتوں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ بہرحال ان تمام ذرائع کا استعمال صرف عیسائیت کی تبلیغ کے لئے ہو رہا ہے، اور یہ ان کا نہایت کامیاب اور آزمودہ نسخہ ہے۔ ۱۸۵۷ء میں لکھنؤ کی ایک کانفرنس میں عیسائیوں نے ایک جامع پروگرام مرتب کیا تھا جس میں کثیر تعداد میں مدارس، اسپتالوں و رفاہی اداروں کا قیام تھا آج وہ اپنے اسی پروگرام کو عملی جامہ پہنا کر اپنے عظیم مقاصد کے حصول میں بڑی حد تک کامیاب ہیں۔ جبکہ ہندوستان میں مسلمانوں کے پاس ہزاروں مدارس اور طلباء کی بڑی بڑی رفاہی درسگاہیں ہیں، تبلیغی انجمنیں ہیں دعوت و تبلیغ کے چھوٹے بڑے ہزاروں ادارے اخبارات، رسائل اور جرائد کے علاوہ بے شمار اسلامی لٹریچر ہیں پھر بھی نتائج صفر۔ ہمارے تعلیمی اداروں میں اساتذہ بھی ہیں اور طلبہ بھی تعلیم و تعلم کے تمام وسائل بھی لیکن ان میں نہ تعلیمی ہمہ ہمی نظر آتی ہے اور نہ ہی ان میں تعلیم کی کوئی کشش۔ طلباء مایوسیوں کی گھٹاٹوپ اندھیرے میں زندگی گزار رہے ہیں۔ اساتذہ کا حال بھی ان سے زیادہ مختلف نہیں ہے نہ ان میں حوصلہ تربیت کا سامان نظر آتا ہے۔ اور نہ ہی حصول مقصد کی لگن۔ یعنی آرزو، کشاکش، جذبہ سوز دروں سب ان کے اندر سے مفقود ہے۔ شاعر مشرق نے کہا ہے۔

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے — کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو — کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

بہرحال موجودہ دور کے جو تقاضے ہیں ان کو اسلام کی روشنی میں برتے بغیر نہ تو ہم اسلام کے سچے خادم ہو سکتے ہیں اور نہ ہی ملک کے کامیاب شہری۔ اور اس کی ذمہ داریاں ہر ایک مسلمان پر برابر عائد ہوتی ہے۔ ●

قوموں کے عروج وزوال کی کہانی قرآن کی زبانی

دوسری و آخری قسط

خالد شفاء اللہ رحمانی

جو لوگ ایمان و عمل کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں وہ اپنے رب سے گناہوں سے درگزر کرنے اور اس پر عفو و کرم کے پردے ڈالنے کے ملتجی ہوتے ہیں، ان کا عقیدہ اور ایمان اس بات پر پختہ ہوتا ہے کہ اللہ ہی کے ہاتھ میں سب کچھ ہے، سب کی پیشانی اسی کی مٹھی میں ہے، اس تک پہونچنے کے لئے کسی وسیلہ، رسی، سیڑھی کی حاجت نہیں، ایسی قوم کے لئے حبل اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے ہوتے ہوتی ہے آسمانوں، زمینوں سے اس کی برکتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں، آسائش و آرام کی تمام بند راہیں کھل جاتی ہیں، اس کا ہر فرد حلال روزی کے ذریعے اپنی پوری زندگی بڑے سکون و طمانیت سے گزارتا ہے۔ یہ سب ان کے لئے ہے جو رسول کو اپنی زندگی میں نمونہ بناتے ہیں، غلط عقائد و اعمال کو اختیار نہیں کرتے، صحیح درست راہ پر چل کر اپنی دنیا و عاقبت سنوارتے ہیں، ہر وقت توبہ و استغفار میں لگے رہتے ہیں، ان کی زندگی صرف اطاعت الٰہی اور رسول ہی میں بسر ہوتی ہے۔ ایسی قوم انعام خداوندی کی مستحق ہوتی ہے اور اللہ کا وعدہ نصرت و مدد کا پورا ہو کر رہتا ہے، تاریخ اس پر گواہ ہے۔

ثمود:- قوم عاد کی ہلاکت کے بعد حضرت ہود علیہ السلام اور آپ کے ماننے والے امن و سکون کے ساتھ رہنے لگے۔ اللہ نے ان کی نسل میں برکت عطا فرمائی۔ جس قوم نے شہرت اور عاد کی جانشینی حاصل کی قرآن نے اس کا نام ثمود بتلایا ہے۔ یہ قوم جزیرۃ العرب کے شمال مغربی حصہ میں آباد تھی (مدینہ اور شام کے درمیان ایک وادی ہے جو القریٰ کہلاتی ہے) اب بھی ان کی آبادیوں کے کھنڈرات باقی ہیں، جس سے ان کے تعمیری ذوق کا اندازہ ہوتا ہے، پہاڑوں کو تراش کر ان کے اندر بڑی بڑی عالیشان عمارتیں بناتے تھے۔ جیسے مدینہ اور تبوک کے درمیان مدائن صالح مقام ہے جو قدیم زمانہ میں حجر کہلاتا تھا یہی ثمود کی راجدھانی تھی۔

اب تک وہاں ہزاروں ایکڑ کے رقبہ میں وہ سنگین عمارتیں موجود ہیں جن کو ثمود کے لوگوں نے پہاڑوں میں تراش تراش کر بنایا تھا اور اس شہر خموشاں کو دیکھ کر اندازہ کیا جاتا ہے کہ کسی وقت اس شہر کی آبادی چار پانچ لاکھ سے کم نہ ہوگی نزول قرآن کے زمانے میں حجاز کے تجارتی قافلے ان آثار قدیمہ کے درمیان سے گزرا کرتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کے موقع پر جب ادھر سے گزرے تو آپ نے مسلمانوں کو یہ آثار عبرت دکھائے اور وہ سبق دیا جو آثار قدیمہ سے ہر صاحب بصیرت انسان کو حاصل کرنا چاہیئے۔ ایک جگہ آپ نے ایک کنویں کی نشان دہی کر کے بتایا کہ یہی وہ کنواں ہے جس سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیتی تھی، اور مسلمانوں کو ہدایت کی کہ صرف اسی کنویں سے پانی لینا۔ باقی کنووں کا پانی نہ پینا ایک پہاڑی درے کو دکھا کر آپ نے بتایا اسی درے سے وہ اونٹنی پانی پینے کے لئے آتی تھی چنانچہ وہ مقام آج بھی فج الناقہ کے نام سے مشہور ہے۔ ان کے کھنڈروں میں جو مسلمان سیر کرتے پھر رہے تھے ان کو آپ نے جمع کیا اور ان کے سامنے ایک خطبہ دیا جس میں ثمود کے انجام پر عبرت دلائی اور فرمایا کہ یہ اس قوم کا علاقہ ہے جس پر خدا کا عذاب نازل ہوا تھا، لہذا یہاں سے جلدی گزر جاؤ یہ سیر گاہ نہیں ہے بلکہ رونے کا مقام ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۲ سورہ اعراف)

قوم ثمود کی تباہی، بربادی کا نقشہ جو قرآن نے ذکر کیا ہے وہ قوم عاد سے مختلف نہیں وہی سرکشی یہی ہٹ دھرمی جب صالح علیہ السلام نے اللہ کی دعوت کو پیش کیا۔ اے برادران قوم! اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے، تمہارے پاس تمہارے رب کی کھلی دلیل آگئی ہے، یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے ایک نشانی کے طور پر ہے لہذا اسے چھوڑ دو کہ خدا کی زمین میں چرتی پھرے۔ اس کو کسی برے ارادے سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ ایک دردناک عذاب تمہیں آ لے گا۔ یاد کرو وہ وقت جب اللہ نے قوم عاد کے بعد تمہیں اس کا جانشیں بنایا اور تم کو زمین میں یہ منزلت بخشی کہ آج تم اس کے ہموار میدانوں میں عالی شان محل بناتے اور اس کے پہاڑوں کو مکانات کی شکل میں تراشتے ہو پس اس کی قدرت کے کرشموں سے غافل نہ ہو جاؤ اور زمین میں فساد برپا نہ کرو اس کی قوم کے سرداروں نے جو بڑے بنے ہوئے تھے، کمزور طبقہ کے ان لوگوں سے جو ایمان لے آئے تھے کہا کیا تم واقعی یہ جانتے ہو کہ صالح اپنے رب کا پیغمبر ہے؟ انہوں نے جواب دیا بے شک جس پیغام

[illegible] ہم مانتے ہیں ان بڑائی کے مدعیوں نے کہا جس چیز کو تم نے مانا ہے اس کے منکر ہیں۔ پھر انہوں نے اس اونٹنی کو مار ڈالا اور پورے تمرد کے ساتھ اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کی اور صالح سے کہہ دیا کہ لے آ وہ عذاب جس کی تو ہمیں دھمکی دیتا ہے اگر تو واقعی پیغمبروں میں سے ہے۔ آخر کار ایک دہلا دینے والی آفت نے انہیں آلیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے کے پڑے رہ گئے۔ (اعراف۔ آیت ۷۶ تا ۷۸)

جب انسانی سماج میں پاپ کرنا کوئی معیوب چیز نہ رہ جائے اور پاپی کی پشت پناہی قوم کے سربراہ اور بڑے لوگ کرنے لگیں تو اس سماج کا زوال یقینی ہو جاتا ہے، قوم ثمود کا خوش حال طبقہ حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت کا انکار ہی نہیں بلکہ اس کے کچلنے کے لئے اپنی تمام قوت صرف کر رہا تھا گویا کہ ان کا مزاج ہی گناہوں میں لت پت ہو چکا تھا اسی لئے قرآن نے کہا ہے جو گناہ قوم کے درمیان علی الاعلان کیا جائے اور قوم اسے گوارا کرلے وہ بھی قومی گناہ ہے۔ چنانچہ جن قوموں کے مزاج گناہ آلود ہو چکے ہیں ان کے اوپر نت نئے آفتیں مصیبتیں آرہی ہیں لیکن وہ نہیں سمجھتے کہ صرف اللہ کے پیغام ہی میں ان کی سرخروئی ہو سکتی ہے۔ تاریخی واقعات بیان کرنے سے قرآن کا مقصد یہی ہے اسی لئے اس نے ان واقعات کے بیان کرنے میں خطابی استدلال کا اسلوب اپنایا ہے۔

سبا:۔ قرآن نے سبا نامی نسل کا بھی ایک باجبروت قوم کی شکل میں ذکر کیا ہے، یہ قحطانی نسل میں ایک مشہور شخص تھا اصل وطن عراق تھا لیکن اس کی شاخیں حمیر، کہلان یہ سب جزیرۃ العرب کے جنوبی علاقوں میں پھلی پھولیں۔ قوم سبا اپنے زمانہ میں یمن کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور طاقتور نسل تھی۔ ان کا اقتدار پہلی صدی عیسوی تک رہا۔ راجدھانی شہر مأرب تھا، یہ صنعاء شہر سے تقریباً ساٹھ میل پورب میں واقع ہے یہ ایک تاجر قوم تھی، اس وقت عالمی منڈی کی باگ ڈور اسی کے ہاتھوں میں تھی۔ ان کی نگرانی میں قافلے سندھ سے لے کر مشرق اقصیٰ تک اور مصر سے رومۃ الکبریٰ کے بازاروں تک جاتے تھے، اللہ تعالیٰ نے سبا کو اس کے کاروبار میں بڑی برکت عطا فرمائی تھی اس قوم کی ترقی کا اندازہ اسی سے لگائیے کہ انہوں نے زراعت یعنی کھیتی باڑی کو ترقی دینے کے لئے ایک بندھ باندھا تھا اس کے ذریعے تین سو مربع میل علاقے کی آب پاشی کی جاتی تھی۔ اس [illegible]

یاد دہانیوں کے باوجود انہوں نے اللہ کے احکام کی پیروی کرنے کے بجائے سرکشی اور نافرمانی کا وطیرہ اپنایا جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام نعمتوں سے محروم کر دیا۔ ان کا بند تباہی ہلاکت کا سبب ہو گیا تھا اور اہل سبا کے لئے بھی ان کے مسکن میں، بہت بڑی نشانی موجود تھی دائیں بائیں دونوں طرف باغوں کی دو قطاریں، اپنے رب کے بخشے ہوئے رزق سے متمتع ہو اور اس کے شکر گزار رہو۔ زمین شاداب و زرخیز اور پروردگار بخشنے والا ہے۔ تو انہوں نے نافرمانی کی تو ہم نے ان پر بند کا سیلاب بھیج دیا اور ان کے باغوں کو دو ایسے باغوں سے بدل دیا جن میں بدمزہ پھل والے درخت اور جھاڑ اور بیری کی کچھ جھاڑیاں رہ گئیں۔ یہ ہم نے انکی ناشکری کا بدلہ دیا اور ہم برا بدلہ ناشکروں کو دیا کرتے ہیں۔ ‹۱۵-۱۷، سبا›

اور ہم نے ان کے درمیان اور ان بستیوں کے درمیان، جن میں ہم نے برکتیں رکھی تھیں سربراہ بستیاں بھی آباد کیں اور ان کے درمیان سفر کی منزلیں ٹھہرا دیں۔ ان میں رات دن بے خوف و خطر سفر کرو۔ پس انہوں نے کہا، اے رب ہمارے سفروں میں دوری پیدا کر دے اور انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم ڈھائے تو ہم نے ان کو افسانۂ پارینہ بنا دیا اور ان کو بالکل تتر بتر چھوڑا، بے شک اس کے اندر نشانیاں ہیں ہر صبر کرنے والے، شکر کرنے والے کے لئے۔ ‹۱۸-۱۹، سبا›

جو قوم اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کی قدر کرتی ہے اور اس کے فضل و اکرام سے اپنے کردار و عمل کے ذریعے شکر گزاری میں لگی رہتی ہے تو قدرت خود ان کے لئے آسائشوں، راحتوں کا اہتمام کرتی ہے لیکن جب وہ اپنی ناشکری کے باعث ہر چیز کو اپنی سعی و تدبیر کا کرشمہ سمجھنے لگتی ہے اور اسی غرور میں فساد و بگاڑ کو اصلاح کا نام دے ڈالتی ہے، اپنی تمام تر تمدنی و تجارتی ترقیوں کے گھمنڈ میں ڈوب کر اللہ کے قہر و غضب کو خود دعوت دیتی ہے۔ چنانچہ قوم سبا کے ساتھ بھی یہی ہوا اللہ نے دنیا کے لئے عبرت و موعظت کا سامان مہیا کر دیا تاکہ انسان دنیوی خوشحالی میں مگن ہو کر خدا فراموش نہ ہو جائے۔ قرآن نے اسی سورہ سبا میں حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا حال بیان کیا ہے کہ ان کے پاس جب طاقت و قوت، حکومت آئی تو ہمیشہ شکر گزار بندے بنے رہے، انہوں نے دنیا کی چند روزہ زندگی کو سب کچھ نہیں سمجھا تھا بلکہ آنے والے دن کی بھی تیاری میں لگے تھے اس لئے ان کا انجام شکر کرنے والوں اور صبر کرنے والوں میں ہوا۔

بنی اسرائیل:- قرآن نے اس قوم کا ذکر کثرت سے کیا ہے، مستقل ایک سورۃ بھی بنی اسرائیل نام سے ہے، دراصل یہ حضرت یعقوب ؑ کے بارہ بیٹوں کی اولاد ہے جو اسباط بھی کہلاتے ہیں حضرت یعقوب حضرت اسحاق علیہما السلام کے لڑکے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خاندان اور ان کے رشتے داروں کا قیام زیادہ تر جنوبی شام اور شمالی حجاز میں رہا۔ خود حضرت ابراہیم تک ان کا خاندان عراق ہی میں تھا۔ ان کا وطن شہر اُر تھا جو خلیج عربی کا اس وقت بندرگاہ تھا۔ اب بصرہ سے قریب کچھ فاصلے پر بتایا جاتا ہے ان کے کھنڈرات برآمد کر لئے گئے ہیں۔ حضرت ابراہیم ؑ اور ان کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام ہجرت کر کے شام آئے، بعد میں اللہ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ہاجرہ کو وسط حجاز میں بے آب وگیاہ وادی (غیر ذی ذرع) میں آباد کیا۔ یہیں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل پھولی پھلی اسی جگہ کو عالم اسلام کا قلب کہتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بقیہ اولاد شام و فلسطین میں رہی۔ قرآن نے نسل براہیمی کا جو ذکر کیا ہے اس میں بنی اسرائیل کو خاص طور سے مخاطب کیا ہے کیونکہ حضرت اسحاق بن حضرت ابراہیم علیہما السلام کے صاحبزادے حضرت یعقوب جن کا نام اسرائیل بھی تھا۔ اللہ نے نبیوں رسولوں کا ایک عظیم سلسلہ ان میں چلایا تھا۔ اس کے ساتھ گوناگوں نعمتوں سے بھی نوازا تھا ان میں آخری نبی حضرت عیسیٰ مبعوث ہوتے تھے۔ لیکن ان کی بداعمالی، بدکرداری کا یہ عالم تھا کہ نبیوں تک کو انہوں نے قتل کر ڈالا تھا نزول قرآن کے زمانے میں جو لوگ اپنا تعلق بنی اسرائیل سے جوڑتے تھے انکو مخاطب کر کے مختلف لب ولہجہ اور اسلوب میں قرآن نے یاد دلایا۔

اے بنی اسرائیل میری نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کیا تھا، اور تم کو جہانوں میں فضیلت اور برتری عطا کی تھی۔ (قرآن) سورہ بنی اسرائیل میں ان کی حالت کا بیان یوں ہوتا ہے۔

وقضینا الی بنی اسرائیل فی الکتاب لتفسدن فی الارض مرتین ولتعلن علوًا کبیرًا۔ فاذا جاء وعد اولٰھما بعثنا علیکم عبادًا لنا اولی باس شدید فجاسوا خلل الدیار وکان وعدًا مفعولًا۔

ترجمہ:- پھر ہم نے اپنی کتاب میں بنی اسرائیل کو اس بات پر متنبہ کر دیا تھا کہ تم دو مرتبہ

زمین میں فساد عظیم برپا کروگے اور بڑی سرکشی دکھاؤگے آخر کار جب ان میں سے پہلی سرکشی کا موقع پیش آیا تو اے بنی اسرائیل ہم نے تمہارے مقابلے پر اپنے ایسے بندے اٹھائے جو نہایت زور آور تھے اور وہ تمہارے ملک میں گھس کر ہر طرف پھیل گئے۔ یہ ایک وعدہ تھا جسے پورا ہو کر ہی رہنا تھا۔

قرآن نے بنی اسرائیل کے فساد عقیدہ وعمل کے پاداش میں جو سخت سزا کی پیش گوئی کی ہے اسکی تصدیق ان کے پاس جو صحف آسمانی کا مجموعہ (بائبل) ہے اس سے ہوتی ہے حضرت داؤد کی زبانی یہ تنبیہ کی گئی "انہوں نے ان قوموں کو ہلاک نہ کیا جیسا کہ خداوند نے ان کو حکم دیا تھا بلکہ ان قوموں کے ساتھ مل گئے اور انکے سے کام سیکھ گئے اور ان کے بتوں کی پرستش کرنے لگے جو ان کے لئے پھندا بن گئے بلکہ انہوں نے اپنی بیٹیوں کو شیاطین کے لئے قربان کیا اور معصوموں کا، یعنی اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کا خون بہایا اس لئے خداوند کا قہر اپنے لوگوں پر بھڑکا اور اسے اپنی میراث سے نفرت ہو گئی اور اس نے ان قوموں کے قبضے میں کر دیا اور ان سے عداوت رکھنے والے ان پر حکمراں بن گئے۔" (زبور باب ۱۰۶۔ آیت ۳۴۔ ۱۴)

حضرت یسعیاہ نبی ان کی تباہی کا ذکر یوں بیان کرتے ہیں، "آہ! خطا کار گروہ، بدکرداری سے لدی ہوئی قوم، بدکرداروں کی نسل، مکار اولاد جنہوں نے خداوند کو ترک کیا، اسرائیل نے قدوس کو حقیر جانا اور گمراہ و برگشتہ ہو گئے، تم کیوں زیادہ بغاوت کرکے اور مار کھاؤگے۔ (باب ۱۔ آیت ۴۔ ۵)

بنی اسرائیل کے کالے کرتوت اور احکام خداوندی کو پس پشت ڈالنے کی وجہ سے اللہ نے ان پر ان مخالفوں کا تسلط قائم کر دیا تھا یہ ایک حامل کتاب قوم کو امامت اقوام کے منصب سے گرا کر ایک شکست خوردہ غلام اور سخت پسماندہ قوم بنا کر رکھ دیا گیا تھا، کیوں؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو احکام الہی کی پابندی کی تاکید فرمائی تھی، اخلاقی و اعتقادی خرابیوں سے پرہیز کرنے کی ہدایت فرمائی تھی۔ مگر ہوا کیا؟ یہ گروہ بندی، عصبیت پسندی میں مبتلا ہو گئے ان کے ہر قبیلے نے ایک الگ الگ علاقے لے کر باہم برسرپیکار رہنے لگے۔ ان کی دو مشہور تاریخی حکومتیں سامریہ، یہودیہ ملیامیٹ ہو گئیں۔ یہاں کے فساد و بگاڑ کی وجہ سے ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو سنبھلنے کا موقع دیا، جو لوگ بچے کھچے تھے وہ اصلاح عمل وعقیدہ اور توبہ انابت کی طرف متوجہ ہوئے رحمت الہی ان کی مددگار ہوئی۔ وامددنٰکم باموال وبنین وجعلنٰکم اکثر

بقیہ صفحہ ۴

تیسری و آخری قسط

امرائے اسلام کے قیمتی اوقات

خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانی ناظم جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر۔ نیپال

مجھے نہایت درجہ خوشی ہے کہ ہمارے آج کے دور میں بلاد عربیہ اسلامیہ میں اس عہد سلف کی طرح ایسے مشائخ اور امراء و تجار ہیں جو انفرادی طور پر بھی بڑے بڑے مشہور اسلامی مدارس وتنظیمات کی بھرپور خدمت کر رہے ہیں اور اجتماعی طور پر ان کے بیوت الزکوۃ اور ہیاۃ اسلامیہ اور جمعیات خیریہ بلاد اسلام میں پھیلے ہوئے اداروں، مسجدوں مدرسوں اور یتیم خانوں اور رفاہ عام کے کاموں اسپتال وغیرہ کے قائم کرنے اور اسے برقرار رکھنے میں پوری طرح سے مدد کر رہے ہیں ڈاکٹر اقبال" کا یہ شعر مجھے برمحل یاد آرہا ہے وہ لکھتے ہیں۔

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشت ویراں سے ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

دبئی کے مظفر کولا صاحب نے ایک کروڑ کی لاگت سے ایک بہت بڑا اسپتال بھٹکل میں قائم کر دیا ہے اللہ تعالیٰ اس اسپتال کو دوام بخشے اور اس سے پبلک کی پوری طرح خدمت ہوتی رہے اور اللہ تعالیٰ صاحب خیر کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

اسی طرح دبئی کے ایک صاحب خیر نے بنگلور میں ایک کالونی بنوادی ہے اور اس کمپلکس کی ساری آمدنی لکھنؤ کے مشہور مدرسے کے لئے وقف کر دی ہے اللہ تعالیٰ اسے فروغ بخشے اور اس خیر پسند ہستی کو اس کا بہترین صلہ عطا فرمائے۔

دبئی کے دوسرے صاحب خیر نے طلبہ و علماء کے پانی پینے کے لئے ایک بہت بڑی پانی کی ٹنکی بنوادی ہے اس سے پانی پینے، وضو کرنے، غسل وغیرہ کے تمام مسائل آسان ہو گئے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اس خدمت پر صدقہ جاریہ کا ثواب عطا فرمائے۔

الغرض تمام مدارس اسلامیہ اور جامعات اور دارالعلوم ہر طرح سے بلاد اسلامیہ عربیہ سے پوری طرح مساعدت و تعاون حاصل کر رہے ہیں۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ دارالعلوم دیوبند۔

مظاہر علوم سہارنپور، مرکزی دارالعلوم بنارس دارالعلوم احمدیہ سلفیہ در بھنگہ وغیرہ صدہا مدارس ومعاہد اور اسلامی جامعات انہیں مقامات سعودیہ عربیہ، دبئی، شارجہ، اور قطر و کویت کی ریاستوں اور اہل خیر مشائخ و تجار کرام سے اچھی طرح مستفیض ہو رہے ہیں۔

اسی طرح جماعت اسلامی کے حضرات ہر طرف سے اپنے منصوبوں کے لیئے رقم فراہم کر رہے ہیں اسی طرح تبلیغی جماعت کے حضرات بلاد اسلامیہ پر چھائے ہوئے ہیں ان کے اثرات بڑے بڑے عرب مشائخ پر بھی قائم ہو چکے ہیں۔

اسی طرح جمیعۃ العلماء ہند کے نام سے جو جمیعت ہندوستان کے تمام بڑے شہروں و صوبوں میں قائم ہے اس کے بڑے بڑے دفاتر پرانی دلی و نئی دلی میں بھی قائم ہیں ان کے اکابر و اصاغر پوری طرح ریاض و مکہ مکرمہ اور جدہ وغیرہ سے اپنے تمام منصوبوں کے تکمیل میں بھرپور مساعدت حاصل کر رہے ہیں۔

اور اسی طرح علماء حق کے علاوہ بریلوی حضرات کے علماء بن ٹھن کر علماء حق کے لباس میں ملبوس و ملتبس ہو کر ان بلاد اسلامیہ میں تشریف لے جاتے ہیں اور وہ لوگ بھی اپنے منصوبوں اور پروگراموں کے لیئے رقم حاصل کر لیتے ہیں پھر بھی باطل پرست حضرات جب کویت پر صدام حسین صدر عراق کا حملہ ہو جاتا ہے تو اس کو فاتح و غالب سمجھنے لگتے ہیں اور صدام حسین زندہ باد کا نعرہ لگانے لگتے ہیں اور کویت جیسے حق پرست خادم خلق جیسی ریاست پر ظالمانہ قبضہ جمانے کی خوشی مناتے ہیں اللہ نے باطل پرستوں کو شکست دی اور حق کا بول بالا کیا۔

الحاصل سعودیہ عربیہ کے شیوخ امراء و تجار نے پورے ایشیاء و افریقہ وغیرہ براعظموں میں مساجد و مدارس اور یتیم خانوں اور شفاخانوں وغیرہ کا جال بچھا دیا ہے، امریکہ افریقہ اور بلاد اسلامیہ کے مختلف حصوں میں حتی کہ لندن، جرمنی، جاپان میں بھی سعودیہ عربیہ کے رفاہی خدمات کا دائرہ وسیع ہے۔

اسی طرح کویت نے جو رفاہی خدمات انجام دی ہیں مدارس و مساجد قائم کیئے ہیں شفاخانے، یتیم خانے، اور سرائے وغیرہ بنوائے ہیں ان کو شمار نہیں کیا جا سکتا، صحراء و بیابان میں جہاں پانی کا انتظام نہیں تھا وہاں جگہ جگہ ٹیوبل اور بورنگ وغیرہ کا انتظام کر کے جنگل

صحراؤں کو گلزار اور غیر زرعی زمینوں کو بھی سرسبز و شاداب بنا دیا گیا ہے۔

وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیہ کی جانب سے ہزاروں یتیم و نادار بچوں کی اور بیوہ عورتوں کی کفالت غریب و نادار طلبہ کے تعلیمی وظائف کا انتظام عالمی پیمانہ پر قائم ہے۔

انفرادی طور پر بھی وہاں کے مشائخ و تجار نے بھی جگہ جگہ اس طرح کی تنظیمیں قائم کر رہی ہیں۔ ہمارے محترم شیخ یوسف جاسم الحجی حفظہ اللہ کا نام بڑے فخر کیا جا سکتا ہے آپ الہیئۃ الخیریۃ لوزیر اور الہیئۃ الاسلامیۃ العالمیۃ ،، کے سرگرم رئیس ہیں اس تنظیم سے ملت اسلامیہ کو بہت فیض پہونچ رہا ہے اسی طرح محترم شیخ طارق عیسیٰ حفظہ اللہ کی خدمات جلیلہ قابل ذکر ہیں جو احیاء التراث الاسلامی کے روح رواں ہیں ان کی ذات عالی سے طرح طرح کے کام اور رفاہی امور ان کے حسن انتظام سے انجام پذیر ہو رہے ہیں۔

اسی طرح ہمارے محترم شیخ عبداللہ المطوع حفظہ اللہ پر ہم فخر کرتے ہیں جن کی ذات عالی سے بہت سارے رفاہی کام پوری دنیا میں انجام پاتے ہیں جس سے خلق خدا مستفیض ہو رہی جن کا نام سنتے ہی فیض وکرم کا چشمہ ابلنے لگتا ہے ان اکابر کے علاوہ صدہا شیوخ اصحاب خیر ہیں جن کی مساعی جمیلہ سے بیوت الزکوۃ اور مختلف ہیأۃ منظمات قائم ہیں جن سے پورا عالم اسلام براعظم ،ایشیا، امریکہ، افریقہ، یورپ کے ممالک پوری طرح سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔

اسی طرح ہمارے محترم شیخ محمد العبد الجمیح ریاض اور صاحب شرکۃ الدولۃ ریاض اور صاحب شرکۃ الراجحی ریاض وغیرہم کے عطیات و تبرعات سے پورا عالم اسلام مستفید و مستفیض ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان تمام مخیر حضرات کی خدمات کو قبول فرمائے اور دین و دنیا میں انہیں بیش بہا اجر و ثواب سے نوازے۔

پاکستان کے اجلہ علماء و فضلاء اپنے تمام اسلامی اداروں جامعات وکلیات اور رفاہی خدمات کے لئے سعودیہ عربیہ اور کویت اور دبئی اور شارجہ وغیرہ سے جس قدر مستفیض ہو رہے ہیں اس کی نظیر کسی اور ملک میں مشکل ہی سے ملے گی۔

اللہ تعالیٰ پاکستان کے علمی و دینی و رفاہی خدمات کو قبول فرمائے اور دونوں طرح کے حضرات کو اس کا بہترین صلہ عطا فرمائے۔

اسی طرح ہمیں اعتراف ہے کہ محسن ملت امیر جماعت محترم مولانا مختار احمد صاحب ندوی سلفی حفظہ اللہ نے سعودیہ عربیہ اور دبئی شارجہ کویت وغیرہ سے اپنا بہت گہرا رابطہ قائم کر رکھا ہے اور منصورہ مالیگاؤں میں جامعہ محمدیہ کے نام ایک معروف و مشہور ادارہ قائم کیا ہے جس کی سر بفلک عمارتیں بہت ہی پر شکوہ اور جاذب نظر ہیں۔

ہندوستان کے مختلف گوشوں میں مدارس و جامعات اور اسپتال کے علاوہ ڈیڑھ پونے دو سو مساجد کی تعمیر و تکمیل کا بہترین فریضہ بھی انجام دیا ہے یہ بہت بڑی حوصلہ مندی اور سعادت کی بات ہے جو ہر عالم و فاضل کے نصیب میں نہیں۔

ع یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

اللہ تعالیٰ مولانا کی مجہودات اور سعی مشکور کو قبول فرمائے اور اصحاب خیر کی خدمات جلیلہ کو بے پایاں انعامات و نوازشات کا باعث بنائے۔

اسی طرح بہار کے ایک فاضل جلیل مولانا محمد لقمان صاحب سلفی ہیں جو خوبی قسمت سے اپنی سعادت ازلی کے سبب ریاض میں محترم شیخ ابن باز حفظہ اللہ کے دار الترجمہ میں اردو انگریزی معروضات کا عربی میں ترجمہ کر کے شیخ کو پیش کرتے ہیں اور غیر ملکی لوگوں سے انگریزی میں گفتگو کر کے اس کا عربی ترجمہ سناتے ہیں آپ کی فصاحت تحریر اور بلاغت قلم کا شیخ ابن باز پر بہت خاص اثر ہے۔

آپ نے بھی اپنے موضع چندن بارا میں ایک مثالی مدرسہ "جامعہ اسلامیہ" کے نام سے کھولا ہے جس کی تعمیرات میں بہت جدت اختیار کی گئی ہے، دور حاضر کے تقاضہ کے مطابق مختلف ہال، درسگاہوں اور اقامت گاہوں کا ایک منظم و مربوط سلسلہ رکھا گیا ہے اور اساتذہ کے تمام رہائشی کمروں میں اٹیچ پاخانے و غسل خانے بنائے گئے ہیں اس جامعہ کے مشاہدہ کی مجھے اب تک تمنا ہے یہ فاضل نوجوان شیخ محترم کے نزدیک بہت ہی معتمد اور امین ثقہ ہیں، تمام عالم اسلام سے ان کا گہرا ربط و تعلق ہے۔

انہیں اثرات و تعلقات کے سبب انہوں نے ریاض جدہ کے امراء کبار، تجار و مشائخ عظام شیخ ابن باز کی توصیات و مکاتب کے ذریعہ بہت اچھا خاصا فیض اپنے جامعہ کے لئے حاصل کیا ہے فللہ الحمد۔ اللہ سے دعا ہے کہ مولانا محترم کی علمی خدمات و مجاہدانہ مساعی کو قبول فرمائے اور

انہیں ان کے ایمانوں کے مطابق پروان چڑھائے اصحاب خیر کی ان خدمات اور نیکیوں کو وجہ مغفرت اور ذریعہ نجات بنائے۔ ساتھ ہی یہ بھی دعا ہے کہ ان تمام اکابر و افاضل کو جن کا ذکر خیر ہوا ہے ان کو فیض رساں اور فیض پاش بھی بنائے اور ان کو یہ توفیق عطا فرمائے کہ ان اداروں کے ساتھ اپنے خصوصی ہمدردی و مساعدت کا برتاؤ رکھیں جو ان اکابر کی طرح برق رفتاری کے ساتھ کام کرنے سے معذور ہیں شیخ سعدی شیرازی کی اپیل ان کے ذہن میں محفوظ رہنی چاہئے سعدی مرحوم لکھتے ہیں۔

۔ جواں مرد خوش خلق بخشندہ باش چوں حق برتو پاشد تو بر خلق پاش

افسوس کی کہ عراق کے مندی و ہٹ دھرم صدر صدام حسین کی کج فہمی رعونت و عداوت سے سعودیہ و کویت وغیرہ کی ساری رونق و آمدنی ختم ہے یہ سارے فیوض و برکات اور رفاہی امور کے چشمے و سوتے سوکھ گئے ہیں اللہ تعالیٰ اس نالائق کو کیفر کردار تک پہونچائے اور کویت کے باغ بہار اور فیوض و حسنات کو پہلے کی طرح جاری ساری کر دے کویت بازیابی اور اس کی حریت سے نیز محترم امیر کویت شیخ جابر بن احمد الصباح حفظہ اللہ کے حسن انتظام اور نیک مزاجی سے اس کی بڑی امید ہے

آج ہمارے یوپی و سی پی بہار وغیرہ میں ان اوقاف اور رفاہی خدمات کی نظیریں نہیں ملتی ہیں اللہ تعالیٰ ہمارے امراء و تجار کو بھی اس کی توفیق بخشے۔

نیپال میں ایک صاحب خیر کا عظیم وقف

یادش بخیر: ہمارے والد محترم الحاج نعمت اللہ خاں مرحوم نے بھی نیپال میں اپنی جائداد کا ایک بہت بڑا حصہ یعنی موضع سونپور میں ۷۰۰ بیگھہ مزروعہ آراضی للہ فی اللہ وقف کر کے عہد سلف کی پیروی کا حق ادا کیا ہے اس سات سو بیگھہ میں نصف زمین پر پہلے سے اسامی قابض تھے اور وہی لوگ کاشت کاری کر کے ایک پختہ بیگھہ پر گیارہ من غلہ دینے کا وعدہ کر چکے ہیں اور انہیں کے نام سے آراضی کا اندراج بھی ہے اور سرکاری سطح پر اس کی منظوری ہو چکی ہے الحمد للہ سونپور کی آمدنی، غلہ، جات، گیہوں اور چاول کے ذریعہ سوا سو طلبہ کے خورد و نوش کی کفالت ہو جاتی ہے سونپور کا یہ وقف آج جامعہ سراج العلوم السلفیہ کے لئے ایک عظیم سرمایہ اور خاص آمدنی کا ذریعہ ہے اور والد مرحوم مرد حق آگاہ کی یہ عظیم قربانی اور زندہ پائندہ یادگار ہے۔

اللہ تعالیٰ اس منبع فیض کو برابر جاری وساری رکھے اور ان کی قبر کو نور سے معمور فرمائے اور ان کی اولاد واخلاف کو بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

میں نے بحمد للہ اس موقوفہ جائداد اور سونپور کو سنبھالا اور اب ماشاء اللہ اس ترقی کے دور میں اس کی پوری طرح آبادکاری ہوگئی ہے اور یہ سونپور فارم حسن وخوبی کے ساتھ اپنی تمام وسائل کے ذریعہ چل رہا ہے۔

مدرسہ میں تعلیم وتربیت کے کاموں میں بھی پہلے سے بہت زیادہ ترقی ہوچکی ہے یعنی پہلے جماعت رابعہ ہی تک تعلیم ہوتی تھی اب ماشاء اللہ آٹھویں جماعت تک ٹھوس تعلیم ہوتی ہے اور سند فراغت دی جاتی ہے خدا کا شکر ہے آٹھویں جماعت تک کے طلبہ معقول تعداد میں فارغ ہوکر سعودیہ عربیہ کے جامعات میں داخلہ حاصل کررہے ہیں درجہ حفظ میں بھی ۲۰/۲۵ طلبہ داخل ہیں۔

اور دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں ہمارے مدرسین ودعاۃ ہر جمعہ کو نیپال کے مختلف مقامات میں جاتے ہیں اور وعظ وتبلیغ کا فریضہ بھی انجام دیتے ہیں تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی علمی وتبلیغی مؤلفات ادارہ سے شائع ہوکر نیپال وہندوستان کے اکثر مقامات تک پہونچ چکی ہیں۔

تعمیر کے سلسلہ میں مسجد سراج العلوم جھنڈانگر بڑھتی ہوئی آبادی اور طلبہ واساتذہ کی کثرت کے پیش نظر دومنزلہ کردی گئی ہے جس کی شدید حاجت تھی اس مشروع میں سعودیہ عربیہ کے ملک فہد المعظم حفظہ اللہ کی معقول اعانت حاصل رہی۔ فجزاھم اللہ۔

اور اسی طرح مدرسہ کے لئے مختلف جائدادیں خریدی گئیں اور ان پر تعمیرات ہوئیں یہ تعمیرات ملک وبیرون ملک کے اصحاب خیر کے تعاون سے پایہ تکمیل کو پہونچی ہیں اور سب سے بڑی تعمیری خدمت مدرسہ نسواں کی ہے جو عائشہ صدیقہ کے نام سے کھولا گیا ہے مسلمان بچیوں کی تعلیم وتربیت کے لئے اس طبقہ میں کوئی معقول ادارہ نہیں تھا اس ادارہ کی شدید حاجت تھی ایک خطیر رقم کی لاگت سے اس ادارہ کی تعمیر ہوئی ہے اور اس میں تعلیمی سلسلہ شروع ہوچکا ہے، ۵ معلمات اور ۳ معلم اساتذہ کی خدمات حاصل ہیں۔

ہمارے پاس تعمیری منصوبے اور پروگرام ہماری استطاعت سے زائد ہیں حاجات وضروریات کے مطابق ہمیں حوصلہ مندانہ مساعدت نہیں مل رہی ہے، ہم پر شیخ سعدی علیہ الرحمہ کا یہ شعر صادق ہے

۵ یکے را کرم بود قوت نہ بود ۔ کفافش بقدر مروت نہ بود

یعنی ایک شخص کے پاس جذبہ خیر تو تھا مگر اس کے تکمیل کی وسعت نہیں تھی ٹھیک اسی طرح مجھ ضعیف وناتواں کا بھی حال ہے حوصلے و پروگرام تو بہت ہیں مگر ان کے مطابق ہمیں ذرائع ووسائل حاصل نہیں ہیں ۔

ہمارے ہندوستان میں دو تین اجلہ علماء وفضلاء ایسے ہیں جنکی رسائی ہمہ گیر عالمی پیمانہ پر ہے اگر وہ کسی نہج سے ہمارے ساتھ تعاون کا ہاتھ بڑھائیں اور اپنے بے پایاں الطاف وعنایات سے ہمارے ادارہ اور اسکی ضروریات ومشروعات کو بھی یاد رکھیں ۔ اپنے وقیع اور قیمتی مشوروں کو اخلاص ومحبت سے پیش کرتے رہیں تو ہم اس ضعیف العمری میں بھی اپنے تمام منصوبوں کو حوصلہ کے مطابق عملی جامہ پہنا سکتے ہیں ۔ اللہ نہ کرے اگر میں زندہ نہ رہا تو بھی یہ ادارہ اپنے جملہ منصوبوں کے ساتھ انشاء اللہ باقی رہے گا ۔

اور ہماری یہ مشروعات اپنی تکمیل کیلئے اپنے ان محسنین کرام سے توجہات عالیہ کی طالب رہیگی اللہ تعالیٰ ان حضرات کو حسن توفیق سے نوازے ۔ وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْز ۔

ہمت عالی کی بات تو یہ ہے کہ دوسروں کو بھی اپنی دولت ونعمت سے فیض پہونچایا جائے شاعر نے جذبہ خیر کو عام کرنے کے لئے ان لفظوں میں متوجہ کیا ہے ۔

دور دستاں را باحساں یاد کردن ہمت ست + ورنہ ہر نخلے بہ پائے خود ثمر می افگند

منتظر کرم

ناچیز دعاگو خادم ۔ طالب دعا عبد الرؤف رحمانی

ناظم مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر (نیپال)

بقیہ صلا کا

نفیرًا ۔ اور تمہیں مال اور اولاد سے مدد دی اور تمہاری تعداد پہلے سے بڑھادی ۔

انسان اگر اپنے خالق کو پہچانے اور اس کی شکر گزاری میں لگا رہے تو اس کی نصرت ومدد سدا اس کے ساتھ رہے گی ۔ یہ اللہ کا دعویٰ ہے ۔

عصر حاضر میں جہاد کی اہمیت اور ضرورت

ابن ضیاء سلفی۔ جامعہ محمدیہ نصرۃ الاسلام۔ بھیکم پور

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

پوری دنیا میں اس وقت جو صورت حال ہے اور متبع کتاب وسنت اور موحد مسلمانوں کے ساتھ خصوصاً اور عموماً تمام مسلمانوں کو جو خطرہ درپیش ہے اس کے پیش نظر امت مسلمہ پر یہ اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے دین وایمان جان ومال، عزت وآبرو کی حفاظت کی خاطر اعداء اسلام اور باطل قوتوں کے مقابلہ میں صف آرا ہو جائیں تاکہ ان کا دین وایمان، جان ومال اور عزت وآبرو محفوظ ہو سکے کیونکہ اسی صورت میں وہ دشمن عناصر کے شر سے محفوظ رہ سکتے ہیں جیساکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا۔

النساء آیت ۸۴۔

اے نبیؐ! تو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا رہ تجھے صرف تیری ذات کی نسبت حکم دیا جاتا ہے ہاں ایمان والوں کو رغبت دلاتا رہ بہت ممکن ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی جنگ کو روک دے خدائے تعالیٰ سخت لڑائی والا ہے اور سزا میں بھی سخت ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد کرنے، اور مسلمانوں کو جہاد کرنے کی ترغیب دینے کا حکم ہو رہا ہے کیونکہ اسی صورت میں دشمنان اسلام کی ایذاء رسانیوں سے بچایا جاسکتا ہے۔ انسانی روپ اور شکل وصورت میں وحشی خونخوار اور موذی درندوں کی یورش اور یلغار سے بچنے کا یہی طریقہ سمجھ میں آتا ہے کہ امت مسلمہ کا ہر ہر فرد اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے دین وایمان، عزت وآبرو جان، ومال کی حفاظت کا بیڑا اٹھائے۔

سیاسی مفکرین نے ملک اور اہل ملک کو انگریزوں کے چنگل اور ان کی غلامی سے

نجات محض اس لئے دلائی تھی کہ اہل وطن اور ملک کے باشندے امن و اماں اور چین و سکون کی زندگی گزار سکیں لیکن جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ آزادی کے بیالیس سالہ دور میں ملک ہندوستان میں مسلمانوں کو قطعی طور پر یہ مقصد حاصل نہیں ہوا لہٰذا ہم اپنے حقوق اور اس عظیم مقصد کے حصول کے خاطر احکام ربانی پر عمل کرتے ہوئے جہاد کے لئے مستعد اور تیار ہو جائیں۔

مسلمانو! کیا ہمارا وجود اس لئے نہیں ہوا تھا کہ ہم مذہب اسلام کی ترقی کے لئے کوشاں رہیں کیا ہمارا وجود ماں بہنوں اور بیٹیوں کی عصمت و عزت کی حفاظت کی خاطر نہیں ہوا تھا کیا ہم اسی لئے پیدا ہوئے کہ مسلم خواتین اغیار کے ظلم و تشدد سے تنگ آکر ہم سے فریاد رسی کریں اور ہم خاموش تماشائی بنے رہیں اگر ہماری یہی حالت رہی تو وہ دن دور نہیں کہ ہمارے ساتھ وہی برتاؤ ہو جو اندلس کے مسلمانوں کے ساتھ ہوا تھا۔

مسلمانو! ہمارا فرض ہے کہ ہم متحد و متفق ہو کر نہ صرف ملک ہندوستان میں بلکہ شرقاً وغرباً شمالاً وجنوباً پورے عالم میں امن و امان کی فضا پیدا کریں تاکہ اس پر سکون ماحول میں مسلم وغیر مسلم اطمینان کی سانس لے سکیں ہم ابتداء اسلام کے حالات نیز مکی اور مدنی زندگی کو ذہن میں رکھتے ہوئے قیام امن کے لئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے ادوار کی نفاذ کے لئے اللہ جل وشانہٗ اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں وہ سب کچھ کریں جو ہمارے اسلاف نے کیا تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاِنْ نَّکَثُوْٓا اَیْمَانَھُمْ مِّنْ بَعْدِ عَھْدِھِمْ وَطَعَنُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْکُفْرِ اِنَّھُمْ لَآ اَیْمَانَ لَھُمْ لَعَلَّھُمْ یَنْتَھُوْنَ ۝ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّکَثُوْٓا اَیْمَانَھُمْ وَھَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَھُمْ بَدَءُوْکُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ اَتَخْشَوْنَھُمْ فَاللّٰہُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْہُ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ قَاتِلُوْھُمْ یُعَذِّبْھُمُ اللّٰہُ بِاَیْدِیْکُمْ وَیُخْزِھِمْ وَیَنْصُرْکُمْ عَلَیْھِمْ وَیَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ وَیُذْھِبْ غَیْظَ قُلُوْبِھِمْ ۝

اور یہ لوگ عہد و پیماں کے بعد بھی اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعنہ کریں تو تم بھی ان سرداران کفر سے بھڑ جاؤ ان کی قسمیں کوئی چیز نہیں ممکن ہے کہ اس طرح وہ بھی باز آجائیں۔ تم ان لوگوں کی سرکوبی کے لئے کیوں تیار نہیں ہوتے جو اپنی قسموں کو توڑ دیتے ہیں اور پیغمبر کو جلا وطن کرنے کی فکر میں رہیں اور خود ہی اول بار تم سے چھیڑ کریں۔

وَیَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ

سورۃ التوبہ آیت ۱۲ تا ۱۵

اور تم ان سے ڈرتے ہو اللہ ہی سے زیادہ مستحق ہے کہ تم اس کا ڈر رکھو بشرطیکہ تم ایماندار ہو تم ان سے جنگ کرو اللہ تعالیٰ انہیں تمہارے ہاتھوں عذاب دیگا اور انہیں ذلیل و رسوا کریگا ان کو بمدد دیگا اور مسلمانوں کے کلیجے ٹھنڈے کرے گا۔ اور ان کے دل کا غم و غصہ دور کردیگا اور جس کی طرف چاہے رحمت سے توجہ فرمائے۔ اللہ جانتا بوجھتا حکمت والا ہے۔

اگر یہ مشرک ان قسموں کو توڑ کر وعدہ خلافی اور عہد شکنی کریں اور تمہارے دین پر اعتراض کرنے لگیں تو تم ان کفر کے سروں کو توڑ مروڑ دو۔ اسی لئے علماء نے کہا ہے کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دے۔ دین میں عیب جوئی کرے اس کا ذکر اہانت کے ساتھ کرے اسے قتل کردیا جائے ان کی قسمیں محض بے اعتبار ہیں یہی طریقہ ان کے کفر و عناد سے روکنے کا ہے۔ بعینہٖ یہی صورت حال آج کے اس پرفتن دور میں پیدا ہوگئی ہے۔ ہمارے دینی مقدس مقامات غیر محفوظ ہوگئے ہیں دین کی توہین کی جارہی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کی جارہی ہیں قرآن کریم کے متعلق انتہائی نازیبا اور غیر مناسب باتیں کہی جارہی ہیں۔ نیز ہندوستان چھوڑ دینے کے نعرے لگائے جارہے ہیں مسلمانوں کو ہندوستان میں رہنے کا حق تبدیل مذہب اور خود تراشیدہ ہوئے معبودان باطلہ کے سامنے جھکنے کی صورت میں ہو سکتا ہے۔ اور وہ تمام غیر مناسب باتیں کہی جارہی ہیں جو شروع اسلام میں اسلام اور قرآن کریم نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہی جاتی تھیں اتنے بڑا چیلنج کئے جانے کے باوجود اگر مسلمان جہاد فی سبیل اللہ کے لئے مستعد نہ ہوں تو اس آیت قرآنی کے مصداق ہوگئے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِیْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مِنَ

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ چلو اللہ کی راہ میں کوچ کرو تو تم زمین سے چمٹے جاتے ہو کیا تم آخرت کے

الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

(سورہ توبہ ، ۳۸، ۳۹)

عوض دنیا کی زندگی پر ہی ریجھ گئے ہو۔ سو زندگانی دنیا تو آخرت کے مقابلے میں کچھ یونہی سی ہے۔ اگر تم نے کوچ نہ کیا تو تمہیں اللہ تعالیٰ دردناک سزا دیگا اور تمہارے سوا اور لوگوں کو بدل لائے گا۔ تم اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

امت مسلمہ کو اللہ تعالیٰ کے اس وعید سے ڈرنا چاہئے بجائے اس کے کہ باطل طاقتوں سے مرعوب ہوں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا خوف اپنے قلوب میں پیدا کرنا چاہئے اور احکام خداوندی پر عمل کرتے ہوئے پوری دنیا کو بتا دیں کہ ہم طاغوتی طاقتوں سے اب بھی برسر پیکار ہونے کی قوت رکھتے ہیں ہم غیروں کے مقابلے میں سخت ہیں جیسا کہ ارشاد ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً وَّاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ سورۃ التوبہ ، آیت ۱۲۳

اے ایمان والو! ان کفار سے لڑو جو تمہارے آس پاس ہیں اور ان کو تمہارے اندر سختی پانا چاہئے اور یہ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کے ساتھ ہے۔

تمام اسلام دشمن ایک خفیہ منصوبے اور پلان کی تحت منظم اور متحد ہو کر اسلام اور مسلمانوں کے وجود کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتے ہیں کیا یہ حیرت انگیز اور تعجب خیز امر امت مسلمہ کے لئے نہیں ہے؟ یقیناً ہے اس وقت مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیشین گوئی یاد آرہی ہے جس کو امام ابوداؤد نے سنن ابی داؤد میں ذکر کیا ہے۔

عن ثوبان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يوشك الامم ان تداعى عليكم كما تداعى الاكلة الى قصعتها فقال قائل ومن قلة نحن يومئذ قال بل انتم يومئذ كثير

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریب ہے کہ اور امتیں پے درپے آویں گی تمہارے اوپر جیسے کھانے والے دسترخوان پر آتے ہیں ایک شخص نے کہا کہ ہم لوگ شاید

ولکنکم غثاء کغثاء السیل ولینزعن اللّٰہ من صدور عدوکم المھابۃ منکم ولیقذفن اللّٰہ فی قلوبکم الوھن فقال قائل یا رسول وما الوھن قال حب الدنیا وکراھیۃ الموت۔ (ابوداؤد کتاب الملاحم باب فی تداعی الامم علی الاسلام)

اس زمانے میں کم ہو گئے آپ نے فرمایا نہیں تم اس زمانے میں بہت ہو گے لیکن تم ایسے ہو گے جیسے دریا کے پانی کا جھین ہوتا ہے (پانی اور کوڑے کا) اللہ تمہاری ہیبت کو تمہارے دشمنوں کے دلوں سے نکال دے گا، اور تمہارے دلوں میں سستی ڈال دیگا، ایک شخص بولا یا رسول اللہ سستی کیوں ڈال دے گا۔ آپ نے فرمایا دنیا کی الفت سے موت کی خوف سے۔

یہ حدیث بالکل اس زمانے کے موافق ہے مسلمان بہت ہیں لیکن سب بیکار کسی کے دل میں حمیت اور غیرت دین وقوم نہیں پائی جاتی اِلاماشاءاللہ بہت اچھا ہوگا اگر ایک حدیث جہاد کی فضیلت اور ثواب کے متعلق ذکر کرتا چلوں۔

عن ابی سعید عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم انہ سئل ای المومنین اکمل ایمانا قال رجل یجاھد فی سبیل اللّٰہ بنفسہ ومالہ ورجل یعبد اللّٰہ فی شعب من الشعاب قد کفی الناس من شرہ۔ (ابوداؤد۔ باب فی ثواب الجہاد)

ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کس مومن کا ایمان کامل ہے آپ نے فرمایا اس شخص کا جو اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرتا ہے۔ اور اس شخص کا ایمان کامل ہے جو کسی پہاڑ کی کھائی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے کسی شخص کو اس سے برائی نہیں پہونچی۔

حدیث رسول سے واضح ہوگیا کہ کامل مومن مجاہد فی سبیل اللہ ہوتا ہے امت محمدیہ پر جہاد کرنا فرض ہے۔ جہاد کی اہمیت کا اندازہ آپ اس سے لگائیں کہ اللہ جل ذکرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنفس نفیس جہاد کرنے کا حکم دیتا ہے اور تمام مومنین کو جہاد پر ابھارنے کا حکم دیتا ہے۔

جہاد نہ کرنے والا منافق کی موت مرتا ہے اور دنیا و آخرت میں عذاب الٰہی کا مستحق ہوتا ہے۔ آئیے بغور حدیث نبوی کا مطالعہ کریں کہ ترک جہاد پر کس قدر مذمت اور کتنی شدید وعید

وارد ہوئی ہے۔

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من مات و لم یغز و لم یحدث نفسہ بغزو مات علی شعبۃ من نفاق۔

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مر گیا اس طرح کہ نہ اس نے کبھی جہاد کیا اور نہ کبھی اس نے راہ اللہ میں لڑنے کی نیت کی اپنے دل میں تو وہ منافق کے وطیرے پر مرا۔

عن ابی امامۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من لم یغزوا ویجھز غازیا او یخلف غازیا فی اھلہ بخیر اصابہ اللہ بقارعۃ قال یزید بن عبد ربہ فی حدیثہ قبل یوم القیامۃ۔

(سنن ابی داؤد۔ باب کراھیۃ ترک الغزو)

ابوامامہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے جہاد نہیں کیا یا کسی غازی کی نیابت بھی نہ کی یعنی اس کے پیچھے اس کے گھر والوں کی خبرگیری بھلائی کے ساتھ نہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کو کوئی سخت مصیبت پہونچادیگا قیامت سے پہلے (دنیا میں) اور آخرت میں سخت عذاب ہے

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اعلاءِ کلمۃ اللہ کی خاطر جہاد کرنے کی توفیق دے۔

اللھم ارزقنا شھادۃ فی سبیلک واجعل موتنا فی بلد رسولک صلی اللہ علیہ وسلم۔ آمین۔ تقبل یارب العالمین۔ ●

بقیہ ص۲۲ کا

سے گھر کا انتظام کرنا بیوی کا کام ہے۔ "المرأۃ راعیۃ علی بیت زوجہا وھی مسئولۃ" عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگراں ہے اس سلسلے میں اس سے پوچھا جائے گا۔ قانون اسلامی میں اسے گھر کے اندر رہنے کو پسند کیا گیا ہے اس لئے اسے محرم کے بغیر سفر کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ ابوداؤد کی روایت ہے نبیؐ نے فرمایا "لا یحل لامرأۃ مسلمۃ تسافر مسیرۃ لیلۃ الا ومعہا رجل ذو حرمۃ منہا"۔ مرد کو نکاح میں آزادی حاصل ہے کہ وہ مسلمان یا کتابیہ عورتوں میں سے جس سے چاہے شادی کر سکتا ہے لیکن عورت کسی غیر مسلم سے نکاح نہیں کر سکتی۔ ●

مسلم خاتون۔ اسلامی سماجی زندگی میں

اشفاق احمد خان سلفی۔ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ۔

آج تک دنیا میں سب سے پیچیدہ مسئلہ یہ رہا ہے کہ مرد و عورت کے درمیان تعلق کی نوعیت کس طرح ہو؟ اس لئے کہ یہی وہ بنیاد ہے جس پر انسانی معاشرت و تمدن کی عمارت کھڑی ہے۔ اس سلسلے میں اسلامی نقطۂ نظر کو سمجھنے سے پہلے دیگر افکار و نظریات و تجربات کا جائزہ لیں

جب ہماری نگاہ تاریخ پر پڑتی ہے تو افراط و تفریط کی کھینچ تان کا عجیب منظر نظر آتا ہے ایک طرف ہم دیکھتے ہیں کہ "عورت جو ماں کی حیثیت سے آدمی کو جنم دیتی ہے اور بیوی کی حیثیت سے زندگی کے نشیب و فراز میں مرد کے ہمسایہ رہتی ہے" خریدی اور بیچی جاتی ہے اس کی شخصیت کو گناہ کا مجسمہ سمجھ کر نشو و نما پانے کا کوئی موقع نہیں دیا جاتا دوسری طرف وہی عورت اٹھائی اور ابھاری جاتی ہے اور اس کے ابھرنے کے ساتھ انسانیت کے گرنے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس میں ایک انتہائی کمی کو تفریط اور دوسرے انتہائی زیادتی کو افراط کہتے ہیں۔ تاریخ کا پس منظر ہمیں عورت کی پستی اور فواحش کے ساتھ اس کے اٹھان کو بتلاتا ہے۔ مثال کے طور پر قدیم اقوام میں یونان کی تہذیب سب سے زیادہ روشن نظر آتی ہے۔ لیکن ان کے یہاں عورت کو تمام مصائب کا موجب قرار دیا گیا تھا ان کے حسن پرستی نے شہوت کی آگ اس قدر بھڑکا دی تھی کہ زنا مقدس مذہبی فعل کے مرتبہ تک پہونچ گیا دوسرے نمبر پر ترقی یافتہ قوم اہل روم تھے کبھی یہ وحشت کی اتنی پستی میں چلے گئے کہ مرد سردار ہے اور وہ بسا اوقات بیوی کے قتل کا بھی مجاز ہے۔ لیکن تہذیب و تمدن کی ترقی کے ساتھ بے حیائی اور عریانیت کا دور دورہ ہوا تو زنا کو ایک معمولی چیز سمجھنے لگے ______ اسکے بعد یورپ کی اس اخلاقی پستی کے علاج کے لئے مسیحیت آپہونچی انہوں نے ایسے نظریات پیش کئے جو فطرت انسانی سے سیدھے متصادم تھے عورت کو تمام برائیوں کا جڑ بتلاتے تھے۔ ان کا دوسرا خیال یہ تھا کہ عورت مرد کا جنسی تعلق بجائے خود ایک نجاست اور قابل احتراز چیز ہے خواہ وہ

نکاح کی صورت میں کیوں نہ ہو۔ اس طرح معاشی اعتبار سے عورت کو بے بس کر دیا گیا اور طلاق وخلع کی اجازت میاں بیوی کے درمیان نہیں تھی، انتہائی مجبوری کی حالت میں صرف علیحدہ کر دیتے تھے لیکن نکاح ثانی کی اجازت نہیں تھی پہلی صورت سے بھی بدتر تھا کیونکہ اس میں یا تو دونوں راہب اور راہبہ بن جائیں یا عمر بھر بدکاری کرتے رہیں۔

اس کے بعد یورپ مذہبی غلامی سے آزاد ہو گیا جسے جدید یورپ سے موسوم کرتے ہیں یہاں سے اس کے نشأۃ ثانیہ کا آغاز ہوتا ہے اٹھارہویں صدی سے جو رفتار شروع ہوئی بیسویں صدی تک پہونچتے پہونچتے مغربی معاشرت بے اعتدالی کی دوسری انتہا پر پہونچ گئی، اس نئی مغربی معاشرت کی بنیاد تین چیزوں پر رکھی گئی۔

۱۔ عورتوں اور مردوں کی مساوات

۲۔ عورتوں کا معاشی استقلال

۳۔ دونوں صنفوں کا آزادانہ اختلاط

مساوات کے معنی یہ سمجھ لیجئے کہ تمدنی زندگی میں عورت وہ سب کام کرے جو ایک مرد کر سکتا ہے۔ اسی غلط تصور کی وجہ سے عورت کا صنعتی و تجارتی پیشوں میں مردوں کے ساتھ مقابلے کھیلوں، ورزشوں اور لمبے لمبے چھلانگ میں حصہ لینا کلب، اسٹیم اور تفریحی مشاغل میں شرکت ایک لازمی حصہ بن گئیں۔

معاشی استقلال نے عورت کو شوہر سے بے نیاز کر دیا اور عورت و مرد کے درمیان صرف شہوانی تعلق کے علاوہ کوئی ربط باقی نہیں رہا جو انہیں وابستہ رہنے پر مجبور کرتی ہے۔

دونوں جنسوں کے آزادانہ میل جول نے عورتوں میں حسن کی نمائش بڑھادی۔ مرد وعورت دونوں کے اندر یہ جذبہ ابھرا کہ صنف مقابل کے لئے زیادہ سے زیادہ جاذب نظر بنیں۔ مغربی تہذیب کی اس کیفیت کا نقشہ مولانا مودودی" جو عصری علوم کے ماہر اور دانشور تھے،، نے اپنے الفاظ میں یوں کھینچا ہے۔ صنف مقابل کے لئے مقناطیس بننے کی خواہش عورت میں اتنی بڑھ گئی ہے اور بڑھتی چلی جاتی ہے کہ شوخ و تنگ لباسوں غازوں اور بناؤ سنگھار کے نت نئے سامانوں سے اس کی تسکین نہیں ہوتی بے چاری تنگ آ کر اپنے کپڑوں سے باہر نکل پڑتی ہے یہاں تک کہ تارنگ

لگا نہیں رہنے دیتی ادھر مردوں کی طرف سے ہر وقت "وصل بن تمیزیہ" کا تقاضہ ہے کیونکہ جذبات میں جو آگ لگی ہے وہ حسن کی بے حجابی پر تھمتی نہیں بلکہ اور زیادہ بھڑکتی ہے اور مزید بے حجابی کا مطالبہ کرتی ہے حد سے بڑھی ہوئی "شہوانی پیاس" سے بے تاب ہے چاہے ہر ممکن طریقے سے اس کی تسکین کا سامان بہم پہونچاتے ہو۔ یہ ننگی تصویریں عشق و محبت کے افسانے ولٹریچر عریاں رقص، جذبات شہوانی سے بھرے ہوئے فلم سب اس آگ کو بجھانے اور بھڑکانے کے سامان جو اس غلط معاشرت نے ہر سینے میں لگا رکھی ہے اور اپنی اس کمزوری کو چھپانے کے لئے اس کا نام انہوں نے رکھا ہے آرٹ اور ذوق جمال"۔

یہ وہ خیالات ہیں جس کی تصویر کشی آج سے تقریباً نصف صدی پہلے کی گئی ہے لیکن، آج ہم اپنے ملک و ماحول اور گرد و پیش کا ایمانداری سے اگر تجزیہ کریں تو یہ منظر حرف بحرف صادق آئینگے جس کو ہم نے ترقی یافتہ ADVANCED کے نام سے موسوم کیا ہے۔

افراط و تفریط کی اس کشمکش میں علاج کا راستہ صرف مسلمان کے پاس تھا معاشرتی زندگی میں اسلامی ضابطہ حیات کو عملاً اگر برت کر دکھایا جائے تو اس پر اعتراض تو درکنار مصائب میں مبتلا دنیا "سلامتی" کے اس سرچشمہ کی طرف خود دوڑی چلی آئے گی۔ اب ہر مسلمان جو خدا اور رسول پر ایمان رکھتا ہے اس کو دو کام کرنے ہیں پہلے تمام انسانوں کے سامنے خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم اسلامی نظام معاشرت کی تشریح کرنی ہے۔ پھر دور جدید کے مسلمانوں کے سامنے قرآن وحدیث کے احکام اور پوری تمدن و معاشرت کے بھیانک نتائج ان کے سامنے رکھ دینا ہے۔

اٹھارہویں صدی کے تصور آزادی اور انیسویں صدی کے تغیرات کے نتیجے میں ہر طرف فحشیات کو عام کیا گیا بڑے بڑے نامور آدمیوں نے نوجوانوں میں جرأت رندانہ پیدا کی بیسویں صدی میں کیسے کیسے شاہباز فضا میں نمودار ہوئے ۱۹۰۸ء میں PIERREWOLF کے ڈرامہ میں ایک بوڑھا باپ اپنی صاحبزادی کو ناجائز تعلقات پر ملامت کرتا تو اس کے جواب میں کہتی ہے۔ میں تمہیں کیسے سمجھاؤں کسی شخص کو کسی لڑکی سے خواہ اس کی بہن ہو یا بیٹی یہ مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے کہ وہ محبت کئے بغیر بوڑھی ہو جائے جب اس طرح کی سوچ پروان چڑھنے لگی تو اخلاقی زوال اور فواحش کی کثرت ہو گئی۔ قحبہ گری ایک منظم پیشہ بن گیا، جنگ عظیم کے زمانہ میں جن محب وطن

خواتین کو سرزمین فرانس کی حفاظت کرنے والے بہادروں سے ناجائز تعلقات کے نتیجہ میں بے باپ کے بچے مل گئے تھے۔ انہیں UNWEDDED MOTHERS کا معزز لقب عطا ہوا۔ ابھی جنگ خلیج میں عراق سے برسرپیکار امریکی فوجیوں کے ساتھ کس قدر نیم عریاں دوشیزاؤں کو سرزمین عرب پر لایا گیا اور انہیں ٹیلیویژن وغیرہ پر دیکھا یا گیا یہ بیسویں صدی کا منتہائے کمال ہے جب عورت مشین گن کو اپنی باہوں میں لٹکائے چست و چابک لباس پہنے اور وہ بھی جسم کے صرف نصف حصہ پر۔ امریکہ میں منع حمل کی معلومات قانونی بندشوں کے باوجود ہر جوان لڑکے لڑکی کو حاصل ہیں، کنواری لڑکیاں ان تدابیر کو اس لئے استعمال کرتی ہیں کہ ان کی آزادی میں فرق نہ آئے شادی شدہ اس لئے کہ وہ بچہ کی پیدائش سے بچی رہیں۔ اسلامی پردہ کی جو لوگ مخالفت کرتے ہیں ان کے سامنے زندگی کا یہی نقشہ ہے۔ یہ لوگ اپنے ضابطۂ اخلاق بنانے کے لئے آزاد ہیں لیکن مسلمان جو اپنے کو قادر مطلق کے بنائے ہوئے قوانین کا پابند سمجھتا ہے اس کو ایک صالح اور پاکیزہ تمدن کی ضرورت ہے جس میں اخلاق فاضلہ پرورش پا سکیں۔

مذہب اسلام نے مرد و عورت کے درمیان جو تفریق کی ہے وہ ٹھیک اس کی فطری ساخت کے مطابق ہے۔ جس فطرت پر قدرت نے مرد و عورت کو پیدا کیا ہے۔ فطرت نے مرد و عورت کے اندر صنفی محبت اور جذب کا ایک زبردست داعیہ رکھا ہے ان کے جسم کی ساخت تناسب رنگ و روپ اس کے لمس اور ہر جزو میں صنف مقابل کے لئے کشش پیدا کر دی ہے اور گرد و پیش میں ایسے اسباب بھی پھیلا دیئے ہیں باد نسیم کے جھونکے پانی کی روانی پرندوں کے گیت جاں نواز ایں غرض حسن کائنات کا ہر مظہر اس تحریک کا سبب بنتا ہے۔

نظام جسمانی میں GLANDS غدود اعضاء کو HORMONES پہونچانے میں جو عمل کی طاقت پیدا کرتے ہیں کیا یہ صرف لذت اور لطف اندوزی کے لئے ہیں؟ نہیں بلکہ ایک بڑے مقصد کی خدمت پر انسان کو مجبور کرنے کے لئے اس لذت کو تو صرف چاشنی کے طور پر استعمال کیا ہے۔ تاکہ یہ خدمت اپنا سمجھ کر کریں۔ ایک دائمی معیت اور قلبی وابستگی جس سے اجتماعی زندگی کا آغاز ہو۔ ایک بہترین معاشرہ کی تشکیل کے لئے مرد و عورت کے درمیان معتدل رابطے کی ضرورت ہے۔ ان میں پہلی چیز صنفی خواہش کی تعدیل و اصلاح REGULATION OF SEXUAL ATTRACTION

صنفی تعلق کے تمام محرکات لذیذ ہیں اس میں حد سے زیادہ منہمک ہونا اور غیر معتدل شہوانیت کا نتیجہ سوائے تباہی کے کچھ نہیں اسی طرح صنفی میلان کا حد اعتدال سے زیادہ کچلنا اور دبانا بھی نقصان دہ ہے۔ بلکہ صنفی رجحان ان دونوں راستوں سے ہٹا کر ایک متوسط اور درمیانی راہ پہ لگانا معاشرہ کا فریضہ ہے اب ایک ایسے نظام کی ضرورت جو غیر معتدل محرکات کے تمام اسباب کو روک دے اور ہیجانات کی اقتضاء کے لئے ایسا طریقہ متعین کرے جو فطرت کی منشاء کے مطابق ہو۔

دوسری چیز خاندان کی بقا اور تاسیس ہے یہ صرف مذہب کا معجزہ ہے جو مرد و عورت دونوں کو نوع اور تمدن کی قربانی پر آمادہ کرتا ہے کیونکہ شہوانیت کا جذبہ صرف وقتی لطف اندوزی کے لئے ابھارتا ہے۔ فطری تقاضے کی تسکین کے لئے فطرت صرف یہی چاہتی ہے کہ دونوں صنف میں نکاح کے ذریعہ مکمل وابستگی ہو اور خاندانی نظام کی بنیاد پڑے، معاشرہ کی صحیح تشکیل کے لئے تیسری چیز صنفی آوارگی کا سد باب ہے۔ نکاح سے باہر ایک مرد اور ایک عورت باہم ملکر ایک پوشیدہ مقام پر سب سے الگ جو لطف اٹھاتے ہیں اس کا اثر صرف اس کی سوسائٹی پر ہی نہیں بلکہ پوری انسانیت پر پڑتا ہے۔ اور اس کے اثرات آئندہ نسلوں تک منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ چوتھی چیز صالح تمدن میں ان فواحش کو روکنے کے لئے مناسب تدابیر بھی اختیار کرنا ضروری ہے ایک یہ کہ تعلیم کے ذریعہ عوام کی ذہنیت کی اصلاح کی جائے کہ وہ خود اسے گناہ سمجھیں دوسرے یہ کہ ان اسباب و محرکات کو ختم کیا جائے جو اس جرم پر ابھارنے والی ہو جدید مغربی تمدن نے مساوات کا مطلب یہ نکالا کہ مرد و عورت زندگی کے تمام شعبوں میں یکساں ذمہ داریاں نبھائیں۔

لیکن اگر ہم دونوں صنفوں کے فطری ساخت کا مطالعہ کریں جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا ہے تو یہ معلوم ہوگا کہ فطرت نے دونوں پر ایک ہی خدمت کا بار نہیں ڈالا ہے۔ سائنسی اور طبی تحقیق میں PHYSIOLOGY منافع الاعضاء سے یہ بات ثابت ہے کہ عورت اپنے شکل و صورت ظاہری جسمانی ساخت سے لے کر اندرون کے لئے خلیہ اور انسجہ تک RBC خون کے سرخ ذرات ہموگلوبن HBI لحمیات PROT ہر چیز میں مرد سے مختلف ہے جس وقت رحم UTERUS میں بچے کے اندر SEX FORMATION تخلیق جنسی ہوتی ہے اسی وقت سے دونوں صنفوں کے جسمانی ساخت بالکل مختلف صورت میں ترقی کرتی ہے عورت کا پورا نظام جسمانی اس طور پر بنایا جاتا ہے کہ بچہ جننے اور اس کی پرورش کرنے کیلئے

مستعد ہو اس لئے اسکی PELVIS حامہ اور HIP BONE عظم الورک مرد سے نسبتاً چوڑی ہوتی ہے جنسی زندگی سے سن بلوغ تک اسی طرح پورے جسم کی نشوونما ہوتی ہے بالغ ہونے پر MENS حیض شروع ہوتا ہے جس سے تمام اعضاء کے افعال متاثرہ ہوتے SLOW PULSE RATE سست نبض PRESSURE خفیف مشار الدم کریات دم کی تعداد میں کمی ENDOCRINE غدود اتفاقی TONSIL LYMPHATIC GLAND میں تبدیلی واقع ہوتی ہے ہضم میں اختلال، ذہانت اور خیالات کو مرکوز کرنے کی طاقت کم ہوجاتی ہے حیض کے بعد حمل کا زمانہ عورت پر سخت ہوتا ہے اس زمانے میں کئی مہینے تک نظام عصبی مختل رہتا ہے وضع حمل کے بعد مختلف بیماریوں کے پیدا ہونے کا خطرہ رہتا ہے پھر رضاعت میں جسم کے جوہر خون سے اس کے بچے کے لئے دودھ بنتا ہے اس کے بعد ایک مدت دراز تک بچے کی پرورش، نگہداشت اور تربیت پر تمام تر توجہ صرف کرنی پڑتی ہے اس طرح وہ اپنے خون سے انسانیت کی کھیتی کو سینچتی ہے اور اسے اپنے سینے کی نہروں سے سیراب کرتی ہے۔ ان تمام مصیبتوں کے باوجود اگر اس پر روزی کمانے تجارت و زراعت اور مدافعت وغیرہ کی ذمہ داری ڈالی جاتی ہے تو یہ اس کے ساتھ بہت بڑا ظلم ہے۔ کیونکہ عورت کے اندر انفعالی صفات رکھے گئے ہیں۔ جیسے محبت ہمدردی نزاکت و لچک۔ منع و فرار اور رکاوٹ ہے اس کے اندر جھکنے اور ڈھل جانے کی صلاحیت ہے جبکہ مرد میں شدت، تحکم، سختی و صلابت بے باکی جسارت ہے انسانی زندگی کو تہذیب کے لئے جیسی ضرورت غضب شدت کی ہے اتنی ہی رقت اور نرمی کی جتنی ضرورت اچھے سپہ سالاروں اور مدبروں کی ہے اتنی ہی ضرورت اچھی ماؤں، بیویوں اور اچھی خانہ داروں کی بھی ہے دونوں سے جس کو بھی ساقط کریں گے خود تمدن کو نقصان ہوگا اسلام نے جو نقطہ عدل پیش کیا ہے۔ اس میں کتنی زیادہ SCIENTIFIC APPROACH ہے لیکن آج کے سائنسی دور میں مرد و عورت پر یکساں بوجھ لاد کر خود فطرت کے بنائے ہوئے سائنسی خطوط سے انحراف کیا جارہا ہے اور مزید برآں اسے ترقی اور معراج کا نام دیا جارہا ہے۔ اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ انسان کے بنائے ہوئے قوانین میں کتنی بے رخی اور بے اعتدالی ہے یورپ میں نت نئے تغیرات، کمیونسٹ بلاک میں حیرت انگیز انقلابات، روس میں اصلاحی تحریکیں، دیوار برلن کا انہدام یہ سب اسی قانون کی بدوضعی کی واضح مثالیں ہیں۔

لیکن مذہب اسلام نے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پیشتر جو قوانین مشروع کر دیئے ان کی صحت پر آج تک کوئی حرف نہیں لگا سکا بلکہ روز بروز سائنسی اختراعات مزید اس کی تصدیق کرتے چلے جاتے ہیں مرد و عورت کے درمیان تعلقات کی نوعیت کا مطالعہ قرآن و حدیث کی روشنی میں کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا يَذْرَؤُكُمْ ٥

یہاں زوجی تعلق کا مشترک مقصد یہ بتلایا گیا کہ اس سے تناسل کا سلسلہ جاری رہے میاں بیوی کے درمیان جس قسم کا تعلق انسانی فطرت میں رکھا گیا اس کا تذکرہ یوں ہے۔ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً۔ تخلیق زوجین کا مقصد صرف بقاء تناسل نہیں بلکہ ایک بالاتر مقصد وہ یہ کہ ان کا تعلق صرف شہوانی نہ ہو بلکہ محبت و انس دل کے لگاؤ اور روحوں کا اتصال ہو شریک رنج و راحت ہو، ان کے درمیان ایسی وابستگی ہو جیسے لباس اور جسم میں ہوتی ہے (هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ) اس کے بعد ان سے جو اولاد پیدا ہو ان کے ساتھ بھی گہرا روحانی تعلق ہو اس کے لئے عورت کے اندر حمل و رضاعت وغیرہ کا ایسا انتظام کیا جس سے اس کے رگ رگ میں بچے کی محبت سرایت کر جاتی ہے "حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا" یہ تمام چیزیں انسانی تہذیب کے بنیادیں ہیں جس پر انسانی معاشرہ کا قیام منحصر ہے۔

انسان کے زوجین صنفی کشش اور تناسل کا زبردست داعیہ موجود ہے جو دونوں صنفوں کے تمام افراد کو صنف مقابل کی طرف کھینچتا ہے اسی صنفی میلان کو SEXUAL ANARCHY انتشار سے روک ایک ضابطے کا پابند بنانے کے لئے اللہ نے حدود شرعی مقرر فرمائی اور یہ تنبیہ کر دی کہ اگر ان حدود سے تجاوز کر دیئے تو اپنے آپ کو تباہ کر لوگے "وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ" اس عظیم مقصد کے حصول کے لئے اسلامی قانون سب سے پہلے ان تمام مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے کے لئے حرام کرتا ہے جن کا باہم مل کر رہنا ناگزیر ہے اور اس کے لئے محرمات کا اصول کارفرما ہے جس تذکرہ سورہ نساء میں مثلاً ماں بیٹی، بہن، بھتیجی، بھانجی اور رضائی رشتہ دار وغیرہ اس کے بعد کہا گیا وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ۔ ایسی عورتیں بھی حرام ہیں جو بر وقت کسی دوسرے کی نکاح میں ہوں پھر حرمت زنا کے ذریعہ تمام عورتوں کے ساتھ ہر قسم کے ناجائز صنفی تعلق کو حرام قرار دیا گیا وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا ٥ اس طرح ہر قسم کی پابندی لگا کر صنفی ہیجان کے تمام

راستوں کو بند کر دیا گیا لیکن فطری سرشت کو پورا کرنے کے لئے ایک دروازہ نکاح کی شکل میں کھولا گیا چوری چھپے نہیں بلکہ اعلان اور اظہار کرکے تاکہ معاشرہ کے ہر فرد کو معلوم ہو جائے کہ فلاں مرد فلاں عورت کے لیے ہے "أُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ"۔ یہ اسلام کا عظیم الشان اعتدالی مزاج ہے۔ کہ جو جنسی تعلق نکاح سے باہر حرام تھا دائرہ نکاح کے اندر بہتر اور باعث ثواب بن جاتا ہے یہانتک کہ اگر بیوی شوہر سے جائز خواہشات کی تکمیل سے بچنے کے لیے نفل روزہ یا نفل نماز میں مشغول ہو جائے تو الٹی گنہگار ہوگی اسی لئے اس میں شوہر کی اجازت لازمی ہے۔ لا تصوم المرأة وبعلها شاهدًا الا باذنه (بخاری) ایک دوسری روایت میں ہے "إِذَا بَاتَتِ الْمَرْأَةُ مُهَاجِرَةً فِرَاشَ زَوْجِهَا لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتَّىٰ تَرْجِعَ" ترمذی میں ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا۔ اذا رأی احدکم امرأة فاعجبته فلیات اہله فان معها مثل الذی معها، جب کوئی شخص کسی عورت کو دیکھے اور وہ پسند آئے تو اپنی بیوی کے پاس چلا جائے کیونکہ وہی چیز اس کے پاس بھی ہے۔ ان تمام حکیمانہ ہدایات کا مقصد تمام دروازوں کو بند کرکے دائرۂ ازدواج اندر اپنی مجتمع قوت CENSERVALADEUERGY کے ذریعہ تمدنی خدمات کی انجام دہی ہے اسی سے ازدواج فطرت انسانی کے منشاء اور اسلامی قانون کے مقصد کو پورا کرتا ہے اور نکاح سے پرہیز دو برائیوں میں سے ایک برائی کا ضرور حامل ہوگا یا تو انسان قانون فطرت کے منشاء کو نہیں پورا کرے گا۔ یا اقتضائے طبیعت سے مجبور ہو کر غلط طریقوں سے اپنے خواہشات پوری کرے گا۔

خاندان کی تخلیق کے لئے دونوں صنفوں میں جس حد تک مساوات ہو سکتی تھی اسلام نے اس کو قائم کر دیا۔ انسان ہونے کی حیثیت سے جیسے حقوق مرد کے ہیں ویسے عورت کا بھی ہے۔ "لهن مثل الذی علیهن" لیکن زوج فاعل ہونے کی حیثیت سے ذاتی غلبہ اور تقدم جو مرد کو حاصل ہے وہ پورے انصاف کے ساتھ مرد کو دے دیا ہے۔ "وللرجال علیهن درجة" مرد خاندان کا قوام اور محافظ ہے "الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ"۔ حدیث میں ہے "الرجل راع علی اهله وهو مسئول عن رعیته" مرد اپنے بال بچوں پر نگراں ہے اور ان کے بارے میں اللہ کے سامنے جواب دہ ہے۔

خاندان کی تنظیم میں عورت کو گھر کا ملکہ بنایا گیا مال کمانے کی ذمہ داری شوہر پر اور مال

بقیہ ص ۴۳ پر

تکلف برطرف

فضل اللہ انصاری

دنیا دن بدن رنگین ہوتی جارہی ہے۔ وہ اپنی آرائش وزیبائش اور بناؤ سنگھار کا ہر طریقہ کارا پنارہی ہے۔ ہر آن وہ خوب سے خوب تر اور حسین سے حسین ترین کے جلوہ گر ہو رہی ہے قدامت پر کوئی چیز اپنا رنگ وجمال اور ہر خوبی و کمال کھودیتی ہے لیکن عجیب دنیا کا تماشہ بھی عجیب ہے۔ وہ جتنی پرانی ہورہی ہے، اس کا حسن وجمال اتنا ہی بڑھ رہی ہے کم از کم ظاہر میں۔ باطن میں اس کی خیر کہاں۔ فنا تو اس کا مقدر ہے دنیا فانی ہے آج نہیں تو کل اسے بھی اپنا حسن وجمال کھونا ہے۔ تعجب تو دنیا والوں پر ہے جو رنگین پسند اور تصنع و تکلف میں ہر آن آگے بڑھتے جارہے ہیں یقین نہ ہو تو اپنے آس پاس کے لوگوں پر نظر دوڑائیے اور ان کی زندگی کے ہر معاملہ کو بنظر غائر دیکھئے پتہ چل جائے گا کہ اس میں تصنع و تکلف نے کتنی راہ پالی ہے۔ جدھر دیکھیں اور جس میں پرکھیں۔ تصنع و تکلف صاف نظر آئے گا۔ صاف نظر نہ آئے ایسا ممکن کہاں۔ وہی تو ہے تصنع و تکلف جو صاف نظر آتا ہے۔ اچھا نہیں ہے، پر لوگ اسے بصد شوق اپناتے ہیں اپنے کلام و گفتگو میں، خورد نوش میں، رہن سہن میں، وضع قطع اور اپنے ملابس میں غرضیکہ آج تصنع و تکلف سے کچھ بھی خالی نہیں ہے۔ سادگی کا کیا ہوا کہ نظر بھی نہیں آتی وہ تو بہتر نہیں، بہترین تھی۔ وائے حسرت کہ لوگوں نے اسے نظر انداز کر دیا اور تکلف جو برطرف ہو نظر ہر طرف آنے لگا۔ کل کے لوگوں کی داستاں پڑھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتنے سادہ مزاج، سادہ ذہن، سادہ پوش اور سادہ خورد ونوش والے تھے۔ بلکہ ہر معاملہ اور اپنے ہر مسئلہ میں وہ سادگی پسند تھے۔ تصنع و تکلف اور بے جا آرائش وزیبائش سے ان کی صاف زندگی پاک تھی۔ کمال ہے، ان کے یہاں کتنی سادگی تھی کہیں تصنع تھا اور نہ ہی تکلف۔ بلاشبہ تب تکلف برطرف تھا۔ اور آج اُف کہ تکلف ہر طرف ہے۔

"معظم و محتشم" جناب قاضی صاحب آپ کے متبرک عمامہ شریف میں انگریزی

جا واقع ہوا ہے ۔ اتنی دیر میں چنگاری شعلہ بن سکتی ہے ، تو بہ ہے تو بہ ! تکلف ہی تو ہے اس میں جیسے آپ نے اوپر پڑھا ، بہت مل جائیں گے ایسے بولنے والے ، جو الفاظ تلاش کر کے لاتے اور چبا چبا کے بولتے ۔ جن کی باتوں میں "آمد" نہیں "آورد" ہوتا اور مخاطب پر رعب ڈالنے اور اپنی اہمیت جتانے کے لئے جملوں کو پر تکلف بنا کر استعمال کرتے ۔ عادت سے مجبور ہوتے ہیں ایسے لوگ ۔ سمجھائیں تو کسر شان سمجھیں ۔

بین السطور کے طور پر جانتے چلیں کہ میر امن کی کتاب "باغ و بہار" کو رجب علی بیگ کی کتاب "فسانۂ عجائب" پر دنیائے ادب میں فوقیت اور عوام میں مقبولیت اسی لئے حاصل ہے کہ اول الذکر میں تکلف برطرف ہے ، جبکہ ثانی الذکر میں تصنع و تکلف بر طرف ہے ۔ "باغ و بہار" میں سادگی ، سلامت اور روانی ہے ۔ لیکن دوسری کتاب "فسانۂ عجائب" کو پڑھئے تو پتہ چلے گا کہ الفاظ کے ساتھ بہت زور زبردستی کی گئی ہے اس وجہ سے کتاب کا ادبی اثر جاتا رہا ہے ۔

تکلیف اٹھا کر کوئی کام کرنا ہی تو تکلف ہے ۔ جو کام بآسانی ہو جاتا ہو ، کیا ضرورت ہے کہ اسے تکلیف اٹھا کر کیا جائے ۔ خیر ! اب ذرا چلتے ہیں ان کے پاس جو ماکولات و مشروبات میں تکلف برتتے ہیں اور دستر خوان پر قطار در قطار خورد و نوش کی نوع بہ نوع چیزیں سجاتے ہیں ۔ ہم ضیافت و مہمان نوازی کے قدرداں ہیں لیکن مہمان والا پریشان ہیں کہ کسے ہاتھ لگائیں اور کسے چھوڑدیں ۔ فیصلہ کرتے بہت دیر ہو جاتی ہے ۔ کوئی شیطانی آنت والا ہو تو پھر دیر بھی نہیں لگتی کہ دستر خوان سے سب کچھ لاپتہ ۔ کہتے ہیں کہ پر تکلف غذائیں ہر ایک کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں ۔ شکم سیر ہو کے کھایا بھی نہیں کہ پیٹ بوجھل ہو گیا اور ادھر کھانا بھی بچ گیا ۔ نقصان ، مہمان اور میزبان دونوں کا ہوا ۔ یہاں بھی سادگی طرفین کے لئے افادیات سے خالی نہیں ۔ طے کر لیجئے کہ خورد و نوش میں بھی تکلف برطرف ۔ دیکھیں گے آپ کہ فائدہ ہی فائدہ ہے ۔

زرق برق اور چمکیلے و بھڑکیلے ملبوسات زیب تن کرنا بھی تکلف کے باب سے ہے ۔ نفیس اور عمدہ و سادہ کپڑے پہننے کے بجائے بعض افراد قصداً ایسے ملابس کا استعمال کرتے ہیں کہ توبہ بھلی ۔ آج کے اس دور میں عجیب و غریب پر تکلف ملبوسات کے استعمال نے مرد و زن

کے فرق کو مشتبہ بنا دیا ہے۔ مرد عورت کے اور عورت مرد کے کپڑے جو پہننے لگی ہے۔ شہروں میں ایسا دیکھنے کو بہت مل جاتا ہے۔ جس کے لئے جو موزوں اور مناسب ہے، وہ وہی کپڑے استعمال کرے تو ہر اعتبار سے بہتر ہے۔ ورنہ پھر تو تکلف ہوگا۔ اور تکلف بہرحال بہتر نہیں گفتار میں اور نہ ہی کردار میں، قول میں اور نہ ہی فعل میں، ماکولات و مشروبات میں اور نہ ہی ملابس و ملبوسات میں، غرضیکہ جملہ معاملات میں۔ جو بات سادگی میں ہے وہ بہرحال تصنع و تکلف میں نہیں بظاہر خوب ہو تو ہو، بباطن تکلف بڑا خراب ہے۔ اسے برطرف کیجئے اور نظر ہر طرف رکھئے کہ کہیں وہ راہ نہ پالے۔ اس کے لئے مزاج مستعد اور طبیعت کو آمادہ و تیار رکھنا ہوگا۔ استقامت بھی ضروری ہے کہ تصنع و تکلف میں بظاہر کشش بہت ہوتی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کھنچ جائیں اور تکلف آپ میں آجائے تکلف سے اجتناب و احتراز میں کوئی وجہ نہیں کہ کوئی کوشش کرے اور اسے فائدہ کے بجائے نقصان ہو۔ عدم تکلف تو انبیاءؑ کا شیوہ رہا ہے اور ہمارے اسلاف کی صاف ستھری زندگی تصنع و تکلف سے بالکل پاک تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو کسی کا اقتدا کرنا چاہے تو چاہئے کہ اس کی کرے جو گزر چکا۔ کیونکہ زندہ سے فتنۂ دین میں بچا نہیں سکتا۔ (وہ جو گزر چکے) اصحاب محمدؐ تھے وہ دل کے پاک، علم کے گہرے اور تکلف سے دور تھے۔ اللہ نے ان کو اپنے نبیؐ کی صحبت اور اپنے دین کی اقامت کے لئے چن لیا تھا۔ تو تم ان کے مقام کو سمجھو، ان کے نقشِ قدم کی اتباع کرو اور جہاں تک ہو سکے ان کے اخلاق و سیرت کو اپناؤ۔ کیونکہ وہ صراط مستقیم پر تھے۔ زندگی سنوارنے اور اسے آراستہ و پیراستہ کرنے کے لئے سیرت پاکؐ کے بعد کسی اور سیرت کی ضرورت ہے تو وہ سیرت اصحاب محمدؐ ہے۔ ان کی زندگی کو اگر ہم نمونہ بنالیں تو اس کے جہاں دیگر اور فوائد ہوں گے، وہیں ہم تصنع و تکلف سے بھی خود بخود دور ہو جائیں گے اور ہمارا ہر مسئلہ و معاملہ اس سے پاک رہے گا سادگی ہماری زندگی کا لازمہ بن جائے گی اور زندگی خود اس گندگی سے دور۔

آرائش و زیبائش اور پاکی و صفائی سے اسلام نے کہیں بھی منع نہیں کیا ہے، اس کے لئے تو اسلام نے ہمیں تعلیم دی ہے ——— لیکن جہاں تک بے جا آرائش و زیبائش اور معاملات میں تصنع و تکلف کی بات ہے تو وہ بہرحال اسلاف کا شیوہ نہیں۔ یہ سچ ہے کہ آج ہر جگہ تصنع ہے اور تکلف ہر طرف کی شان ہیں اور اپنی زندگی اور اس کے معاملات و مسائل کو اس سے پاک رکھیں سادگی کو گلے لگالیں اور سیرت اسلاف اپنانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ کامیابی یہیں تو ہے۔ ●

ادب کے لافانی انقلابات

مولانا محمد یونس السلفی

ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہیں

مشاہدات و تجربات شاہد ہیں کہ دنیائے مادیت نے چمنستانِ دہر کو بارہا روح پرور بہاروں سے آراستہ کیا، بزم عالم کو ایسی حیات بخش رعنائیوں و جدت طرازیوں سے سنوارا کہ سورج کی قہر آلود نگاہیں خیرہ و پشیماں ہوگئیں اور جب آفتابی شعاعوں اور آسمانی قندیلوں کو گرفتار کیا گیا اور مہ و پروین پر کمندیں ڈالی گئیں، ستاروں کی گزرگاہوں پر تاک جھانک شروع ہوئی تو زمانہ کمال استعجاب میں سر بسجود نظر آیا۔ میزائیل و راکٹ، ایٹم بم و نیپم بم کے انکشافات و اختراعات پر ہم انسان ہکا بکا اور انتہائی بھونچکارہ گیا اور انہیں ایجادات و ترقیات کو انسانیت کا منتہائے کمال و معراج جمال سمجھ کر جبین نیاز خم کر بیٹھا۔ مگر ارباب حل وعقد کی دوررسگالی و نبض شناس نظروں نے مادیت کے مہلک و مخدوش نتائج و ہلاکت خیز و تباہ کار عواقب کا سراغ بہت جلد لگالیا اور یکلخت چیخ اٹھے ؎

ع گرمی ذوق جستجو تو بہ خاک سارا جہاں نہ ہو جائے۔

آمدم برسرِ مطلب: آسمان ترقی کے تمام وسائل و ذرائع علوم و فنون میں فن ادب کو وہی شرف و مقام، اوج و کمال حاصل ہے جو جواہر میں جوہر یکتا سیارگان فلک میں خورشید درخشاں کو۔ تواریخ عالم کی روشن شہادتیں منور روایتیں، اس کی عظمت و جلالت کرشمہ و قدرت پر دال ہیں، ادب وہ نایاب جوہر ہے جس میں قوموں کے عروج و نہوض، فروغ و ازدہار فلاح و بہبود کا حسین راز مضمر ہے۔ ادب کا پیمانہ حلاوت زندگی، جنت دل، حسنِ دنیا، جمال کائنات عروس آفرینش کے سنگار، دوشیزۂ فطرت کی جمال آرائی، لعل و جواہر کی جمال آفرینی و بے بہائی سے

برپا ہے۔ ادب کے کمال نے لاتعداد قوموں کو سطوت و ثروت کے اوج ثریا پر بٹھایا، بیشمار گداؤں کو تخت و تاج کی بھیک عطا کی۔ نامعلوم کتنی قوموں کو ذلت و مسکنت کی ٹھوکر مار کر ہلاکت کے گھٹا ٹوپ بحر بیکراں کے آغوش میں پہونچایا۔

شہاں کہ کحل جواہر تھی خاکِ پا جن کی انہیں کی آنکھوں میں پھرتے سلائیاں دیکھیں

یہ ایک ایسی مشین ہے جس میں صلح و آشتی کا پیغام، شعلہ و شبنم کا امتزاج، آتش و گل کی تمازت و لطافت، بارود و بم کی قیامت خیزی و حشر انگیزی، گولہ و میزائل کی دھماکہ خیزی و شعلہ افشانی، مہ و خورشید کی تابناکی و شگفتاگی ساری صلاحیتیں موجود ہیں۔ یہ ایک ایسا مقناطیسی جوہر ہے جس کی ایک جنبش جہاں ٹوٹے ہوئے دلوں، ذبح کی ہوئی امیدوں، خون جگر سے بھیگی ہوئی آہوں کا مداوا کر سکتی ہے۔ تو وہیں توپ و تفنگ کی مانند آتشی لاوے برسا کر انسانیت کے خرمن حیات کو بھسم بھی کر سکتی ہے۔

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

ادب کی قوت نے کتنی قوموں کو لافانی نقوش اور محیر العقول کارناموں سے نوازا۔ کتنی آبادیوں کو ویرانوں، کتنے میدانوں کو آبادیوں میں تبدیل کیا، کتنی پری جمال عورتوں کے سہاگ اجاڑے، کتنوں کو بیوہ بنایا کتنے شیر خوار بچوں کو ماںتا کی گود سے یتیمی کے آغوش میں پہونچایا کروڑوں بہادروں، شیروں، دلیروں، سورماؤں کو خاک اور خون میں نہلا کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ لاکھوں جمود و خمود کے پتلوں، تعطل و بطلان کے مجسموں میں خون زندگی دوڑا کر حرکت حیات و قوت عمل کا سر جوش طوفان بنا دیا، اور جب قلب و روح کی اقلیم و ولایت میں خزاں کے تیز و تند موسم باد صرصر کے سرکش و بیباک جھکڑ آئے جس کی وجہ سے قلب کی بستیوں، روح کی آبادیوں میں صداقت و دیانت، اخوت و ہمدردی، اتفاق و اتحاد کے کنول مرجھا گئے، انسانی شرافت و تہذیب کی کلیاں بن کھلے کھملا گئیں، عدل و انصاف کے درخت بے برگ و بار ہو گئے اختلاف و افتراق، انتشار و خلفشار شباب پر آ گئے اور پوری کائنات انسانی مکارم اخلاق و خصائل صالحہ کو کھو بیٹھی تو اس وقت گلشن ادب ہی سے موسم بہار کی عطر بیز ہوا چلی جس نے صداقت کے اوراق کو نکھارا اور تمدن کی معصوم کلیوں کو تبسم گلشن عدل و انصاف

کو انہاس بہا رعنایت کیا اور انسانیت کی وہ ڈانوا ڈول کشتی جو بحر ضلالت کی طلاطم خیز موجوں میں تاملک ٹوٹیاں مار رہی تھی. نکال کر شاہ راہ ہدایت پر گامزن کیا، جس کی زندہ مثال قرآن عظیم کا عدیم المثال ادب ہے جس کے سامنے بڑے بڑے فصحاء و بلغاء مختلف فنکارانہ صلاحیت کے علم بردار زانوئے تلمذ تہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔ وہ عرب جو اپنے کو فصاحت و بلاغت و فطنت و خبرت فراست و حذاقت ذکاوت و لیاقت میں لاثانی اور دوسروں کو الکن و عجمی سمجھتے تھے ان کے ناز و تکبر کا فخر و مباہات نخرہ نزاکت شیخی و پندار کو پاش پاش کر دیا ان کی زبانیں گنگ نگاہیں خیرہ، فصیح الکلامی و بلیغ اللسانی سراب نظر آنے لگی اچھے اچھے شعلہ بیانوں کی آتش باریاں اور آتش مقالوں کی شعلہ زبانیاں نار نمرود کی طرح سرد ہو گئیں. اس کے کوس لمن الملک کے سامنے بڑے بڑے شہسواران زبان و ادب سپر انداز ہو گئے۔ دنیائے ادب کا عظیم فن کار شاعر جس کا پورے عرب پر طوطی بول رہا تھا. جسے تمام شعرائے وقت ادباء روزگار نے ایک مرتبہ سجدہ بھی کیا تھا اور فرزوق نے اپنے دور میں اس کے ایک شعر پر سجدہ ریز ہو کر فرمایا تھا اے لوگو تم سجدہ تلاوت جانتے ہو میں سجدۂ بلاغت پہچانتا ہوں۔ وہی لبید بن ربیعہ قرآن کی غیر معمولی ہیجانی کیفیت سے اس قدر متاثر و منفعل ہوا کہ اس کی تمام زبان آوری و چرب زبانی. لسانی و لفاظی طاق نسیاں کا گلدستہ بن کر رہ گئیں. لوگوں کے متحیرانہ استفسار پر یوں لب کشا ہوا۔ (قرآن کے بعد شاعری کیسی) گویا کہ وہ کہہ رہا تھا سورج کے سامنے چراغ کا کیا دیو. سمندر کے مقابل قطرے کا کیا مقام بیابان کے آگے ذرے کا کیا وقار قرآن کے ادب نے ان کی صلاحیتوں کو ایسا اجاگر کیا کہ علم و حکمت کے امام، قیادت و سیادت کے آفتاب و ماہتاب بن گئے شاعر نے کیا ہی حقیقت کی عکاسی کی ہے۔

یہ اسی کا تھا کرشمہ کہ عرب کے بچے کھیلنے جاتے   تھے ایوان گہہ کسریٰ میں شکار

یہ اسی کا تھا نتیجہ کہ عرب کے رہزن   چاک کرنے لگے جبرئیل امیں کے اسرار

مسلمانوں کا سحر انگیز ادب: ادب عربوں کا ترکہ اور مسلمانوں کا ورثہ ہے وہ اپنے ادبی خطبہ و بیان سے خوابیدہ جذبات میں جان، عزم ہمت کے منجمد سمندروں میں طوفان برپا کر دیئے تھے، انہیں جہاں شمشیر و سنان، تیر و تفنگ کی ضرورت محسوس ہوئی اسی کو آلہ کار بنایا۔

حضرت جعفرؓ کی وہ جادو بیاں تقریر شعلہ فشاں بیاں جس نے نجاشی کے کفر و شرک کے راج محل کو آن کی آن میں پاش پاش کر دیا اور دائرہ اسلام میں داخل ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور حجاج بن یوسف کا وہ آتشیں خطبہ (انی لاری رؤسا قد اینعت وانی لصاحبھا) جس نے عراق ناہنجاروں شر انگیزوں فتنہ کاروں، بیہودہ کوشوں کے حواس باختہ کر دیا اور ان کے دل و دماغ میں کپکپی و تھرتھری برپا کر دیا اور ان کی ساری صفات رذیلہ و عناصر قبیحہ کو مفلوج کر دیا، یہ ادب ہی کی سحر کاری تھی، طارق ابن زیاد فاتح اندلس کے انقلابی و ادبی کلمات پر ذرا نظر ڈالیں۔

(یاایھاالناس اما مکم العدو و راءکم البحر فاین المفر)

یہی وہ دھواں دھار تقریر تھی جس نے عیسائیت کا سرزمین اسپین سے جنازہ نکال دیا اس کی اثر اندازی کا عالم یہ تھا کہ پیروان اسلام جوش و خروش کا پہاڑ، جذبہ و جنون کی آہنی چٹان، استقلال و استقامت کا بے پناہ طوفان بن گئے اور شیطانی قلعوں کو اپنی شمشیر کوہ شکن سے پارہ پارہ کر دیا یہ بھی پرتو ادب کی ادنیٰ سی جھلک تھی، ننگ اسلام ہونق المزاج بد قماش خواجہ نصیر الدین طوسی شیعہ کے دربار ہلاکو میں کیئے ہوئے لکچروں نے بہشت زار عروس البلاد بغداد کو شکست و ریخت، ذلت و خواری کا سیاہ کفن پہنا کر آتشیں خون میں ڈبو دیا۔ یہ بھی ادب ہی کے ترکش کا ایک تیر تھا۔

اغیار کے ادبی کارنامے:۔ تیسری جنگ صلیب کے موقع پر جب مسلمانوں نے بیت المقدس کو فتح کر لیا تو یہ دلدوز سانحہ یورپ کے لئے مرگ ناگہاں و عداوت ہفت آسماں سے کم نہ تھا، پورا یورپ رنج و الم کی تصویر، غم و اندوہ کا مجسمہ بن گیا اور اس وقت شام کا اسقف اعظم ولیم صوری نے اس کی بازیابی کے لئے یورپ پہونچکر ایسی اشتعال انگیز اند ھادھند صاعقہ پاش تقریریں کی، کہ یورپ مسلمانوں کے خلاف آگ بگولہ و لال بھبوکہ ہوگیا اور پورا عالم عیسائیت انگلینڈ، اٹلی، فرانس، اور جرمنی آپس کے شدید ترین تباغض و تحاسد کے باوجود متحد و متفق ہو کر مسلمانوں سے نبرد آزمائی کے لئے ایک محاذ پر آدھمکا، ان کا دماغ جوش جنوں قہر و غضب کے ساتویں آسمان پر تھا۔ مسیحی پائی و چراغ پائی کا یہ عالم تھا کہ انسانوں کا یہ جنگل سیلاب بلاخیز طوفان بے اماں کی طرح امڈ پڑا اور اس کی طوفانی لہریں سلطنت ایوبیہ کی ناقابل تسخیر چٹان سے ٹکرائے بغیر نہ رہ سکیں

یہاں بھی کرشمۂ ادب کارفرما تھا۔ فرانس کا سپہ سالار نپولین کا ادبی خطاب ملاحظہ ہو، جنگ مصر میں جس وقت انگریزوں اور فرانسیسیوں میں قتل وغارت کشت وخون کا بھیانک بازار گرم ہوا اور ان کی خون آشام تلواریں ایک دوسرے پر برق بے پناہ بن کر چمکیں اور گھمسان کا رن پڑا، جنگ مغلوبہ شروع ہوگئی اس وقت فرانسیسیوں کی ہمت چھوٹ گئی اور سر پر پیر رکھ کر بھاگ پڑے اس شرمناک منظر سے نپولین سخت برافروختہ ہوکر گرجا! اے ساتھیو! آج کی یہ فضیحت و رسوائی، پسپائی وجگ ہنسائی ازل سے لے کر صبح قیامت تک کے لئے ہوگی، یہ مزاروں میں سونے والے فراعنۂ مصر تمہیں حقارت کی نظر سے گھور رہے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہ خطاب ان کی حمیت وغیرت کے لئے ایک سخت مہمیز وتازیانہ ثابت ہوا۔ پھر تو انہوں نے شجاعت وبسالت، قوت وجسارت کا وہ جوہر دکھلایا جس نے ایوان عیسائیت میں ارتعاش وتزلزل کا طوفان پیدا کر دیا آن کی آن میں مصر پر نپولین کی فتح وکامرانی کا پھریرا لہرانے لگا اور ہٹلر کی وہ عظیم تصنیف "میں کیمف" جو جیل میں محبوس ہونے کی حالت میں قلمبند کی گئی تھی، اتنی موثر اور مسحور کن ثابت ہوئی کہ چند دنوں میں فسطائیت کے فدا کاروں وعلم برداروں کا سیلاب ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ وہ لوگ اسکے فروغ کے لئے ہمت شکن حالات کے باوجود جان جوکھم میں ڈال کر کلیجہ ہتھیلی پر رکھ کر بڑی خونریزی وجانفشانی کے ساتھ جہد کناں وکوشاں رہے بالآخر فسطائیوں نے پوری دنیا کو دوسری عالمگیر خون بغشاں جنگ میں جھونک دیا۔ نتیجۃً پانچ کروڑ انسان موت کے منہ میں جا پڑے۔ کھربوں روپیہ غارت ہوگیا جس خوں بار جنگ کی نظیر دنیا میں کبھی نہیں پائی گئی۔

منتہائے مقصود: ادب کی ان کرشمہ سازیوں ونادرہ کاریوں کے پیش نظر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ جب ادب ہی ہر دور میں ایوان تمدن کا معمار، لشکر ترقی کا سپہ سالار، کشتی منجدھار کا ناخدا، عزت وناموس کا پاسبان رہا ہے تو یقیناً یہ حربہ اس نازک سنگین دور میں ہمارے نصیب کو بدل سکتا ہے اسلامی نظام کو سنبھال سکتا ہے اور مذہبی شیرازوں کو ایک لڑی میں پرو سکتا ہے۔

اے عالم اسلام کے قلم کار وفنکارو! ہم سبھوں کا فرض منصبی ہے کہ انتہائی مشق ومزاولت محنت وممارسہ عرق ریزی ودماغ سوزی کے ساتھ زبان ادب کو حاصل کریں، زبان ادب سے

بقیہ صفحہ ۷ پر

جمعیت الشبان اہلحدیث بھیونڈی

کا ایک روزہ تبلیغی وتربیتی اجتماع

۸ ستمبر بروز اتوار موضع تلولی تعلقہ بھیونڈی میں جمعیت الشبان اہل حدیث بھیونڈی کے زیر اہتمام یک روزہ دینی، تربیتی واصلاحی اجتماع منعقد ہوا جو صبح دس بجے شروع ہو کر شام ۶ بجے اختتام پذیر ہوا۔

اجتماع کا آغاز قاری عبدالسلام کی تلاوت سے ہوا۔ اسکے بعد محمد عطاءاللہ پٹیل صاحب نے درس قرآن پیش کیا اور بتایا کہ مال ودولت، عزت وثروت، اولاد کی کثرت یا اقتدار وغیرہ یہ سب تسکین قلب کے ذرائع نہیں بلکہ تسکین قلب ذکر الٰہی سے ملتا ہے۔

ڈاکٹر زجاج احمد صاحب نے درس حدیث کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ ترین چیزیں، نماز، خوشبو اور بیوی کا ذکر کیا۔ اس کے بعد جمعیت الشبان اہل حدیث بھیونڈی کے سرپرست مولانا عطاءاللہ خاں صاحب نے پروگرام کے اغراض ومقاصد بیان کرتے ہوئے اپنی افتتاحیہ تقریر میں بتایا کہ ہمارا مقصود صرف رضائے الٰہی ہے آپ ان نوجوانوں کے جذبہ کی قدر کریں اور کتاب وسنت کے آئینے میں خود کو ڈھالنے کی کوشش کریں۔ مولانا رضی الدین عمری نے "تعمیر سیرت میں عقیدہ کا اثر" کے موضوع پر نصف گھنٹہ سے زائد خطاب کیا اور بتایا کہ ہر انسان اپنی سیرت کی تعمیر میں عقیدۂ توحید کا محتاج ہے۔ جمیل احمد مقری نے "تعلق باللہ" کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ انسان کی سیرت وعقیدہ کو تعلق باللہ جلا بخشتا ہے۔

عبدالوہاب ہانی صاحب نے محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے حضرت عمرؓ کا مشہور واقعہ محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے پیش کیا اور بتایا کہ ظاہری محبت کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس کے بعد مزمل قاضی صاحب "حیات وکائنات کی جلوہ گاہوں سے خالق فطرت تک" کے موضوع چند سائنسی انکشافات پیش کئے نیز قرآنی آیات کو دلیل بنایا کائنات میں

اللہ کی نشانیوں پر اظہار کیا مولانا تعظیم اللہ فیضی نے قوم مسلم کی زبوں حالی اور اس کا علاج کے موضوع پر خطاب کیا۔

ماسٹر عبداللہ صاحب نے ہم اور ہمارے اسلاف کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ وغیرہم کے ادوار کا ذکر کیا۔ دوسری نشست کا آغاز ۳ بجے ہوا تابش کنگلے صاحب نے دور حاضر میں تبلیغ دین کے تقاضے کے تحت اظہار خیال کرتے ہوئے بتایا صبر واستقامت، اخوت ومحبت، علم وبصیرت، سیرت وکردار کا وجود تبلیغ کے لئے ازحد ضروری ہے۔ انیس احمد قاضی ایڈوکیٹ صاحب نے سائنسی عنوان "کائنات وجود خدا کی گواہی دیتی ہے" کے تحت عجائبات کائنات کا ذکر کرتے ہوئے خالق کائنات کی عظیم قدرت کو واضح کرتے ہوئے اپنے موضوع کی وضاحت کی۔

انصار زبیر محمدی نے کردار کی تعمیر میں آخرت کا تصور کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے بتایا کہ یہ دنیاوی زندگی آخرت کی ایک تمہید ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں قرآن نے تو اس زندگی کو لہو ولعب قرار دیا ہے اس لئے ہمیں چاہیئے کہ قرآن میں ذکر کردہ آخرت کے متعلق آیات سے آخرت کے تصور کے ذریعہ اپنے کردار کی تعمیر کریں۔

پروگرام کی تیسری نشست کا آغاز عصر بعد ۵ بجے ہوا جس میں جمعیت اہل حدیث بھیونڈی کے صدر مولانا عطاء اللہ خاں صاحب نے خطاب کیا آپ کا عنوان تھا "دور حاضر میں نوجوانان اسلام کی ذمہ داریاں"، آپ نے دوران تقریر نوجوانوں کے جذبہ کو سراہا ساتھ ہی ساری دنیا کے حالات بالخصوص روس کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ حقیقی سکون اسلام کے علاوہ اور کسی مذہب میں نہیں ملتا آج ہندوستان کو اسپین ثانی بنانے کا جن کو خیال ہے یہ ان کی بھول ہے اس لئے کہ آج ہندوستان کا مسلمان یہ طے کر بیٹھا ہے کہ سرزمین ہند اللہ کی ہدایت کے لئے بھوکی اور پیاسی ہے اس لئے ہم اس کی پیاس بجھانا اپنا فرض سمجھتے ہیں، آج ہمارا مستقبل گرچہ تاریک نظر آرہا ہو مگر اسلام کا مستقبل روشن ہے اور ہر اس شخص کا مستقبل روشن ہے جو اسلام کی صحیح معنوں میں اتباع کرے۔

۶ بجے اجتماع کا اختتام دعاؤں پر ہوا۔ یہ اجتماع الحمدللہ بے حد کامیاب رہا۔ ●

باچشم نم

مولانا عبدالمجید اصلاحی

قیام دہلی کے دوران ابونافع سلمہ میرے ساتھ مقیم تھے۔ وہ جامعہ ملیہ اسلامیہ میں زیر تعلیم تھے۔ ایک دن میرے نام آئے ہوئے خطوط کے اندران کی نظر ایک خط پر پڑی۔ اسے پڑھنے کے بعد انہوں نے کہا، ابا! یہ جن صاحب کا خط ہے ان سے آپ کی مراسلت برابر رہنی چاہیئے۔ خط کا مضمون اور اس کا انداز تحریر سب فاضلانہ، متانت اور سنجیدگی کا نمونہ تھا جس سے متاثر ہو کر ابونافع نے اپنے مذکورہ خیال کا اظہار کیا تھا۔

یہ خط گوجرانوالہ پاکستان کے ایک صاحب فکر و نظر اہلحدیث جناب ضیاء اللہ کھوکھر صاحب کا تھا۔ اس وقت تک ضیاء اللہ کھوکھر صاحب سے میرا تعارف غائبانہ تھا۔ خط و کتابت کے ذریعہ تھوڑی تقریب پیدا ہو چکی تھی۔ پھر دو سال پہلے جب پاکستان جانا ہوا تو موصوف سے پوری واقفیت ہوئی۔

یہ ایک صالح نوجوان ہیں۔ دینی معلومات کے دلدادہ، فکر و نظر کا تعمیری زاویہ رکھنے والے، واقعات و حوادث پر نگاہ بصیرت افروز، کثرت مطالعہ کے خوگر، یادداشت بلا کی، کتب و رسائل قدیم و جدید، قلمی و مطبوعہ سب جمع کرنے کے بے حد شوقین، حتیٰ کی ذاتی لائبریری کی عمارت تعمیر کرنے سے بیشتر مختلف موضوعات و فنون پر بکثرت کتب و رسائل کا خزینہ جمع کر لیا تھا۔ ہم جب ان کے اس خزینۃ الکتب الرسائل میں داخل ہوئے تو یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے نادر و نایاب قلمی و مطبوعہ کتب تک موجود ہیں۔ اور مختلف موضوعات پر تحقیقات کرنے والے طلبہ و اساتذہ اس کتب خانہ کی جانب رجوع کر رہے ہیں۔ لطف کی بات تو یہ ہے کہ خود جناب کھوکھر صاحب ان طلبہ و اساتذہ کی رہنمائی بھی کر رہے ہیں۔ ان کے ذہن میں ایک اکیڈمی کے قیام کا تصور بھی ہے۔ اور عملاً اس کی جانب انہوں نے پیش رفت بھی کی ہے۔ چنانچہ "ندوۃ المحدثین" کے نام سے انہوں نے کام کا آغاز کر دیا ہے۔ اس کی جانب سے وہ کئی ایک مفید اور قیمتی مضامین پر مشتمل کتابیں بھی شائع کر چکے ہیں۔

حیرت ہے ایک شخص جو گوجرانوالہ کے ایک معروف ترین تجارتی محلہ میں ایک مختصر سی دوکان پر بیٹھا دن بھر لوہے کا کاروبار کر رہا ہے کاروباری معروفیت کا حال سب کو معلوم ہے کہ وہ دوسرے کاموں کے لئے فرصت کہاں دیتی ہے۔ مگر اس شخص کا علمی شغف اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ وہ اہل علم سے مراسلت بھی رکھتا ہے۔ وقتاً فوقتاً علمی اور تحقیقاتی مضامین بھی لکھتا ہے۔ کتابیں بھی فراہم کرتا ہے۔ مطالعہ بھی کرتا ہے۔ اور پھر اپنی ذاتی کمائی سے "ندوۃ المحدثین" کے لئے ایک شاندار اور شایان شان، مضبوط اور مستحکم عمارت کی تعمیر میں مصروف بھی ہے۔ حیرت بالائے حیرت یہ کہ دیگر اداروں کی دل کھول کر اعانت بھی کرتا ہے کثر اللہ امثالہ

یہ ہے ثمر اس شجر کا، جس کے سوکھ کر گر جانے کی خبر ہندوستان کے اہلحدیث اخبارات و رسائل میں پچھلے دنوں شائع ہو چکی ہے۔ راقم السطور نے اس درخت کو اس وقت دیکھا جب ضیاء اللہ صاحب ایک دن اسے اپنے دولت کدے پر لے گئے اور ایک بھاری بھرکم، بارعب شخصیت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا، "یہ ہیں والد صاحب" ہم نے لپک کر سلام و مصافحہ کیا اور خیریت معلوم کی۔ اس وقت یہ تعارف محض اس حد تک تھا کہ وہ ضیاء اللہ صاحب کے والد بزرگوار ہیں۔ بعد ان کی بے شمار خوبیوں سے واقفیت ہوئی۔ بالخصوص قرآن عزیز کے ترجمہ و تفسیر سے متعلق ان کے گہرے شغف اور حد درجہ انہماک ہے۔ افسوس کہ ہم ان سے کچھ استفادہ نہ کر سکے۔

پچھلے دنوں اخبارات و رسائل میں موصوف کی خبر مرگ نظر سے گزری تو ذہن و دماغ پر سکتہ طاری ہو گیا۔ کیسے کیسے لوگ اٹھتے جا رہے ہیں۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں   خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہو گئیں۔

"برّد اللہ مضجعہ" کی دعا صمیم قلب سے نکلی۔ ناظرین میرے ساتھ دست بدعا ہوں کہ مرحوم رضائے الٰہی کی بہشت جاوید میں درجات عالیہ سے سرفراز ہوں۔ یہ سطریں مرنے والوں کی جانب سے مرنے والے کے حق میں، مرنے والوں کے لئے لکھی جا رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور پسماندگان بالخصوص جناب ضیاء اللہ کھوکھر صاحب کو صبر جمیل کی توفیق ارزاں فرمائے۔ نیز انہیں بیش از بیش توفیق عنایت فرمائے کہ نیکوکاریوں میں وہ اپنا مقام بلند سے بلند تر کرتے جائیں تاکہ اسکا ثواب مرحوم کو پہونچتا رہے یعنی پورے وہ اپنے وجود کو والد مرحوم کیلئے صدقہ جاریہ بنا دیں۔ آمین●

جوارِ رحمت میں

الحاج عبدالمجید کھوکھر

ندوۃ المحدثین گوجرانوالہ (پاکستان) کے بانی جناب ضیاء اللہ کھوکھر کے والد محترم حاجی عبدالمجید کھوکھر ۲۳ ستمبر کی رات ۹½ بجے انتقال کر گئے ان کی عمر ۷۵ سال تھی، مرحوم تمام عمر زبردست موحد رہے شرک سے انہیں سخت نفرت تھی مطالعہ قرآن کا نہایت عمدہ ذوق رکھتے تھے، مطالب قرآن پر گہری نظر تھی، علامہ اقبال کے کلام سے گہری عقیدت تھی ان کے اکثر اشعار یاد تھے۔ مرحوم نے تحریک آزادی میں بھرپور حصہ لیا تھا مولانا ابوالکلام آزاد سے بہت متاثر تھے ان کا نام نہایت احترام سے لیا کرتے، سید داؤد غزنوی سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا ظفر علی خاں کے جلسوں میں شرکت کے لئے دور دراز کا سفر کرتے رہے۔

قارئین سے درخواست ہے کہ مرحوم کو دعاؤں میں یاد رکھیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم کو جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ان کی غلطیوں کو معاف فرمائے، نیز ان کے جملہ صاحبزادوں اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

مجلس الدعوۃ و نوائے اسلام کے کارکنان مرحوم کے لئے دعاءِ مغفرت اور ان کے پسماندگان بالخصوص الحاج ضیاء اللہ کھوکھر سے گہری ہمدردی و تعزیت کرتے ہیں اور اس دکھ و صدمہ میں برابر کے شریک ہیں

مولوی عبداللہ مئو آئمہ

برادرم مولانا اشفاق احمد سلفی مئو آئمہ الہ آباد کے والد محترم مولوی عبداللہ صاحب ۱۰ اکتوبر جمعہ کی شب میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اِنّا لِلّٰہ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۰ مرحوم ۲۵ سال سے بلا معاوضہ امامت و خطابت کی عظیم ذمہ داری سنبھالتے رہے۔ سند یافتہ عالم نہیں تھے مگر کثرت مطالعہ نے ان کو ایک مستند عالم بنا دیا تھا، علماء و علم کے قدرداں تھے۔ مولانا عبدالمجید اصلاحی صدر مدرسہ سبل السلام (؟) بھراچپور کے خاص دوست

بقیہ صفحہ پر

تاریخ کانفرنس
۲۷، ۲۸ جمادی الثانی ۱۴۱۲ھ
۲۸، ۲۹ دسمبر ۱۹۹۱ء
ہفتہ، اتوار

مقام کانفرنس
سلفی نگر کرشناگری روڈ
ہسور (تامل ناڈو)
پن ۶۳۵۱۰۹

اہل حدیث کانفرنس ہسور جنوبی ہند

دعوت عام
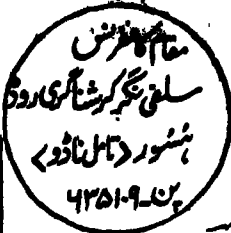
اعلاء کلمۃ الحق، باطل افکار ونظریات کے استیصال، کتاب وسنت کی اشاعت، عقیدہ توحید سے وابستگی شرک وبدعات کے انہدام غیر اسلامی رسوم ورواج کے خلاف آواز اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درس کو عام کرنے کے لئے شہر گلستان بنگلور سے ۴۰ کلومیٹر بمقام ہسور دو روزہ جنوبی ہند اہل حدیث کانفرنس منعقد ہوگی۔ (انشاء اللہ)

دردمندان قوم وملت سے کانفرنس میں شرکت کی پرخلوص گزارش کی جاتی ہے۔

ہدایات:- ۱۔ کانفرنس میں شریک ہونے کے لئے باہر سے تشریف لانے والے مندوبین اتریں، سٹی ریلوے اسٹیشن کے پاس سرکاری بس اسٹینڈ ہے جہاں سے ہسور کے لئے ہر ۵ منٹ پر ایک بس ملتی ہے۔

۲۔ جو احباب اپنی ٹکٹ واپسی کی ریزرو کروانا چاہیں وہ تاریخ اجلاس سے ہفتہ قبل تک اندازاً ٹکٹ کی رقم صراحت کے ساتھ دفتر استقبالیہ کے پتہ پر متولی محمد شفیع صاحب کے نام بھیجیں

۳۔ مندوبین وفد کی شکل میں امیر کے ماتحت سفر کریں۔ نیز قبل از وقت اپنی شرکت کے پروگرام سے دفتر استقبالیہ کو مطلع کریں تاکہ انتظامات میں آسانی ہو۔

۴۔ موسم کا لحاظ کرتے ہوئے شرکاء اپنے ساتھ مناسب بستر رکھیں۔

۵۔ کانفرنس کے احاطہ میں مکتبات دوکانیں لگانے، مفت تقسیم کی کتب، پمفلٹ، اشتہارات کی تقسیم کے لئے ناظم کانفرنس کے حوالے لینی ضروری ہوگی۔

۶۔ جلسگاہ کے پورے احاطہ میں بیڑی، سگریٹ، تمباکو والے پان کا استعمال ممنوع ہوگا

الداعیان:- مولانا رؤف احمد صاحب جھری (تامل ناڈو) صدر استقبالیہ

مولانا عبدالمتین صاحب جوناگڑھی (کرناٹک) نائب صدر استقبالیہ

مولانا محمد صاحب محمدی آندھرا

مولانا فی کے محی الدین عمریؒ کیرالہ نائب صدر

المعلن:- عبدالوہاب جامعیؔ

پتہ برائے رابطہ

دفتر کانفرنس:- مسجد اہل حدیث، یم، جی، روڈ نیو پیٹ۔ ہُسُور ضلع دھرمپوری، تامل ناڈو ۶۳۵۱۰۹

فون آفس:- ۲۳۹۴۔ ۲۸۱۲، فون رہائشی ہمہ وقتی ۲۷۶۳ (۰۴۳۴۴)

بقیہ صـ۲۷ پر

مسلح ہوکر شرک وبدعت کے سر پھرے پہاڑوں، رنگ ونسل کی سنگین دیواروں، تعصب تخصب کے آہنی حصاروں کو چکنا چور کردیں اور اس سیکولر دور میں حالات کے سنگین اندھیروں میں لافانی جذبوں کا چراغ جلاکر باطل کے شعلوں، شراروں، انگاروں سے ٹکراکر کفر و باطل کی دنیا کو خاکستر کر ڈالیں پھر زلزلہ و بھونچال قیامت و طوفان بن کر کائنات کا رخ موڑ ڈالیں اور انشاء اللہ یقیناً موڑ دیں گے۔

●

بقیہ صـ۴۴ کا

تھے۔ انکی رحلت سے مولانا موصوف کو بھی صدمہ پہونچا ہے۔ مرحوم کے پسماندگان کے ساتھ ساتھ ادارہ مجلس الدعوۃ کے تمام ارکان وکارکنان پسماندگان کے غم میں شریک ہیں۔

تمام قارئین کی خدمت میں گزارش ہے کہ مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کریں اور پسماندگان کے لئے دعائے صبر۔

ادارہ مجلس الدعوۃ الاسلامیہ دہلی۔

اعلان برطرفی

مولوی مطیع اللہ سلفی بن محمد اسحاق سدھارتھ نگری (بستوی) جو مدرسہ عربیہ دار التعلیم پورہ صوفی، مبارک پور، ضلع اعظم گڈھ میں مدرس تھے اور ایام تعطیل میں سفارت کا کام بھی انجام دیتے تھے، مدرسہ مذکورہ الصدر سے ان کی علیحدگی عمل میں آچکی ہے۔ اور ان کا مدرسہ مذکورہ اور جامعۃ المعارف الاسلامیہ، اسلام پورہ مبارک پور سے کسی طرح کا کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔ اس لئے ادارہ جات مذکورہ کے تعلق سے ان سے کسی طرح کا کوئی معاملہ ہرگز نہ کیا جائے۔

عبدالرحمن رحمانی ــــ ناظم اعلیٰ مدرسہ عربیہ دار التعلیم وجامعۃ المعارف الاسلامیہ مبارکپور اعظم گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

Madarsa Arabia
Qasimul-Uloom (Regd)
Vill Gulariha, Post Badalpur
Distt Gonda U P (India)

المدرسۃ العربیۃ قاسم العلوم

ایک مخلصانہ اپیل

برادران اسلام! مدرسہ عربیہ قاسم العلوم گلریا ضلع گونڈہ کی ایک مشہور و معروف تعلیمی و تربیتی اور اقامتی درسگاہ ہے، جہاں درجات پرائمری کے ساتھ ساتھ عربی درس نظامیہ جماعت خامسہ تک کی تعلیم کا معقول انتظام ہے۔

اور فی الحال تقریباً چار سو طلباء زیر تعلیم ہیں جس میں سے ۷۵ بیرونی طلباء اور اٹھارہ اساتذہ کرام کے قیام و طعام کا مدرسہ از خود کفیل ہے۔

علاوہ ازیں مدرسہ ہذا کی وہ زیر تعمیر مسجد جس کا سنگ بنیاد آج سے تین سال قبل ہی اکابرین علمائے جماعت کے مقدس ہاتھوں سے پڑا تھا۔ اس کے اخراجات اس پر مستزاد ہیں۔

مگر بحمد اللہ تعالیٰ تاہنوز اس کی دیواریں گیارہ فٹ کی بلندی تک پہونچ کر فدایان دین اسلام اور جاں نثاران محمدؐ کو دعوت نظارہ دینے کے ساتھ ہی ساتھ دوبارہ دست تعاون دراز کرنے پر بھی مجبور کر رہی ہیں۔

لہٰذا ہم جملہ مخیرین سے عموماً اور احباب جماعت سے خصوصاً پرزور اپیل کرتے ہیں کہ مدرسہ ہذا اور اس کی زیر تعمیر مسجد کے سلسلے میں دامے درمے قدمے سخنے ہر ممکن تعاون فرما کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں۔

إن اللہ لا یضیع اجر المحسنین ● العارض محمد عمر سلفی خادم مدرسہ ہذا

[illegible]

جلد ۱۶
شمارہ ۱۲

علمی و تبلیغی رسالہ

ماہنامہ نوائے اسلام دہلی

[illegible]

سرپرست: مولانا عطاء اللہ خان ایم اے بی ایڈ - امیر جمعیۃ اہلحدیث بھیونڈی

دسمبر ۱۹۹۱ء بمطابق جمادی الآخر ۱۴۱۲ھ

مدیر: عزیز عمر سلفی نائب مدیر: عبدالواحد فیضی

زر تعاون	پاکستان سے
سالانہ: چالیس روپے	سالانہ: ایک سو روپے
خصوصی: ایک سو روپے سے زائد	لائف ممبری: دو ہزار روپے
لائف ممبری: ایک ہزار روپے	بیرون ممالک سے ۲۰ ڈالر امریکی

بنگلہ دیش اور نیپال سے ہندوستانی روپے کے مساوی

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ

منیجر نوائے اسلام ۱۱۶۴/۱- اے چاہ رہٹ جامع مسجد دہلی ۱۱۰۰۰۶
Phone 3265935

آئینہ ترتیب

پرنٹر پبلشر عبدالواجد فیضی نے ایس ایس پریس برائے جے کے آفسیٹ سے
چھپواکر دفتر نوائے اسلام ۱۱۶۴ ۔ اسے چاہ رہٹ جامع مسجد دہلی سے شائع کیا۔

سپیدۂ صبح کی نمود

حکیم مولانا عبد المجید اصلاحی

رات آتی ہے تاریکیاں ہر سو چھیلتی ہیں مگر کائنات محو خواب ہو جاتی ہے، نہ جھنجھلاہٹ نہ احتجاج۔ انجام؟ تازہ دم کائنات صبح روشن کا استقبال کرتی ہے۔

خزاں کا موسم آتا ہے، درختوں کی پوشاکیں چھن جاتی ہیں، مگر لبوں پر سکوت، صبر ثبات کی شان بے نیازی، اور پھر دیکھتے دیکھتے سبز پوشاکیں لئے موسم بہار آجاتا ہے۔

دیگچی کے ابلنے کی طرح سمندر میں طوفان آتا ہے، سفید جھاگوں سے سطح آب ڈھک جاتی ہے، مگر تنگی نفس کی شکایت نہ ہی ثقل وگراں باری کا شکوہ نتیجہ؟ جھاگ اڑ جاتے ہیں، اور نفع بخش شئے پانی صاف وشفاف ہو کر باقی رہتا ہے۔

یہ تمام کائنات کی فطرت ہے، یہی فطرت دنیائے انسانیت کی بھی ہے۔

کس قدر بھیانک اور تاریک رات تھی وہ جو سوشلزم، مارکسزم، کمیونزم، یا بالشویزم کے نام سے دنیائے مذہب، وانسانیت اور عالم اخلاق وکردار پر چھاگئی تھی۔

"ہم اس اخلاق کو رد کرتے ہیں جو عالم بالا کے کسی تصور پر مبنی ہو یا ایسے خیالات سے ماخوذ ہو جو طبقاتی تصورات سے ماوراء ہیں۔ ہمارے نزدیک اخلاق قطعی اور کلی طور پر طبقاتی جنگ کا تابع ہے۔ ہر وہ چیز اخلاقاً بالکل جائز ہے جو پرانے نفع اندوز اجتماعی نظام کو مٹانے کے لئے اور محنت پیشہ طبقوں کو متحد کرنے کے لئے ضروری ہو۔ ہمارا اخلاق بس یہ ہے کہ ہم خوب منضبط اور منظم ہوں اور نفع گیر طبقوں کے خلاف پورے شعور کے ساتھ جنگ کریں۔ ہم یہ مانتے ہی نہیں کہ اخلاق کے کچھ ازلی اور ابدی اصول بھی ہیں۔ ہم اس فریب کا پردہ چاک کر کے رہیں گے۔ اشتراکی اخلاق اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ مزدوروں کی مطلق العنان

حکومت کو مضبوطی کے ساتھ قائم کرنے کے لئے جنگ کی جائے"۔

سویت روس تو دور رہا، خود ہندوستان کا کون سا اسکول، کالج، یونیورسٹی، شہر، قصبہ گاؤں اور گھر ایسا نہیں تھا جہاں الحاد و دہریت کا راگ الاپا نہیں جاتا رہا۔ خدا کوئی چیز نہیں ہے۔ مذہب ایک افیون ہے۔ اللہ اور رسول کی راہ پر چلنے والے اس شتر مرغ کی طرح ہیں۔ جو ریت کے اندر سر چھپا کر سمجھتا ہے کہ شکاری سے محفوظ ہو چکا ہے۔ اخلاقیات سب اضافی قدریں ہیں۔

کس قدر بھیانک اور تاریک نکتہ تھا جہاں سے ظلمتوں کی لکیریں پھیل کر تمام عالم انسانیت کو اپنی زد پر لے رہی تھیں۔

" فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں، ربط ملت میں جو شامل نہیں ہوتا اسے واقعی کچھ نہ رہنا چاہیئے۔ ربط ملت کا اصل مظہر ہے قومی ریاست، قومی ریاست کے ضبط و استحکام کا انحصار ہے اسی پارٹی پر جو قومی وحدت اور ترقی کا پروگرام لے کر اٹھی ہے۔ لہذا جرمن ہے تو نازی پارٹی میں آ اور اٹالین ہے تو فاشسٹ ہو جا۔ ہر وہ شخص قوم اور قومی ریاست کا دشمن ہے جس نے برسر اقتدار پارٹی سے کسی معاملہ میں اختلاف کی جرأت کی۔ تنقید، احتساب، بحث اور آزادی رائے خطرناک چیزیں ہیں۔ ایک پارٹی کے سوا ملک میں کسی دوسری پارٹی کو زندہ رہنے کا حق نہیں ہے، پریس، ریڈیو، درس گاہیں، آرٹس، لٹریچر اور تھیٹرس پر قبضہ محض حکمراں پارٹی کا ہے۔ تاکہ اس کی آواز کے سوا کسی اور کی آواز سنی نہ جا سکے"۔

" تمام افراد کو ایک مشین کے پرزوں کی طرح کام کرنا چاہیئے۔ ہر شخص اور ادارے کا کام مقرر، اجرتیں مقرر، حقوق اور فرائض مقرر، قوتوں اور قابلیتوں کے استعمال کی صورتیں مقرر، سرمائے اور وسائل و ذرائع کے مصارف مقرر۔ فکر و خیال اور جذبات و رجحانات کی راہیں تک مقرر، اختلاف رائے بند، تنقید بند، مواخذہ اور احتساب بند۔ چند دماغوں کے سوا ساری قوم کے فکری دریچے بند۔ ساری قوم کے اندر چند انسان ہی انسان ہیں۔ باقی سب مویشی بلکہ ایک مشین کے بے جان پرزے"۔

اشتراکیت کے یہ نعرے اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے ڈائیلاگ کس قدر دلشکن

کے ساتھ بڑھے جا رہے تھے، فیشن کی طرح۔ اور فیشن تو ایک جھاگ ہوتا ہے۔ یہ جھاگ اڑ گیا، سیاہ رات رخصت ہو گئی، اور سپیدیٔ صبح نمودار ہو گئی۔ جی ہاں سردار جعفری سے معذرت کے ساتھ

سفید آٹا سیاہ چکّی سے راگ بن کر نکل رہا تھا

مگر یہ راگ سنائی دے رہا تھا نہ ہی نکلتا ہوا آٹا دکھائی دے رہا تھا، مگر وہ نکل رہا تھا جھاگ اڑ رہے تھے اور اندر سے صاف شفاف پانی جھلک رہا تھا۔

ظلمتوں کا یہی انجام ہے۔ خواہ وہ سوویت روس کے اوپر چھائی ہوئی ہوں یا امریکی ریاستوں پر یا چین و ہندوستان پر یا مصر و ایران پر۔ یہ ظلمتیں چھٹ جائیں گی انسان کو چاہئے کہ وہ کائنات کے روشن حقائق سے وابستگی مضبوط رکھے، صبر و ثبات کی چٹان بن کر رہے۔ اور فسادِ فکر، فسادِ عقیدہ اور فسادِ عمل پر ہمیشہ بند باندھتا رہے۔ واقم الصلوٰة طرفی النهار و زلفا من الّيل ان الحسنٰت يذهبن السيات ذلك ذكرىٰ للذاكرين۔ واصبر فان الله لا يضيع اجر المحسنين۔ فلولا كان من القرون من قبلكم اولوا بقية ينهون عن الفساد في الارض الا قليلا ممّن انجينا منهم واتبع الذين ظلموا ما اترفوا فيه وكانوا مجرمين۔ وما كان ربك ليهلك القرىٰ بظلم واهلها مصلحون۔ (سورۂ ہود ۱۱۴ تا ۱۱۷)۔ اور نماز قائم کرو۔ اس وقت جب دن شروع ہونے کو ہو اور اس وقت جب ختم ہونے کو ہو نیز اس وقت جب رات کا ابتدائی حصہ گزر رہا ہو۔ یاد رکھو نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ یہ نصیحت ہے ان لوگوں کے لئے جو نصیحت پذیر ہیں۔ اور صبر کرو، (یعنی راہ حق کی تمام مصیبتیں جھیلتے رہو) کیونکہ اللہ نیک عملوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

پھر دیکھو ایسا کیوں نہیں ہوا جو عہد تم سے پہلے گزر چکے ہیں ان میں اہل خیر باقی رہے ہوتے اور لوگوں کو ملک میں شر و فساد کرنے سے روکتے ایسا نہیں ہوا مگر بہت تھوڑے عہدوں میں، جنہیں ہم نے نجات دی۔ ظلم کرنے والے تو اسی راہ پر چلے جس میں انہوں نے اپنی نفس پرستیوں کی آسودگی پائی تھی اور وہ سب احکام حق کے مجرم تھے۔

اور یاد رکھو ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ تمہارا پروردگار آبادیوں کو ناحق ہلاک کر دے اور اس کے باشندے سنوارنے والے ہوں (ترجمانی مولانا ابوالکلام آزادؒ) ●●

جیسی نیت ویسا پھل

فضل اللہ انصاری سلفی۔ راگھو نگر بھوارہ مدھوبنی بہار

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: انما الاعمال بالنیات وانما لامرئ مانوی، فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ۔ ومن کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبھا او امرأۃ یتزوجھا فھجرتہ الی ما ھاجر الیہ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر انسان کو اس کی نیت کے مطابق ہی نتیجہ ملے گا۔ چنانچہ جس کی ہجرت (ترک وطن) اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہوگی تو اس کی ہجرت (ثواب کے اعتبار سے بھی) اللہ اور اس کے رسول ہی کے لئے ہوگی۔ لیکن جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے کے لئے ہو یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لئے ہو تو اس کی ہجرت ان ہی چیزوں کے لئے ہوگی جن کو حاصل کرنے کی نیت سے اس نے ہجرت کی۔

یہ حدیث نیت کی اہمیت اور اعمال دین کی صحت وعدم صحت کے فیصلہ میں بنیادی حیثیت کی حامل ہے۔ کوئی بھی عمل ہو، اس کا دارومدار بہرحال نیت پر ہی ہوگا۔ "جیسی نیت ویسا پھل" کے مصداق کسی کام کی نیت اگر صحیح اور درست ہو تو اس کا انجام بھی بھلا ہوگا اور اس پر ثواب ملے گا۔ لیکن اگر نیت صحیح نہ ہو، بلکہ اس کے پیچھے کوئی اور غرض کارفرما ہو تو اس کا انجام بھی ویسا ہی ہوگا اور اُلٹا اس پر عذاب مرتب ہوگا۔ اہمیت کے پیش نظر ہی سلف صالحین اور متقدمین دینی امور ومعاملات کی ابتداء میں مذکورہ حدیث نیت کی تقدیم کو مستحب سمجھتے تھے۔ خود امام بخاریؒ نے "الجامع الصحیح" میں آغاز کتاب سے قبل حدیث نیت کو ذکر کر کے اس کی اہمیت واضح کر دی ہے۔ صاحب مشکوۃ وغیرہ نے بھی امام بخاریؒ

کی ابتداء میں حدیث نیت کو سب سے مقدم کیا ہے۔ عبدالرحمن بن مہدی کا بیان ہے کہ اگر میں ابواب پر مشتمل کوئی کتاب لکھتا تو عمر بن خطاب کی حدیث "الاعمال بالنیات" کو ہر باب میں رکھتا۔ ابن مہدی، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، ابن مدینی، امام ابوداؤد اور امام ترمذی وغیرہم نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ حدیث نیت ثلث دین ہے۔ (مرعاۃ المفاتیح ج ۱ ص ۴۲)

بہرحال نیت (جس سے مراد دل کا قصد و ارادہ ہے) کی اہمیت سے انکار محال ہے بغیر اس کے اخلاص اور محنت کے بڑے سے بڑا عمل رائیگاں اور بیکار ہے۔ کیونکہ جملہ اختیاری اعمال و افعال کا دار و مدار نیت پر ہے۔ نیت اگر صحیح ہے تو معمولی عمل بھی مقبول اور غلط ہے تو غیر معمولی کی بھی اللہ کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں۔ ہجرت (ترکِ وطن) جیسا عمل اگر حصول دنیا کی غرض سے صادر ہوا اور اس کے پیچھے مقصد یہ کارفرما ہو کہ وہ متاع دنیا حاصل کرے گا تو پھر ایسے عمل کی اسلام میں کوئی قدر و قیمت نہیں اور نہ ہی اس پر کوئی اجر و ثواب۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایک شخص نے ام قیس نامی ایک عورت کو نکاح کا پیغام بھیجا تو اس نے جواب میں خبر دی کہ آپ ہجرت کرکے مدینہ آجائیں تو شادی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ وہ شخص اسی غرض سے ہجرت کرکے مدینہ پہونچا اور اس کی شادی ہوگئی۔ صحابہ کرام اس کو مہاجر ام قیس کہا کرتے تھے۔ اسی واقعہ سے متاثر ہوکر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث ارشاد فرمائی۔ (صحیح بخاری شریف مترجم۔ باب: کیف کان بدء الوحی۔ ج ۱ ص ۳) اس واقعہ کے ضمن میں ایک بات کا ذکر ضروری ہے کہ ابن رجب نے "شرح الاربعین" میں لکھا ہے: مشہور ہے کہ قصہ مہاجر ام قیس ہی فرمان رسول ﷺ: مَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلٰی دُنْیَا الخ: کا سبب ہے اور متاخرین میں سے اکثر نے اپنی کتابوں میں اس کا ذکر کیا ہے، لیکن ہم اس کی کوئی صحیح بنیاد نہیں دیکھتے۔
(مرعاۃ المفاتیح ج ۱ ص ۴۴)

جہاں تک ہجرت کے لئے نیت غیر صالح اور دنیاوی غرض کے حصول کی بات ہے تو وہ بالکل واضح ہے۔ ایسے میں وہ عمل مقبول ہوگا اور نہ ہی اس پر ثواب ملے گا۔ کوئی بھی عمل ہو، نیت کے مطابق ہی اس کا پھل ملے گا۔ احادیث کا مطالعہ بتاتا ہے کہ بڑے سے بڑا عمل صرف فساد نیت کے سبب رائیگاں جائیگا اور اس کا کوئی وزن نہیں رہ جائیگا۔ بلکہ الٹا اب

یہ مطلب مرتب ہوگا۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا۔ قیامت کے
دن پہلے جس کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا، وہ شہید ہوگا۔ اسے بلا کر اللہ اپنی نعمتیں یاد دلائے
گا تو وہ یاد کرے گا۔ پھر اس سے کہے گا کہ تم نے ان نعمتوں کا کیا کیا؟ وہ کہے گا کہ میں نے تیری
راہ میں قتال کیا، یہاں تک کہ میں شہید کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جھوٹ، تم نے قتال
تو کیا، لیکن اس لئے کہ تمہیں جری اور بہادر کہا جائے۔ پھر بحکم رب اسے چہرے کے بل گھسیٹ
کر جہنم میں ڈالا جائے گا۔ ایک وہ آدمی، جس نے علم سیکھا، اسے سکھایا اور قرآن پڑھا، اسے بھی
بلایا جائے گا اور اللہ اپنی نعمتیں یاد دلائے گا تو وہ یاد کرے گا۔ پھر اس سے کہے گا کہ تم نے ان
نعمتوں کا کیا کیا؟ وہ کہے گا کہ میں نے علم سیکھا، سکھایا اور تیرے لئے قرآن پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے
گا کہ تم جھوٹے ہو۔ تم نے علم حاصل کیا اور قرآن پڑھا، مگر اس لئے کہ تمہیں عالم اور قاری کہا
جائے۔ پھر بحکم رب اسے بھی چہرے کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ ایک وہ آدمی جسے
اللہ نے مالی وسعت بخشی اور اپنے نوع بہ نوع مال سے نوازا، اسے بھی بلایا جائے گا اور اللہ اسے
اپنی نعمتیں یاد دلائیگا تو وہ یاد کرے گا۔ اللہ کہے گا کہ تم نے ان نعمتوں کو پا کر کیا کیا؟ وہ کہے گا
کہ ہر اس معاملے میں میں نے تیرے لئے خرچ کیا، جہاں تو خرچ کیا جانا پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ
فرمائے گا کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ تم نے خرچ کیا، لیکن اس لئے کہ تمہیں سخی اور داتا کہا جائے۔
اللہ کے حکم سے اسے بھی گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

اسلام میں شہادت، علم دین و علم قرآن اور صدقہ و خیرات کی جو اہمیت و فضیلت ہے
وہ بالکل واضح ہے اور ان چیزوں پر اسلام نے جتنا زور دیا ہے، اس سے ہم بخوبی آشنا ہیں
لیکن شہادت ہو یا علم دین کا حصول، علم قرآن کا حاصل کرنا ہو یا صدقہ و خیرات کا عمل، اگر
نیت خالص اور درست نہ ہو تو پھر سب رائیگاں و بیکار — بلکہ حدیث کی روشنی میں الٹا
ایسے "عمل" پر ثواب کے بجائے عذاب مرتب ہوگا۔ ضروری ہے کہ کسی بھی دینی کام و معاملہ کے آغاز
میں ہم اپنی نیت خالص کریں، کسی دنیاوی غرض کو ہم اس میں آمیزش نہ ہونے دیں اور صرف رضائے
مولیٰ کی خاطر اپنے دینی کام کو انجام دیں، تاکہ انجام بھلا ہو اور "عمل" رائیگاں نہ جائے۔
اللہ ہمیں جملہ اعمال دین میں اخلاص نیت کی توفیق دے۔ [illegible]

اسلامی معیشت کی بنیادیں

مولانا عزیز الحق عمری۔ (ایم۔اے علیگ)

اسلام نے ہر شخص کو ملکیت کا اہل قرار دیا ہے للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن۔ (یعنی مردوں کے لئے ان کی کمائی کا حصہ ہے اور عورتوں کے لئے ان کی کمائی کا حصہ ہے) اور دوسرے کی ملکیت میں ناجائز دست اندازی پر سخت سزائیں رکھی ہیں۔ السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما (کہ چور اور چورنی کا ہاتھ کاٹ دو) پھر بھی اسلام نے ملکیت کے تمام وسائل کو جائز نہیں قرار دیا ہے بلکہ نظام معاش اور اس کے آئین میں محدود کر دیا ہے تاکہ افراد و جماعت دونوں کے مفاد کی حفاظت ہو سکے اور اسلام کا یہ معاشی نظام عقیدے اور سیرت کے بنیادی ارکان پر برقرار ہے جو اس کے دائرے کو متعین کرتا ہے۔

نظام معاش کے عام قواعد

۱۔ اللہ کو اصل اور واحد مالک ماننا؛

یہ مسلمانوں کے عقیدے کا رکن ہے جس سے وہ کبھی جدا نہیں ہو سکتا اور اس بارے میں بہت سی آیتیں موجود ہیں جو اللہ کی ملکیت اور اس کے تصرف کو ثابت کرتی ہیں۔ لہٰذا اللہ ہی اصل مالک اور ہر چیز پر قادر ہے۔ اور فرمانبرداری و عبادت سب اسی کے لئے ہے، اور ایک مومن روزانہ "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْن" سے اس کا اقرار اور ثبوت پیش کرتا ہے اور یہی عقیدہ اسے احکام شریعت کا پابند بناتا اور مال میں غلو کرنے سے روکتا ہے۔

۲۔ اللہ کی ملکیت میں انسان کی نیابت۔

یہ نیابت قرآن سے ثابت ہے واذ قال ربک للملائکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ۔ (اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین پر خلیفہ بنانے جا رہا ہوں" یہ نیابت [illegible] ہے اور اللہ نے اپنی توفیق سے اسے اس کے ہاتھوں میں دیا

سے اسے اپنی ملکیت بنانے کی اجازت ہے۔ اس لئے بندہ اللہ کے مال کا وکیل ہے اور اس کا فرض ہے کہ اس کے احکام کے دائرے میں رہ کر مالیات میں تصرف کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے انفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ۔ کہ جس مال میں تمہیں نائب بنایا ہے اسے خرچ کرو۔

وسائل معاش کی وسعت :۔ اسلام نے کمائی کا ایک کشادہ میدان کھول دیا ہے یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر۔ یعنی اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا ہے اور کسب کے بہت سے وسائل پیدا کر دیئے ہیں تاکہ افراد کو کسب معاش کا پورا موقعہ حاصل ہو۔ اور نقد برابر ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جاتا رہے، تاکہ معاشی آسانیاں پیدا ہوں اور معاشی بحران سے حفاظت ہو سکے۔

اسباب ملکیت :۔ اسلام میں ملکیت کے وسائل دو ہیں۔ ۱۔ ابتدائی اسباب جس میں بندے کی محنت کا کوئی دخل نہیں ہوتا جیسے ہبہ، میراث، اور صدقہ وغیرہ،

۲۔ جس میں بندے کے عمل اور کسب کا دخل ہوتا ہے، جیسے کاروبار کاشتکاری، اجارہ کرایہ وغیرہ، انہیں وسائل میں افراد کی کشاکشِ باہم کا موقعہ ہوتا ہے اس لئے شریعت نے افراد وجماعت کے مفاد کی حفاظت کے لئے اس میں کچھ پابندیاں لگائی ہیں۔

اسلام کے احکام معاش کو دیکھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام نے جائز کمائی کے لئے دو شرط رکھی ہے۔ ایک یہ کہ فائدہ محنت وعمل کا عوض ہو جیسے ملازم اور اجیر کی اجرت،۔ دوسرے یہ کہ فائدہ ایسی صورت سے حاصل ہو جس میں نقصان کا بھی امکان ہو جیسے کاروبار، اور تجارت۔ لہٰذا اسلام کے اندر وہ ذریعہ معاش ناجائز ہے جس میں ان دونوں میں سے کوئی بھی وصف موجود نہ ہو، اس لئے چوری، غصب، جوا اور سود کی تمام صورتیں اور مقدار شریعت میں ناجائز ہے۔ دوم جو دوسرے سے کاروبار کر کے حاصل کیا جاتا ہے یہی جائز فائدہ ہے اور یہیں سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ جو مال پیداواری ذریعوں میں لگانے سے بڑھا ہو وہی جائز ہے اور جائز فائدے کے لئے مال کی حالت کا بدلنا ضروری ہے جیسے تجارت کے اندر مال سامان اور سامان مال بن جایا کرتا ہے اور اس میں کچھ زیادتی یا کمی بھی ہو جایا کرتی ہے مال کے اندر اس تغیر کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ فائدہ اسی تغیر کا اثر ہوتا ہے اور اسی سے محنت اور عمل کا ثبوت بھی ہوتا ہے کیونکہ جامد مال میں اگر ایسا عمل نہ ہو تو

وہ بڑھ نہیں سکتا بلکہ ایک روپیہ ایک ہی روپیہ رہ جاتا ہے۔ لیکن اسی ایک روپیہ کو ہوشیار شخص کاروبار میں لگائے جس میں فائدے اور نقصان دونوں کا امکان ہو تو بڑھ جاتا ہے اسی لئے اسلام نقد سے فائدہ حاصل کرنے کا موقع اسی وقت دیا ہے جب اس میں فائدے اور نقصان دونوں کا احتمال ہو۔

۴۔ معاشی اخلاق :۔ اسلام کی رو سے معاشی عمل میں اخلاق کا عنصر برقرار رہنا ضروری ہے اور کسب کے لئے جو تصرفات کئے جا رہے ہوں وہ اخوت اور محبت پر مبنی ہونے چاہئیں۔ تاکہ اسلامی معیشت کا امتیاز برقرار رہے اور اس سے معاشرے کی تعمیر اور تقویت میں مدد ملے، یہ سعادت کی بنیادی شرط ہے کہ مال انسانی اعلیٰ قدروں کا خادم ہو اگر معیشت سے یہ عنصر نایاب ہو جائے تو انسانی عظمت پامال ہو کر رہ جائیگی اور اسکا اثر یہ ہوگا کہ انسان مال کا خادم بنکر رہ جائے گا اسی لئے جو وسائل اس اخوت میں خلل انداز ہوتے ہیں انہیں اسلام نے ناجائز کر دیا ہے، مثلاً دھوکا اور فریب چنانچہ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو ہمیں دھوکا دیتا ہے وہ ہم سے نہیں ہے۔ (مسلم) ایسے ہی اسلام نے ذخیرہ اندوزی کو بھی ناجائز کیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ذخیرہ اندوزی خطا کار کا عمل ہے۔ اس کے علاوہ دھوکے کی اور صورتیں جیسے قیمت کا تعین نہ ہونا یا سامان کا یا اس کے وقت ادا وغیرہ کا مجہول ہونا سودے کو ناجائز بنا دیتا ہے کیونکہ اس سے آویزش اور اختلاف کی راہیں کھلتی ہیں جبکہ شریعت کی منشاء باہمی اخوت اور ہمدردی پیدا کرنا ہے اسی لئے اسلام میں مخاضرہ۔ منابذہ اور ملامسہ بھی ناجائز ہے، فصل تیار ہونے سے پہلے اسے بیچنا مخاضرہ ہے اور یہ اس لئے ناجائز ہے کہ اس میں یہ پتہ نہیں رہتا ہے کہ فصل پکنے اور تیار ہونے تک کس مقدار میں رہ جائیگی۔ اور اگر کسی آفت سے برباد ہو جائے تو پھر صاحب فصل کے لئے خریدار سے حاصل کردہ قیمت کے جواز کی کوئی وجہ نہیں رہ جائیگی، منابذہ کی یہ صورت ہوتی ہے کہ عاقدین اپنا اپنا سامان ایک دوسرے کی طرف پھینک دیں اور ان کا یہ عمل سودا بن جائے اور ملامسہ کی شکل یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کا سامان محض چھو دیتے ہیں اور چھو دینے ہی سے سودا پکا ہو جاتا ہے اس کے علاوہ اور بھی دھوکے کی صورتیں ہیں، جنکو اسلام نے ناجائز قرار دیا ہے جیسے پانی کے اندر مچھلی کا یا ہوا کے اندر پرندے کا کیونکہ یہ سب اختلافات کا باعث بنتے ہیں۔

[illegible]

تقسیم دولت: یہ اسلامی معیشت کی اصل بنیاد ہے جیسے اللہ کا فرمان مَا اَفَاءَ اللہ .. میں بیان کیا گیا ہے یہ آیہ بنو نضیر کے مال غنیمت کے بارے میں نازل ہوئی جو بغیر جہاد [illegible] کے حاصل ہوا تھا۔ اس لئے اس کا حکم مال غنیمت کا نہیں تھا لہذا اللہ تعالیٰ نے اسے قرابتداروں، یتیمون، مساکین اور مسافروں میں تقسیم کر دینے کا حکم دیا تاکہ دولت مالداروں کے ہاتھوں میں سمٹ کر نہ رہ جائے ماہرین معاشیات اس کی اہمیت سے آگاہ ہیں کہ معاشی دلچسپی کیلئے مال کا ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جانا ضروری ہے لیکن ان کے پاس اس کی کوئی صورت موجود نہیں ہے یہ اسلامی نظام معیشت ہی کا اعجاز ہے کہ وہ بڑی حکمت کے ساتھ پرامن انداز سے مال حاصل کر کے دوسرے ناداروں تک پہونچا دیتا ہے اور اسے مختلف ناموں سے دوسروں کی دولت وجائداد زبردستی لینے کی ضرورت نہیں پیش آتی،

اسلامی نظام تقسیم کا احاطہ کرنا ہمارا مقصود نہیں پھر بھی اس کے دو اہم وسائل کا تذکرہ نہایت ضروری ہے۔ ۱: زکوۃ ۲: میراث ووصیت جو دونوں تقسیم دولت کا کام کرتے ہیں اور دور رس اثرات کے حامل ہیں، اس کے برخلاف اسلام نے سود اور ذخیرہ اندوزی کو اسی لئے ناجائز کیا ہے کہ یہ دونوں وسائل مالداروں کے ہاتھوں میں دولت کے ارتکاز کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں ●●

بقیہ ص۲۹ کا

س۔ شیخ ابلیس آپ کا دوست تھا اور اسے بھی آپ نے ہدف بنالیا؟

ج۔ ارے، رسوا کرنے کیلئے پہلے دوستی تو کرنی ہی پڑتی ہے، اس لئے کہ دوستی کے بعد ذلیل ورسوا کرنے کا اچھا موقعہ ملتا ہے۔

س۔ ان کے علاوہ اور کس قسم کے لوگوں پر آپ ڈورے ڈالتے ہیں؟

ج۔ عام طور سے چمچوں اور چاپلوسوں پر، ان کے لئے تو میری کوشش رہتی ہے کہ ان کی بذریعہ ذلت حاصل کردہ قربت کو ختم کر سکوں اور یہی وجہ ہے کہ آپ دیکھتے ہوں گے کہ چمچے اور چاپلوس متکبر ہوتے ہیں دراصل یہ میری ہی دعوت کا ثمرہ ہے۔

س۔ آخر میں ہمیں کوئی ایسا پیغام دیجئے جسے اپنا کر ہم سنور سکیں؟

ج۔ خلوص دل سے بتاتا ہوں کہ کبھی چاپلوسی مت کرنا ورنہ ہی کبھی میری دعوت کو قبول کرنا ●●●

مسلم خاتون اسلامی سماجی زندگی میں

اشفاق احمد خان سلفی　مسلم یونیورسٹی علیگڑھ۔

عورتوں کے حقوق کے سلسلے میں اسلام نے کافی لحاظ کیا اور عورت کو وہ تمام مواقع فراہم کئے ہیں جن سے وہ نظام اسلامی کے حدود میں رہ کر اپنے فطری صلاحیتوں سے بہتر کام انجام دے سکے عورت کے لئے ترقی اور کامیابی کے بلند ترین درجوں تک پہونچنا ممکن ہے مگر یہ ترقی صرف عورت ہونے کی حیثیت سے ہو مرد بننا نہ تو اس کا حق ہے نہ مردانہ زندگی کے لئے اس کو تیار کرنا تمدن کے حق میں مفید ہے اور نہ مردانہ زندگی میں وہ کامیاب ہو سکتی ہے۔ اسلام کا یہ بہت روشن پہلو ہے کہ عورت کو حقوق اور مساویانہ رتبہ عورت ہونے کی حیثیت سے دیئے۔ اسلام عورت کو عورت اور مرد کو مرد رکھ کر دونوں سے الگ الگ وہی کام لیتا ہے جس کے لئے فطرت نے اسے بنایا لیکن آج بیسویں صدی میں بھی دنیا اسلام سے بہت پیچھے ہے افکار انسانی کا ارتقاء ابھی اس مقام تک نہیں پہونچا ہے جس پر اسلام ۱۴۰۰ سال پہلے فائز رہ چکا ہے۔ مغرب نے عورت کو ترقی کا جو راستہ دکھایا وہ بحیثیت عورت کے بہ نفسہ بلکہ نسوانیت کو ذلیل کر کے اس کو مرد کے مشابہ اور مماثل بنا کر لا کھڑا کیا مردانہ کپڑے پہنا کر اور مردانہ افعال سپرد کر کے آزادی اور مساوات کا نام دیا گویا اس نے مرد اور مردانہ پن کی عزت کی عورت اور نسوانیت اب بھی اس کی نظروں میں ذلیل اور حقیر ہے جیسے پچھلی اقوام میں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ترقی یافتہ عورت مرد کا لباس پہننا فخر و شان اور ترقی کی علامت سمجھتی ہے لیکن کوئی بھی مرد عورت کا لباس اختیار کر کے ان کے جانب نہیں بڑھا ہیں بنیادی فرق ہے اس ترقی کے دور میں جو اسلام عورت کے لئے چاہتا ہے اور جو مغرب نے اسے دیا۔ اسلام کی نگاہ میں انوثت و رجولت دونوں تعمیر تمدن کے لئے انسان کے ضروری اجزاء ہیں نہ رجولیت میں کوئی شرف ہے نہ انوثت میں کوئی ذلت۔ مرد کے لئے عزت اور ترقی اس میں ہے کہ وہ مرد رہے اور مردانہ کام انجام دے۔

ایسے ہی عورت کے لئے ترقی کامیابی اور عزت اس میں ہے کہ وہ عورت رہے اور زنانہ کام انجام دے۔ تمام اقوام نے عورت کی معاشی حیثیت کو بہت کمزور کیا ہے یہی اس کی غلامی کا سبب رہی یورپ نے اسے اس طرح بدلا کہ اسے کمانے والا فرد بنادیا اس سے دوسری خرابی پیدا ہوئی یورپی ممالک میں نکاح کی استوار بندھنیں کمزور پڑ کر خاندان کی تباہی کا سبب بنتی جارہی ہیں۔
۷ جولائی ۱۹۸۰ء کی شب ۹ بجے بی بی سی کے تجزیہ میں ایک رپورٹ سنایا گیا کہ اٹلی اور جرمن میں ہر نکاح طلاق میں بدل جاتی ہے، برطانیہ میں ۴۵٪ خاندانی نظام منتشر ہو جاتا ہے، لیکن اسلام کا نظام عدل دیکھیے عورت کو وراثت کے نہایت وسیع حقوق حاصل ہیں جو مرد کو بھی حاصل نہیں شوہر سے اس کو مہر اور نفقہ بھی ملتا ہے جس سے مرد محروم ہے اسی لئے وراثت میں عورت کا حصہ مرد کے نصف رکھا گیا عورت کا نفقہ صرف شوہر ہی پر نہیں بلکہ شوہر نہ ہونے کی صورت میں عورت بھائی بیٹے اور دوسرے اولیا پر اس کی کفالت واجب ہے اپنے مال میں اسے تصرف کا پورا اختیار حاصل ہے اس میں مداخلت کا اختیار نہ اس کے باپ کو حاصل ہے نہ اس کے شوہر کو اس طرح اسلام میں عورت کی معاشی حیثیت بہت ہی مضبوط ہے عورت کو شوہر کے انتخاب کا پورا حق دیا گیا اس کی رضامندی کے بغیر کوئی شخص اس کا نکاح نہیں کرسکتا جب وہ راضی ہو جائے تو اولیاء اس کا نکاح کرسکتے ہیں۔ شوہر کو بیوی کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت کی گئی ہے۔ نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے۔
خیرکم خیرکم للنساء ہ واللطفہم باہلہٖ" تم میں سب سے بہترین وہ ہے جو اپنے بیوی بچوں کے ساتھ بہترین سلوک کرتا ہے" ایک ناپسندیدہ اور ظالم شوہر کے مقابلے عورت کو خلع یا فسخ کے وسیع اختیارات دیئے گئے ہیں پھر بیوہ یا مطلقہ عورتوں کو غیر مشروط نکاح ثانی کا حکم دیا گیا ہے یہ وہ حق ہے جو آج تک یورپ وامریکہ کے بیشتر ممالک اور ہندو اقوام میں بھی عورت کو نہیں ملی ہے عورتوں کی تعلیم کے متعلق دینی و دنیوی علوم سیکھنے کی نہ صرف اجازت دی گئی ہے ان کی تعلیم و تربیت اتنی ہی ضروری ہے جس قدر مردوں کی ضروری ہے ــــ نبیؐ کا ارشاد ہے "طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم" صحیح روایت صرف مسلم" کا لفظ ہے جس پر تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ اس سے مرد و عورت دونوں مراد ہیں نبیؐ کے زمانے میں نہ صرف مرد بلکہ عورتیں تعلیم حاصل کرتی تھی ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بہت ہی اعلیٰ درجہ کی فقیہہ اور محدثہ تھیں بڑے بڑے صحابہ کرام آپ سے علم سیکھتے

سے۔ یہاں تک کہ نبی نے لونڈیوں کو علم سکھانے کا حکم دیا۔ عورت کا یہ اصلی امتحان جو اسلام نے عطا کیا اس احسان عظیم کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا آج دنیا میں جو بھی عورت کی عزت ہے وہ اسلام ہی کی مرہون منت ہے۔ آج حقوق نسواں، تعلیم نسواں آزادی نسواں اسی انقلاب انگیز صدا کی بازگشت ہیں جو نبی کریم نے کیا جس نے افکار انسانی کا رخ ہمیشہ کیلئے بدل دیا اللہ کے نگاہ میں عورت مرد میں عمل کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن مردوں کے لئے اپنے عمل کا حصہ اور عورتیں اپنے کمانے کا حصہ پائیں گی۔ عورت کو ذلت کے مقام سے اٹھا کر عزت کے مقام پر پہونچایا اور یہ مژدہ سنایا کہ بیکسوں کی پرورش اسے جنت کا مستحق بناتی ہے۔ شوہر کو پیغام دیا کہ نیک بیوی تیرے لیئے ہر چیز سے بڑھکر ہے "خیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحہ" اور بیٹے کو خبردار کیا۔ اِنَّ اللہَ حَرَّمَ عُقُوقَ الْاُمَّہَاتِ • ماں کی نافرمانی حرام ہے۔

یہ اسلامی نظام معاشرت کا ایک خاکہ ہے مقصد یہ ہے کہ صنفی تعلقات کو صرف نکاح کے دائرے میں محدود کر کے خاندانی نظام کے کاموں میں لگایا جائے اس کو تحفظ دینے کے لیئے چند قوانین کی بھی ضرورت ہے جس پر چل کر اس کی حفاظت کرتے رہیں ان میں باطن کی اصلاح ہے پھر تعزیری قوانین ہیں اس کے بعد کچھ انسدادی تدابیر بھی اختیار کرنے چاہئیں۔ ہر وہ شخص جو مومن ہونے کا دعوی کرتا ہے اس کے اوپر یہ فرض ہے کہ جو اوامر ونواہی قرآن وحدیث میں وارد ہیں ان پر عمل پیرا ہو چنانچہ جب ایک مومنہ عورت کو معلوم ہے کہ اسلام نے اسے ان چیزوں کا پابند بنایا تو اسے قبول کرے اور حد سے تجاوز نہ کرے یہی بنیادی چیز ہے جس کے ذریعہ دلوں کی اصلاح کی گئی ہے کیونکہ اگر قلوب میں کجی اور تعوج ہے تو کوئی قانون اصلاح نہیں کرسکتا ہے فواحش پر روک لگانے کے لیئے اللہ نے انسان کی فطرت میں حیا کا مادہ ودیعت کیا ہے۔ یہی شرم ہے جو برا کام کرتے وقت انسان اپنے ضمیر اور اللہ کے سامنے محسوس کرتا ہے اس کا بہترین اظہار نبی اکرم کی اس حدیث میں ہے "اذا لم تستحی فاصنع ماشئت۔، جب تمہارے اندر شرم نہیں تو جو چاہو سو کرو اسی لیئے اسلام کی اخلاقی تعلیم اسی مادے کو اجاگر کرنے کے لیئے ہے۔ آیئے ہم دیکھیں کہ اسلامی حیا کس قدر حساس ہے۔ آج کے قانون میں زنا کو صرف جسمانی اتصال PHYSICAL CONTACT مانتے ہیں اس کے علاوہ کوئی جرم وہ پکڑ نہیں سکتے لیکن اسلام اور اخلاق کی نگاہ میں، دائرۂ نکاح سے باہر جنس مخالف

کی جانب میلان ارادے اور نیت کے اعتبار سے اجنبی حسن سے آنکھوں کی لطف اندوزی اس کے آواز اور گفتگو کے انداز سے محظوظیت سب زنا کے مقدمات میں سے ہیں نبی اکرمؐ نے اس کی توضیح بہترین حکیمانہ انداز میں کی ہے العینان تزنیان وزناھما النظر والیدان تزنیان فزناھما البطش والرجلان ... اس میں سب سے بڑا فتنہ نگاہ ہے کتاب وسنت نے اس پر مناسب روک لگائی ہے۔ قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم الخ۔ آپؐ مومن مردوں سے کہہ دیجئے اپنے نگاہوں کو نیچی رکھیں اور شرمگاہ کی حفاظت کریں اسی طرح آگے ہے۔ مومن عورتوں سے بھی فرما دیجئے اپنی نظریں نیچی رکھیں نبی اکرمؐ نے حضرت علی سے فرمایا یا علی لاتتبع النظرۃ النظرۃ فان لک الاولی ولیست لک الآخرۃ۔ ایک نگاہ کے بعد دوسری نگاہ نہ ڈالو پہلی نگاہ معاف ہے مگر دوسری میں گناہ ہے۔ دوسرا فتنہ نمائش حسن کا جذبہ ہوتا ہے جو عورت کے دل میں ہوتا ہے کہ اس کا حسن دیکھا جائے بالوں کی آراستگی لباس کی زینت۔ ان تمام چیزوں کو اسلام ناپسند کرتا ہے ولاتبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ۔ اس سے مراد ہر قسم کے آرائش ومیک اپ جو شوہر کے علاوہ دوسروں کے لئے کیا گیا ہو ______

ان تمام چیزوں کا تعلق دل سے ہے اس لئے ہر مسلمان عورت کو خود اس کا جائزہ لینا چاہیے۔ شیطان کا دوسرا ایجنٹ زبان ہے۔ زبان کا فتنہ بہت بڑا ہے اسی لئے نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے زبان وشرمگاہ کی حفاظت کی ضمانت دے دے اس کے لئے میں جنت کی ضمانت لیتا ہوں۔

ترمذی کی روایت میں لاتباشر المرأۃ حتی تصفھا لزوجھا کانہ ینظر الیھا۔ کسی عورت کو ہرگز اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ اپنے شوہر سے دوسری عورتوں کے اندرونی حالات بیان کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ولایضربن بارجلھن لیعلم مایخفین من زینتھن اپنے پاؤں کو زمین پر مار کر نہ چلیں کہ اس زینت کی آواز سنائی دے جو انہوں نے چھپا رکھی ہے یہاں تک کہ ایک مسلمان عورت کے لئے خوشبو کو بھی فتنہ قرار دیا گیا ہے۔ کسی مسلمان عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ ایسی خوشبو جسم یا کپڑے میں لگائے جس کے عطریات فضا میں پھیل کر جذبات کو متحرک کریں طیب النساء ما ظھر لونہ وخفی ریحہ۔ انسانی شرم وحیا کی سب سے بڑی چیز ستر وپردہ ہے۔ پردہ پوشی کے سلسلے میں اسلام نے جتنا اہتمام کیا آج کی مہذب ترین دنیا بھی پیش کرنے سے قاصر ہے وہ لباس محض زینت کے لئے استعمال کرتی ہیں نہ کہ سترپوشی کیلئے ... میں مرد وعورت یکساں برہنگی کے لباس میں کھیلیں

کے شائقین کو ہم فلمی دنیا میں پہ دیکھ سکتے ہیں۔ اسلامی معیار اخلاق کا اندازہ اس بات سے کیجیے کہ غیر تو غیر میاں بیوی کو باہم مباشرت کے وقت بھی اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عریاں ہونے سے سخت منع فرمایا اذا اتی احدکم فلیستتر ولا یتجرد تجرد العیران۔ جب کوئی شخص اپنے بیوی کے پاس آئے تو پردہ کا خیال رکھے اور جانوروں کی طرح ننگا نہ ہو اور شرم وحیا کی اعتبار سے تنہائی میں بھی ننگا ہونا اسلام میں ناجائز ہے اس کی وجہ بتلائی۔ اللہ احق ان یستحی منہ۔ اللہ زیادہ حقدار ہے کہ اس سے شرم کی جائے اس لئے ایسے لباس کے بارے میں سخت وعید ہے جس میں بدن جھلکے اور نشیب وفراز نمایاں ہوں۔ مسلم کی روایت ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لنساء کاسیات عاریات ممیلات مائلات رؤسھن کالبخت المائلة لا یدخلن الجنة ولا یجدن ریحھا۔

ایسی عورتیں جو کپڑے پہن کر بھی ننگی رہتی ہیں دوسروں کو اپنی جانب مائل کرتی ہیں اور خود بھی ہوتی ہیں وہ جنت میں کبھی داخل نہیں ہوں گی۔ انسان کے باطن کی اصلاح کے لئے یہ اصول وضوابط بنائے گئے ہیں جو اسے ہر برائی سے باز رکھتی ہیں۔ لیکن ان تمام رکاوٹوں اور احکام کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کوئی اس گناہ میں ملوث ہو جائے تو پھر اس کے لئے تعزیری قوانین حد وغیرہ نافذ کرنا ہے اسلام کی یہ ایسی حکیمانہ اور فطری تدابیر ہیں جس کی حقانیت آج کے دانشور بھی تسلیم کرتے ہیں انسان کے بنائے ہوئے قانون نے زنا بالجبر اور شادی شدہ عورت کے زنا کو جرم اور اس پر سزائیں تو مقرر کیں لیکن اس جرم کی طرف لے جانے والے محرکات واسباب جیسے اختلاط، عریاں، فحش لٹریچر یا فلمیں وغیرہ پر کوئی پابندی نہیں عائد ہیں اس نے قانونی سہولیات کے ذریعہ مرد وعورت کو تخلیہ اور خلوت تک پہونچایا لیکن اس سے منتج ہونیوالی زنا بالجبر کو جرم قرار دیا گویا جسے وہ خلاف قانون قرار دیتا ہے اسکے ارتکاب کے سارے داعیے کو قانونی جواز فراہم کرتا ہے۔ یہ اندھی فکر اور صرف انسان کے وضع کردہ اصول ہی میں ہو سکتا ہے ایسا قانون جو صنفین کی فطرت کے ہم آہنگ ہو صرف وہی ذات وضع کر سکتی ہے جس نے مرد وعورت کو پیدا کیا اور ان دونوں کے درمیان تعلقات کی نوعیت کو بحسن وخوبی جانتا و پرکھتا ہے۔

اسلام کے تعزیری قوانین کا بنیادی اصول یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے قانون کے زد میں آنے سے بچا جاسکتا ہی لئے ثبوت جرم کے شرائط سخت رکھے گئے ہیں، لیکن جب کوئی حدود کی زد میں آجاتا تو

ایسی سخت سزا دی کہ نہ صرف وہ خود بلکہ دوسرے ہزاروں لوگ اس عبرتناک سزا کو دیکھ کر اتنا خوف زدہ ہو جائیں کہ کبھی ایسا فعل کرنے کا ارادہ بھی ذہن میں نہ لائیں۔ انسانی سماج اور تمدن کی تحفظ کیلئے دو جرموں پر سزا حد مقرر کی گئی ہے۔ ۱۔ زنا۔ ۲۔ قذف۔ کسی دوسرے پر ناحق زنا کا الزام لگانا۔ اللہ کا ارشاد ہے۔ الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منہما مائۃ جلدۃ ولا تاخذکم بہما رافۃ فی دین اللہ ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر ولیشہد عذابہما طائفۃ من المومنین۔ زنا کار مرد اور عورت دونوں کو سو سو کوڑے لگاؤ اور اللہ کے اس قانون میں تم کوئی تساہل اور ترس مت کھاؤ اگر تم اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو اور اس وقت مومنوں کی ایک جماعت کی موجودگی بھی ضروری ہے زنا کے سلسلے میں اسلامی اور مغربی قانون میں بہت بڑا فرق ہے کیونکہ مغرب صرف زنا کو کوئی جرم نہیں سمجھتا بلکہ زنا صرف اس وقت جرم ہے جب اس کے ساتھ جبر واکراہ جیسی کوئی اور جرم یا کسی کی حق تلفی شامل ہو یعنی کسی دوسرے کی منکوحہ کے ساتھ کی جائے۔ لیکن اسلام محض زنا ہی کو عظیم ترین گناہ قرار دیتا ہے خواہ باہمی رضامندی سے کیوں نہ ہو۔ مذکورہ آیت اور مختلف متواتر حدیثوں کو ملانے سے اس باب میں یہ اسلامی قانون بنتا ہے کہ مکمل ثبوت کے ساتھ زنا کا مرتکب شخص غیر شادی شدہ ہے تو اس پر سو کوڑے اور ایک سال کے لیے شہر بدر کیا جائے گا لیکن اگر شادی شدہ ایسا فعل کر گزرتا ہے تو رجم یعنی سنگسار کیا جائے گا۔ اس حد کے اجراء کے لیے اعتراف خود اور مکمل ثبوت کی فراہمی بے حد ضروری ہے جن ممالک میں یہ حد شرعی قائم کی گئی ہے وہاں پر زنا کا ارتکاب کبھی نہیں ہوتا اس کا اصلاح نفس ناگزیر ہے اسی حکمت کا اشارہ اس آیت میں ولکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب۔ قتل کے بدلے قتل میں لوگوں کے لیے زندگی ہے۔ کیا ہی بلیغ کلام ہے۔ دوسرا حد قذف ہے۔ زنا سے جتنی برائیاں پھیلتی ہیں اس سے کہیں زیادہ خرابی اور بدنامی اس میں ہے کہ کسی شریف عورت پر تہمت لگائی جاسکتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس جرم کیلئے بہت بڑی سزا مقرر کی ہے والذین یرمون المحصنت ثم لم یاتوا باربعۃ شہداء فاجلدوہم ثمانین جلدۃ ولا تقبلوا لہم شہادۃ ابدا واولئک ہم الفاسقون۔ (النور)

پاکیزہ عورتوں پر تہمت کی سزا یہ ہے کہ اسی کوڑے لگائے جائیں اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کی جائے۔ مغربی ممالک میں اس طرح کا کوئی قانون نہیں۔ اسلام کی یہ اخلاقی تعلیمات انسان کے باطن کو درست کرتی ہیں جبکہ تعزیری قوانین باہر سے اصلاح کرتی ہیں۔ عفت اور پاکیزگی کے جو حکامات اسلام نے دیے ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں کیلئے ستر اور پردہ کے حدود مقرر ہیں اور عریانی

روک دیا گیا ہے۔ مسلم کی روایت ہے لا ینظر الرجل الی عورة الرجل ولا المرأة الی عورة المرأة۔
کوئی مرد کسی مرد کے شرمگاہ کو اور نہ ہی کوئی عورت کسی عورت کو ننگا دیکھے۔ شریعت کی اصطلاح میں ستر کا مطلب ہے کہ اس کا ڈھانکنا ضروری اور فرض ہے مردوں کے لئے ستر کے حدود ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ ہے۔ عن ابی ایوب الانصاری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما فوق الرکبتین من العورة واسفل من السرة من العورة۔ عورتوں کے لئے اس سے زیادہ پابندی ہے اس حکم میں ہاتھوں اور بعض روایت کے مطابق چہروں کے علاوہ جسم کے تمام حصوں کو سوائے شوہر کے تمام لوگوں سے چھپانا ہے۔ ابوداؤد کی روایت میں ہے۔
الجارية اذا حاضت لم يصلح ان يرى منها الا وجهها ويدها الى المفصل۔
یہ احکام جوان عورت کے لئے ہے یعنی بلوغت سے لے کر جب تک جنسی کشش اس میں باقی ہے۔
استیذان بھی ایک اہم حکم ہے کہ گھر کے آدمی بھی بلا اطلاع اچانک گھروں میں نہ داخل ہوں تاکہ عورتوں کو غیر مناسب حالت میں نہ دیکھیں سورہ نور میں ہے۔ اذا بلغ الاطفال منكم الحلم فليستاذنوا كما استاذن الذين من قبلهم جب تمہارے بچے بالغ ہو جائیں تو اجازت طلب کر لیا کریں۔ اس کے بعد یہ حکم دیا گیا کہ کسی دوسرے کے گھروں میں بلا اجازت نہ داخل ہوں یاایها الذین امنوا لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا وتسلموا علی اهلها اے مومنو کسی دوسرے گھروں میں نہ داخل ہو جاؤ جب تک اہل خانہ سے پوچھ نہ لو اور سلام نہ کر لو اس کا مقصد یہ ہے کہ خانگی زندگی میں عورتیں اجنبی مردوں کی نگاہوں سے محفوظ رہیں واذا سالتموهن متاعا فاسئلوهن من وراء حجاب ذلكم اطهر لقلوبكم۔
کوئی چیز مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگ لیا کرو تاکہ تمہارے دل پاک و صاف رہیں یہ تمام انسدادی تدابیر ہیں تاکہ اس کے دائرے میں رہ کر مسلمان عورتیں اپنی بہترین زندگی کو عفیفہ کی حالت میں گزار سکیں اور اپنی ایک شناخت قائم کر سکیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ تمام عورتوں کو اسلامی طرز معاشرت اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

مسلمان بہنوں سے

تحریر: عبدالملک بہای الحمدان۔
ترجمہ: صبیحہ محمد پٹیل، طالبہ مدرسہ عائشہ صدیقہ۔ مالیگاؤں۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ" اے لوگو تم اپنے آپکو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہونگے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"الرجل راع فی اھلہ ومسئول عن رعیتہ" مرد اپنے گھر کا حاکم ہے اور اس سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

قرآن پاک کی آیت کریمہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر مرد اپنے اہل و عیال کا ذمہ دار ہے اور قیامت کے روز اس سے حساب لیا جائے گا کہ اس نے اپنی ذمہ داری کو کس حد تک ادا کیا ہے۔

اس لئے مسلمانوں کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ عظیم نعمت جو ان کے سپرد کی ہے اس کا شکریہ ادا کریں اور علی وجہ الکمال اسے ادا کرنے کی کوشش کریں۔

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

"الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ" مرد عورتوں کے نگراں ہیں اس لئے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت بخشی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت کیوں عطا کی ہے؟ اور ان کو عورتوں کا حاکم کیوں بنایا ہے؟ اس کا سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں یہ بتایا ہے کہ عورتیں عقل اور دین کے اعتبار سے مردوں کے مقابلے میں ناقص ہیں۔ آپ نے فرمایا:

"ما رأیت ناقصات عقل و دین أذھب للب الرجل الحازم من احداکن" یعنی عورتیں جو

عقل عورتوں کے لحاظ سے ناقص ہوتی ہیں، وہ بڑے بڑے ہوشیار اور عقل مند مردوں کی عقلوں پر پردہ ڈال دیتی ہیں۔

عورتیں ناقص العقل ضرور ہوتی ہیں لیکن یہ اپنے مکر و فریب کے ذریعے مردوں پر غالب آجاتی ہیں۔ اس لیے مسلمان مردوں کو اپنی قوامیت پر ہمیشہ نگاہ رکھنی چاہیے، ورنہ شیطان جو ہمیشہ عورتوں کو آلۂ کار بناتا ہے، وہ عورتوں کو مردوں پر مسلط کر دے گا اور مرد اپنی ماتحت رعایا سے غافل ہو جائے گا، بلکہ حاکم کے بجائے محکوم ہو جائے گا۔

عصر حاضر میں عورتوں کا جو فتنہ اٹھا ہے یہ کوئی معمولی اور نیا فتنہ نہیں ہے بلکہ عورتوں کا فتنہ زمانۂ قدیم میں بھی تھا چنانچہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو اسرائیل کے فتنوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ سب سے پہلا فتنہ جو بنی اسرائیل میں نمودار ہوا تھا وہ عورت ہی کا تھا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس عظیم فتنہ سے بڑے بلیغ انداز میں متنبہ کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"ما ترکت بعدی فتنۃ اضر علی الرجال من النساء"، یعنی میری وفات کے بعد مردوں کے حق میں جو سب سے زیادہ ضرر رساں فتنہ ہوگا وہ عورتوں کا ہوگا۔

اس حدیث کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو متنبہ فرما رہے ہیں کہ تمہارے اندر بھی عورتوں کا فتنہ رونما ہونے والا ہے۔ اس لیے شر کے پیدا ہونے سے پہلے اس کے تدارک کی تدابیر اختیار کر لو اس وقت ہمارے اندر عورتوں کے جو فتنے پائے جا رہے ہیں انہیں ہم تین قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں: ۱۔ عریانیت۔ ۲۔ اختلاط۔ ۳۔ شاپنگ۔ ان تینوں چیزوں کو اللہ کے رسول نے حرام قرار دیا ہے۔

۱۔ عریانیت کا مطلب یہ ہے کہ عورت زیب و زینت اور ناز و ادا اور رفتار و گفتار کے ذریعے مردوں کو اپنی توجہات کا مرکز بنائے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"ولا تبرجن تبرج الجاہلیۃ الاولیٰ"

اس آیت کریمہ میں مومن عورتوں کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ "تم زمانہ جاہلیت کی طرح بن سنور کر اجنبی مردوں کے سامنے نہ آیا کرو۔"

حکمت اور بچت لباس کا فتنہ دیکھنے کے [illegible] بازار یا کسی فتنے سے
کم نہیں ہے کہ گھروں میں اور عام حالات میں تو عورتیں معمولی لباس پہنتی ہیں لیکن جب انہیں بازار تک
کے لئے بازار جانا ہوتا ہے تو ایسا لباس زیب تن کرتی ہیں کہ نہ پہننے کے باوجود ننگی بن جاتی ہیں
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

"ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن۔" یعنی عورتیں چلتے وقت اپنا پاؤں زمین پر
اس طرح نہ رکھیں کہ ان کی زینت (زیور) جو نظروں سے اوجھل ہے۔ رفتار کی شوخی سے جان لی جائے۔
زیور اگرچہ مخفی رہتا ہے لیکن اگر شوخیٔ رفتار سے آواز پیدا ہو جائے تو سننے والے کے لئے یہ
بھی فتنہ کا ایک سامان ہے۔ زیور کی آواز جو ایک غیر مرئی چیز ہے فتنے کے اندیشے سے اس کے اظہار سے
بھی آیت کریمہ میں جب منع کیا گیا ہے تو عورت جب سراپا ناز وادا بن کر مردوں کے سامنے آجائے تو یہ کس
فتنے سے کم ہوگا؟ اور یہ کیونکر ممنوع اور حرام نہیں ہوگا؟

تبرج کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ عورت خوشبو لگاکر باہر نکلے اور اپنے جسم کی پھوٹتی ہوئی خوشبو
سے اجنبی مردوں کے جذبات میں کہرام مچائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقۂ ادا کو زنا سے
تعبیر فرمایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔

"ان المرأۃ اذا استعطرت فمرت بالمجلس فھی کذا وکذا یعنی زانیۃ۔" یعنی جب عورت عطر (خوشبو)
لگاکر کسی مجلس کے پاس سے گزرے تو وہ ایسی اور ایسی ہے، یعنی زانیہ ہے۔

۲۔ مرد و عورت کا اختلاط اور اژدحام عام طور سے سڑکوں یا اسٹیشنوں میں ہوتا ہے۔ یہ
اختلاط بہرحال شریعت کی نگاہ میں ممنوع اور حرام ہے اس لیے جب شریعت عبادت کی جگہوں
میں اختلاط کو گوارہ نہیں کرتی تو فسق و فجور کے اڈوں پر کیوں کر گوارہ کرے گی؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"خیر صفوف النساء آخرھا وشرھا اولھا۔" عورتوں میں سب سے بہتر صف آخری صف
ہے اور سب سے بری پہلی صف ہے۔ ظاہر ہے کہ اس حدیث میں خیر و شر کا معیار اس
بنیاد پر بنایا گیا جب کہ مسجد میں مرد و عورت دونوں کی صف لگی ہوئی ہو ورنہ اگر صرف عورتوں
کی نماز ہو اور انہیں کی صفیں ہوں تو ایسی صورت میں مردوں کی طرح عورتوں کی بھی پہلی صف

بہتر ہوگی اور آخری صف بری ہوگی۔

یہ حدیث احادیث کی واضح دلیل ہے کہ شریعت اجنبی مرد اور عورت کے اختلاط اور قربت کو کسی حال میں پسند نہیں کرتی خواہ وہ مسجد اور نماز ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے پارکوں، بازاروں، اور دوکانوں پر عورتوں اور مردوں کا اجتماع بہرحال ممنوع اور ناجائز ہے۔

۳۔ خرید و فروخت کے لئے دوکانوں اور بازاروں میں عورتیں مردوں کے مقابلے میں زیادہ ہی نظر آتی ہیں چونکہ اسلام نے عورت کو تجارت خرید و فروخت کا اختیار دیا ہے، اس لئے عورت کے لئے بیع و شراء اور تجارت کو ناجائز تو نہیں کہا جا سکتا، لیکن اس کے پس پردہ مفاسد کے جو دروازے کھلتے ہیں، اس کے پیش نظر اگر شوہر عورت کو مارکیٹنگ سے منع کر دے تو زیادہ بہتر ہوگا ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

" لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ وبیوتھن خیر لھن۔ یعنی اللہ کی بندیوں (عورتوں) کو اللہ کی مسجدوں میں برائے نماز۔ آنے سے مت روکو، لیکن ان کا گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں آنے سے بہتر ہے۔" اسی کے ساتھ ہی یہ بھی کہا گیا ہے کہ گھر کی نماز مسجد کی نماز سے بہتر ہے۔

حدیث کے مفہوم سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ جانے سے عورت کو روکا جا سکتا ہے۔ چنانچہ حالات کے پیش نظر بازار جانے سے عورت کو روکنا جائز ہے لیکن تبرج اختلاط اور خوشبو لگا کر باہر آنے سے روکنا تو بہرحال واجب ہے ●●

(جاری)

بقیہ ص۴۵ کا

عاملہ کے ایک تاریخی اجلاس میں ملک پر واضح کر دیا گیا کہ اسلام میں مذکورہ مسجد کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ اسے نہ منتقل کیا جا سکتا ہے نہ منہدم اور حکومت اسے مورتیوں سے خالی کرا کے برائے ادائیگی نماز مسلمانوں کے حوالہ کر دے یہی اس مسئلہ کا حل ہے۔ اس فیصلہ سے ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو ذہنی سکون حاصل ہوا اور ذہنی انتشار دور ہوا ●●

یہ غازی یہ تیرے پُراسرار بندے

مشکس کمال انجم اثری۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دھلی

ایمان ــــ درحقیقت نام ہے رزمگاہ حیات میں اللہ کے نام پر جاں بازی و جانثاری کا جذبہ پاکیزہ اور عشق مقدس کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول پاک پر فدا کاری کا۔ مومن ــــ میدان جہاد کا غازی اور رات کا نمازی ہے، مومن ــــ شب دیجور میں صبح صادق کا مؤذن ــــ اور اللہ کی سلطنت میں ایک صالح انقلاب کا پیغامبر ہے۔ مومن ــــ لادینیت کی تیز و تند ہواؤں کے رخ کو موڑ سکتا ہے ــــ شیشۂ انسانیت کے پارۂ شکستہ کو جوڑ سکتا ہے ــــ نمرود و فرعون کی مضبوط چٹانوں کو توڑ سکتا ہے۔ مومن کے پاس ابدی پیغام کا وہ اکسیر اعظم ہے ــــ جو قلب و روح کی بیماریوں کے لئے بے نظیر نسخۂ شفا کا کام دیتا ہے ــــ مومن ایقان و ایمان کی جیتی جاگتی اور جگمگاتی تصویر ہے، مومن ــــ کا کام خلافت و سیادت اور قیادت و امامت کا فریضہ انجام دینا ہے ــــ مومن جس طرف اپنے جذبہ صادق سے رواں دواں ہوتا ہے تائید الٰہی اس کے ہم رکاب ہوتی ہے ــــ نصرت ایزدی اس کے سر پر سایہ فگن ہوتی ہے ــــ وہ جہاں کہیں جاتا ہے تاریخ کے صفحات پر اسلام کے زندہ و جاوید نقوش ثبت کر جاتا ہے ــــ اور کارگاہ حیات میں صبر و توکل، استقلال و استقامت ایثار و قربانی اور جرأت و سرفروشی کے لازوال نمونے چھوڑ جاتا ہے۔ اس کی شجاعت و بہادری اور طاقت و قوت کا اندازہ لگانا ناممکن اور محال ہے ــــ مرد مومن کی نگاہ سے وہ صالح انقلاب خیر و سعادت کا جامہ پہن کر معرض وجود میں آتا ہے جو قوموں کی تقدیریں فرش خاکی سے عرش کی بلندی پر پہونچا دیتا ہے۔ بقول حکیم الامت؀

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

قارئین کرام! ــــ تاریخ کے اوراق پکار پکار کے شہادت دے رہے ہیں کہ ایام

ماضی میں مومنین صادقین کی ایک مختصری جماعت نے نہ صرف دشت و صحرا اور کوہ و بیابان میں تہلکہ مچا دیا بلکہ بحر ظلمات کی موجوں میں بھی گھوڑے دوڑا کر اپنے جوش جہاد اور جذبہ ایمانی کے ثبوت فراہم کئے اور یہ اخلاص پاکیزہ اور جذبہ صادق ہی تو تھا کہ جس کے صدقے میں اسلام کے ان جیالے فرزندوں مالک بن انس، احمد بن حنبل، سعد بن ابی وقاص، عمر بن عبدالعزیز، عقبہ بن عامر، محمد بن قاسم، ابن تیمیہ، شاہ اسماعیل شہید، صلاح الدین ایوبی، اورنگ زیب عالمگیر وغیرہ اسلام کے نہ جانے کتنے کارہائے نمایاں انجام دیئے جو تاریخ کے صفحات میں لعل و گہر کی طرح آج بھی تاباں و فروزاں ہیں اور آئندہ بھی چمکتے اور جگمگاتے رہیں گے۔

عبرت و موعظت کی خاطر اور امت مرحومہ کے خفیہ جذبات اسلامی کو بیدار کرنے اور اس کے فرزندوں میں اسلامی اسپرٹ پیدا کرنے کی غرض سے ایک ایسا ہی کارنامہ حوالۂ قلم کیا جا رہا ہے جس سے اللہ کے ان پاکباز بندوں کی جیتی جاگتی تصویر آنکھوں میں ابھر جاتی ہے، جنہیں ــــــ کافروں کی مملکت قلب و روح پر حکمرانی کا پورا پورا حق حاصل تھا ــــــ جن کو دشمنوں کی دھنائی کا خوب خوب ڈھنگ معلوم تھا جن کی ــــــ اذانوں سے ایسی سحر نمودار ہوتی تھی جس سے شبستان وجود لرزا اٹھتا تھا، جن کے شجاعانہ کارناموں سے قیصر و کسریٰ جیسی جابر و ظالم سلطنتوں میں زلزلے پیدا ہو جاتے تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ مملکت اندلس کو فتح کرنے اور وہاں پر اسلامی حکومت قائم کرنے کے جذبہ کی خاطر جاں باز و سرفروش مجاہد طارق بن زیاد اندلس تھوڑی سی فوج لیکر عزم مصمم کے ساتھ آگے بڑھے یہاں تک کہ جب جزیرۂ اندلس کی شادابی و سرسبز زمین پر قدم رکھا تو جوان سال اسلامی مجاہد طارق بن زیاد نے ان کشتیوں کو جلا دینے کا حکم صادر فرمایا جن سے طارق اور ان کے فوجی رفقاء دریا پار کر کے آئے تھے کہ واپسی کا سوال ہی باقی نہ رہے۔ کچھ تجربہ کار لوگوں کی طرف سے اس ظاہری نامناسب اور غیر دانشمندانہ طرز عمل پر اعتراض وارد ہوا کہ ہمارا وطن دور ہے۔ وسائل کا فقدان ہے، تہی دستی اپنا مقدر ہے یہ فرمان دانشمندی کے قطعاً خلاف ہے یہ سنتے ہی طارق بن زیاد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رقص کر جاتی ہے اور ہاتھوں میں تلوار لے کر خطاب فرماتے ہیں۔

[illegible] دشمن سامنے ہے۔ دریا پیچھے ہے بھاگ کر کہاں جاؤ گے یہاں پر صرف اور
صرف [illegible] ہے، اٹھو، بڑھو اور اللہ کے دشمنوں سے نبرد آزما ہو جاؤ اور
[illegible] تمہارا بھروسہ اللہ پر قائم رہا تو تمہارا رب تمہیں ضائع کبھی نہیں کرے گا اور تمہیں
کامیاب و کامران ہو گے اس لئے مومنانہ شان اور اللہ پر ایمان و ایقان رکھتے ہوئے آگے بڑھو
ساری کائنات اللہ کی ہے اور زمین بھی اللہ ہی کی ہے۔ لہٰذا ع ہر ملک ملک ما است کہ ملک خدائے ماست

اسکے بعد طارق بن زیاد نے فوجی ڈھنگ سے لشکر اسلام کو ترتیب دیا اور معائنہ کیا تو اپنی فوج کو اسپینی فوج سے عددی اور فوجی قوت میں بدرجہا کمتر پایا اس لئے اپنے ہادی اعظم رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو زندہ کرنے کی خاطر رب العالمین کی بارگاہ ناز میں جبین نیاز کو جھکا کر دست بدعا ہو گئے اور بزبان اقبال عرض کیا۔

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے — جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا — سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو — عجب چیز ہے لذت آشنائی
شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن — نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

یعنی بارالہا! تیرے یہ چند فاقہ کش نام لیوا آج اندلس کی سرزمین میں تیرے دین کی وحدت و سربلندی کے لئے حاضر ہو گئے ہیں۔ اے الہ العالمین! یہ تیرے پراسرار بندے جنہیں تو نے ذوق خدائی سے نوازا ہے جن کی ٹھوکروں سے پہاڑوں میں شگاف، صحراؤں میں زلزلہ، دریاؤں میں خشکی کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں جن کا مطمع نظر آج تیرے دین کی بقا اور تحفظ ہے، جنہیں تیری راہ میں سرفروشی اور جاں بازی کی حسرت و آرزو ہے جنہیں تیری ذات سے محبت ہے اور اسی محبت نے انہیں دو عالم سے بیگانہ کر کے اندلس کے میدان میں لا کھڑا کر دیا ہے۔ اے رب ذوالجلال عزائم کا ایک بحر ناپید کنار ان کے سینوں میں پیدا کر دے، ان کی نگاہوں کو تلوار کی کاٹ عطا کر، وہ جس طرف رخ کریں جدھر جائیں ان کے لئے سارا عالم مسخر ہو جائے تاکہ تیرے دین ہدایت کا پرچم و پھریرا ساری کائنات میں لہرانے لگے۔ آج تو ان مسلمانوں کی لاج رکھنا اور انہیں ان کے دشمنوں پر فتحیاب کرنا۔

عزم مومنانہ، جرأت مندانہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ اندلس کو ان جانباز سپاہیوں اور سرفروش مجاہدوں نے اپنی مومنانہ شجاعت و بسالت سے فتح کر لیا اور اپنی کیمیاوی نظر سے تقدیر کو بدل کر رکھ دیا یہاں تک کہ اندلس کی فضاؤں میں پیہم دگا عالم کی وحدت کا پرچم رزمگاہ لہرا کر اپنی عظمت و سطوت حشمت و شوکت اور رعب و داب کا سکہ بٹھا دیا اور زمانہ نے دیکھ لیا کہ ع

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

لیکن آہ اور حسرتا مقام ماتم گساری ہے کہ جب اندلس کے مسلمانوں میں اسلامی حمیت فنا ہو گئی اور جب وہ مقدس خون باقی نہیں رہا جس نے مقام اندلس میں اہم پارٹ ادا کیا تھا اور جب مسلمانوں کا اتحاد پارہ پارہ ہو گیا اور ان کے سجدے بے ذوق ہو گئے جب انہیں کفر و باطل کا رنگ و روغن بھانے لگا ان کے دلوں میں ایمان کی چنگاریاں بجھ گئیں تو اس عظیم الشان اسلامی حکومت کا نام و نشاں مٹ گیا اور اسلامی مملکت مسلمانوں کے ہاتھوں سے جاتی رہی اناللہ الخ علامہ اقبال نے جس سے متاثر ہو کر فرمایا تھا ع

اے لاالہ کے وارث باقی نہیں ہے تجھ میں   گفتار دلبرانہ کردار قاہرانہ

یعنی جب ان کلمہ طیبہ کے وارثین میں گفتار و کردار کی عظیم قوت ناپید ہو گئی تو پھر شاعر مشرق نے امت محمدیہ کی ابتری دیکھ کر عالم تصور میں اپنے رسول ہاشمی صلعم کی روح سے مخاطب ہو کر عرض کیا۔

شیرازہ ہوا امت مرحوم کا ابتر   اب تو ہی بتا تیرا مسلماں کدھر جائے
اس راز کو تو فاش کر اے روح محمدؐ   آیات الٰہی کا نگہباں کدھر جائے

اور نبی اکرم سے ایک طرف اگر یہ عرض نیاز کیا تھا تو دوسری جانب مسلمانوں سے یہ التماس بھی کیا تھا کہ اے مسلمان آج اپنے اندر طارق بن زیاد کی شان پیدا کر، آج اسماعیل شہید اور سید احمد شہید کی روح کو اپنے اندر بیدار کر اور قوم و ذات کی تفریق کی لعنت کو ختم کر کے ایک دین پر آجا آخر تو ترا کعبہ ترا اللہ ایک ہی تو ہے، پھر یہ ذاتی تفاوت کیسا اور کیوں کر ؟

بتان رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا   نہ ایرانی رہے باقی نہ تورانی نہ افغانی
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک   کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

پس اے مسلمانو! آنکھیں کھولو، حالات کا مطالعہ کرو، فاصلے اور رنگ و نسل کی حد بندیوں کو دور کر کے اتحاد و اتفاق کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آج کشمیر جنت نظیر میں مسلمانوں پر کس قدر مظالم ڈھائے جا رہے ہیں۔ کیا بھاگلپور، میرٹھ، ملیانہ، مراد آباد وغیرہ مقامات پر فسادات کے شعلے بھڑکا کر تمہارے وجود سے کھیلنے کا سودا نہیں کیا گیا تھا؟ اب پھر وقت آگیا ہے کہ سنجیدگی سے غور و فکر کر کے رب پاک سے دعا کرو کہ۔

دل مرد مومن میں پھر زندہ کر دے　　وہ بجلی کہ تھی نعرہ لاتذر میں

آج اگر تمہارے اندر اسلامی جذبہ پیدا ہو جائے تو تمہاری دعائیں کبھی بے اثر نہ ہوں گی اور جدھر تمہارا رخ ہوگا کائنات مسخر ہو جائے گی جس طرح سے چند مٹھی بھر جانباز مسلمانوں نے اندلس کی سرزمین پر خیمہ زن ہو کر اسلام کا جھنڈا لہرا دیا تھا۔ اسی طرح آج پھر تم وسعت کائنات کی فضاؤں میں دین شہ حجاز کا جھنڈا لہرا کر سارے زمانے سے خراج تحسین حاصل کر سکتے ہو! تمہاری تاریخ ــــ گواہ ہے جب بھی تم نے انگڑائی لی ہے تمہارا جذبہ بیدار ہوا ہے تمہاری غیرت کو جھرجھری آئی ہے تو تم نے زمانے کو ایک نئے انقلاب سے آشنا کیا ہے اور پھر زمانے نے تمہیں پرخلوص نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے کیونکہ بہ نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

دو روزہ عظیم الشان کانفرنس

کلکتہ: آئندہ ۳۱ دسمبر و یکم جنوری ۱۹۹۲ء کلکتہ پارک سرکس میدان میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے مشرقی زون (بنگال، آسام و اڑیسہ) کی دو روزہ عظیم الشان کانفرنس زیر صدارت مفکر ملت و قائد جماعت حضرت مولانا مختار احمد ندوی امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند منعقد ہو رہی ہے۔ ان شاء اللہ

بلا تفریق مذہب و ملت سب کو شرکت کی عام دعوت ہے۔

بیرون بنگال کے حاضرین کے لئے قیام و طعام کا انتظام رہے گا۔

ــــ زیر اہتمام ــــ

صوبائی جمعیت اہل حدیث مغربی بنگال

تکبر سے ایک انٹرویو

انصار زبیر محمدی۔ جمعیت اہلحدیث بھیونڈی

س۔ شیخ جی اسم گرامی بتا سکتے ہیں؟

ج۔ میرا نام تکبر بن بے ایمان بن نافرمان بن شیطان ہے۔

س۔ آپ کا خاندان کہاں سے نکلتا ہے؟

ج۔ ویسے نافرمان بن شیطان تک میرا نسب نامہ اچھی طرح محفوظ ہے!

س۔ آپ کی دعوت کیا ہے؟

ج۔ بس صرف انسانیت کو تباہ و برباد کرنا، اور انسانی تہذیب کو مسخ کرنا۔

س۔ آپ اپنی دعوت میں کس حد تک کامیاب ہیں؟

ج۔ یوں تو میں نے بڑے سے بڑے اور مقرب لوگوں کو اپنے دام میں لے لیا ہے!

س۔ کوئی ایک مثال دیجئے؟

ج۔ ابلیس اللہ کا مقرب تھا مگر میری دعوت کی سحر طرازی اس پر اثر انداز ہو گئی!

س۔ آپ کی دعوت کا طریقہ کار کیا ہے؟

ج۔ پہلے تو میں اپنا سکہ جماتا ہوں اور لوگوں کی اس قدر تعریف کرتا ہوں کہ وہ پھولے نہیں سماتے اور جب دیکھتا ہوں کہ میرے وفادار شاگرد بن گئے ہیں تو انہیں ذلیل و خوار کرتا ہوں۔

س۔ کس طرح کے لوگوں پر آپ اپنی دعوت کو پیش کرتے ہیں؟

ج۔ جس کے پاس دولت ہو، کچھ علم ہو، یا کچھ حسن و منصب و عہدہ وغیرہ ہو تو اس کے زوال کی خاطر میں اپنی دعوت پیش کرتا ہوں!

س۔ عالی جناب تکبر صاحب! کیا آپ اپنے دوستوں کو بھی نہیں بخشتے؟

ج۔ ذرا اس سوال کی وضاحت کیجئے؟

(بقیہ صفحہ)

صفحۂ مسلمانانِ

ابتدائی تعلیم

مولانا ثناء الحق صدیقی ایم۔اے۔علیگ

اسلام نے حصول علم کو ہر فرد کے لئے دینی فریضہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

"طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ"[1]

قرآن کریم کی سب سے پہلی آیتیں اسی حقیقت کو ظاہر کرتی ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

"اقرأ باسم ربک الذی خلق۔ خلق الانسان من علق۔

اقرأ وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم"

خالق ارض وسماء نے علم ہی کی بناء پر انسان کو تمام مخلوقات پر فضیلت دی اور اس کو اشرف المخلوقات کے درجہ پر فائز کیا۔ ان حقائق کے پیش نظر مسلمان کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ حصول علم سے چشم پوشی کر سکے، ہر مسلمان کا یہ فریضہ ہو جاتا ہے کہ وہ خود بھی علم حاصل کرے اور اپنے علم کو دوسروں کے جانب منتقل کرے۔ اس دو طرفہ عمل کو تعلیم کہا جاتا ہے۔

تعلیم دینا اور تعلیم حاصل کرنا ہر مسلمان کے لئے دنیوی فوائد کے حصول کے ذریعہ ہونے کے ساتھ ساتھ دینی فریضہ بھی ہے۔ تمام والدین کیلئے لازمی اور ضروری ہے کہ وہ اپنی اولاد کو تعلیم دیں اور صحیح تربیت کریں اور اگر اپنی مصروفیات کی وجہ سے اس فریضہ کو کلی طور پر خود ادائیگی نہیں کر سکتے تو اس کا معقول انتظام کریں۔

تمام مہذب معاشرے اور حکومتیں قوم کی تعلیم کو اولیت کا درجہ دیتی ہیں اور اس کے لئے مختلف ذرائع استعمال کرتی ہیں۔ اس کے لئے درسگاہیں قائم کی جاتی ہیں۔ اساتذہ مقرر کیے جاتے ہیں۔ نصابی کتب لکھوانے اور چھپوانے کا انتظام کیا جاتا ہے۔ گویا تعلیم کا ایک مکمل نظام قائم کیا جاتا ہے۔ اس طرح کی تعلیم کو رسمی تعلیم کا نام دیا گیا ہے۔

رسمی تعلیم کے تین مدارج ہیں۔ ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ۔ جو زندگی کے تین ادوار ہیں۔

---

[1] ومسلمۃ کی صحت ضعیف ہے۔

... اور پختگی عمر سے مشابہ ہے۔

ابتدائی تعلیم فرد کی تعلیمی زندگی میں ویسی ہی اہمیت رکھتی ہے جیسی کہ حیات دنیوی میں بچپن کی ہوتی ہے۔ جس طرح بچے کی دیکھ بھال نشو ونما اور تعلیم وتربیت میں بڑی احتیاط برتنی پڑتی ہے اسی طرح ابتدائی تعلیم کی جانب بھی سب سے زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ جس طرح بچپن کی عادتیں اور خصلتیں پختگی عمر میں پہونچنے پر پوری طرح اپنا اظہار کرتی ہیں، اسی طرح ابتدائی تعلیم کے دوران جو باتیں فرد کے دل ودماغ پر مرتسم ہوجاتی ہیں وہ مدت العمر اس کا ساتھ نہیں چھوڑتیں۔ انگریزی زبان کے مایہ ناز شاعر ولیم ورڈس ورتھ نے اسی حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی ایک نظم میں بچہ کو انسان کا باپ قرار دیا وہ کہتا ہے۔ THE CHAILD is THE BATHER OF MAN. اسی طرح ابتدائی تعلیم، اعلیٰ تعلیم کیلئے ایک مضبوط بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر ماہرین تعلیم نے اس پر خصوصی توجہ دینے کی ہدایت کی ہے زیر تربیت معلمین کو بچہ کی نفسیات سے آگاہ کیا جاتا ہے، بچوں کی تعلیم وتربیت کے لئے مخصوص طریقے سکھائے جاتے ہیں جیسے فروبل میتھڈ، مانٹی سوری سسٹم، پروجیکٹ میتھڈ وغیرہ۔ ان کے لئے ماحول ایسا پیدا کیا جاتا ہے جو ان کو تعلیم کی طرف راغب کرے، گھر اور مدرسہ کے ماحول میں یکسانیت پیدا کی جاتی ہے۔ کھیل کے ذریعے تعلیم وتربیت کا انتظام کیا جاتا ہے۔ پھر تعلیم کو فطری بنانے کے لئے نہ صرف یہ کہ بچہ کی ذہنی صلاحیتوں کو جاگزیں کیا جاتا ہے بلکہ اس کی جسمانی، روحانی اور اخلاقی قوتوں کو بھی ابھارا جاتا ہے، غرض کوئی گوشہ ایسا نہیں رہنے دیا جاتا جس کی وجہ سے بچہ کی کوئی صلاحیت پروان چڑھنے سے رہ جائے۔

یہ تو وہ باتیں ہیں جو ٹرینگ کالجوں میں زیر تربیت معلم کو کام میں لانے کے لئے بتائی جاتی ہیں۔ لیکن عملاً جن چیزوں سے اس کا سابقہ پڑتا ہے وہ ان سب کی نفی کرتی ہیں۔

جب وہ مدرسہ میں پہونچتا ہے تو اسے ان گنت بچوں کی ایک جماعت سپرد کردی جاتی ہے جن کو وہ ایک ڈنڈا ہاتھ میں لئے بھیڑوں کے گلہ کی طرح ہانکتا رہتا ہے۔ نہ بچوں کی تعداد اتنی تھوڑی ہوتی ہے کہ وہ انفرادی طور سے ہر بچہ پر توجہ کرسکے اور نہ ماحول ایسا ہوتا ہے جس میں وہ ان طریقوں کو برت سکے جو دوران تربیت اسے بتائے جاتے ہیں وہ سامان بھی اسے میسر نہیں ہوتا ہے جو صحیح اور موثر تعلیم کے لئے ضروری ہے۔

ابتدائی تعلیم کی جانب سے ایسی بے توجہی دیکھ کر یہ خیال ہوتا ہے کہ ارباب حل و عقد اس منزل کی چھوٹی جماعتوں اور معمولی نصاب دیکھ کر اس کو در خور اعتنا نہیں سمجھتے اور صرف ایک سلسلہ قائم رکھنے کے لئے یہ درجے بھی درسگاہوں میں شامل کر لیے جاتے ہیں۔

غالباً وہ سمجھتے ہیں کہ ان جماعتوں میں تو ہر مضمون کی صرف ابجد سے بچہ کو روشناس کرایا جاتا ہے۔ لہذا اس پر روپیہ، وقت اور توانائی صرف کرنا بے کار۔

وہ یہ نہیں خیال کرتے کہ یہی ابجد تو وہ بنیاد ہے جس پر تعلیم کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ اس ابجد کو نظرانداز کرنے کے بعد آئندہ تعلیم کی بنیاد کس چیز کو بنایا جائے گا۔

اس معاملے کا دوسرا پہلو سامنے رکھا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ تمام تعلیم کی بنیاد ہونے کی وجہ سے یہ ابجد ہی سب سے زیادہ توجہ کی مستحق ہے اس لئے کہ یہ بنیاد جتنی مستحکم ہوگی اتنی ہی زیادہ تعلیم و تربیت موثر ہوگی۔

ابتدائی تعلیم کی زبوں حالی اس کے ہر شعبہ میں دکھائی دیتا ہے۔ جس جگہ بچہ کو تعلیم دیتے ہیں اس کی حیثیت قید خانہ سے کم نہیں ہوتی۔ اس لئے بچہ اس سے جلد سے جلد رہائی پانے کا خواہش مند ہوتا ہے بچوں کی تعداد جماعت میں اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ استاد کو ہر بچہ سے انفرادی طور پر ملنے کی بات کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ نہ وہ بچہ کی افتاد طبیعت اور دلچسپیوں سے واقف ہو سکتا ہے۔ اور نہ اس پر انفرادی طور سے توجہ دے سکتا ہے۔

اس کی پوری توجہ اس چیز پر رہتی ہے۔ کہ جس طرح بھی ممکن ہو بچوں کو شور و ہنگامہ کرنے سے باز رکھے اور یہ معاملہ بغیر ڈرا اور خوف دلائے طے نہیں کیا جا سکتا۔ لہذا اس کو سزا کا طریقہ اختیار کرنا پڑتا ہے جو بچوں کے لئے کئی اعتبار سے مہلک ہے۔

اول تو بچوں کے دلوں میں تعلیم کا شوق پیدا ہونے کی جگہ سزا کا خوف گھر کر لیتا ہے۔ بچہ استاد کو اپنا دوست اور ہمدرد سمجھنے کی بجائے اس کو دشمن اور بدخواہ سمجھ لیتا ہے۔ تعلیم سے اس کے دل میں ایک گونہ بے دلی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اسے اپنے لئے بوجھ سمجھنے لگتا ہے۔

(بشکریہ آموزگار جلگاؤں) (جاری)

اسلام کا نظام عفت و عصمت

شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی گوجرانوالہ

وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِيْنَةٍ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ سورۃ نور آیت ۵۹ تا ۶۰

اور جب پہنچیں لڑکے تم میں کے عقل کی حد کو تو ان کو ویسی ہی اجازت لینی چاہیے جیسے لیتے رہے ہیں ان سے اگلے۔ یوں کھول کر سناتا ہے تم کو اللہ اپنی باتیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اور جو بیٹھ رہی ہیں گھروں میں تمہاری عورتوں میں سے جن کو توقع نہیں رہی نکاح کی ان پر گناہ نہیں کہ اتار رکھیں اپنے کپڑے یہ نہیں کہ دکھاتی پھریں اپنا سنگار اور اس سے بھی بچیں تو بہتر ہے ان کے لیے اور اللہ سب باتیں سنتا جانتا ہے۔

سورۃ نور میں ضمنی طور پر بے شمار مسائل کا ذکر ہے لیکن سورۃ کے اول، آخر اور درمیان میں خاص طور پر ان مسائل کا ذکر کیا گیا ہے جو ایک صالح معاشرے کی تشکیل کے لیے ضروری ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک خاص پیرائے میں اسلامی نظام زندگی کے مکمل ڈھانچے کا ذکر فرمایا ہے ایک فرد کا دوسرے فرد سے تعلق و معاملہ، ایک کنبہ و قبیلہ کا دوسرے کنبہ و قبیلہ سے اختلاط اور میل ملاپ اور مختلف قوموں کا آپس میں کس طرح تعلق ہونا چاہیے ان تینوں صورتوں کے متعلق واضح طور پر رہنمائی کی ہے۔ غلام، خادم، بچے، جوان، بوڑھے، مرد اور عورت سب معاشرے کے جزو ہیں ان کے آپس میں تعلقات کی کیا نوعیت ہو اس کا ذکر بھی تفصیل سے

سے اس سورۃ میں کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے افراد سے کنبہ اور کنبے سے اقوام تک سب کے تعلقات کے بارے میں تمام ہدایات دی ہیں۔ اور دس سال کی قلیل مدت میں ایک مکمل اسلامی معاشرہ انہی خطوط پر تشکیل دے کر دنیا پر اس کی حقانیت کو پوری طرح واضح کر دیا۔

تربیت اطفال

وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ .... یہ آیت سورۂ نور کے آخری حصہ کی آیت ہے۔ اس سے قبل جو آیت ہے اس میں بچوں اور غلاموں کے لیے تین اوقات میں گھروں میں اجازت سے داخل ہونے کا ذکر ہے اس آیت میں یہ ذکر کیا ہے کہ جب یہ بچے جن کو ان تین اوقات کے علاوہ دوسرے اوقات میں گھروں میں آنے پر کوئی پابندی نہیں ہے جوان ہو جائیں تو یہ اجازت کے بغیر کسی وقت بھی گھروں میں داخل نہ ہوں۔ بلوغت سے قبل بچہ بے خبر ہوتا ہے جنسی تعلقات سے بے خبر ہوتا ہے اس لیے بچوں کو گھروں میں بے روک ٹوک آنے کی اجازت ہے۔ بچوں کی تربیت اچھے طریقے سے کرنی چاہیے نہ تو ہر وقت مار پیٹ اور ڈانٹ ڈپٹ ہی مناسب ہے اور نہ ہی بالکل کھلا چھوڑ دینا چاہیے۔ حضرت انسؓ ۱۰ سال کی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور وفات تک جب کہ ان کی عمر بیس سال ہو چکی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے رہے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اس دس سال کی مدت میں " مَاضَرَبَنِیْ وَلَا نَهَرَنِیْ " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو کبھی مجھے مارا نہ ہی جھڑکا۔ اوسط طریقے کی تربیت فرماتے تھے۔ بہرحال یہ تو ایک ضمنی سی بات تھی بچوں کے گھروں میں آنے پر کوئی پابندی نہیں ہے غلاموں پر کھلی چھٹی ہے۔ واضح رہے کہ غلام اور خادم کا ایک حکم نہیں۔ غلام یا تو خریدا جاتا ہے یا جنگ میں حصے کے طور پر آتا ہے اس لیے جب تک اس کو فروخت نہ کیا جائے یا آزاد نہ کر دیا جائے اس کا مالک سے خدمت کا تعلق ختم نہیں ہوتا اس کے مقابلے میں ایک خادم کے ساتھ وقتی معاہدہ ہوتا ہے معاہدہ ختم ہوا تو خدمت کا تعلق بھی ختم اس لیے خادم کا حکم بھی دوسرے عام لوگوں جیسا ہے صرف بچوں اور غلاموں کو ہی بلا روک ٹوک گھروں میں آنے کی اجازت دی ہے ان پر بھی نماز فجر سے

قبل، ظہر کے وقت اور عشاء کے بعد گھروں میں داخلہ کے لیے اجازت طلب کرنے کی پابندی عائد کی ہے۔ یہ پابندی اور عام لوگوں کے لیے استیذان کی پابندی ایک صالح اور محمود معاشرہ کے لیے انتہائی اہم اور ضروری امر ہے۔

پھر جب یہ بچے بالغ ہو جائیں یعنی جنسی تعلقات کا شعور ہو جائے۔ شادی اور اس کے متعلقات کو سمجھ جائیں تو ان کا حکم بھی دوسرے بالغوں کی طرح ہوگا۔ یعنی ان کا بغیر اجازت داخلہ بند ہو جائے گا۔ اب ان کے لئے بھی ضروری ہے کہ گھروں میں آنے کے لیے اجازت طلب کیا کریں۔

كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِيْنَ .... جیسا کہ تم سے پہلے دوسرے بالغ افراد اجازت لیا کرتے تھے۔ بعض ائمہ نے اس آیت پر نسخ کا حکم لگایا ہے۔ لیکن جیسا کہ اس سے قبل وضاحت ہو چکی ہے کہ یہ درست نہیں ہے بغیر اجازت کسی بالغ کو بھی رہائشی مکان میں داخل نہیں ہونا چاہیے بلکہ دروازوں کے سوراخوں سے تاکنا جھانکنا بھی سخت ممنوع ہے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ ہے کہ آپ نے دوشاخہ لکڑی سے جس سے آپ بدن کو کھجاتے تھے اس طرح جھانکنے والے کو ماری تھی اور فرمایا تھا کہ اس طرح اس آدمی کا اگر کوئی نقصان ہو جاتا تو کوئی قصاص نہ دیا جاتا۔

وَالْقَوَاعِدُ .... جو عورتیں گھریلو زندگی سے دست بردار ہو چکی ہیں "قواعد" اس کو کہتے ہیں جو کاروبار سے رہ جائے۔ اور بیٹھ جاوے۔ وہ عورتیں کہ ان کی خواہشات نفسانی مر چکی ہوں۔ مردوں کے لیے ان کو کوئی جاذبیت نہ رہی ہو۔ اولاد پیدا کرنے کی عمر ختم ہو چکی ہو۔ ایام حیض ختم ہو گئے ہوں۔

یہ عورتیں اگر گھروں میں اپنی اوپر کی چادریں اتار کر رکھ دیں تو ان پر گناہ نہیں ہے۔

تین ادوار

انسان کی زندگی کے تین مراحل ہوتے ہیں۔ بچپن، جوانی، بڑھاپا۔ ہر ایک بچہ اپنے اندر ایک خاص جاذبیت رکھتا ہے جس کا محرک کوئی جنسی جذبہ نہیں ہوتا بلکہ ایک جذبۂ رحم ہوتا ہے۔ بچہ کسی رنگ اور شکل و صورت کا ہو ہر آدمی کا اس سے تعلق خاطر ہوتا ہے اور بچے کے معاملے میں سختی سے عام طور پر ہر آدمی پرہیز کرتا ہے۔

دراصل بچپن خود دعوت رحم ہے اور ہر آدمی کا رویہ نرم ہی ہوتا ہے۔ یہ ایک فطری تقاضا ہے اسلام نے بھی اس کی پوری حوصلہ افزائی کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچوں سے بڑا پیار تھا۔ جب بھی نیا پھل آتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود چکھنے سے قبل بچوں کو دے دیتے تھے آپ بچوں کو مارنا جھڑکنا پسند نہیں کرتے تھے۔

عمر کا دوسرا حصہ جوانی ہے جوانی کے اندر بھی جاذبیت ہے لیکن یہ بچپن سے مختلف ہے خون کا جوش اور گرمی جاذبیت کے لیے ایک دعوت ہوتی ہے رنگ اور شکل و وضع چاہے معیاری نہ ہو پھر بھی چال ڈھال میں جاذبیت ہوتی ہے اس عمر میں جنسی تعلق کے لیے خاص جاذبیت ہوتی ہے اسی لیے ہی جوانی کی عمر کو نکاح کی عمر کہا جاتا ہے۔ حَتّٰی اِذَا بَلَغُوا النِّکَاحَ یعنی اس عمر میں نکاح کیا جاوے کہ دونوں فریق نکاح کی غرض و غایت کو سمجھتے ہوں۔ واضح رہے کہ بچپن کا نکاح اسلام نے حرام نہیں قرار دیا بعض واقعی ضرورتوں کی وجہ سے اس کو جائز قرار دیا ہے لیکن پسندیدہ نہیں ہے نکاح کا اصل وقت جوانی ہے لِیَسْکُنُوْا اِلَیْھَا........ بچپن سے اس کیفیت تسکین کا کوئی تعلق نہیں ہے اس کا تعلق تو جوانی سے ہی ہے۔

خوش رنگ و خوش شکل نسلوں اور قوموں میں ہی جاذبیت نہیں ہوتی ہے بلکہ افریقہ کے سیاہ فام جوان جوڑوں کے درمیان بھی (جَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً) ہوتی ہے۔

جوانی کی عمر پر ہی زیادہ جنسی پابندیاں لگائی گئی ہیں کیونکہ برائیاں زیادہ اسی حصۂ عمر میں ہوتی ہیں۔ بچپن اس سے خالی اور بڑھاپا از کار رفتہ ہوتا ہے تمام جنسی جرائم اسی عمر میں سرزد ہوتے ہیں اس لیے جنسی، اخلاقی اور عائلی پابندیاں بھی تمام کی تمام اسی عمر پر ہیں۔ ۱۵، ۱۶ سال کی عمر سے ۴۵، ۵۰ سال کی عمر کا حصہ ایک ہنگامہ خیز دور ہوتا ہے جوانی کی جاذبیت سیاہ رنگت سے کم نہیں ہو جاتی۔ اس لیے ساری دنیا کے لیے یہ پابندیاں یکساں ہیں حبشہ تک کے لیے یہی پابندیاں ہیں ان کا بھی اپنا ایک معیار خوبصورتی ہے جو خود ان کے لیے حشر بداماں ہی ہوتا ہے۔

بلوغت

اِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ عورت نظرتاً نیک ہوتی ہے مرد کے مقابلہ میں عورت میں بدی کا جذبہ کم ہوتا ہے اس لیے یہاں اطفال (مذکر) بچوں کا ذکر کیا۔ اس زمانہ میں بھی نظر کا پھیلاؤ اور ذہنی پراگندگی مردوں میں زیادہ ہے عورت اب بھی از سرتا پا حیاء ہے یہ عورت کی فطرت ہے اور یہ تمام پابندیاں اسی فطرت کو کامل کرنے کے لیے ہیں۔

بعض عمر رسیدہ بھی بدکار ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں لیکن ان کا تناسب بہت کم ہوتا ہے کیونکہ زیادہ عمر کے آدمی میں شہوانی جذبات کم ہو جاتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بدکاری سب کے لیے جرم ہے جوان اور بوڑھے دونوں کے لیے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ قیامت کے دن جن لوگوں کو سایۂ رحمت نصیب نہیں ہوگا۔ ان میں بوڑھا زانی بھی شامل ہے۔ گویا بوڑھا زانی جوان سے زیادہ مجرم ہے کہ اس عمر میں زنا کے محرکات کم ہوتے ہیں اسی طرح بوڑھی عورتوں کا معاملہ ہے ان پر پردہ کی پابندیاں نہیں ہیں جو کہ مستورات کے لیے ہیں اس امر کو یہاں واضح کیا ہے وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا ۔۔۔۔ یعنی وہ عورتیں جو بوڑھی ہو چکی ہوں حیض بند ہو چکا ہے چہرے کی جاذبیت ختم ہو گئی گھر کا انتظام اگرچہ ان کے ہی ہاتھ میں ہے لیکن اس کے پیچھے کوئی جنسی جذبہ نہیں ہے۔ بچوں کی پیدائش ختم ہو چکی ہے عمر کے اس حصہ میں پہنچ چکی ہیں جس کا ذکر حضرت زکریا علیہ السلام نے ان الفاظ میں کیا تھا۔

رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا وَّلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِیًّا

اے پروردگار ہڈیاں گھل گئی ہیں سر بڑھاپے سے بھڑک اٹھا ہے ۔۔۔۔۔۔ یعنی میری خواہشات تو ختم ہو چکی ہیں اب اولاد صرف تیرے کرم سے ہی ملے گی۔

عورت کی عفت

لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا یعنی جب عمر کے اس حصہ میں پہنچ جاویں تو اس وقت ان پر گھر میں پردہ کی وہ پابندیاں نہیں ہیں جو کہ جوانی کے عالم میں تھیں۔

فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ یہ عورتیں اگر چادریں نہ لیں تو کوئی حرج نہیں ہے یعنی یہ عورتیں یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ سے مستثنیٰ ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی ایک شرط عائد کر دی غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِیْنَةٍ کہ وہ زینت کی نمائش کرنے والی نہ ہوں اس حصہ عمر میں بھی اگر وہ بناؤ سنگار کرتی ہیں تو ضروری ہے کہ چادر نہ اتاریں اس زینت کو نمایاں اور ظاہر نہ کریں۔

وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ "اور اگر وہ بچیں تو ان کے لیے بہتر ہے" یعنی اگر عمر رسیدہ ہونے کے باوجود پورا پردہ کرتی رہیں اور چادر تک نہ اتاریں جس کے متعلق کہ اوپر اجازت کا ذکر گذر چکا ہے تو یہ اور بھی بہتر ہے۔ یہ دراصل عزیمت کی راہ ہے۔ کوئی خطرہ نہیں ہے لیکن اس کے باوجود ایسا کریں تو بہتر ہے۔ یہ اخلاقی پابندی ہے۔

ایسا کیوں ہے؟ اس کا مقصد یہ ہے کہ گھر ہر بچے کے لیے پہلا مدرسہ ہے اور ماں پہلا استاد۔ بچہ وہی کچھ کرے گا اور سیکھے گا جو کہ اس گھر میں ہوگا۔ اور اس کی ماں کرے گی بچوں پر ماں کی تربیت اور اس کے اخلاق کے اثرات زیادہ ہوتے ہیں۔ ہر گھر کے اندر ہی ایک کچہری ہے جہاں مقدمات پیش ہوتے ہیں اور سزائیں نافذ ہوتی ہیں اور ہر ماں اس کی ذمہ دار افسر ہے جب بچے اپنی ماں کو ہر طرح حیادار پائیں گے تو وہ بھی یقیناً ایسے ہی بن جاویں گے۔ لیکن جب وہ دیکھیں گے کہ بڑی بوڑھی ہی سر کھولے بیٹھی ہے تو اس کا اثر ان پر بھی ایسا ہی ہوگا۔ اور پردہ کی اہمیت ان کے ذھن میں سے ختم ہو جائے گی۔ جب ایک بیٹی دیکھے گی کہ اماں جی سر کھولے دروازے میں براجمان ہیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ پردہ کی حدود کا ہر طرح خیال رکھے اس لیے بہتر ہے کہ زیادہ عمر کی عورتیں بھی گھروں کے اندر بھی جوانی کی عمر کا سا پردہ کا اہتمام رکھیں۔

ان پابندیوں کے باوجود برائی ہو سکتی ہے اس کے امکان کو ختم نہیں کیا جا سکتا اب کوئی یہ کہے کہ پھر ان پابندیوں کا فائدہ؟ دراصل برائی اور نیکی کا معاملہ ہر آدمی کے ضمیر سے تعلق رکھتا ہے۔ مکانوں اور دکانوں کو تالے لگائے جاتے ہیں اس کے باوجود چوریاں ہو جاتی ہیں تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ تالے لگانے چھوڑ دیئے جائیں۔ ایک آدمی مکان

کا تالا لگاتا ہے تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ اپنے پڑوسیوں پر بدگمانی کر رہا ہے۔ اسی طرح یہ کہنا کہ اسلام کو عورتوں پر اعتبار نہیں ہے کہ اس نے ایسی پابندیاں عائد کی ہیں بالکل ایسا ہی کہ اپنی دکان کو تالا لگانے پر کوئی پڑوسی چیخ اٹھے کہ تم میرے متعلق سوءِ ظن کا اظہار کر رہے ہو اور یہ تالا اس کا مظہر ہے پردہ عورتوں پر بدگمانی کا مظہر نہیں ہے بلکہ یہ بعینہٖ تالے کی طرح ہے جو کہ چوروں کی حفاظت کے لیے لگایا جاتا ہے تالے اور پہرہ دار کے باوجود چوریاں ہوتی ہیں اور ہوں گی اسی طرح ان تمام پابندیوں کے باوجود بدکاری ہو سکتی ہے یہ سب حفظ ماتقدم ہے بچاؤ ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں رجم اور زنا کے واقعات ملتے ہیں۔

بادشاہوں اور ان کی اولاد کو تربیت اور اخلاقی حفاظت کے بہتر مواقع ملتے ہیں لیکن اس کے باوجود بادشاہوں میں زانی بھی ہوئے قمار باز بھی ہوئے اس صورت حال کے متعلق فرمایا:

وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝ اور اللہ سب سنتا اور جانتا ہے۔ یعنی دروازوں پر پردے لگانے کے باوجود اندر برائی ہے تو اس کا علم ہے۔ نمازیں پڑھنے کے باوجود تم گناہ سے آلودہ ہو تو یہ اس کے علم سے باہر نہیں ہے وہ سنتا بھی ہے اور جانتا بھی ہے چھپی برائی اس کے لیے بالکل ظاہر ہے۔

تنقید و تبصرہ

محمد اسلام عمری۔ ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی۔ علیگڑھ۔

نام رسالہ:۔ آیات، سہ ماہی اشاعتی، مدیر، ڈاکٹر محمد ریاض کرمانی معاون مدیر ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی، صفحات ۱۶۰، آفسیٹ کی کتابت و طباعت، تقطیع کلاں سالانہ زرتعاون ۱۰۰ روپیہ فی شمارہ ۲۵/ روپیہ۔ ملنے کا پتہ:۔ مرکز الدراسات العلمیہ مزمل منزل کمپلکس، دودھ پور علی گڑھ۔

موجودہ دور کو فخریہ طور سے علم کے دھماکے کا دور کہا جاتا ہے۔ سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی آسمان سے باتیں کرتی نظر آرہی ہے۔ اس کے باوجود انسان اس کائنات اور اس کی اشیاء سے کماحقہ استفادہ کے بجائے اس کی تخریبی کاروائی میں سعی لاحاصل اور ناکام کوششوں میں مصروف ہے۔

سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی کو صحیح رخ دینے کی ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی ہے۔ کائنات کے توازن کو پوری طرح برقرار رکھتے ہوئے اس سے اس طرح استفادہ کیا جائے کہ دوسروں کے لئے فضا سازگار اور صالح معاشرہ کی راہ ہموار ہو سکے۔ ان اہم علوم و فنون کا اسلامی نقطہ نظر سے جائزہ لے کر صحیح خطوط کی طرف رہنمائی سے ان مقاصد کی تکمیل ممکن ہو سکے گی۔

ڈاکٹر محمد ذکی کرمانی اور ان کے رفقاء اس حیثیت سے مبارکباد کے مستحق ہیں کہ وہ جدید سائنس کو اسلامی رخ دینے کی کوشش میں اپنی علمی و فکری صلاحیتوں کو لے کر اس نیک کام میں لگے ہوئے ہیں اور مرکز الدراسات العلمیہ کے تحت یہ مجلہ اردو زبان میں نہایت پابندی کے ساتھ گزشتہ ایک سال سے کتابت و طباعت کے اعلیٰ معیار پر شائع کر رہے ہیں۔ یہ مجلہ زیادہ اسلام اور سائنس سے متعلق تحقیقی مضامین و مقالات پر مشتمل ہوتا ہے اس وقت ہمارے سامنے جلد دوم (جنوری۔ اپریل ۱۹۹۱ء) کا شمارہ ہے۔ اس کے ان عناوین "سائنس اور ٹکنالوجی کا اسلامی نظریہ ٹکنالوجی اور اسلام، اسلامی سائنس و ٹکنالوجی کی تنظیم نو، سائنس اور اقدار، طب اسلامی اور جدید سائنس تطہیر ماحول اور اسلاف کے معمولات، فلکیاتی جغرافیہ اور ریاضی میں الخوارزمی کی خدمات، ابن رشد

کا دفاع فلسفہ " اور جدید ریاضی میں مسلمانوں کا حصہ " سے رسالہ کی خصوصیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مدیر کے قلم سے اداریہ نہایت ہی فکر انگیز اور معلومات سے پُر ہوتا ہے اس شمارہ کے اداریہ میں اسلامی سائنس اور مغربی سائنس کے تقابلی مطالعہ پر زور دیا گیا ہے۔ اداریہ کے علاوہ اس شمارے کے تمام مضامین مختلف حیثیت سے نہ صرف یہ کہ نہایت جامع ہیں بلکہ معلومات سے لبریز بھی ہیں۔ ڈاکٹر محمد ذکی کرمانی نے اپنے مقالہ میں بہت عمدہ اسلوب بیان میں اسلامی سائنس و ٹکنالوجی کی تنظیم نو پر روشنی ڈالی ہے تنظیم نو کی راہ میں حائل مشکلات اور اس کے ردعمل کے طور پر پیدا ہونے والے امکانات کا بھی بڑی باریک بینی سے جائزہ لینے کی کوشش کی ہے۔ مذہب اور سائنس کے درمیان ٹکراؤ کا تصور کس قدر قدیم ہے۔ اس شبہ کے ازالہ کی ضرورت تھی، اس قضیہ پر ایک مضمون شامل اشاعت ہے۔ سائنس کی تعلیم میں موجودہ اقدار کے علاوہ اسلامی اقدار پر بحث کے لئے ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف کا مقالہ ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ اس مقالہ کے ذریعہ انہوں نے سائنس کی تعلیم میں اسلامی اقدار و عناصر پر زور نہایت جامع استدلال کی روشنی میں دیا ہے۔ مسلمانوں میں سے بہت سے اہل علم نے ماضی میں علوم و فنون کے مختلف میدانوں میں مختلف نوعیت کی بہت سی خدمات انجام دی ہیں۔ موجودہ دور میں بھی ان کے کاموں کی معنویت باقی ہے۔ بلکہ جدید علوم و فنون کے سمجھنے کے لئے اسلاف کے ان کارناموں سے مکمل واقفیت بہت ضروری ہے۔ مجلہ آیات کے زیر تبصرہ شمارہ میں اس نوعیت کے بھی مضامین شامل ہیں۔ صلاح الدین خالدی نے فلکیاتی جغرافیہ اور ریاضی میں الخوارزمی کی خدمات کا بغور جائزہ لیا ہے اور بتایا ہے کہ الخوارزمی نے نہ صرف یہ کہ فن جغرافیہ میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں بلکہ الجبرا کی ایجاد کا سہرا اسی کے سر بندھتا ہے۔ اسی طرح ایک اور مقالہ "ابن رشد کا دفاع فلسفہ" بھی اہمیت کا حامل ہے۔ ابن رشد کی شہرت فلسفی کی حیثیت سے ہی ہے۔ انہوں نے عظیم متکلم اسلام امام غزالی کے اس خیال "فلسفہ کا نظریہ قرآنی تعلیمات کے خلاف ہے" کی تردید کرتے ہوئے بتایا ہے کہ فلسفہ اور مذہب کے درمیان درحقیقت کوئی تعارض نہیں ہے۔ علوم و فنون کی ایجاد و ترقی میں ہندوستانی علماء و دانشوروں کی بھی ناقابل فراموش خدمات ہیں۔ جدید ریاضی میں مسلمانوں کا حصہ، یہ مقالہ اسی کی وضاحت میں ہے۔

رسالہ کے موضوع کی نزاکت اپنی جگہ مسلم ہے۔ اگرچہ اس فن کی اصطلاحیں ابھی اردو زبان میں مروج نہیں ہوسکی ہیں۔ اسی لئے بعض اوقات بات کے سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے۔ اس شمارہ میں ایک کے علاوہ دیگر تمام مضامین دوسری زبانوں سے اردو میں منتقل کئے گئے ہیں رسالہ کا ایک کمزور پہلو ہے کہ ابھی تک وہ ایسے اہل قلم کے تعاون سے محروم ہے جو طبع زاد مضامین براہ راست اردو میں لکھ سکتے ہوں۔ مقالات کے آخر میں ترجمہ کا نام دیا جاتا ہے۔ اس روبہ میں تھوڑی سی تبدیلی کی ضرورت یہ ہے کہ اس میں اس بات کی بھی صراحت ہونی چاہیئے کہ مقالہ کس زبان کا ہے اور کہاں سے ماخوذ ہے۔ تاکہ قاری کے حسب ذوق اصل ماخذ تک بوقت ضرورت رسائی ممکن ہوسکے۔ مقالات کے اردو ترجمہ ہونے کی وجہ سے کہیں کہیں عبارت میں جھول رہ جاتا ہے اور تحریر کے گنجلک ہونے کی وجہ سے مدعا بخوبی واضح نہیں ہو پاتا۔ اگرچہ ایسا بہت کم ہوتا ہے

اسلام اور سائنس معاصر مسائل میں رسالہ کا ایک اہم کالم ہے۔ اس میں ان مضامین و مقالات کا مختصر تعارف شائع کیا جاتا ہے جو دیگر رسالوں میں شائع ہوتے ہیں۔ یہ کالم جیسا کچھ ہے، اس میں معمولی توسیع کی ضرورت ہے۔ اس کالم میں ابھی تک تو صرف اردو زبان میں لکھے گئے ہندو پاک کے رسالوں میں شائع شدہ مقالات کا خلاصہ ہوتا ہے۔ اس میں اس لحاظ سے وسعت دی جائے کہ عربی، اردو اور انگریزی زبان کے مضامین اور دیگر ممالک کے رسالوں میں شائع شدہ مقالات کا خلاصہ شامل کر لیا جائے تو اس کالم کی اہمیت اور معنویت مزید بڑھ سکتی ہے۔ ہر مقالہ کے شروع میں اس کا خلاصہ ہوتا ہے جس کو اختصاریہ کا نام دیا گیا ہے۔ رسالہ کے آخر میں تعارف و تبصرہ ہوتا ہے۔ اس میں زیادہ تر اسلامی سائنس سے متعلق کتابوں پر تبصرے شائع ہوتے ہیں اور رسالہ کے آغاز میں قلمی معاونین کا تعارف ہوتا ہے۔

ان اشارات سے قطع نظر رسالہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے منفرد اور اس کا ہر شمارہ ایک دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سے منسلک ان تمام احباب کی کوششوں اور کاوشوں کی قدر کرتے ہوئے اہل علم و قلم کو ہر ممکن تعاون کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔

مسلم پرسنل لا بورڈ

تعارف:۔ ہندوستان پر انگریزی حکومت نے اقتدار حاصل کرنے کے بعد یہاں اپنے وضع کردہ دیوانی اور فوجداری قوانین نافذ کئے اور شخصی و عائلی زندگی سے متعلق اسلامی قوانین کا نفاذ عام عدالتوں کے سپرد کر دیا۔ انفرادی زندگی کے ان قوانین کو "مسلم پرسنل لا" کا نام دیا گیا جس کا دائرہ صرف نکاح، طلاق، خلع، فسخ، مہر وراثت اور اوقاف تک محدود کر دیا گیا۔ باقی تمام قوانینِ اسلامی منسوخ کر دیئے گئے۔ آزادی کے بعد بنائے گئے دستور کی دفعات ۲۹ اور ۳۰ کے ذریعہ ملک کے تمام باشندوں کو مذہبی آزادی دی گئی لیکن ساتھ ہی دفعہ ۴۴ کے ذریعہ حکومت کو یکساں یا یونیفارم سول کوڈ کی تشکیل کا اختیار دیا جو مسلمان کے لئے ایک مستقل خطرہ بن گیا اور اس کا سہارا لے کر سرکاری ملازمین پر ایک سے زیادہ شادی کی پابندی اور "خصوصی شادی ایکٹ" کے تحت مذہب کی قید ہٹا کر عورت کو شوہر کی جائیداد میں نصف کا حقدار قرار دیا گیا۔ ۱۹۷۲ء میں جب متبنیٰ بل آیا تو مسلمانوں کی طرف سے اس کی شدید مخالفت کی گئی اور اس طرح مسلمان اس بل سے مستثنیٰ قرار دیئے گئے۔ ۲۷، ۲۸ دسمبر ۱۹۷۲ء کو بمبئی کے شاندار تاریخی اجلاس میں مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کے ذریعہ تحفظ شریعت اسلامیہ کا فیصلہ عمل میں آیا۔ بعد ازاں ۱۹۷۳ء کے حیدرآباد اجلاس میں باضابطہ مسلم پرسنل لا بورڈ قائم ہوا۔

اغراض و مقاصد:۔ مسلم پرسنل لا قانون شرعیہ کا ایک اہم جزو ہے۔ صرف یہی جزو ملکی قوانین کی دست برد سے محفوظ رہ گیا ہے۔ اور اس پر بھی مختلف ذرائع سے ہاتھ صاف کرنے کی سازشیں چل رہی ہیں۔ قانون شریعت کا تحفظ اور مسلمانوں کی زندگی میں اس کا نفاذ ہی مسلم پرسنل لا بورڈ کا نقطہ نظر ہے۔ علماء مجتہدین اور ہر دور کے علماء اپنے وقت کی نزاکتوں اور اصول شرعیہ کو سامنے رکھکر ہی اپنے عصری مسائل کو حل کرتے رہے ہیں۔ آج کے دور میں بھی بہت سے ایسے نئے مسائل

ہیں جن سے قدیم فقہاء کو دوچار ہونا نہیں پڑا۔ اس لئے بورڈ کا موقف یہ ہے کہ بدلے ہوئے حالات کے تحت مسائل میں مصالح و علم شرعی کی رعایت کو مدنظر رکھتے ہوئے نیز نصوص کی روح کو ملحوظ رکھتے ہوئے حکم کے استخراج کا حق صرف مسلمان علماء کو ہے جو قوانین کے ذریعہ کسی بھی تبدیلی یا مداخلت کو برداشت نہیں کر سکتے۔ ماضی میں کچھ گمراہ مسلمانوں نے یونیفارم سول کوڈ کی حمایت کی تھی۔ آج بھی کچھ لوگ نام نہاد ترقی پسندی کے نام پر اسکی حمایت کر رہے ہیں۔ بورڈ کا مقصد آنے والے دنوں میں عام مسلمانوں کو شریعت کے صحیح موقف سے واقف کرانا اور انہیں ذہنی طور پر تحفظِ شرع کے لئے تیار کرنا ہے۔ تاکہ وہ حالات کا مستعدی سے مقابلہ اور علماء کرام کے اقدامات کی تائید کر سکیں۔

میدانِ عمل میں:- ضابطہ فوجداری قانون کی دفعہ ۱۲۵ کے تحت لائے گئے متبنیٰ بل اور مشہور زمانہ شاہ بانو کیس نیز قانون ایکویزیشن میں مسلم وقف جائیدادوں کے شمول کے خلاف بورڈ کی تحریک نے جو نمایاں کامیابی حاصل کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ بورڈ نے جہاں مسلم پرسنل لا پر حملے کے خلاف آواز اٹھائی ہے وہاں معاشرہ کی اصلاحی تحریک کو پورے ملک میں عام کرنے پر زور دیا ہے۔ تاکہ مسلمان خود شرعی قوانین پر عمل کر سکیں۔ نیز اس مقصد کے تحت نکاح، طلاق، جہیز مہر اور وراثت کے مسائل پر بہت سے کتابچے بھی شائع کئے ہیں اور مختلف مقامات پر اجلاس منعقد کر کے تحریکِ اصلاحِ معاشرہ کو عام کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے اور تحفظ شریعت کے لئے ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو بلا اختلاف مذہبی روایات، مکاتب خیال اور فرقہ جات ایک پلیٹ فارم پر متحد کر دیا ہے۔ متبنیٰ بل سے مسلمانوں کو مستثنیٰ کرانے کے علاوہ لکھنؤ میں ایک مسجد کی زمین کو ایکوائر کیے جانے کا آرڈیننس واپس کرایا گیا۔ اور دفعہ ۱۲۵ (جو اسلامی قانون نفقہ میں مداخلت تھی) میں ترمیم کرنے پر حکومت کو مجبور کیا۔ شاہ بانو کیس کی تائید میں جب پورا قومی پریس متحد ہو گیا تھا اور سپریم کورٹ فیصلہ دے چکی تھی مسلم مطلقہ کے لئے شریعت کے مطابق حکومت کو علیحدہ قانون پاس کرنے پر مجبور کیا گیا۔

مسلم مطلقہ قانون کے خلاف سپریم کورٹ میں دائر مقدمہ کی پیروی بھی بورڈ ہی کر رہا ہے بابری مسجد کے مسئلہ پر قومی پریس میں مختلف بیانات نے ذہنی انتشار پیدا کر دیا تھا بورڈ کی مجلس

(بقیہ ص۴۲ پر)

جمعیت اہل حدیث میدان عمل میں

اصلاح عقیدہ اور عمل صالح کی دعوت کتاب وسنت کے آئینہ میں سلف صالحین کے نہج پر "دعوت اصلاح" کا علم لے کر ایک بار جمعیت اہل حدیث ہند میدان عمل میں سرگرم عمل ہوگئی ہے کشمیر سے لے کر کنیاکماری تک "اصلاح عقیدہ" اور اتباع سنت کی دعوت کا جال پورے ملک میں بچھادیا ہے اگر جنوبی ہند کے صوبوں کیرالہ، کرناٹک، تامل ناڈو، آندھرا کی صوبائی جمعیتوں نے دینی تبلیغی، تعلیمی اور تنظیمی سرگرمیاں تیز کردیں ہیں تو مشرقی ہند کے صوبوں بنگال، آسام، اڑیسہ وغیرہ کی صوبائی جمعیتیں بھی دعوت فکر وعمل کے میدان میں کود پڑی ہیں۔ بڑے بڑے اجتماعات کے ذریعہ تبلیغی اور تنظیمی سرگرمیوں کو تیز کر رہے ہیں۔

پورے ملک میں جہاں دعوت توحید اور "اصلاح عقیدہ" کی یہ سرگرمیاں زوروں پر ہیں وہیں جمعیت اہل حدیث جموں وکشمیر کی تنظیمی و دعوتی سرگرمیاں پورے ملک کے لئے قابل رشک ہیں جہاں زندگی کے روز مرہ کا معمول خطرناک موڑ اختیار کرچکا ہے اور زندگی کئی طرح کے خطرات سے گھری ہوئی ہے وہاں بھی تحریک اہلحدیث کے پاؤں نہیں تھکے جذبات مجروح ہوئے مگر حوصلے نہیں ٹوٹے، موت کو رقص کرتے دیکھا مگر زندگی سے مایوس نہیں ہوئے اس شوریدگی اور کشاکش کے ماحول میں بھی گزشتہ ۲۴ر نومبر کو جمعیت نے تنظیم کی تشکیل نو کی ایک سنجیدہ قیادت کے ذریعہ سیاست کی گندی سرگرمیوں سے الگ تھلگ رہ کر دین کی خدمت کا مثبت پروگرام مرتب کیا۔

۲۴ر نومبر کو مسلم پرسنل لا کے اتحادی پلیٹ فارم پر بھی جمعیت اہلحدیث اپنے تشخص کے ساتھ جمع ہوئی اور ان کو بھی اسلام کی اصل روح سمجھنے کی دعوت دی۔

جمعیت اہلحدیث جموں وکشمیر کا انتخاب نو

جمعیت اہل حدیث جموں کشمیر کا سہ سالہ انتخاب ۲۴ر نومبر ۱۹۸۶ء کو عمل میں آیا۔ پروفیسر محمد رمضان صاحب کو آئندہ تین سال کے لئے جمعیت کا صدر منتخب کیا گیا ہے۔

ادارہ مجلس الدعوۃ الاسلامیہ پروفیسر محمد رمضان اور جمعیت اہل حدیث جموں کشمیر کو مبارکباد اور نیک خواہشات پیش کرتا ہے اور اللہ سے اخلاص اور راستی کے لئے دعا کرتا ہے ——— نیک تمناؤں کے ساتھ۔ ارکان مجلس الدعوۃ الاسلامیہ

اہلحدیث کانفرنس

منطقہ جنوبی ہند

تاریخ ۲۱، ۲۲ جمادی الثانی ۱۴۱۲ھ ۲۸، ۲۹ دسمبر ۱۹۹۱ء

مقام سلفی نگر، کرشنا گری روڈ ہسور، تاملناڈو

آندھرا، کرناٹک، تاملناڈو، کیرالہ پر مشتمل مندرجہ بالا تاریخ کو دوروزہ جنوبی ہند اہلحدیث کانفرنس برائے دعوت واصلاح عقیدہ شہر بنگلور سے ۴۰ کلومیٹر دور بمقام ہسور منعقد ہوگی (انشاء اللہ) جس کے مرکزی عناوین۔ توحید خالص۔ اتباع سنت۔ تزکیۂ نفس۔ جہاد فی سبیل اللہ ہونگے نیز اعلاء کلمۃ الحق۔ باطل افکار و نظریات کے استیصال۔ غیر اسلامی رسوم ورواج کے خلاف آواز و اسوۂ رسول کے درس کو عام کرنے کی غرض سے یہ کانفرنس منعقد کی گئی ہے۔

اس مثالی کانفرنس میں ملک و بیرون ملک کے مایۂ ناز مشہور سلفی علماء کرام تشریف لائینگے تمام فرزندان توحید کو شرکت کی دعوت عام دیجاتی ہے۔ بکثیر تعداد میں شریک کانفرنس ہوکر ملی بیداری و جماعتی اتحاد کا ثبوت دیں۔

الداعین

(مولانا) رؤف احمد مفتاحی عمری مدراس صدر استقبالیہ۔ (مولانا) عبدالمتین صاحب میمن جوناگڑھی نائب صدر استقبالیہ۔ (مولانا) سید نعیم الرحمٰن صاحب حیدرآبادی۔ (مولانا) ٹی۔ کے محی الدین عمری کیرالا۔

پتہ برائے رابطہ

مسجد اہلحدیث۔ ایم جی روڈ۔ ہسور ضلع دھرمپوری تامل ناڈو ۶۳۵۱۰۹۔

علیمؔ ناصری

نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اے کلکِ ثنا سرورِ عالم کی رقم کر
اے قلبِ حزیں ذکرِ شہنشاہِ امم کر

اس طاہر و اطہر کے محاسن کے بیاں میں
پاکیزگیٔ فکر و تخیّل کو بہم کر

تسخیرِ دو عالم ہے محمدؐ کی اطاعت
مت شوقِ درآویزیٔ اسکندر و جم کر

مسلم ہے تو آقا جہاں روکیں وہیں رُک جا
ارشاد جو فرمائیں تو گردن وہیں خم کر

آقا نے بچایا ہے تجھے بَعْل و ہُبَل سے
اب قلب میں پیدا نہ کوئی تازہ صنم کر

پھر دیر و کلیسا سے اُٹھا نعرۂ ناقوس
ملّت کی حفاظت کے لئے فکرِ حرم کر

ہر حرف ہو تعلیمِ محمدؐ کا مرقع
اس طور یہاں پرورشِ لوح و قلم کر

تہذیبِ رسولِ عربی سب کے لئے ہے
عالم میں بلند امن و اخوّت کا عَلَم کر

مومن کو تو ہے اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ کا مژدہ
کچھ خوفِ جہاں کر نہ کوئی رنج و الم کر

توحید[1] ہے توحید رسالت ہے رسالت
رُتبے میں نہ توحید و رسالت کو بہم کر

دولت ہے علیمؔ اسوۂ آقائے زمن خود
غیروں سے نہ کچھ خواہشِ دینار و درم کر

---

[1] یہ شعر ایک بدعتی نعت گو شاعر کے جواب میں کہا گیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Madarsa Arabia
Qasimul-Uloom (Regd)
Vill Gularha, Post Badalpur
Distt Gonda U P (India)

المدرسۃ العربیۃ قاسم العلوم

ایک مخلصانہ اپیل

برادران اسلام! مدرسہ عربیہ قاسم العلوم گلرہا ضلع گونڈہ کی ایک مشہور و معروف تعلیمی و تربیتی اور اقامتی درسگاہ ہے، جہاں درجات پرائمری کے ساتھ ساتھ عربی ذرس نظامیہ جماعت خامسہ تک کی تعلیم کا معقول انتظام ہے۔

اور فی الحال تقریباً چار سو طلباء زیر تعلیم ہیں جس میں سے ۷۵ بیرونی طلباء اور اٹھارہ اساتذہ کرام کے قیام و طعام کا مدرسہ از خود کفیل ہے۔

علاوہ ازیں مدرسہ ہذا کی وہ زیر تعمیر مسجد جس کا سنگ بنیاد آج سے تین سال قبل ہی اکابرین علمائے جماعت کے مقدس ہاتھوں سے پڑا تھا۔ اس کے اخراجات اس پر مستزاد ہیں۔

مگر بحمد اللہ تعالیٰ تاہنوز اس کی دیواریں گیارہ فٹ کی بلندی تک پہونچ کر فدایان دین اسلام اور جاں نثاران محمدؐ کو دعوت نظارہ دینے کے ساتھ ہی ساتھ دوبارہ دست تعاون دراز کرنے پر بھی مجبور کر رہی ہیں۔

لہٰذا ہم جملہ مخیرین سے عموماً اور احباب جماعت سے خصوصاً پرزور اپیل کرتے ہیں کہ مدرسہ ہذا اور اس کی زیر تعمیر مسجد کے سلسلے میں دامے درمے قدمے سخنے ہر ممکن تعاون فرما کر عنداللہ ماجور و عندالناس مشکور ہوں۔

إن اللہ لا یضیع اجر المحسنین ● العارض۔ محمد عمر سلفی خادم مدرسہ ہذا

NO.42904/84.D (D.N.)29 DEC 1991 PH:3265935
MONTHLY NAWA-E-ISLAM DELHI
1164-A Chah Rahat, Jama Masjid, Delhi-110006 (INDIA)

"احادیثِ ہدایہ"

ہند و پاک کے شہرت یافتہ و نوجوان محقق و ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد پاکستان کے اہم رکن مولانا ارشاد الحق اثری کے قلم کا شاہکار مذکورہ کتاب میں مولانا نے مدلل واضح کیا ہے کہ حنفی حلقہ کی مایہ ناز کتاب "ھدایہ" میں ضعیف و موضوع روایات موجود ہیں۔ اس لئے کہ صاحب ھدایہ محدث نہیں تھے اور اس بات کی دلیل حنفی علماء کے اقوال ہی دی گئی ہے اور موصوف نے مجلہ بینات کے مقولات کا خوب جائزہ لیا ہے اور اس کے اعتراضات کا مسکت جواب دیا ہے۔ مذکورہ کتاب تحقیق کے میدان میں کام کرنے والوں کے لئے ایک نادر تحفہ ہے۔ نیز عوام الناس کے لئے بیحد مفید و معلوماتی ہے آپ جلد فرصت میں اس کتاب کو حاصل کریں۔ مکتبہ نوائے اسلام بڑے اہتمام کیساتھ اس کتاب کو چھاپ رہا ہے۔

قیمت دس روپے

"ماہ محرم اور موجودہ مسلمان"

ایڈیشن ساتواں

کتاب کے فاضل مصنف حافظ صلاح الدین یوسف مدیر "الاعتصام" ہند و پاک میں محتاجِ تعارف نہیں اور ان کی تصنیفات علمی حلقوں میں دادِ تحسین حاصل کر رہی ہیں۔ مذکورہ کتاب بھی مولانا کی تصنیف ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ محرم کے متعلق تمام من گھڑت روایات جھوٹی اور بے سروپا ہیں اور یوم عاشورہ غم و ماتم کے بجائے عبادت کا خاص تاریخی دن ہے اور شہادت حسین سے اس کا کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ قارئین اپنے آرڈر ارسال فرما کر جلد از جلد حاصل کریں۔ ادارہ

قیمت ساتھ روپے

مکتبہ نوائے اسلام ۱۱۶۴ اے چاہ رہٹ جامع مسجد دہلی